مساجد اور ان کے اوقاف

چند اہم مسائل



مجلس تحقیقات شرعیہ، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

مساجد اور ان کے اوقاف سے متعلق چند اہم مسائل

مجموعہ مقالات مجلس تحقیقات شرعیہ ۲۰۲۵ء

رحمت اللہ ندوی

استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

ناشر

مجلس تحقیقات شرعیہ، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

ندوہ روڈ، ڈالی گنج، لکھنؤ، یوپی، پن کوڈ: 226007

E-shariahacademynadwa@gmail.com

www.mtsnadwa.org

تفصیلات

نام کتاب	:	مساجد اور ان کے اوقاف سے متعلق چند اہم مسائل
نام مرتب	:	مولانا رحمت اللہ ندوی
صفحات	:	۴۲۸
سن اشاعت	:	اکتوبر ۲۰۲۶ء
قیمت	:	

ناشر

مجلس تحقیقات شرعیہ ندوۃ العلماء، لکھنؤ

ملنے کے پتے:

۱۔ مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، ندوۃ العلماء لکھنؤ

۲۔ مکتبہ ندویہ، احاطہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۳۔ مکتبہ احسان، نزد شباب مارکیٹ، ندوہ روڈ، لکھنؤ

فہرست

*	عناوین	صفحہ
۱	مقدمہ: مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی	۶
۲	پیش لفظ: مفتی عتیق احمد بستوی	۸
۳	عرض مرتب	۱۰
*	باب اول: تمہیدی امور	*
۴	سوالنامہ	۱۲
۵	تجاویز	۱۵
۶	تلخیص: رحمت اللہ ندوی	۱۶
۷	عرض مسئلہ: مفتی ظفر عالم ندوی	۴۳
*	باب دوم: تفصیلی مقالات	*
۸	مفتی حبیب اللہ قاسمی	۶۳
۹	ڈاکٹر محمد شاہجہاں ندوی	۸۱
۱۰	ڈاکٹر مصطفی عبدالقدوس ندوی	۹۵
۱۱	مفتی محمد ذاکر نعمانی	۱۱۴
۱۲	ڈاکٹر صفدر زبیر ندوی	۱۳۱
۱۳	مولانا قاضی محمد حسن ندوی	۱۴۶
۱۴	رحمت اللہ ندوی	۱۶۱
۱۵	مفتی شکیل منصور قاسمی	۱۷۱
۱۶	مفتی محمد اشرف قاسمی	۱۸۴

۱۷	مفتی محمد سرفراز ندوی	۲۰۰
۱۸	مفتی محمد ممتاز خان ندوی	۲۱۰
۱۹	مولانا ایاز عیسی ندوی	۲۲۲
*	باب سوم: متوسط مقالات	*
۲۰	مفتی اختر امام عادل قاسمی	۲۳۴
۲۱	مفتی راشد حسین ندوی	۲۴۲
۲۲	مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی	۲۵۲
۲۳	ڈاکٹر کلیم اللہ عمری	۲۵۹
۲۴	مفتی عبدالرزاق قاسمی امروہی	۲۶۹
۲۵	مفتی اقبال احمد قاسمی	۲۷۶
۲۶	مفتی جمیل احمد نذیری	۲۸۷
۲۷	مفتی محمد علی ندوی	۲۹۶
۲۸	مفتی ابرار احمد خان ندوی	۳۰۶
۲۹	مولانا خورشید احمد اعظمی	۳۱۳
۳۰	مولانا عبید اللہ ندوی	۳۲۰
۳۱	مولانا انیس ندوی	۳۳۵
۳۲	مفتی اکرام احمد ندوی	۳۴۷
۳۳	مولانا سعود ممتاز ندوی	۳۵۶
۳۴	مولانا سلمان بن سلیمان ندوی	۳۶۸
*	باب چہارم: مختصر تحریریں	*
۳۶	مفتی ثناء اللہ الہدی قاسمی	۳۷۶

۳۷	مفتی انور علی اعظمی	۳۸۰
۳۸	مولانا بدر احمد مجیبی ندوی	۳۸۶
۳۹	ڈاکٹر محمد فہیم اختر ندوی	۳۹۲
۴۰	مولانا خورشید انور اعظمی	۳۹۸
۴۱	مفتی عثمان بستوی	۴۰۲
۴۲	ڈاکٹر تنظیم عالم قاسمی	۴۱۱
۴۳	مفتی نثار احمد کلا	۴۱۷
۴۴	مفتی جنید احمد قاسمی	۴۱۹
۴۵	مولانا نثار احمد ندوی	۴۲۵

مقدمہ

اسلامی شعائر میں مسجد کا ایک الگ اور ممتاز مقام ہے، اگر دیکھا جائے تو مسجد عبادت کرنے کے لیے کسی مخصوص عمارت کا نام نہیں بلکہ وہ حقیقت میں مسلمانوں کی دینی زندگی کا مرکز، ایمان و روحانیت کی آماج گاہ، تعلیم و تربیت کا سرچشمہ اور ملت کی اجتماعی شناخت کی ایک نمایاں علامت ہے، سیرت نبویؐ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ مساجد نے مسلمانوں کی انفرادی و اجتماعی زندگی کی تشکیل میں بنیادی کردار ادا کیا ہے، یہی وہ مساجد ہیں جہاں سے عبادت و بندگی کا نور پھیلا، علم و معرفت کی شمعیں روشن ہوئیں، اخلاق و کردار کی تربیت ہوئی اور معاشرہ کی اصلاح و تعمیر کے لیے افراد بھی تیار ہوئے، مسلمانوں کی اجتماعی زندگی میں مساجد کا یہی وہ مرکزی کردار ہے جس کے سبب اللہ کے رسول ﷺ نے مکہ سے مدینہ منورہ ہجرت کرنے کے بعد سب سے پہلے تعمیر مسجد ہی کی فکر فرمائی اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ خود بھی اس مبارک عمل میں شریک ہوئے۔

سیرت کا یہ واقعہ ہمیں بتاتا ہے کہ بلاشبہ مساجد کی تعمیر اس لیے بھی اہم ہے کہ ان کا تعلق براہِ راست مسلمانوں کی دینی زندگی سے ہے، تاہم مسجد کے حقوق محض اس کی تعمیر اور ظاہری نقش و نگار بنانے تک محدود نہیں بلکہ اس کے شرعی احکام کی رعایت، اس کے مصالح کی حفاظت، اس کے لیے وقف کیے گئے اموال کا صحیح استعمال اور اس کے انتظام و انصرام میں دیانت و امانت بھی اسی ذمہ داری کے بنیادی اجزا ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اسلامی دستور میں عبادت گاہوں کی تعمیر و بقا اور دینی و رفاہی ضروریات کی تکمیل کے لیے وقف کے نظام کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ وقف خیر و نفع کے ایک سلسلہ کا نام ہے جس کے ذریعہ کسی مال یا جائیداد کو ایک متعین شرعی مقصد کے لیے مخصوص کر دیا جاتا ہے تاکہ اس سے حاصل ہونے والا نفع متعلقہ مصرف میں استعمال ہوتا رہے، اس طرح وقف کا نظام فرد کی ذاتی ملکیت کو دینی و سماجی منفعت کا ذریعہ بنا دیتا ہے، پھر اگر کسی زمین کو مسجد کے لیے وقف کیا جائے تو اس کی اہمیت مزید بڑھ جاتی ہے، اس لیے کہ اس کا تعلق ایک ایسے مقصد سے ہوتا ہے جس کی بنیاد عبادت، دینی خدمت اور اجتماعی مصلحت پر ہے۔

فقہ اسلامی میں وقف کے احکام پر قدیم زمانے سے تفصیلی بحثیں موجود ہیں، وقف کی صحت و تکمیل، اس کی شرائط، تولیت، آمدنی کے مصارف، متولی کے اختیارات و ذمہ داریاں اور وقف کی جائیداد کے تحفظ جیسے مسائل فقہاء کی توجہ کا مرکز رہے ہیں، ان مباحث کا مقصد محض قانونی صورتوں کی تعیین نہیں بلکہ اس دینی امانت کی حفاظت ہے جسے واقف نے اللہ تعالیٰ کی رضا اور کسی خیر کے مقصد کے لیے مخصوص کیا ہے لیکن اس میں شبہ نہیں کہ وقت کے ساتھ

مساجد کی ضروریات، ان کے انتظامی تقاضوں اور ان سے متعلق معاشرتی حالات میں تبدیلی آئی ہے، شہروں کی توسیع، آبادی میں اضافہ، زمینوں کی بڑھتی ہوئی قیمتیں، تعمیر وتوسیع کے نئے تقاضے، بجلی و پانی اور دیگر خدمات کے اخراجات، مسجد سے متصل املاک کی آمدنی، کرایہ داری کے معاملات، وقف کی جائیدادوں کی حفاظت اور انتظامی ذمہ داریوں کی پیچیدگی نے متعدد نئے سوالات پیدا کیے ہیں۔

مجلس تحقیقات شرعیہ کے زیر اہتمام منعقدہ سیمینار میں ''مساجد اور ان کے اوقاف سے متعلق چند مسائل'' پر غور وخوض ایک قابل قدر علمی وتحقیقی کاوش ہے، مجلس تحقیقات شرعیہ کی جانب سے منعقد ہونے والے ان سیمیناروں کی افادیت یہ ہے کہ اہل علم کو مسائل کے مختلف پہلوؤں پر سنجیدہ غور وفکر، علمی تبادلہ خیال اور شرعی اصولوں کی روشنی میں رہنمائی کی تلاش کا موقع ملتا ہے، خصوصاً ایسے موضوعات میں جن کا تعلق عبادت گاہوں کی حرمت اور مالی امانتوں کے تحفظ سے ہو، زیر نظر مجموعہ اسی سیمینار میں پیش کیے گئے مقالات اور علمی مباحث پر مشتمل ہے۔ اللہ تعالیٰ اس علمی و تحقیقی کاوش کو شرفِ قبول عطا فرمائے، مجلس تحقیقات شرعیہ کے ذمہ داران، اس مجموعہ کے مرتب محب گرامی مولوی رحمت اللہ ندوی، استاد دار العلوم ندوۃ العلماء اور اس کی اشاعت میں حصہ لینے والے تمام حضرات کی کوششوں کو قبول فرمائے اور اس کو خیر کا ذریعہ بنائے۔ آمین!

بلال عبدالحی حسنی ندوی

(ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

پیش لفظ

الحمد للہ رب العالمین و الصلاۃ و السلام علی خاتم النبیین محمد بن عبد اللہ الامین و علی اللہ و صحبہ اجمعین۔ امابعد!

مجلس تحقیقات شرعیہ ندوۃ العلما لکھنو کے ساتویں سیمینار منعقدہ :۲۷-۲۸ /ستمبر ۲۰۲۵ء میں جن موضوعات پر غور وخوض اور فیصلہ ہوا ان میں سے ایک اہم موضوع ''مساجد اور ان کے اوقاف سے متعلق چند اہم مسائل'' تھا، یہ موضوع ہر دور میں اہمیت کا حامل رہا ہے، اور اس سے متعلق نئے نئے مسائل اور سوالات ہر دور کے فقہاء نے حل کئے ہیں، کتاب وسنت کی روشنی میں اصول وکلیات کو مدنظر رکھتے ہوئے اور زمانے اور حالات کے تقاضوں کا حتی الامکان خیال رکھ کر فقہاء امت نے ان کا حل تلاش کیا، اور امت مسلمہ کی رہنمائی فرمائی۔

اسلامی نظام میں اوقاف کا مسئلہ خصوصاً مساجد اور ان کے اوقاف کا مسئلہ بڑی اہمیت اور نزاکت کا حامل رہا ہے۔ دور حاضر میں مساجد اور ان کے اوقاف کے حوالے سے نئے نئے سوالات جنم لیتے ہیں رہے، اصحاب بصیرت علماء اور فقہاء نے اپنے اپنے طور پر ان کا شرعی حل پیش کیا، اور شرعی حکم متعین کرنے کی کوشش کی، بعض فقہی اداروں اور اکیڈمیوں نے مساجد اور ان کے اوقاف کے مسائل پر اجتماعی غور وخوض اور فیصلے بھی گئے، لیکن مسائل اور سوالات کا سلسلہ برابر قائم رہا، خاص طور سے ہندوستان میں سیاسی حالات کی دوررس تبدیلیوں نے مساجد اور ان کے اوقاف کے لئے بڑے خطرات پیدا کردئے، اور نئے چیلنجز مسلمانوں کے سامنے آگئے، اس لئے مجلس تحقیقات شرعیہ کے ذمہ داروں نے اس موضوع سے متعلق مختلف سوالات پر اجتماعی غور وخوض اور فیصلے کو ضروری سمجھا، اس لئے ساتویں فقہی سیمنار کا ایک موضوع اسے قرار دیا۔

تفصیلی سوالنامہ مرتب کیا گیا، اس علما کرام اور مفتیان عظام کی خدمت میں پیش کیا گیا، الحمد للہ میں سوالنامے سے متعلق کل ۳۸/ مقالات اور تحریریں مجلس کو موصول ہوئیں، جن کی تلخیص کا کام دار العلوم ندوۃ العلماء کے استاد مولانا رحمت اللہ ندوی صاحب نے انجام دیا، یہ تلخیص شائع ہوئی اور سیمنار میں تقسیم بھی ہوئی۔

اس موضوع کا عرض مسئلہ جناب مفتی ظفر عالم ندوی صاحب نے تحریری طور پر تیار کیا، اور سیمینار میں پیش کیا، عرض مسئلہ کے بعد سیمنار میں شریک ہونے والے علماء اور اصحاب افتاء نے مختلف مسائل پر تبادلہ خیالات اور مناقشہ

کیا، اور اس موضوع کی نشست کے آخر میں کمیٹی کے ارکان کا اعلان کیا گیا، جنہوں نے اس موضوع پر مقالات مباحث اور مناقشہ کی روشنی میں تجاویز مرتب کیں جنہیں اختتامی اجلاس میں اتفاق رائے سے منظور کیا گیا۔

مذکورہ بالا کوششوں کا دستاویزی مجموعہ آپ کی خدمت میں پیش ہے، اس مجموعہ کی ترتیب کا کام مجلس تحقیقات شرعیہ کے رفیق مولانا رحمت اللہ ندوی استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے انجام دیا، جس میں سوالنامہ، مقالات وتحریریں، تلخیص مقالات، عرض مسئلہ اور طے کردہ تجاویز سب چیزیں شامل ہیں۔

میں مجلس تحقیقات شرعیہ کا ایک خادم ہونے کی حیثیت سے اس موضوع پر مقالہ لکھنے والے اصحاب افتاء کا شکر گزار ہوں، کہ انہوں نے اس اہم موضوع پر مقالے لکھے۔ اپنا قیمتی وقت اور علمی توانائیاں صرف کیں، اسی طرح تلخیص اور ترتیب کی خدمت انجام دینے کے لئے مولانا مفتی رحمت اللہ ندوی کا شکر گزار ہوں، جنہوں نے بڑی عرق ریزی اور محنت سے دونوں کام انجام دیا، جناب مولانا ظفر عالم ندوی نے عرض مسئلہ کا مشکل کام انجام دے کر ہمیں ممنون کیا ہے، الحمد للہ مجلس کے علمی کاموں میں ان کی علمی معاونت اور قیمتی مشورے ہمیں حاصل رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے۔

امید ہے کہ یہ مجموعہ اہل علم کو پسند آئے گا اور عنداللہ قبولیت حاصل کرے گا۔

عتیق احمد بستوی
ناظم مجلس تحقیقات شرعیہ، ندوۃ العلماء لکھنو
۲۰/ اکتوبر/ ۲۰۲۶ء

عرض مرتب

اسلام کے کارخیر کے شعبوں میں ایک اہم شعبہ اوقاف کا ہے، اس کے متعدد شعبوں میں مساجد پر وقف اراضی اور دیگر ذرائع آمدنی کا اہم حصہ ہے، وقف مسلمانوں کا طرۂ امتیاز ہے، انسانی حقوق کی ادائیگی اور نفع رسانی میں ان کو سبقت حاصل ہے، وقف صدقہ جاریہ ہے، اس کا ثواب واقف کی موت کے بعد بھی اس کو ملتا رہتا ہے۔

اوقاف مختلف مقاصد کے لئے ہوتے ہیں مثلاً: مساجد، مدارس، مقابر، شفا خانے، مسافر خانے وغیرہ، ان سے رفاہی ترقی اور تعلیمی فروغ ہوتا ہے، حضرت عمرؓ نے خیبر کی زمین وقف کر کے گویا اس کی بنیاد رکھی۔

وقف کی ابتداء عہد نبوی سے ہوئی اور یہ سلسلہ بڑھتا گیا اور آج بھی جاری ہے۔ ہندوستان میں اسلام کی آمد کے ساتھ ہی مسلمانوں نے اپنی املاک کا وقف شروع کیا اور فیروز شاہ تغلق کے دور حکومت میں ہندوستان میں وقف ناموں کی تخلیق کا رواج فروغ پایا۔ پھر مسلم حکمرانوں کے دور میں عہد بہ عہد وقف کا نظام مزید بہتر اور مستحکم ہوا، جس کی ایک تاریخ ہے۔ مسلم حکومت کے خاتمہ کے بعد برطانوی عہد میں وقف املاک کو ختم کرنے کا عمل شروع ہوا، نہ صرف وقف املاک کو ذاتی اثاثوں کے طور پر فروخت اور منتقل کیا گیا بلکہ انگریزوں نے ایسی پالیسیاں بھی نافذ کیں جن کی وجہ سے ان کی تباہی ہوئی اور غیروں کا قبضہ ہوا، اور موجودہ حکومت نے تو وقف کو ہڑپنے کا قانون ہی بنا دیا ہے اور وقف کی حفاظت کو بہت مشکل کر دیا ہے، اس کی نیت صاف نہیں ہے اور نہ منشا نیک ہے۔

وقف میں مسجد کا مسئلہ بہت اہم اور نازک ہے، مسجد کو نہ تبدیل کیا جا سکتا ہے اور نہ اس حصہ کو کسی دوسرے کام اور مقصد میں استعمال کیا جا سکتا ہے، مسجد کی طرح مسجد کے لئے وقف اراضی کا مسئلہ بھی پیچیدہ اور اہم ہے، مسجد کی توسیع اور از سر نو تعمیر، مسجد کی بالائی منزل میں درسگاہ کا قیام اور طلبہ کی رہائش، مسجد کی آمدنی کے لئے تعمیر جدید کے وقت نیچے کی منزل میں دوکانوں کی تعمیر، یا مصالح مسجد کے دیگر کام، یا نمازیوں کے لئے مسجد کے بیسمنٹ میں ان کی گاڑیوں کی پارکنگ، یا مسجد کی کسی منزل کو کرایہ پر جزوقتی درسگاہ کے لئے دینا وغیرہ جیسے مسائل کثرت سے پیش آرہے ہیں اور مسجد کے متولیان اور منتظمہ کمیٹی کی طرف سے بڑی بے اعتدالیاں ہو رہی ہیں مجلس تحقیقات شرعیہ لکھنؤ نے اپنے ساتویں فقہی سیمینار منعقدہ ۴-۵ / ربیع الثانی ۱۴۴۷ھ مطابق ۲۷-۲۸ / ستمبر ۲۰۲۵ء کا ایک موضوع: ''**مساجد اور ان کے اوقاف سے متعلق چند مسائل**'' مقرر کیا، جس پر مجلس کو مختصر اور مفصل کل ۳۸ / مقالات موصول ہوئے، ایک مقالہ عربی میں اور بقیہ مقالات اردو میں ہیں، سہولت کی غرض سے تمام مقالات کو تین ابواب میں تقسیم کر دیا گیا

ہے، پہلا باب: تفصیلی مقالات، دوسرا: متوسط مقالات اور تیسرا باب: مختصر تحریروں کا ہے، مقالات کے اس مجموعہ کی ترتیب اور تیاری میں ضخامت اور حجم کو متوازن رکھنے کے لئے ضروری حذف و تنقیح سے بھی کام لیا گیا ہے اور مفید سے مفید تر بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس مجموعہ مقالات مفید بنائے اور قبول فرمائے، ارباب مجلس تحقیقات شرعیہ کا شکریہ کہ اس خدمت کا موقع دیا۔

وصلی اللہ علیہ خیر خلقہ محمد علی آلہ وصحبہ وسلم.

رحمت اللہ ندوی

استاد حدیث وفقہ، دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

سوالنامہ

مساجداوران کے اوقاف سے متعلق چند مسائل

اسلام کے کارخیر کے شعبوں میں ایک اہم شعبہ اوقاف کا ہے۔جس کے متعدد شعبے ہیں جن میں ایک اہم حصہ مساجداوراس پر وقف اراضی ودیگر ذرائع آمدنی کا ہے،شریعت میں منشاءواقف کی بڑی اہمیت ہے،اسی لئے فقہاء نے صراحت کی ہے:شرط الواقف کنص الشارع،ان دنوں متولیان یا مساجد کمیٹیوں کی طرف سے کچھ ایسے سوالات آرہے ہیں جن میں بظاہر محسوس ہوتا ہے کہ اوقاف میں بنیادی تبدیلیاں ہورہی ہیں یا منشاءواقف متاثر ہورہا ہے،دوسری طرف وقت اور حالات کا تقاضا ہے کہ یہ تبدیلیاں ناگریز ہیں ورنہ وقف کے مقاصد مزید متاثر ہوں گے یا یہ معطل ہوجائیں گے، یا دشواریاں بڑھ جائیں گی،ایسے حالات میں ان سوالات پر عصری تناظر میں غور وفکر کرنے کی شدید ضرورت ہے۔جس میں کتاب وسنت اور فقہاء کی تصریحات سامنے ہوں اور عصری تقاضوں کی رعایت بھی ہو۔اس پس منظر میں ذیل میں چند سوالات درج کئے جارہے ہیں:

۱۔بعض بڑے اور چھوٹے شہروں میں پرانی مسجدیں موجود ہیں اور وہ الحمدللہ آباد ہیں لیکن آبادی بڑھنے کی وجہ سے توسیع کی ضرورت ہے۔کمیٹی چاہتی ہے کہ مسجد شہید کرکے ازسرنو اسکی تعمیر ہو،اس کی ایسی توسیع ہو کہ زیادہ سے زیادہ نمازیوں کی گنجائش نکل آئے۔ساتھ ہی بعض منزلیں بڑھادی جائیں تاکہ دینی تعلیم کا نظم ہو اور اوپر کی کسی منزل میں طلبہ کی رہائش کا بھی نظم ہو، یہاں سوال یہ ہوتا ہے کہ اوپر کی کسی منزل کو درسگاہ بنانا اور اس سے اوپر طلبہ کی رہائش گاہ بنانا درست ہے یا نہیں؟ کیا تعلیم اور رہائش کے باقاعدہ نظم سے مسجد کی حرمت متاثر نہیں ہوگی،کیا یہ آداب مسجد کے خلاف عمل تو نہیں ہوگا،اگر ہوگا تو کیا یہ حرمت کے درجہ کا ہوگا یا صرف کراہت ہوگی؟

۲۔اسی طرح بعض مساجد میں آمدنی نہیں ہوتی ہے۔مسجد کی کمیٹی چاہتی ہے کہ قدیم مسجد شہید کردی جائے اور چند منزلہ عمارت بنادی جائے جس میں نیچے کی منزل میں دکانیں بنادی جائیں تاکہ مسجد کی آمدنی کا ذریعہ ہو اور اوپر کی منزل جماعت گاہ ہو،کیا مصالح مسجد کے پیش نظر ایسا کیا جاسکتا ہے؟ اسی طرح جماعت گاہ کی منزل سے اوپر امام اور مؤذن کے لئے ایسے حجرے بنائے جاسکتے ہیں جہاں وہ تنہا یا فیملی کے ساتھ قیام کرسکیں؟

۳۔اسی طرح بعض مسجدیں شہر کے اندر ہوتی ہیں،آبادیاں بڑھ جاتی ہیں،مسجدوں کی توسیع کی ضرورت پڑجاتی

ہے۔لیکن مسجد کے ارد گرد جگہیں نہیں ہوتیں یا کم ہوتی ہیں۔ بہت سے نمازی اپنی اپنی گاڑیوں سے آتے ہیں، بالخصوص کالونیوں میں رہنے والے نمازیوں کو اسکی ضرورت پڑتی ہے لیکن وہاں گاڑیاں ٹھہرانے کی جگہیں نہیں ہوتی ہیں۔ایسی صورت میں کمیٹی چاہتی ہے کہ مسجد شہید کر کے ایسی شکل اختیار کی جائے کہ نیچے بیسمنٹ میں پارکنگ ہو اور اوپر مسجد ہو،سوال یہ ہے کہ قدیم مسجد میں ایسی تبدیلی جس میں نمازیوں کی گاڑیوں کے ٹھہرانے کا نظم ہو، کی جاسکتی ہے؟ کیا موجودہ حالات کے پیش نظر اسکی گنجائش ہوگی؟

۴۔بعض شہروں میں جگہ جگہ قدیم مساجد ہیں ارد گرد میں جگہیں بھی خالی ہیں لیکن کم ہیں، دوسری طرف مسلم بچوں کی دینی تعلیم بالخصوص عصری اسکولوں میں پڑھنے والے بچوں کے لئے جزء وقتی دینی تعلیم کا نظم ضروری ہوتا ہے۔ کمیٹی کے حضرات چاہتے ہیں کہ پوری مسجد شہید کر دی جائے اور ارد گرد کی جگہیں بھی لے لی جائیں اور چند منزلیں بنادی جائیں جن میں بیسمنٹ میں پارکنگ ہو، اس کے اوپر جماعت گاہ ہو اور اس کے اوپر جزء وقتی درسگاہ ہو۔یعنی مسلم بچوں کی تعلیم وتربیت کا نظم ہو اور بچوں سے تعلیمی فیس بھی لی جائے تاکہ اساتذہ کی تنخواہ کے علاوہ مسجد کے مصالح پر صرف ہو یعنی درسگاہ کی منزل کرایہ پر ہو اور یہ آمدنی مصالح مسجد پر صرف ہو۔کیا موجودہ حالات کے پیش نظر ایسا کیا جاسکتا ہے؟

۵۔بعض بڑے شہروں میں مسلمانوں کی خاصی تعداد بڑی بڑی بلڈگوں اور اپارٹمنٹ میں رہتی ہے وہاں کوئی مسجد نہیں ہوتی ہے، اگر یہ مسلمان باہم مشورہ سے اپارٹمنٹ کے کسی حصہ کو خرید لیں اور نماز کے لئے مختص کر لیں اور جماعت سے وہاں نماز ادا کریں تو کیا اپارٹمنٹ کا یہ حصہ مسجد شرعی کہلائے گی؟ کیا اس پر مسجد کے احکام جاری ہوں گے، یا اسے صرف جماعت گاہ کہیں گے؟

۶۔بعض اہل ثروت کئی منزلہ عمارت تعمیر کرتے ہیں اور شروع ہی سے ان کی نیت ہوتی ہے کہ کسی ایک منزل کو مسجد بنانا ہے اور طے کر لیں کہ تیسری منزل مسجد رہے گی اور نیچے کی دو منزلیں کمرشیل کیمپلکس رہے گا اور چوتھی و پانچویں منزلوں میں کمپنی یا طباعتی ادارہ کے آفس ہوں گے یا نیٹ ورکنگ سسٹم کا کام ہوگا۔سوال یہ ہے کہ ایسی عمارت میں جو منزل مسجد متعین ہوگی کیا وہ مسجد شرعی کہلائے گی؟ کیا اس پر مسجد کے احکام جاری ہوں گے؟

۷۔کچھ مسائل مسجد کی اراضی اور پراپرٹی سے بھی متعلق ہیں جو عام طور پر پیش آتے ہیں مثلاً بعض مساجد کی آمدنی کے لئے کچھ اراضی ہوتی ہیں جو زراعتی ہوتی ہیں، عموماً زراعت میں اخراجات بہت ہوجاتے ہیں اور آمدنی کم ہوتی ہے جس سے مسجد کے اخراجات پورے نہیں ہوتے، متولیاں چاہتے ہیں کہ اراضی فروخت کر دی جائیں اور ان کے بدلے بازار میں دکانیں خریدی جائیں تاکہ بذریعہ کرایہ مسجد کو اتنی آمدنی آتی رہے جس سے اخراجات پورے ہوں۔

سوال یہ ہوتا ہے کہ کیا زائد آمدنی کے پیش مسجد کی اراضی فروخت کر کے دوسری زائد آمدنی والی اراضی یا دکانیں

خریدنا درست ہے؟ اس سوال میں نزاکت یہ ہے کہ عموماً دیکھا جاتا ہے کہ اوقاف کی اراضی فروخت ہونے کے بعد ضائع ہو جاتی ہیں اور بدل شاذونادر ہی حاصل ہو پاتا ہے۔ ایسی صورت میں کیا زائد آمدنی کے لئے موقوفہ اراضی فروخت کر کے دکانیں خریدی جاسکتی ہیں؟

۸۔ بعض مساجد ایسی ہوتی ہیں کہ ان سے متعلق اراضی ہوتی ہیں جو مساجد کی ملکیت ہوتی ہے، کمیٹی اس کے تحفظ اور مسجد کی آمدنی کے پیش نظر وہاں مکاتب یا مدارس قائم کر دینا چاہتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ مساجد کی اراضی میں مکاتب یا مدارس قائم کرنا درست ہے؟ اگر تعمیرات کے بعد کرایہ مقرر کر دیا جائے اور آمدنی مسجد کو دی جائے اور وہاں تعلیمی نظام جاری رہے تو شرعاً اسکی اجازت ہوگی؟ اس سے مقاصد وقف میں خلل تو نہیں ہوگا؟ تحفظ کی غرض سے کیا یہ تصرف درست ہوگا؟

تجاویز بابت مساجد اوران کے اوقاف سے متعلق چند مسائل

۱۔ جومسجدیں نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے تنگ ہورہی ہوں،توسیع کی غرض سے ان کوشہید کر کے کئی منزلیں بنائی جاسکتی ہیں،اور بر بنائے ضرورت کسی منزل کو دینی تعلیم کے لیے استعمال کرنا درست ہے،البتہ اس کی کسی منزل کو طلبہ کی رہائش کے لیے مستقل طور پر استعمال کرنا یا اس کے کسی حصہ کو کرایہ پر دینا درست نہیں ہے، کیونکہ یہ مسجد کے بنیادی مقاصد اوراس کے تقدس کے خلاف ہے۔

۲۔اگر کسی اپارٹمنٹ میں کوئی منزل خرید کر یا کثیر منزلہ عمارت تعمیر کرتے وقت کسی منزل کو بطور مسجد وقف کر دیا جائے،تو یہ منزل مسجد شرعی کے حکم میں ہوگی، بشرطیکہ اس میں عام لوگوں کو نماز پڑھنے کی اجازت ہو۔

۳۔ وہ زرعی زمین جو مسجد پر وقف ہو،اگر وہ قابل انتفاع نہ ہو یا اتنی کم منفعت ہو کہ اس سے ضروریات مسجد پوری نہ ہوتی ہوں تو یہ جائز ہے کہ اس زمین کے بدلے ایسی زمین یا دکان حاصل کر لی جائے جس کی آمدنی سے ضروریات مسجد پوری کی جاسکیں،اگر یہ اندیشہ ہو کہ اس زمین کو بدلنے میں وقف کا ضیاع ہوگا تو پھر ایسا کرنا جائز نہ ہوگا۔

۴۔مسجد کی انتظامیہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ مسجد سے الگ امام اورموذن کی رہائش کا انتظام کرے، البتہ ضرورت کے وقت عارضی طور پر امام وموذن کے لئے مسجد کے کسی حصہ میں قیام کی گنجائش ہے۔

۵۔قدیم مسجد کے آس پاس کی وہ زمینیں جو موقوفہ مسجد شرعی میں شامل نہیں ہیں بلکہ مصالح مسجد کے لئے ہیں وہاں نمازیوں کے لئے پارکنگ کی تعمیر کرنا،مسجد کے ائمہ،موذنین اور خدام کے لئے رہائش گاہ (فیملی کواٹر) کا بندوبست کرنا یا دوسرے ایسے کام کرنا جو مصالح مسجد میں شامل ہو،درست ہے۔

۶۔نئی مساجد کی تعمیر کے وقت اگر مسجد کے لئے زمین وقف کرنے والا شخص یا اشخاص اس طرح تعمیری منصوبہ بناتے ہیں کہ بیسمنٹ میں پارکنگ ہو،اوپر کی منزلیں مسجد کے لئے ہوں یا کوئی منزل دینی تعلیم کے لئے ہو تو شرعاً اس کی گنجائش ہے۔

تلخیص مقالات

مساجد اوران کے اوقاف سے متعلق چند مسائل

رحمت اللہ ندوی

استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

مجلس تحقیقات شرعیہ ندوۃ العلماء کے ساتویں فقہی سیمینار کے لئے جو موضوعات مقرر کئے گئے ہیں ان میں سے ایک اہم موضوع: ''**مساجد اوران کے اوقاف سے متعلق چند مسائل**'' ہے، مجلس کو اس موضوع پر ۳۹/مقالات موصول ہوئے، ان مقالات میں بعض مختصر اور اکثر تفصیلی ہیں، ایک مقالہ مولانا سلمان بن سلیمان ندوی کا عربی میں ہے، بقیہ اردو میں ہیں، فاضل مقالہ نگاروں کے اسماء گرامی یہ ہیں:

۱۔ڈاکٹر محمد شاہجہاں ندوی، ۲۔مولانا محمد صابر حسین ندوی، ۳۔مفتی حبیب اللہ قاسمی، ۴۔مفتی راشد حسین ندوی، ۵۔مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، ۶۔مولوی ایاز عیسی ندوی، ۷۔حافظ کلیم اللہ عمری، ۸۔مولانا اختر امام عادل قاسمی، ۹۔مولانا محمد انیس ندوی، ۱۰۔مولانا محمد ممتاز خان ندوی، ۱۱۔مولانا زبیر احمد بہرائچی ندوی، ۱۲۔مولانا خورشید احمد اعظمی ندوی، ۱۳۔مولانا عبید اللہ ندوی، ۱۴۔مولانا سعود ممتاز ندوی، ۱۵۔مولانا سلمان بن سلیمان ندوی، ۱۶۔مفتی محمد اشرف قاسمی، ۱۷۔مفتی انور علی اعظمی ۱۸۔مفتی شکیل منصور قاسمی، ۱۹۔ڈاکٹر تنظیم عالم قاسمی، ۲۰۔ڈاکٹر مصطفی عبدالقدوس ندوی، ۲۱۔قاضی محمد حسن ندوی، ۲۲۔مفتی اقبال احمد قاسمی، ۲۳۔مولانا خورشید انور اعظمی، ۲۴۔مفتی عبدالرزاق امروہوی، ۲۵۔مولانا نثار احمد ندوی ۲۶۔مفتی نثار احمد (گودھرا)، ۲۷۔ڈاکٹر فہیم اختر ندوی، ۲۸۔مفتی جنید احمد قاسمی مونگیر، ۲۹۔مفتی ابرار خان ندوی، ۳۰۔مفتی محمد علی ندوی (رائے بریلی)، ۳۱۔مفتی جمیل احمد نذیری، ۳۲۔مولانا بدر احمد مجیبی ندوی، ۳۳۔مفتی محمد عثمان بستوی، ۳۴۔مفتی محمد ذاکر نعمانی، ۳۵۔مولانا محمد اکرام ندوی، ۳۶۔مفتی ثناء الہدی قاسمی، ۳۷۔ڈاکٹر صفدر زبیر ندوی ۳۸۔ مفتی محمد سرفراز ندوی، ۳۹۔راقم الحروف رحمت اللہ ندوی

سوال نامہ میں کل آٹھ سوالات قائم کئے گئے تھے، ہر سوال اور اس کا خلاصۂ جوابات حسب ذیل ہے:

سوال نمبر ۱۔ بعض بڑے اور چھوٹے شہروں میں پرانی مسجد میں موجود ہیں اور وہ الحمد للہ آباد ہیں لیکن آبادی بڑھنے کی وجہ سے توسیع کی ضرورت ہے۔کمیٹی چاہتی ہے کہ مسجد شہید کر کے از سر نو اسکی تعمیر ہو، اس کی ایسی توسیع ہو کہ

زیادہ سے زیادہ نمازیوں کی گنجائش نکل آئے۔ساتھ ہی بعض منزلیں بڑھادی جائیں تاکہ دینی تعلیم کا نظم ہواوراوپر کی کسی منزل میں طلبہ کی رہائش کا بھی نظم ہو، یہاں سوال یہ ہوتا ہے کہ اوپر کی کسی منزل کو درسگاہ بنانا اوراس سے اوپر طلبہ کی رہائش گاہ بنانا درست ہے یا نہیں؟ کیا تعلیم اور رہائش کے باقاعدہ نظم سے مسجد کی حرمت متاثر نہیں ہوگی، کیا یہ آداب مسجد کے خلاف عمل تو نہیں ہوگا، اگر ہوگا تو کیا یہ حرمت کے درجہ کا ہوگا یا صرف کراہت ہوگی؟

* قدیم مسجد کی بوقت ضرورت توسیع کرنے میں کوئی اختلاف نہیں ہے، سب کے نزدیک مسجد کی توسیع کی گنجائش اوراجازت ہے خواہ وہ مسجد شہر کی ہو یا دیہات کی، چھوٹی ہو یا بڑی۔اسی طرح اس بابت بھی تمام آراء متفق ہیں کہ مسجد کی جگہ تحت الثری تا ثُریا قیامت تک مسجد ہی رہے گی، لہذا پرانی مسجد کو کھود کر اس کے نیچے تعمیرات کی جائیں یا مسجد کے اوپر چاہے جتنی منزلیں تعمیر ہوں، سب پر شرعی مسجد کے احکام نافذ ہوں گے اوران کا ادب واحترام نماز والے حصے کی طرح ہی لازم ہوگا، یہی حال نیچے والے حصے کا ہوگا، لہذا کسی ایسے عمل کی شرعاً اجازت نہ ہوگی جو احترامِ مسجد کے منافی ہو۔مسجد میں تعلیم کا نظم کرنا بھی شرعاً جائز ہے کیونکہ دینی تعلیم بھی مصالح مسجد میں سے ہے اور دین کی تعلیم بھی ذکر وعبادت ہے اور مساجد میں ہر قسم کی عبادت ہوسکتی ہے، اصحاب صفہ کی تعلیم اوران کا قیام مسجد نبوی ہی میں ہوتا تھا، بعد کے ادوار میں بھی بڑی مساجد میں علمی حلقے لگتے تھے اور تعلیم کی مجلسیں منعقد ہوتی تھیں، البتہ طلبہ کی رہائش گاہ بنانے کے بارے میں مقالہ نگاروں کی رائے مختلف ہے، بعض حضرات کے نزدیک احترام مسجد ملحوظ رکھتے ہوئے اجازت ہے اور اکثر حضرات منع کرتے ہیں۔

* مفتی محمد عثمان بستوی اس سلسلہ میں دلائل اور تصریحات ذکر کرنے کے بعد خلاصۂ کلام کے طور پر تحریر کرتے ہیں کہ وقتی طور پر اگر مسجد میں ضرورت ومجبوری کے وقت دینی تعلیم کا نظم کیا جائے اور طلبہ کی رہائش گاہ کا بھی انتظام کرلیا جائے تو شرعاً اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے اور ضرورت ومجبوری کی حالت میں عارضی طور پر اس کے نظم کرنے سے مسجد کی حرمت متاثر نہیں ہوگی، البتہ مستقل طور پر اس طرح کا نظم مسجد کی حیثیت تبدیل کرنے کے مترادف ہوگا اس لئے شرعاً اس کی گنجائش نظر نہیں آتی، لیکن یہ ضروری ہے کہ مسجد میں تعلیم عارضی ہو، مدرسہ کی فکر کی جائے، بچے ہوشیار اور عقل مند ہوں، استاذ تعلیم دینے کیلئے مسجد میں بیٹھتے وقت اعتکاف کی نیت بھی کرتے ہوں۔مولانا نثار احمد ندوی کے نزدیک حرمت مسجد کی رعایت کرتے ہوئے ضرورتاً جائز ہے، تقریباً یہی رائے مولوی محمد ایاز ندوی کی ہے۔

* ڈاکٹر شاہجہاں ندوی کے نزدیک مسجد کی اوپری منزل کو درسگاہ اور رہائش گاہ کے لئے خاص کرنا درست نہیں ہے، البتہ مسجد کے کسی حصہ میں تعلیم وتدریس ہوسکتی ہے اور طلبہ وہاں رہ سکتے ہیں، جب نمازی زیادہ ہوں تو اسے نماز کے لئے بھی استعمال کیا جائے، درسگاہ اور رہائش گاہ کے لئے خاص کرنا مکروہ تحریمی ہے، تقریباً اسی طرح کی رائے مولانا عبید اللہ ندوی اور مفتی ثناء الہدی قاسمی، مفتی عبد الرزاق قاسمی کی بھی ہے۔

* ڈاکٹر تنظیم عالم قاسمی کے نزدیک دینی تعلیم وتدریس کے لئے مسجد کا مستقل استعمال مکروہ تنزیہی اور طلبہ کی رہائش گاہ بنانا مکروہ تحریمی ہے، تعمیر مساجد کا رہائش سے کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ دینیات کی تعلیم مصالح مساجد میں کسی درجہ میں شامل ہے جب کہ مستقل رہائش گاہ اس کے منافی ہے، البتہ قدیم مسجد کے حصے کو چھوڑ کر اس کے اردگرد نیچے سے اوپر تک کسی بھی منزل میں درسگاہ اور رہائش کی گنجائش ہوسکتی ہے، یہی رائے مولانا خورشید انور اعظمی کی ہے۔

* قاضی محمد حسن ندوی مسجد قدیم کے تحتانی وفوقانی منزل میں طلبہ کی رہائش گاہ کا نظم کرنا یا کسی منزل کو درسگاہ بنانا مسجد کے ادب واحترام کے خلاف ہونے کی وجہ سے درست نہیں مانتے اور اسے کراہت تنزیہی کے درجہ میں قرار دیتے ہیں۔ یہی رائے مولانا محمد زبیر ندوی بہرائچی اور ڈاکٹر صفدر زبیر ندوی کی بھی ہے۔

* ڈاکٹر محمد فہیم اختر ندوی کی رائے ہے کہ چونکہ یہ مسجد قدیم سے بنی ہوئی ہے، اب اس کی تعمیر نو، کر کے اس کی بعض منزلیں رہائش کے لئے بنائی جائیں تو درست نہیں ہوگا، جہاں تک بعض منزلوں کو درسگاہ بنانے کی بات ہے تو اس کی شکل یہ ہوسکتی ہے کہ اس منزل کو مسجد ہی باقی رکھا جائے اور اس میں تعلیم وتدریس کا کام انجام دیا جائے کیونکہ دینی تعلیم اور قرآن کی تعلیم مسجد کے مقصد سے ہم آہنگ ہے۔ مفتی ابرار احمد ندوی بھی اسی کے قائل ہیں۔

* مفتی اقبال احمد قاسمی کانپوری تعمیر نو میں مزید منزلوں کا اضافہ کرنے اور وہاں تعلیم کا نظم چلانے اور طلبہ کی رہائش کی ضرورت کے مواقع پر گنجائش دیتے ہیں جب کہ قدیمی حصہ میں کوئی کمی نہ ہو اور تعلیم ورہائش والی منزل میں بھی نماز ادا ہوسکے، البتہ بلاضرورت شدیدہ تعلیم ورہائش کیلئے باقاعدہ مسجد کی بالائی منزلیں بنانا یا استعمال کرنا نہ صرف آداب مسجد کے خلاف ہوگا بلکہ یہ عمل کراہت تحریمی کے دائرہ میں آئے گا۔۔۔لیکن موجودہ دور میں خصوصاً ان علاقوں میں جہاں مدرسہ، مکتب کی کوئی ترتیب مسجد کے علاوہ خارج میں نہ بن سکے یا تعلیم کا مستقل نظم وانتظام انتہائی مشکل ہو اور مسجد کی چھت پر مزید منزل بنا کر تعلیم وتعلم کا راستہ بآسانی نکل سکتا ہو تو ضرورت کے تحت ارباب افتاء کے مشورہ سے اس کی گنجائش دی جاسکتی ہے۔ موصوف کے نزدیک آداب مسجد کی رعایت رکھتے ہوئے مسجد کے بالائی منزلوں میں تعلیم اور طلبہ کی رہائش کا نظم کرنے کی گنجائش ہے۔ اسی طرح کی رائے مفتی نثار احمد گودھرا کی ہے، مفتی جنید احمد قاسمی بھی یہی رائے رکھتے ہیں۔

* مفتی محمد مقصود فرقانی لکھتے ہیں کہ مسجد قدیم شہید کر کے جدید مسجد کے اوپر اس قسم کی تعمیر کرنا کہ اس میں تعلیم کا بھی نظم ہو اور طلبہ کی رہائش بھی ہو، جائز ہے اور اس میں کوئی کراہت نہیں ہے، (ڈاکٹر کلیم اللہ عمری، سلمان بن سلیمان ندوی، مولانا سعود ممتاز ندوی، مفتی محمد اشرف قاسمی)

* مفتی جمیل احمد نذیری کے نزدیک نئی تعمیر شدہ منزلیں نماز کے علاوہ اوقات میں بقدر حاجت وضرورت دینی درسگاہ اور طلبہ کی رہائش کے لئے بھی مستعمل ہوں تو گنجائش ہوگی، مستقل مدرسہ اور رہائش بنا دینے کی گنجائش ہرگز نہ

ہوگی۔اسی طرح کی رائے مفتی محمد ذاکر نعمانی رکھتے ہیں۔

*مفتی محمد علی ندوی رائے بریلی کے نزدیک طلبہ کے لئے رہائش گاہ بنانے سے مسجد کا احترام متاثر ہوگا۔۔۔البتہ اگر مسجد سے خارج حصہ مثلاً وضوخانہ، استنجا خانہ کے اوپر کسی منزل میں رہائش گاہ بنالی جائے تو اس سے مسجد کی حرمت متأثر نہیں ہوگی اور تعلیم کا نظم بھی قائم ہو سکے گا۔

*مولانا محمد صابر حسین ندوی کے نزدیک مساجد کے اندر درسگاہ بنانے میں حرج نہیں، مسجد نبوی اس کی مثال ہے، البتہ رہائش گاہ کے سلسلہ میں احتیاط اولی ہے۔اسی طرح کی رائے مفتی اکرام ندوی کی ہے۔

*مفتی حبیب اللہ قاسمی کے نزدیک تعلیم دین، مسجد کے مقاصد میں شامل ہے، لہذا مسجد کے احاطہ میں درسگاہ بنانا جائز ہے بشرطیکہ یہ جگہ مسجد کے اصل استعمال کو متاثر نہ کرے، اسی طرح موصوف کے نزدیک مسجد کی اوپری منزل کو طلبہ کی رہائش کیلئے استعمال کیا جاسکتا ہے بشرطیکہ وہ حصہ مسجد کی جگہ کے تابع نہ ہو، مسجد کے بالائی منزل میں درسگاہ یا رہائش گاہ کا نظم کرنا شریعت کے آداب کے خلاف نہیں ہے بشرطیکہ اس سے مسجد کے اندرونی ماحول یا عبادات میں خلل نہ آئے۔

*مفتی راشد حسین ندوی لکھتے ہیں: کسی پرانی مسجد کی ضرورت کے تحت اس مقصد سے توسیع کرنا کہ زیادہ سے زیادہ نمازیوں کی گنجائش نکل آئے، بڑی اچھی بات ہے لیکن اگر اس نیت سے منزلیں بڑھائیں کہ ان کو نماز کے علاوہ دوسرے کاموں کیلئے استعمال کیا جاسکے، جیسے طلبہ کیلئے ہاسٹل، مستقل طور پر درسگاہ یا مدرسہ، تو یہ جائز نہیں ہوگا اس نیت سے اضافہ کرنا مکروہ تحریمی ہے، علامہ حصکفی کے نزدیک لیکن چونکہ ہمارے پاس کوئی ایسی دلیل اس کے عدم جواز کی موجود نہیں ہے، جس کو قطعی الدلالہ والثبوت کہا جاسکے، لہذا اس کو حرام قرار نہیں دیا جاسکتا۔

*مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی لکھتے ہیں:

مسجد کو مسجد باقی رکھتے ہوئے قرآن پڑھانے کی اجازت تو ہے، لیکن مسجد کی ہیئت کو تبدیل کر کے اس کو بشکل مدرسہ کر دینا جس میں سونے کھانے، ہنسی مذاق اور دیگر لہو ولعب کا ہونا لابدی ہے جس سے واقف کا صرف مقصد ہی فوت نہیں ہوتا ہے، اس سے مسجد کی بے حرمتی بھی واضح انداز میں یقینی طور پر ہوتی ہے، اس لئے اس کی حرمت میں کلام نہیں ہوگا۔اسی طرح کی رائے مولانا اختر امام عادل قاسمی کی بھی ہے۔

*مولانا محمد انیس ندوی کے نزدیک مسجد میں دینی تعلیم کا نظم اور اوپر کی منزل میں طلبہ کی رہائش کا نظم درست ہے لیکن مسجد کی حرمت متاثر ہوگی اور یہ آداب مسجد کے خلاف مکروہ عمل ہوگا۔مولانا محمد ممتاز خان ندوی کے نزدیک عارضی طور پر تعلیم دی جاسکتی ہے لیکن کسی منزل کو ہاسٹل بنانا قطعاً جائز نہیں ہے۔

*مفتی انور علی اعظمی کے نزدیک دینی تعلیم کیلئے وقتی طور پر اس کا استعمال کیا جاسکتا ہے لیکن طلبہ کیلئے رہائش گاہ

بنانا منشاء وقف کے خلاف ہے اور اس طرح کی گنجائش نکالنا بہت بڑے فتنے کا سبب ہے۔

*مفتی شکیل منصور قاسمی نے بالائی منزل میں دینی تعلیم گاہوں اور رہائشی حصوں کے قیام وانتظام کی ''ضرورتاً'' اور ''مصلحتاً'' اجازت دی ہے اور یہ اجازت مطلق نہیں، بلکہ مندرجہ ذیل شرائط وقیود کے ساتھ مشروط ہے:

۱۔اصل مسجد کی حیثیت باقی رہے (بیع یا تبدیل نہ ہو)

۲۔تعمیر سے مسجد کی شان، پاکیزگی اور عبادت میں خلل نہ آئے

۳۔بلڈنگ وقف کے نام پر ہی رہے

۴۔تمام تعمیرات شرعی نگرانی میں ہوں

۵۔موقوفہ زمین کے استعمال میں تجاوز یا تفریط نہ ہو

ان کے ساتھ حرمت مسجد متاثر نہ ہوگی اور یہ عمل حرام نہ ہوگا، اگر حرمت متاثر ہو تو یہ عمل حرام ہوگا۔

راقم الحروف (رحمت اللہ ندوی) نے جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یوں ہے:

ضرورت پر مسجد کی توسیع اور تعمیر نو جائز ہے، لیکن مسجد کی حیثیت تبدیل کرنا جائز نہیں ہے، مسجد نیچے سے اوپر تک اور تحت الثری سے آسمان تک مسجد ہی رہتی ہے، اس لئے اس کے تہہ خانہ یا بالائی حصہ کو ہاسٹل، یا ہوٹل یا رہائش گاہ یا تقریبات ہال یا مسافر خانہ وغیرہ نہیں بنایا جاسکتا ہے، ہاں! ابتداء تعمیر میں اگر واقف یہ نیت کرلے کہ نیچے کا حصہ کسی اور مصرف میں ہوگا اور اوپر مسجد رہے گی تو اس کی اجازت اور گنجائش ہے لیکن قدیم مسجد کی تعمیر جدید میں نہیں ہے۔

چند دلائل:

۱۔ عن الحارث بن عبدالرحمن بن أبی ذؤیب قال: سألت سلیمان بن یسار عن النوم فی المسجد فقال: کیف تسألون عن هذا وقد کان أصحاب الصفة یأکلون وینامون فی المسجد۔ (أخبار مکة للفاکہی ۳/ ۳۴۳، از مقالہ حافظ کلیم اللہ عمری)

۲۔ کره تحریماً الوطء فوقه والبول والتغوط لأنه مسجد إلی عنان السماء وهکذا إلی تحت الثری کما فی البیری عن الاسبیجابی۔ (الدر المختار ۲/ ۴۲۸، از مقالہ مفتی محمد عثمان بستوی، مفتی عبدالرزاق امروہوی)

۳۔ عن عقبة بن عامر قال: خرج رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم ونحن فی الصفة فقال: أیکم یحب أن یغدو کل یوم إلی بطحان أو إلی العقیق فیأتی منه بناقتین کوماوین فی غیر اثم ولا قطع رحم؟ فقلت: یا رسول اللّٰہ! نحب ذلک۔ قال: أفلا یغدو أحدکم إلی المسجد فیعلم أو یقرأ آیتین من کتاب اللّٰہ خیرا من ناقتین، وثلث خیر له من ثلث، وأربع خیر له من أربع، ومن أعدادهن من الإبل۔ (صحیح مسلم

۱/۲۷۰،نسخہ قدیمہ از مقالہ مفتی محمد عثمان بستوی، ڈاکٹر محمد شاہجہاں ندوی)

۴۔ أما أهل تلک المحلة فلهم أن يهدموا و يجددوا ابناءه و يفرشوا الحصير و يعلقوا القناديل، لكن من مال أنفسهم، أما من مال المسجد فليس لهم ذلک إلا بأمر القاضی كذا فی الخلاصة۔ (هندیہ: ۲/۴۵۷، از مقالہ مفتی اقبال احمد قاسمی)

۵۔ و فی البزازية: و تعليم الصبيان فيه (أی فی المسجد) بلا أجر و بالأجر يجوز۔ (ج۶/۳۵۷، مفتی اقبال احمد قاسمی)

۶۔ لا يجوز نقض المسجد و لا بيعه و لا تعطيله و ان خربت المحلة۔ (الجامع لأحكام القرآن ۸/۲۷، ڈاکٹر مصطفی ندوی)

۷۔ لو بنی فوق المسجد بناء و لم ينو جعله مسجداً لا يصير مسجداً۔ (الهندية۔ كتاب الوقف، مولانا سعود ممتاز ندوی)

۸۔ من دخل مسجدنا هذا ليتعلم خيرا أو يعلمه، كان كالمجاهد فی سبيل اللّٰه، و من دخله لغير ذلک كان كالناظر إلى ما ليس له۔ (ابن حبان۔ كتاب العلم، ۱/۲۸۷، از مقالہ مولوی سلمان بن سلیمان ندوی)

۹۔ قال الشوكانی فی شرح هذا الحديث: و فيه أيضا التسوية بين العالم و المتعلم و الإرشاد إلى أن التعليم و التعلم فی المسجد أفضل من سائر الأمكنة۔ (نيل الأوطار: باب جامع فيما تصان عنه المساجد و ما أبيح فيها)

۱۰۔ قال الإمام الزركشی: يستحب عقد حلق العلم فی المساجد، و ذكر المواعظ و الرقاق و نحوها، و الأحاديث الصحيحة فی ذلک كثيرة مشهورة۔ (اعلام الساجد بأحكام المساجد، ص: ۳۲۸)

۱۱۔ كان أهل الصفة ناساً فقراء لا منازل لهم، فكانوا ينامون فی المسجد، لا مأوى لهم غيره۔ (فتح الباری ۱۱/۲۸۶، از مقالہ ڈاکٹر محمد شاہجہاں ندوی)

۱۲۔ و يكره النوم و الأكل فيه لغير المعتكف، و إذا أراد أن يفعل ذلک ينبغی أن ينوی الاعتكاف فيدخل فيه و يذكر اللّٰه تعالى بقدر ما نوى أو يصلی، ثم يفعل ما شاء۔ (هنديه، ۵/۳۲۱)

سوال نمبر ۲۔ اسی طرح بعض مساجد میں آمدنی نہیں ہوتی ہے۔ مسجد کی کمیٹی چاہتی ہے کہ قدیم مسجد شہید کر دی جائے اور چند منزلہ عمارت بنادی جائے جس میں نیچے کی منزل میں دکانیں بنادی جائیں تاکہ مسجد کی آمدنی کا ذریعہ

ہواور اوپر کی منزل جماعت گاہ ہو، کیا مصالح مسجد کے پیش نظر ایسا کیا جاسکتا ہے؟ اسی طرح جماعت گاہ کی منزل سے اوپر امام اور مؤذن کے لئے ایسے حجرے بنائے جاسکتے ہیں جہاں وہ تنہا یا فیملی کے ساتھ قیام کرسکیں؟

اس سوال کے جوابات میں مقالہ نگار حضرات نے جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے:

*قدیم مسجد کی نئی تعمیر میں کسی منزل پر دکانیں نہیں بنائی جاسکتی ہیں، جو جگہ بطور مسجد استعمال ہوتی آئی ہے اس جگہ دکانیں بنا کر کرایہ پر دینا مسجد کی حرمت کے خلاف اور مقصد واقف کے خلاف ہے، جہاں تک مسجد کے لئے آمدنی کا تعلق ہے تو مسجد کے اخراجات مصلیان کے تعاون سے پورے کئے جاسکتے ہیں، اسی طرح امام ومؤذن کے حجرے نہیں بنائے جاسکتے ہیں، اس سے مسجد کی بے حرمتی ہوگی، البتہ جماعت گاہ کے اوپر کی منزل کو مسجد ہی باقی رکھتے ہوئے کنارہ میں امام یا مؤذن کا حجرہ بنایا جاسکتا ہے، جہاں وہ فیملی کے بغیر قیام کرے تو اس کی گنجائش ہوگی۔ (ڈاکٹر فہیم اختر ندوی)

*مسجد بن جانے اور اس کے حدود کے متعین ہوجانے کے بعد ان حدود میں نہ نیچے دوکانیں بنائی جاسکتی ہیں اور نہ امام ومؤذن کے حجرہ کی تعمیر کی جاسکتی ہے، فقہاء کی تصریحات کے مطابق تحت الثری سے عنان سماء تک مسجد ہوتی ہے، اس میں مصالح مسجد کی بھی کوئی چیز بنائی نہیں جاسکتی اور نہ اس کے کسی حصہ کو آمدنی کی غرض سے کرایہ پر دیا جاسکتا ہے۔ (مولانا اختر امام عادل قاسمی۔ مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی)

*قدیم مسجد کی نئی تعمیر اس مقصد سے کرنا کہ مصلیوں کے لئے جگہ میں اضافہ ہوسکے اچھی بات ہے لیکن اس مقصد سے مسجد شہید کرنا تاکہ مسجد کی آمدنی کے لئے نیچے دوکانیں نکالی جاسکیں، یا امام اور مؤذن کے تنہا یا فیملی کے ساتھ رہنے کے لئے حجرے بنائے جاسکیں، شرعاً درست نہیں ہے، فقہاء نے اس سے صراحت سے منع کیا ہے۔ (مفتی راشد حسین ندوی)

*مفتی حبیب اللہ قاسمی کی رائے میں فقہ حنفی کے اصول کے مطابق اگر مسجد کی عمارت خستہ ہوچکی ہو یا اس کی آمدنی نہ ہونے کے باعث اس کے انتظامات مشکل ہوں، تو مصلحت مسجد کے تحت نیچے کی منزل پر دوکانیں بنا کر اوپر مسجد قائم رکھنا جائز ہوگا، بشرطیکہ مسجد کی حرمت اور اس کا مقصد متاثر نہ ہو، نئی تعمیر میں نماز کے لئے بہتر انتظام کیا جائے، دوکانوں کا کرایہ مسجد کے اخراجات پر ہی خرچ ہو۔ مولانا سعود ممتاز ندوی کی بھی یہی رائے ہے۔

اسی طرح موصوف کے نزدیک امام اور مؤذن کے لئے حجرے بنانا جائز ہے، بشرطیکہ یہ حجرے مسجد کے استعمال میں رکاوٹ نہ ڈالیں، وہ صرف مسجد کے عملے کے لئے مختص ہوں اور ان کا مقصد صرف خدمتِ مسجد ہو۔

*ڈاکٹر کلیم اللہ عمری لکھتے ہیں:

موجودہ اور ناگریز حالات میں ضرورۃً ارض موقوفہ کی حفاظت وکفالت کی خاطر مسجد کے گراؤنڈ فلور میں دوکانیں بنانا درحقیقت مصالح مسجد پر موقوف ہے، لہذا جس عمل سے مسجد کا فائدہ ہو، مسجد کی آمدنی ہو، ایسا عمل شرعاً

جائز ہے، نیز مسجد کے دوسرے یا تیسرے منزل پر امام/مؤذن کے لئے کمرے بنانے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے جہاں وہ تنہا یا فیملی کے ساتھ مقیم ہوں، یہ حجرے بھی یقیناً مصالح مسجد میں ہی شمار کئے جائیں گے۔

*مولانا عبیداللہ ندوی لکھتے ہیں:

امام اور مؤذن کے لئے رہائش گاہ بنانے کی گنجائش ہے کیونکہ یہ مصالح مسجد میں سے ہے، مسجد کی نئی تعمیر میں دوکان پرانی مسجد کے لئے مخصوص کی گئی جگہ کی حدود میں یا اس کے نیچے بنانا شرعاً جائز نہیں ہے بلکہ اسے مسجد میں شامل کرنا ضروری ہے، البتہ مسجد کے لئے مختص کی گئی جگہ کے اردگرد کی موقوفہ جگہ میں بنانا جائز ہوگا۔ یہی موقف مفتی محمد علی ندوی کا ہے۔

*مولانا ابرار احمد خان ندوی کے نزدیک اگرچہ فقہ حنفی میں عدم جواز ہے لیکن موجودہ حالات میں گیزر اور AC کے اخراجات اور امام ومؤذن کی تنخواہوں کی ادائیگی اور مسجد کے مصارف کی تکمیل کے لئے جدید تعمیر میں نیچے دوکانیں بنانے کی گنجائش اور اجازت ہے۔

*مفتی محمد مقصود فرقانی کے نزدیک قدیم مسجد کی جدید تعمیر میں مسجد کے نیچے دوکانیں بنانا درست نہیں ہے، مصالح مساجد کے لئے گودام وغیرہ بنا سکتے ہیں، مسجد کے اوپر امام ومؤذن کے لئے حجرہ تعمیر کرنا درست ہے، خواہ امام تنہا رہے یا فیملی کے ساتھ رہے، لیکن حمام وبیت الخلاء مسجد کے حصہ سے خارج ہو۔

*مفتی شکیل منصور قاسمی نے تو دیگر حضرات کی طرح رائے اختیار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مسجد کے لئے وقف شدہ زمین کے کسی حصے میں دوکانیں، دفاتر، یا دیگر تعمیرات کرنا شرعاً جائز نہیں، اگرچہ وہ مسجد ہی کے مفاد میں کیوں نہ ہو، کیونکہ یہ وقف کی ہیئت میں غیر شرعی تبدیلی سمجھی جاتی ہے، لیکن انہوں نے بعض متأخر فقہاء عرب، اہل علم اور فتاوی کمیٹیوں کی بعض شرائط کے ساتھ اجازت بھی نقل کی ہے، وہ شرائط یہ ہیں:

۱۔ دوکانیں مسجد کی تعمیر سے قبل بنائی جائیں

۲۔ وہ مکمل وقف کی ملکیت ہوں

۳۔ ان کی آمدنی مصالح مسجد میں خرچ ہو

۴۔ ان سے نماز وحرمتِ مسجد میں کوئی خلل واقع نہ ہو

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ قدیم مسجد نہیں بلکہ جدید مسجد کی تعمیر کے وقت دوکانیں بنانے کی بات ہے۔

*مفتی محمد اشرف قاسمی کا رجحان تحتانی وفوقانی حصوں کو مسجد کے مصالح کے لئے دیگر کاموں میں استعمال کے جواز بلکہ استحسان وپسندیدگی کا معلوم ہوتا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ من تحت الثری الی عنان السماء مسجد ہونے پر کوئی نص شرعی نہیں مل سکا اور نہ کسی علت یا حکمت کا پتہ چل سکا جس پر حکم مبنی ہے۔

*مولانا محمد انیس ندوی کے نزدیک مصالح مسجد کے پیش نظر نیچے دوکانیں اور اوپر جماعت گاہ بنانا جائز ہے لیکن جماعت گاہ کی منزل سے اوپر امام اور مؤذن کے لئے حجرے بنانے کے بجائے مسجد کے قریب باہر ان کا انتظام کیا جائے جہاں وہ تنہا یا فیملی کے ساتھ قیام کر سکیں۔

چند دلائل:

۱۔ وأن المساجد للہ فلا تدعوا مع اللہ أحدا، (سورہ جن: ۱۸، ڈاکٹر شاہ جہاں ندوی، مفتی محمد عثمان بستوی وغیرہ)

۲۔ وفی البزازیة: ولا یجوز للقیم أن یجعل شیئا من المسجد مستغلاً ولا مسکنا۔ (البحر الرائق ۲۷۱/۵)

۳۔ فإن قلت: لو جعل مسجداً ثم أراد أن یبنی فوقه بیتاً للإمام أو غیره هل له ذلک؟ قلت: قال فی التتارخانیة: اذا بنی مسجداً و بنی غرفة، وهو فی یده فله ذلک، وان کان حین بناه خلّی بینه وبین الناس، ثم جاء بعد ذلک یبنی لا یترکه۔ (البحر الرائق ۲۷۱/۵، مقالہ ڈاکٹر محمد شاہجہاں ندوی)

۴۔ ولو بنی المسجد أو لا ثم أراد أن یجعل تحته حانوتاً لمسجد فهو مردود باطل وسعی أن یرد إلی حاله۔ (حاشیة الشلبی، کتاب الوقف ۳۳۰/۳، مقالہ مفتی اکرام احمد ندوی)

۵۔ و لو بنی فوقه بیتا للإمام لا یضر لأنه من المصالح، أما لو تمت المسجدیة ثم أراد البناء منع۔۔الخ (مفتی راشد حسین ندوی، مولانا خورشید احمد اعظمی)

۶۔ قیم المسجد لا یجوز له أن یبنی حوانیت فی حد المسجد أو فی فنائه، لأن المسجد اذا جعل حانوتا و مسکنا تسقط حرمته وهذا لا یجوز۔ (هندیه ۴۶۲/۲) (مفتی راشد حسین ندوی، مفتی محبوب فروغ احمد قاسمی، ڈاکٹر تنظیم عالم قاسمی)

۷۔ أما لو تمت المسجدیة، ثم أراد البناء منع، فإذا کان هذا فی الواقف فکیف لغیره؟ فیجب هدمه۔ (الدر المختار ۵۴۸/۶، مفتی محبوب فروغ احمد، مفتی انور علی اعظمی، مولانا خورشید انور، مفتی محمد ذاکر نعمانی، مفتی جنید احمد قاسمی، مفتی محمد مقصود فرقانی)

۸۔ إذا کان فی التغییر مصلحة راجحة للمسجد، کزیادة منفعة أو درء مفسدة جاز بالإجماع۔ (الاختیار لتعلیل المختار ۵۱/۲، مفتی حبیب اللہ قاسمی)

۹۔ إذا أراد انسان أن یتخذ تحت المسجد حوانیت غلة لمرمة المسجد أو فوقه لیس له ذلک کذا فی الذخیرة۔ (الفتاوی الهندیة ۴۰۸/۲، مولانا محمد زبیر ندوی، مفتی ذاکر نعمانی)

سوال نمبر ۳: اسی طرح بعض مسجد میں شہر کے اندر ہوتی ہیں، آبادیاں بڑھ جاتی ہیں، مسجدوں کی توسیع کی ضرورت پڑ جاتی ہے۔ لیکن مسجد کے اردگرد جگہیں نہیں ہوتیں یا کم ہوتی ہیں۔ بہت سے نمازی اپنی اپنی گاڑیوں سے آتے ہیں، بالخصوص کالونیوں میں رہنے والے نمازیوں کو اسکی ضرورت پڑتی ہے لیکن وہاں گاڑیاں ٹھہرانے کی جگہیں نہیں ہوتی ہیں۔ ایسی صورت میں کمیٹی چاہتی ہے کہ مسجد شہید کر کے ایسی شکل اختیار کی جائے کہ نیچے بیسمنٹ میں پارکنگ ہو اور اوپر مسجد ہو، سوال یہ ہے کہ قدیم مسجد میں ایسی تبدیلی جس میں نمازیوں کی گاڑیوں کے ٹھہرانے کا نظم ہو، کی جاسکتی ہے؟ کیا موجودہ حالات کے پیش نظر اسکی گنجائش ہوگی؟

قدیم مسجد کی جدید تعمیر کرتے ہوئے ضرورت کے تحت تہہ خانہ میں نمازیوں کے لئے گاڑی پارکنگ کا انتظام کرنے کی گنجائش ہوگی، اس کی شکل یہ ہوسکتی ہے کہ تہہ خانہ کی منزل بھی مسجد ہی باقی رکھی جائے کہ بوقت ضرورت وہاں بھی نماز ادا کی جائے اور عام مواقع پر اس کا استعمال نمازیوں کے لئے گاڑی کھڑی کرنے کے لئے اور دیگر مصالح مسجد کے لئے کیا جائے، گھنی آبادی میں معذور اور دور سے آنے والے نمازیوں کی سخت ضرورت، راستہ میں گاڑی کھڑی کرنے میں گزرنے والوں کی دشواری، قانون کی خلاف ورزی اور مسلمانوں کی بدنامی جیسے اسباب کی بناء پر یہ گنجائش ہے۔ (ڈاکٹر فہیم اختر ندوی)

*قدیم مسجدوں میں حدود مسجد کے اندر گاڑی پارکنگ کی جگہ بنانا درست نہیں ہے، اس میں مسجد کی توہین اور بے حرمتی پائی جاتی ہے، ہاں! اگر شروع سے ہی اسی طور پر مسجد کی زمین وقف کی جائے اور نیچے پارکنگ کے ساتھ مسجد کی تعمیر کی جائے تو اس کی اجازت ہوگی لیکن مسجد بن جانے کے بعد مسجدیت کے خلاف اس میں کسی قسم کی تبدیلی جائز نہیں ہے۔ (مولانا اختر امام عادل قاسمی، مفتی انور علی اعظمی، مفتی محبوب فروغ احمد قاسمی، مفتی اقبال احمد قاسمی، مفتی رحمت اللہ ندوی، مفتی محمد عثمان بستوی، مفتی محمد علی ندوی، ڈاکٹر تنظیم عالم قاسمی)

*بیسمنٹ کو مستقل طور پر پارکنگ بنانا درست نہیں ہے، وہ جب ایک مرتبہ مسجد کے حکم میں ہو چکی ہے تو اس کی حیثیت میں تبدیلی نہیں کی جاسکتی ہے، البتہ بیسمنٹ کو مسجد مانتے ہوئے مسجد کے آداب کی رعایت کے ساتھ اس میں گاڑیاں کھڑی کی جائیں تو شرعاً کوئی حرج نہیں ہوگا۔ (مفتی راشد حسین ندوی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا محمد ممتاز خان ندوی)

*سوال نمبر ۳-۴: کا مشترک جواب یہ ہے کہ جب پہلے سے سطح زمین پر مسجد بنی ہوئی ہے اور اس کے نیچے پارکنگ اور اوپر درسگاہ وغیرہ نہیں ہے تو اب دوبارہ تعمیر کی صورت میں وہاں نہ تو بیسمنٹ میں گاڑیوں کے لئے پارکنگ بنانا جائز ہے اور نہ ہی اس کے اوپر مسلم بچوں کی دینی تعلیم بالخصوص عصری اسکولوں میں پڑھنے والے بچوں کے لئے جزء وقتی مدرسہ بنانا درست ہے۔ (مفتی عبدالرزاق امروہوی قاسمی)

*قدیم مسجد کو شہید کر کے نیچے بیسمنٹ میں پارکنگ اور اوپر دوبارہ مسجد کی تعمیر کی اجازت فقہ حنفی اور اسلامی شریعت کی روشنی میں بعض شرائط کے ساتھ ممکن ہے، تاہم یہ معاملہ نازک ہے اور اس پر غور کرتے وقت چند اہم اصول وضوابط کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔

وہ شرائط یہ ہیں:

۱۔ مسجد کی نئی تعمیر کے بعد اس کی وقفی حیثیت اور تقدس میں کوئی کمی نہ ہو۔

۲۔ تعمیر نو کے دوران مسجد کے لئے کسی متبادل جگہ کا انتظام کیا جائے تاکہ نماز کی ادائیگی متاثر نہ ہو۔

۳۔ تعمیراتی عمل سے مسجد کی پاکیزگی، سکون اور نمازیوں کے لئے سہولت میں کوئی خلل نہ ہو۔

۴۔ اس عمل کی شرعی ضرورت اور مصلحت کے لئے مقامی مفتیان کرام سے مشورہ لیا جائے۔ (مفتی حبیب اللہ قاسمی)

*ڈاکٹر شاہجہاں ندوی مسجد شہید کر کے بیسمنٹ میں پارکنگ بنانے کو ناجائز قرار دیتے ہوئے اس کا متبادل طریقہ یہ لکھا ہے کہ قدیم وضوخانہ اور استنجاخانہ کو اسی کے مقابل بالائی حصہ میں منتقل کر دیا جائے اور اس کے نچلے حصے میں گاڑیوں کے ٹھہرانے کے لئے پارکنگ بنا دیا جائے، نیز قدیم مسجد کے دائرہ کے بیسمنٹ کو ''خواتین کی نماز'' کے لئے مخصوص کر دیا جائے۔ مفتی جمیل احمد نذیری کا موقف بھی یہی ہے۔

*حافظ کلیم اللہ عمری مدنی کے نزدیک بیسمنٹ میں پارکنگ کا نظم مصالح مساجد میں شمار ہوگا اور موجودہ دور میں پارکنگ اہم مسئلہ ہے اس کی رعایت بے حد ضروری ہے اس لئے یہ صورت یقیناً جائز ہے۔ حضرات صابر حسین ندوی، سلمان ندوی، محمد انیس ندوی (ضرورۃً)، محمد اشرف قاسمی، شکیل منصور قاسمی (ضرورۃً)، قاضی محمد حسن ندوی، عبید اللہ ندوی، محمد ابرار خان ندوی، نثار احمد ندوی، سعود ممتاز ندوی، صاحبان)

*جدید مسجدوں میں اگر شروع ہی سے مسجد کے تہہ خانہ کو پارکنگ کے مقصد کے لئے بنایا گیا تھا اور اوپر مسجد بنائی گئی تھی تو پارکنگ میں کوئی حرج نہیں۔ (مفتی ذاکر نعمانی)

چند دلائل:

۱۔ طاف النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی راحلته فإذا انتهى إلى الركن أشار إليه۔ (ترمذی: ۲۶۵، مفتی محمد اشرف قاسمی)

۲۔ خالفوا اليهود فإنهم لا يصلون في نعالهم ولا خفافهم۔ (ابو داؤد: ۶۵۲، مفتی محمد اشرف قاسمی)

۳۔ جنبوا مساجدكم صبيانكم و مجانينكم، و شراءكم و بيعكم، و خصوماتكم۔ (ابن ماجة: باب مايكره في المساجد، نسخه هنديه ۵۴/، رقم: ۷۵۰، مولوی محمد ایاز ندوی)

۴۔ ولو أنه بنى المسجد أولا ثم أراد أن يجعل تحته حانوتا لمسجد فهو مردود باطل، فينبغي أن

یراد إلی حالہ۔ (حاشیۃ الشلبی ۴/۳۰۰، قاضی محمد حسن ندوی)

۵۔ حاصلہ أن شرط کونہ مسجداً أن یکون سفلہ وعلوہ مسجدا ینقطع حق العبد عنہ۔ (شامی ۴/۳۴۴، قاضی محمد حسن ندوی)

۶۔ یجوز اقامۃ مواقف للسیارات تحت المساجد نظراً لرجحان جانب المصالح المترتبۃ علی ذلک من انتفاع المسلمین بہ۔ (اللجنۃ الدائمۃ فی البحوث العلمیۃ والإفتاء۔ (مفتی محمد عثمان بستوی)

۷۔ وإذا أراد أن یبنی حوانیت فی المسجد أو فی فنائہ لا یجوز لہ أن یفعل، لأن الفناء تبع للمسجد۔ (الموسوعۃ الفقھیۃ: ۳۷/۲۱۳، مفتی اقبال احمد قاسمی)

۸۔ قیم المسجد إذا أراد أن یبنی حوانیت فی المسجد أو فنائہ لا یجوز لہ أن یفعل، لأنہ إذا جعل المسجد مسکناً تسقط حرمۃ المسجد وأما الفتاء فلأنہ تبع للمسجد (تبیین الحقائق۔ ۳/۳۳۱، مفتی عبدالرزاق امروہوی)

۹۔ إذا کانت المصلحۃ العامۃ تقتضی اعادۃ بناء المسجد، أو توسیعہ، أو اقامۃ طوابق اضافیہ فوقہ أو تحتہ، فلا حرج فی ذلک ما دامت نیۃ الوقف باقیۃ، ویظل الغرض عبادۃ اللہ تعالی۔ (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۵/۳۰۶۳، مولانا سعود ممتاز ندوی)

۱۰۔ فی ظل الظروف الحضاریۃ الحدیثۃ یجوز استخدام أسفل المسجد کمواقف للسیارات، بشرط أن تکون وظیفۃ المسجد محفوظۃ، ولا تتأثر قدسیتہ، ولا یستغل فی ما یُناقض طبیعتہ۔ (فتاوی معاصرۃ ۲/۷۸، مولانا سعود ممتاز ندوی)

۱۱۔ ولو جعل العلو مسجداً والسفل وقفا علی المسجد وأخرجہ من یدہ یجوز، وکذلک لو جعل السفل مسجداً للناس أو سرداباً ووقفاً علی ذلک وأخرجہ من یدہ یصح لأنہ للہ تعالی۔ (الفتاوی التاتارخانیۃ ۸/۱۶۲، کتاب الوقف، مولانا محمد زبیر ندوی)

سوال نمبر ۴: بعض شہروں میں جگہ جگہ قدیم مساجد میں اردگرد میں جگہیں بھی خالی ہیں لیکن کم ہیں، دوسری طرف مسلم بچوں کی دینی تعلیم بالخصوص عصری اسکولوں میں پڑھنے والے بچوں کے لئے جزء وقتی دینی تعلیم کا نظم ضروری ہوتا ہے۔ کمیٹی کے حضرات چاہتے ہیں کہ پوری مسجد شہید کردی جائے اور اردگرد کی جگہیں بھی لے لی جائیں اور چند منزلیں بنادی جائیں جن میں بیسمنٹ میں پارکنگ ہو، اس کے اوپر جماعت گاہ ہو اور اس کے اوپر جزء وقتی درسگاہ ہو۔ یعنی مسلم بچوں کی تعلیم وتربیت کا نظم ہو اور بچوں سے تعلیمی فیس بھی لی جائے تاکہ اساتذہ کی تنخواہ کے علاوہ مسجد کے مصالح پر صرف ہو یعنی درسگاہ کی منزل کرایہ پر ہو اور یہ آمدنی مصالح مسجد پر صرف ہو۔ کیا موجودہ حالات کے پیش

نظر ایسا کیا جاسکتا ہے؟

یہ سوال قدیم مسجد منہدم کر کے کئی منزلہ تعمیر کر کے بیسمنٹ میں پارکنگ، بالائی منزل میں نماز اور کسی منزل کو بچوں کی دینی یا عصری تعلیم کے لئے جزء وقتی تعلیم کے لئے مختص کرنے اور فیس لے کر تعلیم دینے سے متعلق ہے۔ اس بارے میں آراء حسب ذیل ہیں:

* ڈاکٹر محمد فہیم اختر ندوی کے نزدیک اوپر کی ایک منزل کو دینی تعلیم کے لئے درسگاہ کے طور پر استعمال کرنے اور فیس لے کر مصالح مسجد پر خرچ کرنے کی گنجائش ہے، بشرطیکہ وہ منزل بھی مسجد ہی باقی رکھی جائے اور اس جگہ جب نماز کی ضرورت نہ ہو، تعلیم وتدریس کا نظام چلایا جائے، لیکن کرایہ پر دینے کی صورت درست نہیں ہے۔ (مفتی حبیب اللہ قاسمی، مفتی انور علی اعظمی، مولانا زبیر بہرائچی)

* کسی قدیم مسجد کو مذکورہ بالا مقاصد کے لئے شہید کرنا اور اس کے حدود میں پارکنگ یا فیس والی تعلیم گاہ بنانا درست نہیں ہے، اردگرد کی خالی جگہوں کو اس کے لئے استعمال کیا جائے اور اس کی آمدنی مسجد کو دی جائے۔ (مفتی اختر امام عادل قاسمی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مفتی عبدالرزاق امروہوی، مفتی محمد عثمان بستوی، مولانا خورشید احمد اعظمی مدنی، مفتی ثناء الہدی قاسمی، مولانا عبید اللہ ندوی، مولانا جنید احمد قاسمی، مفتی شکیل منصور قاسمی، مفتی اکرام احمد ندوی)

* مفتی راشد حسین ندوی کے نزدیک اوپری منزل کو مسجد تسلیم کرتے ہوئے وہاں جزئی دینی تعلیم کا نظم کرنا نیز بچوں سے فیس لے کر معلمین کی تنخواہ اور مسجد کے دوسرے مصارف پر لگانا جائز ہے۔ (مفتی اقبال احمد قاسمی، ڈاکٹر کلیم اللہ مدنی، مفتی جمیل احمد نذیری، ڈاکٹر تنظیم عالم قاسمی، قاضی محمد حسن ندوی، مفتی محمد اشرف علی قاسمی، مولانا محمد انیس ندوی، مولوی ایاز ندوی)

* قدیم مسجد کی تعمیر نو میں بیسمنٹ میں پارکنگ بنانا شرعاً درست نہیں ہے، البتہ اس کے اوپر جماعت گاہ بنانا صحیح ہے، لیکن اس کے اوپر مسلم بچوں کی تعلیم وتربیت کے لئے جزء وقتی درسگاہ بنانا اور اس منزل کا کرایہ لینا شرعاً صحیح نہیں ہوگا۔ (ڈاکٹر مصطفی عبدالقدوس ندوی)

* ڈاکٹر شاہجہاں ندوی بھی مسجد کی کسی منزل کو جزء وقتی درسگاہ کے لئے خاص کر کے اسے کرایہ پر لگانا درست نہیں قرار دیتے ہیں، اس کا صحیح طریقہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

کسی منزل کو خاص کئے بغیر جزء وقتی دینی تعلیم کا نظم کیا جاسکتا ہے، بہتر یہ ہے کہ ان کو مفت تعلیم دی جائے، لیکن ضرورتاً ان سے فیس بھی لی جاسکتی ہے تاکہ معلم کی اجرت ادا کی جاسکے، لیکن مسجد کے مصالح پر صرف کرنے کے لئے دوسری تدبیر اختیار کی جائے۔

آگے اس کا متبادل طریقہ یہ پیش کیا ہے کہ مسجد کے اردگرد کی جگہ کے بالمقابل حصہ کو خارج مسجد رکھتے ہوئے

اس حصہ کو درسگاہ کیلئے کرایہ پر دے سکتے ہیں۔

فیس لے کر جزء وقتی درسگاہ قائم کرنا فی نفسہ درست نہیں ہوگا، لیکن آج کل کے حالات کے پیشِ نظر جب دینی تعلیم کے لئے دوسری کوئی صورت موجود نہ ہو تو عارضی درسگاہ کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ (مولانا خورشید انور اعظمی، مفتی محمد علی ندوی، مفتی محمد ذاکر نعمانی، مفتی محمد ابرار خان ندوی، مولوی سلمان بن سلیمان ندوی)

*مولانا ممتاز خان ندوی کے نزدیک بیسمنٹ میں پارکنگ بنانا جائز نہیں ہے، البتہ اوپر کسی منزل میں مسلم بچوں کی دینی تعلیم بالخصوص اسکولوں میں پڑھنے والے بچوں کے لئے عارضی تعلیم کی گنجائش ہے، بالخصوص اس وقت جب کہ درسگاہ کا کرایہ متعین ہو اور اس کو مسجد کے مصرف میں استعمال کیا جائے۔

* راقم الحروف (رحمت اللہ ندوی) کے نزدیک مسجد میں مکاتب کا قیام درست ہے، لیکن بلا ضرورت مسجد شہید کر کے چند منزلہ بنا کر بیسمنٹ میں پارکنگ اور اوپر مسجد اور اس میں جزء وقتی درسگاہ یا قیام گاہ کا نظم کرنا درست نہیں ہے، البتہ مسجد کے ارد گرد حصہ جو مسجد کے لئے وقف ہے اس کو مسجد میں شامل کرنا یا وہاں مکتب اور مدرسہ قائم کرنا واقف یا مسجد کی انتظامیہ کمیٹی کی اجازت اور مشورہ سے درست ہے اور حاصل ہونے والی فیس کو مصالح مسجد پر صرف کرنا جائز ہے، لیکن معاملہ بالکل واضح ہو، تاکہ آگے چل کر مسجد کے لئے خطرہ نہ ہو کہ مکتب اور اسکول چلانے والے حاوی ہو جائیں اور مالک بن بیٹھیں۔

*مفتی محمد مقصود فرقانی کے نزدیک مسجد شہید کر کے تعمیر نو میں مسجد کے نیچے پارکنگ وغیرہ بنانا درست نہیں ہے، البتہ مسجد کے اوپر ایسی تعمیر کرنا جس میں بچوں کی تعلیم ہو سکے، جائز ہے، خواہ تعلیم فیس لے کر دی جائے یا بغیر فیس، بہر صورت جائز ہے۔ مفتی نثار احمد گودھرا بھی یہی رائے رکھتے ہیں۔

*مولانا صابر حسین ندوی کے نزدیک قدیم مسجد منہدم کر کے بیسمنٹ، تعلیم گاہ وغیرہ بنانے میں کوئی دشواری نہیں، البتہ شرط یہ ہے کہ مسجدیت پر کوئی حرف نہ آئے اور جو بھی آمدنی ہو وہ مسجد کے صرف میں خرچ ہو۔ یہی رائے سعود ممتاز ندوی کی ہے۔

چند دلائل:

۱۔ لا بأس بتعلم القرآن فی المسجد ما لم یتخذہ حانوتا۔ (الھدایۃ، ج ۱/ ۱۴۰، مفتی حبیب اللہ قاسمی)

۲۔ إذا کان البناء لا یضر بالمسجد ولا یمنع عن الصلاۃ، یجوز ذلک للحاجۃ. (رد المختار ۳۷۲/۳، أیضاً)

۳۔ فقد قال اللہ تعالی: "وأن المساجد للہ" و ما تلوہ من الآیۃ السابقۃ فلایجوز لأحد مطلقاً أن یمنع مؤمنا من عبادۃ یأتی بھا فی المسجد، لأن المسجد ما بنی الا لھا من صلاۃ و اعتکاف و ذکر شرعی

و تعلیم علم تعلمه و قراء ة قرآن، ولا یتعین مکانا مخصوصا لأحد۔ (البحر الرائق ۳۶/۲، کتاب الصلاۃ، مفتی محبوب فروغ احمد قاسمی)

۴۔ ویجوز الدرس فی المسجد وان کان فیه استعمال اللبود والبواری المسبلة لأجل المسجد۔ (البحر الرائق ۲۵۰/۵، ڈاکٹر تنظیم عالم قاسمی)

۵۔ قیم المسجد لا یجوز له أن یبنی حوانیت فی حد المسجد أو فی فنائه لأن المسجد إذا جعل حانوتا و مسکنا تسقط حرمته، وهذا لا یجوز، والفناء تبع للمسجد، فیکون حکمه حکم المسجد کذافی محیط السرخسی۔ (الفتاوی الهندیة ۴۶۲/۲، مفتی محمد علی ندوی)

۶۔ الصفة مکان فی مؤخر المسجد النبوی، مظلّل أعد لنزول الغرباء فیه ممن لا مأوی له ولا أهل، و کانوا یکثرون فیه و یقلون بحسب من یتزوج منهم، أو یموت، أو یسافر، و قد سرد أسمائهم أبو نعیم فی الحلیة فزادوا علی المأة۔ (فتح الباری ۵۹۵/۶، ڈاکٹر محمد شاہجہاں ندوی)

۷۔ هم أصحاب الصفة، وهم نحو من أربع مأة رجل من مهاجری قریش لم یکن لهم مساکن فی المدینة ولا عشائر، فکانوا فی صفة المسجد، وهی سقیفته، یتعلمون القرآن باللیل۔ (الکشاف للزمخشری ۳۴۵/۱، ڈاکٹر محمد شاہجہاں ندوی)

سوال نمبر ۵: بعض بڑے شہروں میں مسلمانوں کی خاصی تعداد بڑی بڑی بلڈگوں اور اپارٹمنٹ میں رہتی ہے وہاں کوئی مسجد نہیں ہوتی ہے، اگر یہ مسلمان باہم مشورہ سے اپارٹمنٹ کے کسی حصہ کو خرید لیں اور نماز کے لئے مختص کرلیں اور جماعت سے وہاں نماز ادا کریں تو کیا اپارٹمنٹ کا یہ حصہ مسجد شرعی کہلائے گی؟ کیا اس پر مسجد کے احکام جاری ہوں گے، یا اسے صرف جماعت گاہ کہیں گے؟

یہ سوال بڑی بلڈنگوں اور اپارٹمنٹ میں کسی حصہ کو خرید کر نماز کیلئے مختص کر لینے سے متعلق ہے کہ اگر ایسا کرلیا جائے تو اپارٹمنٹ کا وہ حصہ مسجد شرعی کہلائے گا؟ اور اس پر مسجد کے احکام جاری ہوں گے یا نہیں؟ یا وہ صرف جماعت رعبادت گاہ ہوگا؟

* ڈاکٹر محمد فہیم اختر ندوی کے نزدیک اپارٹمنٹ کے کسی حصہ کو خرید کر اسے مسجد بنا دینا درست ہوگا۔ ایسی مسجد شرعاً مسجد قرار پائے گی۔ (ڈاکٹر کلیم اللہ عمری مدنی، مفتی ثناء الہدی قاسمی، مفتی محمد ابرار خان ندوی، مولانا محمد زبیر بہرائچی ندوی، مفتی محمد اشرف قاسمی)

*مفتی راشد حسین ندوی کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر اپارٹمنٹ کے کسی حصے کو خرید کر مسجد بنایا جائے تو ظاہر الروایہ اور مفتی بہ قول کے مطابق وہ شرعی مسجد نہیں ہوگی، لیکن یہ مجتہد فیہ قول ہے، لہذا زمانہ کی ضروریات اور

دوسرے ائمہ کے اقوال کے پیش نظر خواہ اس کو جماعت خانہ قرار دیا جائے لیکن اس کو مسجد کے تمام احکام دینے چاہیے کہ اس کیلئے بظاہر کوئی مانع نہیں ہے۔ (مفتی جمیل احمد نذیری، مفتی اکرام ندوی، مولانا نثار احمد ندوی)

*مولانا اختر امام عادل قاسمی تحریر فرماتے ہیں کہ بڑے شہروں اور گھنی آبادیوں میں جہاں دور دور مسجد نہ ہو، یا ناکافی ہو اور پوری عمارت کا حصول بھی آسان نہ ہو، مسلمانوں کو مسجد کی محرومی سے بچانے کے لئے ضرورتاً کسی بڑی عمارت کی ایک منزل یا اپارٹمنٹ کو مسجد بنانے کی گنجائش ہوگی، بشرطیکہ مسجد میں آنے جانے کے لئے مستقل راستہ موجود ہو۔ مفتی عبدالرزاق امروہوی کے نزدیک بھی مسجد شرعی قرار دینے کی گنجائش ہے۔ یہی رائے مولانا عبید اللہ ندوی، مولوی سلمان بن سلیمان ندوی، مفتی شکیل منصور قاسمی)

مذکورہ بالا حضرات کے علاوہ تمام مقالہ نگار حضرات کا موقف یہ ہے کہ

اپارٹمنٹ کے کسی حصہ کو خرید کر مسجد بنانے سے مسجد شرعی نہیں ہوگی، ہاں جماعت خانہ اور مصلی ہے، مسجد شرعی ہونے کیلئے ضروری ہے کہ اوپر نیچے سب مسجد ہی کے لئے استعمال ہو۔

چند دلائل:

سوال نمبر ۶: بعض اہل ثروت کئی منزلہ عمارت تعمیر کرتے ہیں اور شروع ہی سے ان کی نیت ہوتی ہے کہ کسی ایک منزل کو مسجد بنانا ہے اور طے کرلیں کہ تیسری منزل مسجد رہے گی اور نیچے کی دو منزلیں کمرشیل کمپلکس رہے گا اور چوتھی و پانچویں منزلوں میں کمپنی یا طباعتی ادارہ کے آفس ہوں گے یا نیٹ ورکنگ سٹم کا کام ہوگا۔ سوال یہ ہے کہ ایسی عمارت میں جو منزل مسجد متعین ہوگی کیا وہ مسجد شرعی کہلائے گی؟ کیا اس پر مسجد کے احکام جاری ہوں گے؟

یہ سوال بھی سابقہ سوال سے ملتا جلتا ہے بس فرق یہ ہے کہ اگر بعض اہل ثروت کئی منزلہ تعمیر کرتے وقت ابتداء ہی سے یہ نیت کرلیں کہ اس کثیر المنزلہ عمارت کے کسی ایک منزل کو مسجد رکھنا ہے اور بقیہ منزلوں کو دیگر مقاصد مثلاً کمرشیل کمپلکس، کمپنی، یا طباعتی آفس یا نیٹ ورکنگ سسٹم میں استعمال کیا جائے گا، تو جس منزل کو مسجد کے لئے خاص کیا ہے کیا وہ شرعی مسجد کہلائے گی؟ اور اس پر مسجد کے احکام جاری ہوں گے؟ اس سوال کے جواب میں مقالہ نگار حضرات کی دو آراء ہیں:

۱۔ کثیر منزلہ عمارت میں ابتداء تعمیر سے ہی ایک منزل کو مسجد کے لئے مختص کرنے اور بقیہ منزلوں کو تجارتی مقاصد کے لئے استعمال کرنے کی نیت ہو تو وہ منزل شرعی مسجد کہلائے گی اور اس پر مسجد ہی کے احکام جاری ہوں گے۔ اس کی گنجائش اور اجازت ہے۔ بشرطیکہ اس کا راستہ الگ ہو اور کچھ حدود و قیود کے ساتھ اجازت ہے۔

۲۔ یہ منزل مسجد شرعی نہیں کہلائے گی بلکہ عبادت گاہ/ جماعت گاہ/ مصلی کہلائے گی، لہذا اس پر مسجد کے احکام جاری نہ ہوں گے۔

پہلی رائے کے حاملین یہ حضرات (۱۹) ہیں:

رحمت اللہ ندوی، قاضی محمد حسن ندوی، مفتی ثناء الہدی قاسمی، مولانا ممتاز خاں ندوی، مفتی جمیل احمد نذیری، حافظ کلیم اللہ عمری، مفتی محمد عثمان بستوی، ڈاکٹر مصطفی عبدالقدوس ندوی، مفتی اقبال احمد قاسمی، مفتی عبدالرزاق امروہوی، مولانا اختر امام عادل قاسمی، ڈاکٹر محمد فہیم اختر ندوی، مفتی شکیل منصور قاسمی، مفتی محمد اشرف قاسمی، مولانا سعود ممتاز ندوی، مولانا سلمان بن سلیمان ندوی، مولانا محمد اکرام ندوی، مولانا محمد زبیر ندوی، مفتی محمد ابرار خان ندوی

دوسری رائے کے حاملین کے اسماء گرامی یہ ہیں (۱۵):

مفتی محمد مقصود فرقانی، مفتی جنید احمد قاسمی، مفتی نثار احمد گودھرا، مولانا محمد صابر حسین ندوی، مفتی راشد حسین ندوی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مفتی انور علی اعظمی، ڈاکٹر شاہجہاں ندوی، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا خورشید احمد اعظمی مدنی، مفتی محمد علی ندوی، ڈاکٹر تنظیم عالم قاسمی، مولانا عبید اللہ ندوی، مفتی محمد ذاکر نعمانی

جبکہ مولانا محمد انیس ندوی کی رائے ہے کہ ایسی عمارت میں جو منزل مسجد متعین ہوگی، وہ مسجد شرعی نہیں کہلائے گی اور اس پر مسجد شرعی کے احکام جاری نہیں ہوں گے، البتہ مخصوص حالات میں صاحبین کے قول پر عمل کرنے کی گنجائش ہے۔

فریق اول (قائلین مسجد) کے چند دلائل:

۱۔ لا مانع من اقامة مسجد فی أحد أدوار العمارة علی أن یحافظ علیه أن تناله النجاسة و ینزه عن کل ما یشوش علی المصلین۔ (مجموعۃ الفتاوی الشرعیۃ ۶/ ۹۷۔ باب المساجد۔ مفتی محمد ابرار خان ندوی)

۲۔ و إذا کان السرداب أو العلو لمصالح المسجد أو کان وقفاً علیه صار مسجداً۔ (رد المحتار ۶/ ۵۴۷، کتاب الوقف۔ محمد زبیر ندوی)

۳۔ و لو جعل العلو مسجداً و السفل وقفا علی المسجد و أخرجه من یده یجوز، و کذلک لو جعل السفل مسجداً للناس أو سِرداباً و وقفاً علی ذلک و أخرجه من یده یصح، لأنه لله تعالیٰ۔ (الفتاوی التاتارخانیۃ ۸/ ۱۶۲، کتاب الوقف۔ محمد زبیر ندوی بہرائچی، مزید دیکھیں موصوف کا مقالہ)

۴۔ روی الحسن عنه أنه قال: إذا جعل السفل مسجداً و علی ظهره مسکن فهو مسجد، لأن المسجد مما یتأبد، و ذلک یتحقق فی السفل دون العلو، و عن محمد علی عکس هذا، لأن المسجد معظم، و إذا کان فوقه مسکن أو مستغل یتعذر تعظیمه۔ (ھدایہ مع العنایۃ، کتاب الوقف ۶/ ۲۳۴۔ مولانا محمد اکرام ندوی، ڈاکٹر فہیم اختر ندوی، مفتی عبدالرزاق قاسمی وغیرہ)

۵۔ یجوز بناء المساجد فوق أو تحت المبانی التجاریة و الإداریة بشرط أن تکون منفصلة

استقلالاً و وقفاً۔ (قرار رقم ۴۳/الدورۃ الخامسۃ، مجمع الفقہ الاسلامی الدولی جدۃ، ۱۹۸۸۔ از مقالہ سعود ممتاز ندوی)

۶۔ عن محمد أنه حين دخل الري و رأى ضيق الأمكنة جوز ذلك كله لما قلنا۔ و عن أبي يوسف أنه جوز في الوجهين حين قدم بغداد و رأى ضيق المنازل فكأنه اعتبر الضرورة. (المحیط البرھانی ۶/۲۰۷) (از مقالہ شکیل منصور قاسمی، محمد ممتاز خاں ندوی، ثناء الہدی قاسمی)

۷۔ إذا جعل علو داره مسجداً دون سفلها أو سفلها دون علوها، صح. (المغنی ۶/۲۱۸۔ از مقالہ مصطفی عبد القدوس ندوی)

فریق ثانی (عدم مسجد کے قائلین) کے چند دلائل:

۱۔ من جعل مسجداً تحته سرداب أو فوقه بيت و جعل باب المسجد الى الطريق، و عزله عن ملكه فله أن يبيعه و إن مات يورث عنه لأنه لم يخلص لله تعالىٰ لبقاء حق العبد متعلقا به. (الہدایۃ۔ کتاب الوقف ۳/۲۰۔ از مقالہ مفتی محمد ذاکر نعمانی، مفتی محبوب فروغ احمد قاسمی، مفتی راشد حسین ندوی)

۲۔ و المسجد خالص لله سبحانه ليس لأحد فيه حق، قال الله تعالى و أن المساجد لله. (فتح القدیر ۶/۲۱۸۔ از مقالہ ڈاکٹر تنظیم عالم قاسمی، مولانا خورشید احمد اعظمی)

۳۔ و حاصل أن شرط كونه مسجداً أن يكون سفله و علوه مسجداً لينقطع حق العبد عنه۔ (رد المختار ۴/۳۵۸۔ از مقالہ محمد علی ندوی)

۴۔ رجل جعل داره مسجداً تحته سرداب و جعل باب المسجد إلى الطريق و عزله، فانه لا يصير مسجداً حتى لو مات يورث عنه، و له أن يبيعه حال حياته، لأن المسجد لا يكون لله إلا خالصا، و في هذين الفصلين لا خلاص، لأن الأرض أو السطح من هذا المسجد لا يكون لله تعالىٰ. (المحیط البرھانی ۶/۲۰۷۔ از مقالہ خورشید انور اعظمی)

۵۔ ظاہر المذھب میں یہ مسجد نہیں ہے کیونکہ مسجد کو بندوں کے مادی حقوق سے خالی ہونا چاہیے اور ہر طرح سے ممتاز ہونا چاہیے۔ علامہ ابن نجیم نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ هذا هو ظاهر المذهب، و هنالك روايات ضعيفة مذكورة في الهداية. (البحر الرائق، کتاب الوقف ۵/۲۷۱، از مقالہ محمد شاہجہاں ندوی، جنید احمد قاسمی)

۶۔ اذا شرط الامام أو الواقف على المسجد أن يكون جزء منه مملوكاً له لا يصير المسجد شرعاً. (الفتاوی الہندیۃ ۲/۴۳۵، از مقالہ حبیب اللہ قاسمی)

سوال نمبر ۷: کچھ مسائل مسجد کی اراضی اور پراپرٹی سے بھی متعلق ہیں جو عام طور پر پیش آتے ہیں مثلاً بعض مساجد کی آمدنی کے لئے کچھ اراضی ہوتی ہیں جو زراعتی ہوتی ہیں، عموماً زراعت میں اخراجات بہت ہو جاتے ہیں اور

آمدنی کم ہوتی ہے جس سے مسجد کے اخراجات پورے نہیں ہوتے ، متولیاں چاہتے ہیں کہ اراضی فروخت کر دی جائیں اور ان کے بدلے بازار میں دکانیں خریدی جائیں تا کہ بذریعہ کرایہ مسجد کو اتنی آمدنی آتی رہے جس سے اخراجات پورے ہوں۔

سوال یہ ہوتا ہے کہ کیا زائد آمدنی کے پیش مسجد کی اراضی فروخت کر کے دوسری زائد آمدنی والی اراضی یا دکانیں خریدنا درست ہے؟ اس سوال میں نزاکت یہ ہے کہ عموماً دیکھا جاتا ہے کہ اوقاف کی اراضی فروخت ہونے کے بعد ضائع ہو جاتی ہیں اور بدل شاذ و نادر ہی حاصل ہو پاتا ہے۔ ایسی صورت میں کیا زائد آمدنی کے لئے موقوفہ اراضی فروخت کر کے دکانیں خریدی جاسکتی ہیں؟

زائد آمدنی کے لئے موقوفہ اراضی فروخت کر کے دوکانیں خریدنا درج ذیل شرطوں کے ساتھ جائز ہے:

(الف) جس خطہ میں امارت شرعیہ قائم ہو، اس کے تین معتبر و قابل اعتماد قاضی کی اجازت سے ہو۔

(ب) جہاں امارت شرعیہ نہ ہو، وہاں ملک کے قابل اعتماد تین ادارے کے تین معتبر مفتی و قاضی کی اجازت ہو۔

(ج) موقوفہ اراضی فروخت کرنے سے پہلے ہی بدل یعنی دوکانوں کی خرید کا معاملہ کر لیا جائے اور بیعانہ دے دیا جائے۔

(د) تین معتبر مفتی و قاضی بدل کی خریداری کیلئے بیعانہ کی ادائیگی کے بعد ہی فروخت کی اجازت دیں۔

(ھ) اجازت دینے کے بعد وہ تین معتبر مقامی لوگوں پر مشتمل کمیٹی کی تشکیل کر دیں، جو ان کو پورے معاملہ سے باخبر رکھے۔

(و) ٹال مٹول کی صورت میں کمیٹی اجازت دینے والے مفتی و قاضی کو باخبر کرے جو تحقیق کرنے کے بعد متولی کو برخاست کر دیں اور مقامی کمیٹی کے واسطے سے دوکانوں کی خریداری کر کے مسجد کے نام رجسٹری کرائیں اور نئے متولی کا تقرر کریں۔ (مفتی شاہجہاں ندوی)

* مفتی محمد مقصود فرقانی کے نزدیک مسجد کی زرعی زمین کو فروخت کر کے مسجد کیلئے دوکانیں وغیرہ خرید کر آمدنی کے ذرائع و اسباب بنانا جائز و درست ہے یہ مسئلہ مسجد کی کمیٹی و متولی کی صواب دید پر ہے، البتہ شرط یہ ہے کہ مذکورہ زرعی زمین ضائع نہ ہونے دیں۔

و اذا سلم المسجد الی متولی یقوم بمصالحه یجوز و ان لم یصل فیه و هو الصحیح۔ (عالمگیری ۲/ ۴۷۳)

* وقف جب مسجد نہ ہو تو مفتی بہ قول یہ ہے کہ قاضی کو حق ہے کہ وہ واقف کی شرط کے بغیر بھی بوقت ضرورت موقوف (وقف شدہ جائداد) کو بدل دے، لیکن مندرجہ ذیل شرائط کی رعایت ضروری ہے:

۱۔ موقوف (وقف شدہ جائیداد) بالکلیہ انتفاع کے لائق نہ رہا ہو۔

۲۔وقف کی کوئی ایسی آمدنی نہ ہوجس سے موقوف کی تعمیر کی جاسکے۔
۳۔اس کی فروختگی غبن فاحش (کھلی ہوئی دھوکہ دہی) کے ساتھ نہ ہو۔
۴۔استبدال کرنے والا صاحب علم وعمل ہو۔
۵۔استبدالِ غیر منقول جائیداد (درہم ودینار اور روپے پیسے) کے ذریعہ نہ ہو، کہ متولی اسے کھا جائے۔
۶۔قاضی اس وقف شدہ مال کو ایسے شخص کے ہاتھ نہ فروخت کرے جس کی شہادت قبول نہیں کی جاتی ہو اور نہ ایسے شخص کے ہاتھ جس پر دین ہو۔ (مفتی رحمت اللہ ندوی)

*اگر موقوفہ جائیداد کی آمدنی قلیل ہو، مسجد کے اخراجات کیلئے قرض لینا پڑتا ہو تو شرعی قاضی یا شرعی کمیٹی کے مشورے اور کچھ شرطوں کے ساتھ موقوفہ اراضی فروخت کرکے بازار میں دوکانیں خریدنا جائز ہوگا۔(مفتی عبدالرزاق امروہوی، قاضی محمد حسن ندوی)

*جن مساجد پر وقف اراضی، مسجد کے لئے انفع نہ رہ گئی ہوں، انہیں فروخت کرکے انفع للوقف جائیداد میں تبدیل کیا جاسکتا ہے، استبدال وقف کی شرائط کا لحاظ کرتے ہوئے۔(مفتی جمیل احمد نذیری، مفتی شکیل منصور قاسمی ،مولانا سلمان ندوی، مولانا ممتاز خان ندوی، مولانا صابر حسین ندوی)

*مفتی ثناء الہدی قاسمی کے نزدیک استبدال کی اجازت صرف آمدنی بڑھانے کیلئے نہیں دی جاسکتی اور ایسا کرنے کی گنجائش بھی نہیں معلوم ہوتی، فقہاء حنابلہ کے نزدیک اگر وقف کی منفعت بالکلیہ ختم نہ ہو لیکن کم ہوجائے تو زیادہ نفع بخش بنانے کیلئے بھی بیع درست نہیں ہے، احناف کے یہاں بھی فتوی اسی پر ہے کہ اس صورت میں استبدال درست نہیں ہے کیونکہ خدا ناترس قضاۃ اور حکام اس کا سہارا لے کر بہت سارے اوقاف کو خرد برد کردیں گے۔(مفتی جنید احمد قاسمی، مفتی نثار احمد گودھرا، مفتی انور علی اعظمی)

"إن لم تتعطل مصلحة الوقف بالكلية لكن قلّت، وكان غيره أنفع منه وأكثر رداً على أهل الوقف لم يجز بيعه" (المغنی ۵/۳۶۹)

"نحن لا نفتي به وقد شاهدنا في الاستبدال ما لا يعد ولا يحصر، فإن ظلمة القضاة جعلوه حيلة لإبطال أوقاف المسلمين" (ردالمحتار ۶/۵۸۸)، اس کے علاوہ بھی کئی دلائل نقل کئے ہیں۔

*ڈاکٹر کلیم اللہ عمری کے نزدیک زائد آمدنی کے حصول کیلئے مسجد کی زمین بیچ کر دوسری جائیداد خریدنے میں ارض موقوفہ میں واقف کی نیت کا لحاظ کرنا ضروری ہے، اس کی موت کی صورت میں اس کے ورثاء یا متعلقین رقرابت داروں کی رضامندی اور ان کے اختیار سے تصرف جائز ہوگا، لیکن احتیاط کی اشد ضرورت ہے کہ کہیں ارض موقوفہ میں غلط تصرف نہ ہو۔

رو الوقف إذا خرب، و تعطلت منا فعه. جاز بيع بعضه لتعمر به بقيته، و إن لم يكن الانتفا ع بشئ منه، بيع جميعه. الخ (المغنی ۵/ ۳۶۸)

*مفتی محمد عثمان بستوی نے لکھا ہے کہ مسجد کے نفع کیلئے تبدیل کرنے میں علماء کا اختلاف ہے، راجح اور مفتی بہ عدم جواز ہے اور جواز کا قول مرجوح ہے، عام حالات میں اراضی موقوفہ کو کثرت نفع کیلئے تبدیل کرنے کی اجازت نہیں البتہ مجبوری اور خصوصی حالات میں اگر منتظمین پوری امانت و دیانت کے ساتھ اس کو مسجد کیلئے ناگزیر خیال کرتے ہوں تو اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

موصوف نے یہ بھی لکھا ہے کہ مسجد کی مملوکہ اشیاء کو مسجد کے مصالح اور منفعت کیلئے فروخت کرنا اور بدلنا جائز ہے، لیکن اراضی موقوفہ کو بدلنے کی چند شرائط ہیں:

۱۔ واقف نے وقف کرتے وقت تبدیل کرنے کی اجازت دی ہو۔

۲۔ وہ اراضی کسی وجہ سے ناقابل منفعت ہو جائیں۔

۳۔ کسی نے قبضہ کرلیا ہو اور اس سے آزاد کرانا ممکن نہ ہو، البتہ وہ عوض دینے پر راضی ہو، تو ان تین صورتوں میں باتفاق فقہائے حنفیہ مسجد پر وقف اراضی تبدیل کرنا جائز ہے۔ (مفتی محمد اشرف قاسمی، مولانا محمد اکرام ندوی)

*زائد آمدنی کے پیش نظر مسجد کی اراضی فروخت کر کے دوسری زائد آمدنی والی اراضی یا دوکانیں خریدنا درست ہے۔ (محمد انیس ندوی، ڈاکٹر مصطفی عبدالقدوس ندوی، سعود ممتاز ندوی)

*فقہاء کی ذکر کردہ استبدال وقف کی شرائط کی رعایت کرتے ہوئے ضرورت و مصلحت کے تحت کم نفع بخش والی مسجد کی اراضی کو فروخت کر کے دوسری زائد آمدنی والی زمین یا دوکانوں کا خریدنا درست ہے۔ (مفتی اقبال احمد قاسمی، مولانا ممتاز زبیر بہرائچی ندوی، مولوی محمد ایاز ندوی، مولانا خورشید انور اعظمی، مفتی محمد علی ندوی، مفتی محمد ذاکر نعمانی)

*مفتی اختر امام عادل قاسمی کے نزدیک اگر وقف کی اراضی کسی درجہ میں بھی نفع بخش ہیں تو ان کو تبدیل کرنا درست نہیں ہے، خواہ نفع کم ہی کیوں نہ ہو، نفع کا کم و بیش ہونا تبدیلیٔ وقف کیلئے وجہ جواز نہیں ہے، جواز کی دو بنیادیں ہیں: وقف نامہ میں واقف کی طرف سے تبدیلی کی اجازت اور دوسرے وقف کے تحفظ کی ضرورت ہے۔ تقریباً یہی رائے ڈاکٹر محمد فہیم اختر ندوی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، اور ڈاکٹر تنظیم عالم قاسمی، کی ہے۔

*مفتی محمد ابرار خان ندوی کے نزدیک مسجد کے لئے وقف زراعتی اراضی کو فروخت کرنا یا کسی زمین و جائیداد سے تبدیل کرنا شدید ضرورت کے بغیر درست نہیں ہے، جہاں تک ممکن ہو موقوفہ زمین کو اصلی حالت پر باقی رکھتے ہوئے زیادہ نفع آور بنانے کی کوشش کی جائے، البتہ اگر ضرورت شدید ہو کہ مسجد کیلئے وقف آراضی کو نقصان کا اندیشہ ہو، یا اس پر قبضہ کا خطرہ ہو، یا اس موقوفہ زمین کی پیداوار مسجد کے اخراجات کیلئے ناکافی ہو اور مسجد کیلئے موقوفہ آراضی کو

تبدیل کرکے یا فروخت کرکے دوسری جائیداد حاصل کرنے میں مسجد کا مفاد ہو، آمدنی بڑھنے کا قوی امکان ہوتو مسجد کے ذمہ دار افراد اور ملت کے خیر خواہ حضرات کے باہمی مشورہ کے بعد مسجد کے مفاد کو مدنظر رکھتے ہوئے وقف زمین کو فروخت کرکے دوکانیں خریدی جاسکتی ہیں۔

* جب وقف سے کلی طور پر نفع نہ رہا ہوتو استبدال اس شرط کے ساتھ جائز ہوگا کہ استبدال کو یقینی بنایا جائے، ایسا نہ ہو کہ فروخت کے بعد جائیداد کی خریداری میں کوتاہی ہورہی ہو، رہی وہ صورت جب کم فائدہ ہورہا ہوتو زیادہ نفع کیلئے وقف کا استبدال جائز نہیں ہوگا۔ (مفتی راشد حسین ندوی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا عبید اللہ ندوی)

*مفتی انور علی اعظمی کے نزدیک بعض ناگزیر حالات مثلاً غاصبانہ قبضہ کے علاوہ بیچنا جائز نہیں ہے۔

چند دلائل:

۱۔ و كذلك سائر الوقوف عنده إلا أنها إذا أخرجت عند انتفاع الموقوف عليهم به جاز استبدالها بإذن الحاكم بأرض أو دور آخر تكون وقفا مكانها۔ (اعلاء السنن، کتاب الوقف ۱۱۲/۱۳۔ از مقالہ محمد ذاکر نعمانی)

۲۔ إذا ضعفت الأرض الموقوفة عن الاستغلال و القيم يجد بثمنها أرضا أخرى هي أنفع للفقراء، و أكثر ربحاً كان له أن يبيع هذه الأرض و يشترى بثمنها أرضا أخرى، جوز رحمه الله استبدال الأرض بالأرض. (خانیہ، از مقالہ عبید اللہ ندوی، محمد اکرام ندوی)

۳۔ اعلم أن الاستبدال على ثلاثة وجوه: الأول: أن يشترطه الواقف لنفسه أو لغيره أو لنفسه وغيره، فالاستبدال فيه جائز على الصحيح و قيل: اتفاقا، والثانى: أن لا يشرطه سواء شرط عدمه أو سكت لكن صار بحيث لا ينتفع به بالكلية بأن لا يحصل منه شئ أصلا، و لا يفى بمؤنته فهو أيضا جائز على الأصح اذا كان بإذن القاضى و رأيه المصلحة فيه، والثالث: أن لا يشرطه أيضا و لكن فيه نفع فى الجملة و بدله خير منه ريعاً و نفعاً، و هذا لا يجوز استبداله على الأصح المختار. (شامی ۴۲۴/۳، از مقالہ تنظیم عالم قاسمی، محمد ابرار خاں ندوی، محمد زبیر ندوی)

۴۔ شرط أن يبيعها و يشترى بثمنها أرضا أخرى و لم يزد صح استحسانا و صارت الثانية وقفا بشرائط الأولى۔ (ردالمحتار ۳۸۵/۴، مطلب فی استبدال الوقف وشروطہ، از مقالہ محمد علی ندوی)

۵۔ والمعتمد أنه بلا شرط يجوز للقاضى بشرط أن يخرج عن الانتفاع بالكلية. (ردالمحتار ۵۸۶/۶) از مقالہ خورشید احمد اعظمی مدنی، راشد حسین ندوی

۶۔ سئل شمس الاسلام الحلوانى عن أوقاف المسجد اذا تعطلت و تعذر استغلالها، هل

المتولی أن یبیعها و یشتری مکانها أخری؟ قال: نعم، قیل: إذا لم یتعطل و لکن یوجد بثمنها ما هو خیر منها هل له أن یبیعها؟ قال: لا، و من المشایخ من لم یجوز بیع الوقف تعطل أو لم یتعطل، و کذا لم یجوز الاستبدال بالوقف، و هکذا حکی فتوی شمس الأئمة السرخسی رحمہ اللہ فی فصل العمارة إذا ضعفت الأراضی الموقوفة عن الاستغلال، و القیم یجد بثمنها أرضا أخری هی أکثر ریعاً أن له أن یبیع هذه الأرض و یشتری بثمنها ما هو أکثر ریعاً. (المحیط البرهانی ۶/ ۲۳۳، از مقالہ خورشید انور اعظمی، مولانا سلمان بن سلیمان ندوی)

۷۔ إذا تم أی الوقف و لزم لا یملک أی لا یقبل التملیک لغیره بالبیع و نحوه لا ستحالة تملیک الخارج عن ملکه. (شامی ۴/ ۳۵۲، از مقالہ انور علی اعظمی)

۸۔ شرط الواقف کنص الشارع (الدر مع الشامی ۴/ ۴۳۳، کتاب الوقف، از مقالہ انور علی اعظمی)

۹۔ صرحوا باستبدال الوقف إذا خرب، و صار لا ینتفع به، و هو شامل للأرض و الدار، قال فی الذخیرة: و فی المنتقی: قال هشام: سمعت محمداً یقول: الوقف إذا صار بحیث لا ینتفع به المساکین فللقاضی أن یبیعه، و یشتری بثمنه غیره، و لیس ذلک الا للقاضی. (ردالمحتار ۴/ ۳۷۶۔ از مقالہ محبوب فروغ احمد قاسمی)

۱۰۔ یُفتیٰ بکل ما هو أنفع للوقف فیما اختلف العلماء فیه، (ردالمحتار ۶/ ۴۸۲۔ از مقالہ محمد انیس ندوی)

۱۱۔ منها عدم استبدال ما قل ریعه. (أیضاً ۶/ ۴۸۳۔ از مقالہ محمد انیس ندوی)

۱۲۔ یجوز بیع الموقوف إن کان ذلک فی مصلحة الوقف و أصلح له، بشرط أن لا یضر بالوقف و لا یضعف ماله. (الدر المختار ۵/ ۱۲۳) از مقالہ سعود ممتاز ندوی

۱۳۔ و أفاد صاحب البحر فی رسالته فی الاستبدال أن الخلاف فی الثالث إنما هو فی الأرض إذا ضعفت عن الاستغلال، بخلاف الدار إذا ضعفت بخراب بعضها و لم تذهب أصلا فانه لا یجوز حینئذ الاستبدال علی کل الأقوال، قال و لا یمکن قیاسها عل الأرض فإن الأرض إذا ضعفت لا یرغب غالباً فی استئجارها بل فی شرائها، اما الدار فیرغب فی استئجارها مدة طویلة لأجل تعمیرها للسکنی علی أن باب القیاس مسدود فی زماننا، و إنما للعلماء انتقل من الکتب المعتمدة کما صرحوا به. (حاشیۃ رد المحتار ۴/ ۳۸۵) از مقالہ مفتی اختر امام عادل قاسمی

سوال نمبر ۸: بعض مساجد ایسی ہوتی ہیں کہ ان سے متعلق اراضی ہوتی ہیں جو مساجد کی ملکیت ہوتی ہے، کمیٹی اس کے تحفظ اور مسجد کی آمدنی کے پیش نظر وہاں مکاتب یا مدارس قائم کر دینا چاہتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ مساجد کی

اراضی میں مکاتب یا مدارس قائم کرنا درست ہے؟ اگر تعمیرات کے بعد کرایہ مقرر کر دیا جائے اور آمدنی مسجد کو دی جائے اور وہاں تعلیمی نظام جاری رہے تو شرعاً اسکی اجازت ہوگی؟ اس سے مقاصد وقف میں خلل تو نہیں ہوگا؟ تحفظ کی غرض سے کیا یہ تصرف درست ہوگا؟

اس سوال کا خلاصہ مساجد پر وقف اراضی میں مکاتب یا مدارس قائم کرنا یا کرایہ پر دینا ہے۔

* مساجد کی زیر ملکیت اراضی کو جو کہ عین مسجد سے خارج ہوں، تحفظ یا آمدنی کی غرض سے کرایہ پر لگانا یا ان میں مکاتب یا مدارس قائم کرنا درست ہے، فقہاء نے وقف کی اراضی میں آمدنی کیلئے تعمیرات کی اجازت دی ہے، اس سے مقاصد وقف میں خلل نہیں آتا، بلکہ ان کی توسیع ہوتی ہے، وقف کے مستحقین کیلئے یہ زیادہ نفع بخش ہے جو کہ وقف کا مطلوب ہے۔ (مفتی اختر امام عادل قاسمی، مفتی شکیل منصور قاسمی، ڈاکٹر مصطفی عبدالقدوس ندوی، مفتی محمد علی ندوی، ڈاکٹر تنظیم عالم قاسمی)

* ڈاکٹر محمد فہیم اختر ندوی کے نزدیک مساجد کی یہ زائد اراضی مصالح مسجد کیلئے وقف کی صورت رکھتی ہیں، چونکہ ہر علاقہ میں اب آبادی بڑھتی جارہی ہے اور نمازیوں کی تعداد بڑھنے کی وجہ سے مساجد کی توسیع کی ضرورت ہر جگہ آتی جارہی ہے، اس لئے بہتر یہی ہے کہ مسجد سے متعلق زائد اراضی کو چہار دیواری وغیرہ بنا کر مسجد کے اندر لے لیا جائے اور مصالح مسجد میں ان کا استعمال کیا جائے، صرف مسجد کی آمدنی کیلئے ان پر مدارس قائم کرنا اور کرایہ پر لگانا درست نہیں ہے، البتہ اگر ان زائد اراضی پر قبضہ کا خطرہ ہو اور دینی مدرسہ یا مکتب قائم ہونے کی صورت میں خطرہ ٹل جانے کی امید ہو تو اسلامک فقہ اکیڈمی کے دسویں سیمینار ۱۹۹۷ء ممبئی کی شرائط کے ساتھ دینی مدرسہ یا مکتب قائم کرنا درست ہوگا۔ وہ شرائط یہ ہیں:

الف: مسجد آباد نہ ہو اور مدرسہ یا مکتب قائم ہونے میں مسجد کے آباد ہونے کی امید ہو۔

ب: مسجد پر موقوف زائد اراضی پر قبضہ غاصبانہ کا شدید خطرہ ہے اور دینی مدرسہ یا مکتب قائم ہونے کی صورت میں قبضہ کا خطرہ ٹل جائے گا۔

ج: جس آبادی یا محلہ میں مسجد واقع ہے وہاں مسلمان بچوں کیلئے کوئی دینی مدرسہ یا مکتب قائم کرنے کیلئے کوئی مستقل بندوبست بھی نہ ہو تو مسجد پر وقف زائد اراضی میں دینی مدرسہ یا مکتب قائم کیا جاسکتا ہے لیکن اس کیلئے مسجد کے متولی یا منتظمہ کمیٹی سے اجازت لے لی جائے، بہتر یہ ہے کہ خود مسجد کی کمیٹی ہی اس مکتب یا مدرسہ کا بندوبست کرے۔ (مفتی عبدالرزاق امروہوی، مفتی جمیل احمد نذیری، رحمت اللہ ندوی، مفتی محمد مقصود فرقانی، مفتی محمد ابرار خاں ندوی، مولوی محمد ایاز ندوی، مفتی انور علی اعظمی، مولانا خورشید احمد اعظمی)

* مساجد سے متعلق اراضی جس میں مسجد بنی ہوئی نہ ہو، تحفظ کی غرض سے اس زمین پر مکاتب یا مدارس کا قیام

کیا جاسکتا ہے، بشرطیکہ مدارس ومکاتب والے اس کام کیلئے اسے کرایہ یا لیز کے طور پر لیں اور دستاویز میں صراحت کی گئی ہو کہ یہ مسجد کی زمین ہے، اس کی آمدنی مسجد کے کام میں خرچ ہوگی اور متولی کو حق ہوگا کہ کرایہ نامہ یا لیز کے شرائط نہ پورے ہونے کی صورت میں مسجد کی زمین کو خالی کرالے۔ (مفتی ثناء الہدی قاسمی، مفتی محمد عثمان بستوی، مفتی اقبال احمد قاسمی، ڈاکٹر کلیم اللہ عمری، قاضی محمد حسن ندوی، ڈاکٹر محمد شاہجہاں ندوی، مفتی محمد اشرف قاسمی، مولانا سعود ممتاز ندوی، مولوی سلمان بن سلیمان ندوی، مفتی محمد اکرام ندوی، مولانا محمد زبیر ندوی، مولانا محمد صابر حسین ندوی، مفتی راشد حسین ندوی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مفتی حبیب اللہ قاسمی)

مذکورہ بالا حضرات کی رائے تقریباً یکساں ہیں، الفاظ وتعبیرات کا فرق ہے۔

ان کے علاوہ درج ذیل حضرات کی رائے مختلف اور عدم جواز کی ہے:

* احاطۂ مسجد کی وہ جگہ، مسجد کے مصالح کیلئے وقف ہے، اس جگہ مدرسہ بنانے کی اجازت دینا درست نہیں ہے، البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ وہ جگہ دینی مدرسہ چلانے کیلئے کرایہ پر دی جائے اور کرایہ مسجد کے مفاد میں صرف ہوتا رہے۔ (جامع الفتاوی ۳/ ۵۳۲) مفتی محمد ذاکر نعمانی)

* مولانا عبید اللہ ندوی کے نزدیک درج ذیل شرائط کے ساتھ کرایہ پر دینے کی گنجائش ہے:

(الف) مسجد کو اس کی فی الحال ضرورت نہ ہو۔ (ب) طویل عرصہ کیلئے نہ ہو۔ (جس کی مدت زیادہ سے زیادہ تین سال ہے) لیکن چونکہ آج کل سرکاری کاغذات اور ریکارڈ موجود ہونے کی وجہ سے جہاں اس پر قبضہ کا امکان کم ہوتا ہے، وہاں طویل عرصہ کیلئے بھی دینے کی گنجائش ہے۔ (ج) اس کا کرایہ واجبی ہو یعنی مارکیٹ کے مروجہ کرایہ سے کم نہ ہو۔

* مولانا خورشید انور اعظمی کے نزدیک مسجد شرعی کیلئے وقف شدہ زمین پر مدرسہ قائم کرنا درست نہیں ہے، اس لئے کہ یہ منشاء واقف کے خلاف ہوگا، جو جائز نہیں ہے، جیسا کہ علامہ ابن نجیم نے ''الاشباہ والنظائر'' میں اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے: ''شرط الواقف کنص الشارع أی فی وجوب العمل بہ'' (الأشباہ ۱/ ۱۶۲)

البتہ موصوف کے نزدیک مسجد کی زمین پر اس کے تابع بنا کر کسی عمارت کو بنانا درست ہے اور اس میں مکاتب ومدارس قائم کرنا جائز ہے۔

''البقعة الموقوفة على جهة إذا بنى رجل فيها بناء ووقفها على تلك الجهة يجوز بلا خلاف تبعا لها، فإن وقفها على جهة أخرى اختلفوا في جوازه، والأصح أنه لا يجوز، كذا في الغياثية''۔ یہی رائے مفتی جنید احمد قاسمی کی ہے۔ (فتاوی ھندیہ ۲/ ۳۶۲)

* مفتی نثار احمد گودھرا کے نزدیک مساجد کی اراضی کے تحفظ کیلئے اگر اس جگہ مکاتب یا مدرسہ کا نظم کرے تاکہ

اس کا کرایہ مساجد کو ملے تو اس کی گنجائش ہے، بشرطیکہ تعمیرات کی ملکیت مسجد کمیٹی کی رہے گی، یہ مدرسہ اور مکتب بھی ہمیشہ کیلئے نہ ہو، آئندہ اگر یہ اراضی کی ضرورت مسجد کو پڑ جائے تو اس کو خالی کرا کے اپنی تحویل میں لے سکتے ہیں۔

*مفتی محمد ممتاز خاں ندوی کے نزدیک مسجد کیلئے وقف شدہ زمین مسجد کی ملکیت ہوجاتی ہے، لہذا اس میں کوئی تصرف کرنا یا اس جگہ مدرسہ بنانا جائز نہیں ہے، البتہ اگر مسجد کیلئے وقف شدہ زمین ایسی ہے کہ مسجد میں شامل نہیں ہوسکتی ہے جیسے کہ درمیان میں سڑک حائل ہے یا اس جگہ میں ایسی کوئی قانونی رکاوٹ ہے کہ حکومت نے وہاں ہمیشہ کیلئے مسجد نہ بننے کا فیصلہ کردیا ہو تو ایسی صورت میں وہ جگہ مدرسہ کیلئے استعمال ہوسکتی ہے اور بہتر ہے کہ اس کا کرایہ متعین کردیا جائے جو مسجد کے مصرف میں استعمال کیا جائے۔ ”**و ما فیه مصلحة للمسجد علی أن القیم أن یتصرف فی ذلک علی مایری**“ (فتاوی خانیہ)

چند دلائل:

اس سوال سے متعلق متفرق مقالات سے چند دلائل نقل کئے جارہے ہیں تاکہ صحیح صورت حال سمجھنے اور حکم لگانے میں مدد ملے:

۱۔ **أما المال الموقوف علی المسجد الجامع إن لم تکن للمسجد حاجة للحال فللقاضی أن یصرف فی ذلک.** (فتاوی عالمگیری ۲/ ۴۶۴، از مقالہ ڈاکٹر تنظیم عالم قاسمی، مفتی انور علی اعظمی)

۲۔ **کما لو سکن بلا إذن أو أسکنه المتولی بلا أجر کان علی الساکن أجر المثل.الخ.** (رد المحتار ۴/ ۴۰۸، از مقالہ مفتی محمد علی ندوی)

۳۔ **یجوز التصرف فی الوقف لغرض شرعی إذا کان فیه مصلحة الوقف.** (درمختار ۴/ ۴۳۹، از مقالہ مفتی حبیب اللہ قاسمی)

۴۔ **و یجوز بناء المدارس علی أرض الوقف إذا کانت للمصلحة الشرعیة، و لم یضر بمقاصد الوقف.** (ردالمحتار ۴/ ۴۳۲، از مقالہ مفتی حبیب اللہ قاسمی)

۵۔ **إذا دفع أرض الوقف مزارعة یجوز إذا لم تکن فیه محاباة قدر ما لا یتغابن الناس فیها.** (ھندیہ، کتاب الوقف ۲/ ۴۲۳، از مقالہ مفتی راشد حسین ندوی)

۶۔ **لو کانت الأرض متصلة ببیوت المصر یرغب الناس فی استئجار بیوتها، کان للقیم أن یبنی فیها بیوتا فیواجرها.** (الفتاوی الہندیۃ ۲/ ۴۸۳، کتاب الوقف، از مقالہ محمد زبیر ندوی)

۷۔ **و یتصرف القیم فی الوقف بما فیه من النفع للوقف.** (تنقیح الفتاوی الحامدیۃ ۱/ ۲۰۰، از مقالہ مولانا زبیر ندوی)

۸۔ قال الراقم: و مما تبین لی بعد فحص و بحث کثیر أنه إذا أجمعت أموال کثیرة تزید علی إعادة المسجد إن احتیج إلیه فیجوز صرف الزائد إلی إنشاء مدرسة و نشر علم و إن لم یکن من شرط الواقف. (معارف السنن ۳/۳۰۱، از مقالہ مفتی اکرام احمد ندوی)

۹۔ إن أموال الوقف لا تنحصر فقط فی المسجد بل تشمل ما یؤدی إلی صیانته و إدامة نشاطه کالمدارس الدینیة التی تعلم العلم النافع۔ (ارشاد الفحول ۱۴۹، از مقالہ مولانا سعود ممتاز ندوی)

۱۰۔ یجوز أن یُنشأ علی موقوف المسجد مدرسة أو مکتب یعلم فیها الناس العلم النافع، لأن ذلک من مصلحة المسجد و زیادة فی منفعة الوقف. (الدر المختار ۵/۳۵۰، از مقالہ مولانا سعود ممتاز ندوی)

۱۱۔ و لا یجوز تغییر الوقف عن هیئته، فلا یجعل الدار بستانا، و لا الخان حمّاماً، و لا الرباط دکانا، إلا إذا جعل الواقف إلی الناظر ما یری فیه مصلحة الوقف، کذا فی السراج الوهاج. (ھندیہ، کتاب الوقف ۲/۴۹۰، از مقالہ ڈاکٹر محمد شاہجہاں ندوی)

۱۲۔ فإنه لا یظهر لنا مانع من بیع أرض المسجد الحالی و أنقاضه، و الاستعانة بثمن ذلک فی شراء الأرض الواسعة فی المکان المناسب، و بناء المسجد و المدرسة و مرافقهما علیهما، لما فی ذلک من المصلحة العامة، لکن بشرط أن یتولی ذلک من تتوافر فیه الثقة و الأمانة و الدرایة۔ (من فتاوی اللجنة الدائمة ۱۶/۳۸، از مقالہ حافظ کلیم اللہ عمری)

یہ ہے جوابات کا خلاصہ، کوشش کی گئی ہے کہ ہر ایک کی رائے اور دلیل درست نقل کی جائے پھر بھی فروگزاشت کا امکان ہے، لہذا اگر کہیں تسامح یا سہو ہو گیا ہو تو نظر انداز فرمائیں، اس کیلئے معذرت خواہ ہوں۔

عرض مسئلہ

مساجد اوران کے اوقاف سے متعلق چند مسائل

مفتی ظفر عالم ندوی

استاذ حدیث وفقہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

سوال ۱۔ مسجد شہید کر کے از سر نو تعمیر کے وقت اوپر کی کسی منزل کو درسگاہ بنانا اور اس سے اوپر طلبہ کی رہائش گاہ بنانا درست ہے یا نہیں؟

اس سوال کے جواب کی پہلی شق میں مقالہ نگاروں کی تین آراء ہیں:

پہلی رائے: اکثر مقالہ نگاروں کی رائے یہ ہے کہ مسجد شہید کر کے از سر نو تعمیر کے وقت اوپر کی کسی منزل کو درسگاہ بنانا جائز ہے۔

قائلین: مولانا محمد صابر حسین ندوی، ڈاکٹر حافظ کلیم اللہ عمری مدنی، محمد علی ندوی، مولانا محمد فہیم اختر ندوی، مولانا جنید احمد قاسمی، مولانا صفدر زبیر ندوی، مولانا سلمان بن سلیمان ندوی، مولانا ممتاز سعود ندوی، مولانا انور علی اعظمی، مولانا انیس ندوی، مفتی نثار احمد، مولانا حبیب اللہ قاسمی، مولانا نثار عالم ندوی، مولانا اکرام احمد ندوی، مفتی اقبال قاسمی، مولانا محمد زبیر ندوی، مولانا محمد سرفراز ندوی، مولانا اشرف قاسمی

دلائل:

(۱) "یجوز استعمال المسجد للتعلیم اذا کان ذلک متعلقا بالعلوم الشرعیة" (الفتاوی الھندیة ۲/۴۴۲)

(۲) "وقال ابن عابدین: و فی الخلاصة تعلیم الصبیان فی المسجد لا بأس به" (الموسوعة الفقھیة ۳۷/۲۰۶)

(۳) "تعلیم الصبیان فیه (المسجد) بلاأجر و بالأجر یجوز" (الفتاوی البزازیة ۳/۲۰۱)

(۴) مسجد نبوی میں صف درسگاہ کا قیام مسجد میں تعلیم کی ایک واضح دلیل ہے۔

(۵) چوتھی صدی تک مساجد میں ہی تعلیم ہوا کرتی تھی۔ (مقالات شبلی ج ۳)

(۶) دینی تعلیم چونکہ مسجد کے مصالح ومقاصد سے ہم آہنگ ہے لہٰذا اس کو جائز ہونا چاہیے۔

دوسری رائے: مسجد شہید کر کے ازسرنو تعمیر کے وقت اوپر کسی منزل کو درسگاہ بنانا جائز نہیں ہے۔

اس رائے کے قائلین ہیں: مفتی جمیل احمد نذیری، مفتی عثمان بستوی، مفتی راشد حسین ندوی، مولانا خورشید احمد اعظمی مدنی، مولانا بدر احمد مجتبی ندوی، مولانا اختر امام عادل قاسمی، مولانا عبدالرزاق امروہی، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا محبوب فروغ قاسمی، مفتی رحمت اللہ ندوی، مفتی ثناء الہدی قاسمی

دلائل:

۱۔ ''وأن المساجد للہ فلا تدعو مع اللہ أحدا'' (الجن: ۱۸)

۲۔ ''کرہ تحریما الوطئ فوقہ والبول والتغوط لأنہ مسجد الی عنان السماء وھکذا الی تحت الثری کما فی البیری عن الاسبیجابی'' (الدر المختار مع الرد ۲/۴۲۸)

۳۔ وقف کا عام اصول ہے جب تک وہ قابل انتفاع ہو بلا وجہ اس میں چھیڑ چھاڑ یا اس کو منہدم کرنا درست نہیں ہے۔

تیسری رائے: مسجد شہید کر کے ازسرنو تعمیر کے وقت اوپر کسی منزل کو درسگاہ بنانا چند شرائط کے ساتھ جائز ہے:

اس رائے کے قائلین یہ ہیں: مفتی شکیل منصور قاسمی، مولانا ایاز عیسی ندوی، مولانا ممتاز خان ندوی، مولانا ابرار خان ندوی، مولانا عبید اللہ ندوی، مولانا شاہجہاں ندوی، مولانا مصطفی عبدالقدوس صاحب

ان حضرات کے مشترکہ تمام شرائط یہ ہیں:

۱۔ اصل مسجد کی حیثیت باقی رہے۔

۲۔ تعمیر سے مسجد کی شان، پاکیزگی اور عبادت میں خلل نہ آئے۔

۳۔ بلڈنگ وقف کے نام پر ہی ہو۔

۴۔ موقوفہ زمین کے استعمال میں افراط وتفریط نہ ہو۔

۵۔ تمام تعمیرات شرعی نگرانی میں ہو۔

۶۔ زمین کی قلت یا مال واسباب کی کمی کے باعث الگ سے تعلیمی ادارے کا قیام فی الحال ممکن نہ ہو تو مسجد کی منزل کو درسگاہ کے طور پر استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اس سوال کے جواب کی دوسری شق میں مقالہ نگاروں کی تین آراء ہیں:

پہلی رائے: مسجد شہید کر کے ازسرنو تعمیر کے وقت اوپر کسی منزل کو طلبہ کی رہائش گاہ بنانا جائز ہے۔

اس رائے کے قائلین یہ ہیں: ڈاکٹر حافظ کلیم اللہ عمری مدنی، مولانا محمد ابرار خان ندوی، مولانا عبید اللہ ندوی، مولانا ممتاز سعود ندوی، مولانا اشرف قاسمی، مولانا حبیب اللہ قاسمی، مولانا نثار عالم ندوی، مفتی اقبال قاسمی

دلائل:

۱۔عن أبی ھریرۃ ﷺ قال: بعث رسول اللہ خیلا قبل نجد فجاءت برجل من بنی حنیفۃ یقال لہ ثمامۃ من أثال سید أھل الیمامۃ فربطوہ بسایۃ من سوایۃ المسجد، فخرج الیہ رسول اللہ فقال: ماذا عندک یا ثمامۃ، فقال: عندی یا محمد خیر۔۔۔" (رواہ مسلم، واختصرہ البخاری، مشکوۃ، رقم الحدیث: ۳۹۶۴)

۲۔حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا جوانی کے عالم میں مسجد میں سونا ثابت ہے:

"أنہ کان ینام وھو شاب أعزب لا أھل لہ فی المسجد النبوی" (بخاری، رقم الحدیث: ۴۲۵)

۳۔حضرت فاطمہؓ سے کچھ ناراض ہوکر حضرت علیؓ کا مسجد نبوی میں سونا بھی بخاری میں مروی ہے، دیکھئے (بخاری، رقم الحدیث: ۴۴۱)

۴۔بعض مخصوص حالات میں عورتوں کے بھی مسجد میں سونے کی روایت ملتی ہے، دیکھئے (بخاری، رقم الحدیث: ۴۳۹)

دوسری رائے: اس سلسلہ میں اکثر مقالہ نگاروں کی رائے عدم جواز کی ہے:

اس رائے کے حاملین یہ ہیں: مولانا انور علی اعظمی، مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا عثمان بستوی، مولانا ممتاز خان ندوی، مولانا خورشید احمد اعظمی مدنی، مولانا فہیم اختر ندوی، مولانا محمد علی ندوی، مولانا صفدر زبیر ندوی، مفتی ثناء الہدی قاسمی، مولانا بدر احمد مجتبی ندوی، مولانا زبیر ندوی، مفتی رحمت اللہ ندوی، مولانا اختر امام عادل قاسمی، مولانا عبدالرزاق امروہی، مولانا مصطفی عبدالقدوس صاحب، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا محبوب فروغ صاحب، مولانا محمد سرفراز ندوی۔

تیسری رائے: بعض حضرات نے چند شرائط کے ساتھ اسے جائز قرار دیا ہے۔

اس رائے کے حاملین یہ ہیں: مولانا ایاز عیسی ندوی، مفتی شکیل منصور قاسمی، ڈاکٹر شاہ جہاں ندوی.

شرائط:

۱۔جس میں رہائش رکھی جائے وہ حصہ مسجد کی جگہ کے تابع نہ ہو، اگر وقف کے وقت اوپر کی منزل کو مسجد 0 میں شامل نہ کیا گیا ہو تو رہائش یا دیگر مقاصد کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے۔

۲۔مسجد کے تقدس کا خیال رکھا جائے۔

دلائل:

۱۔وہ حضرات جو اسے غیر درست قرار دیتے ہیں ان کے پیش نظر آیت کریمہ "وأن المساجد للہ فلا تدعو مع اللہ أحدا" (الجن: ۱۸)

۲۔منشاء وقف کے خلاف ہے کہ طلبہ کے لئے رہائش گاہ بنائی جائے۔

سوال ۲۔آمدنی نہ ہونے کی صورت میں قدیم مسجد شہید کر کے چند منزلہ عمارت اس طرح بنائی جائے کہ نیچے دوکانیں ہوں تاکہ مسجد کی آمدنی کا ذریعہ ہو اور جماعت گاہ کی منزل سے اوپر امام ومؤذن کے لئے حجرے بنائے جاسکیں، کیا مصالح مسجد کے پیش نظر ایسا کرنا درست ہے یا نہیں؟

اس مسئلہ کی پہلی شق میں مقالہ نگاروں کی تین آراء ہیں:

پہلی رائے: اکثر مقالہ نگاروں کے نزدیک ایسی صورت میں دوکانیں بنانا جائز نہیں ہے۔

اس رائے کے حاملین یہ ہیں: مولانا انور علی اعظمی، مفتی نثار احمد، مولانا نثار عالم ندوی، مفتی جمیل احمد نذیری، مفتی ذاکر نعمانی، مفتی عثمان بستوی، مولانا اکرام احمد ندوی، مولانا ممتاز خان ندوی، مولانا راشد حسین ندوی، مولانا خورشید احمد اعظمی مدنی، مولانا محمد فہیم اختر ندوی، مولانا جنید احمد قاسمی، مفتی ثناء الہدی قاسمی، مولانا عبید اللہ ندوی، مولانا بدر احمد مجتبی ندوی، مولانا سلمان بن سلیمان ندوی، مولانا اختر امام عادل قاسمی، مولانا عبد الرزاق امروہی، مفتی اقبال قاسمی، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا محبوب فروغ قاسمی، ڈاکٹر مصطفی عبد القدوس صاحب، مفتی رحمت اللہ ندوی، مولانا زبیر ندوی، مولانا سرفراز ندوی، ڈاکٹر شاہ جہاں ندوی

دلائل:

۱۔"واذا أراد أن يبنى حوانيت فى المسجد أو فى فناءه لا يجوز له أن يفعل، لأن الفناء تبع للمسجد" (الموسوعة الفقهية ۳۷/۲۱۳)

۲۔"قيم المسجد لا يجوز أن يبنى حوانيت فى حد المسجد أو فى فناء ه لأن المسجد اذا جعل حانوتا او مسكنا لسقط حرمته وهذا لا يجوز" (الفتاوى الهنديه ۲/۴۶۲)

۳۔"لو بنى فوقه بيتا للامام لا يضر لأنه من المصالح أما لو تمت المسجدية ثم اراد البناء منع و لو قال عنيت ذلك لم يصدق" (در مختار مع الرد ۳/۳۷۱)

۴۔"أما لو تمت المسجدية ثم اراد البناء منع (الى أن قال) و لا أن يجعل شيئا منه مستغلا و لا سكنى" (در مختار مع الشامى ۴/۳۵۸)

۵۔ایسا کرنا حرمت مسجد کے خلاف ہے۔

۶۔مسجد کی شرعی حیثیت اس سے متاثر ہوتی ہے۔

۷۔فقہاء کی تصریحات کے مطابق تحت الثری سے عنان سماء تک مسجد ہوتی ہے اس میں مصالح مسجد کی بھی کوئی چیز بنائی نہیں جاسکتی اور نہ اس کے کسی حصہ کو آمدنی کی غرض سے کرایہ پر دیا جاسکتا ہے۔

دوسری رائے: اس سلسلہ میں جواز کی ہے۔

اس رائے کے حاملین یہ ہیں: مفتی تنظیم عالم قاسمی، مولانا ممتاز سعود ندوی، مولانا اشرف قاسمی، مولانا انیس ندوی، ڈاکٹر حافظ کلیم اللہ عمری مدنی۔

دلائل:

۱۔ "لو بنی بیتا علی سطح المسجد لیسکن الامام فانه لا یضر فی کونه مسجدا لأنه من المصالح" (البحر الرائق ۵/ ۴۲۱)

۲۔ غیر اسلامی ممالک میں مسجد کے تحتانی وفوقانی حصوں کو ضرورت ومصلحت کے تحت دیگر امور میں استعمال کرنے کے لئے حضرت امام محمدؒ کے قول پر فتوی دیا جاسکتا ہے۔

۳۔ علامہ یوسف القرضاویؒ کا فتوی بھی اسی پر ہے (فقہ الزکاۃ ۱/ ۴۳۵)

تیسری رائے: اس رائے کے حاملین نے بعض شرائط کے ساتھ اس کی اجازت دی ہے، شرائط مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ دوکانیں ہال کی شکل میں ہوتا کہ بوقت ضرورت اس میں نماز پڑھی جاسکے۔

۲۔ دوکان کی آمدنی مسجد کے مصالح میں خرچ ہو۔

۳۔ دوکانیں مسجد سے پہلے بنائی جائیں اور مکمل وقف کی ملکیت میں ہوں۔

۴۔ ان سے نماز اور حرمت مسجد میں کوئی خلل واقع نہ ہو۔

۵۔ متولیان مسجد نے بنانے کے وقت دوکان وحجرے بنانے کی نیت کی ہو۔

اس رائے کے حاملین یہ ہیں: مفتی شکیل منصور قاسمی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، قاضی محمد حسن ندوی، مولانا ابرار خان ندوی، مولانا صفدر زبیر ندوی

اس سوال کی دوسری شق یعنی امام ومؤذن کے حجرے بنانے کے سلسلہ میں مقالہ نگاروں کے اقوال ودلائل اسی طرح ہیں البتہ مولانا خورشید احمد اعظمی مدنی، مولانا محمد فہیم اختر ندوی، مفتی نثار احمد صاحب نے مکان بنانے کے سلسلہ میں عدم جواز اور حجرے بنانے کے سلسلہ میں مشروط جواز کا فتوی دیا ہے۔

سوال ۳۔ جگہ کی قلت کے سبب قدیم مسجد شہید کرکے نیچے بیسمنٹ میں پارکنگ کا انتظام کرنا درست ہے یا نہیں؟

اس سوال کے جواز میں مقالہ نگاروں کی تین آراء ہیں:

پہلی رائے: اس سلسلہ میں اکثر مقالہ نگاروں کی رائے عدم جواز کی ہے۔

اس رائے کے حاملین یہ ہیں: مفتی تنظیم عالم قاسمی، مولانا انور علی اعظمی، مفتی نثار احمد صاحب، مفتی ذاکر نعمانی صاحب، مفتی جمیل احمد نذیری، مفتی عثمان بستوی، مولانا اکرام احمد ندوی، مولانا بدر احمد مجتبی ندوی، مفتی ثناء الہدی قاسمی، مولانا عبید اللہ ندوی، مولانا صفدر زبیر ندوی، مولانا جنید احمد قاسمی، مولانا محمد علی ندوی، مولانا راشد حسین ندوی، مولانا

ایاز عیسی ندوی، مولانا اختر امام عادل قاسمی، مولانا عبدالرزاق امروہی، مفتی اقبال قاسمی، مولانا خورشید انور اعظمی، مفتی رحمت اللہ ندوی، مولانا مصطفی عبدالقدوس صاحب، مولانا زبیر ندوی، مولانا سرفراز ندوی، مولانا شاہ جہاں ندوی

دلائل:

۱۔ "أن شرط كونه مسجدا أن يكون سفله و علوه مسجدا لينقطع حق العبد عنه، لقوله تعالى" و أن المساجد لله" (البحر الرائق ۵/ ۲۵۱)

۲۔ " كره تحريما الوطئ فوقه و البول و التغوط لأنه مسجد الى عنان السماء و هكذا الى تحت الثرى كما في البيري عن الاسبيجابي" (الدر المختار مع الرد ۲/ ۴۲۸)

۳۔ مسجد کی حرمت اس سے متاثر ہوگی۔

۴۔ مسجد ایک مرتبہ نماز و جماعت کے ساتھ خاص ہوگئی تو اس کا دوسرا حصہ کسی دوسرے کام کے لئے مخصوص کرنا جائز نہیں ہے۔

۵۔ اپنی سہولت کے لئے مسجد کی حیثیت بدلنے اور اس کے احاطہ میں تبدیلی کی گنجائش نہیں ہے۔

۶۔ مسجد کا مقصد متاثر ہوتا ہے اور وقف میں تغیر لازم آتا ہے جو کہ شرعاً جائز نہیں ہے۔

دوسری رائے: اس سلسلہ میں جواز کی ہے۔

اس رائے کے حاملین یہ ہیں: مولانا محمد ممتاز خان ندوی، ڈاکٹر حافظ کلیم اللہ عمری مدنی، مولانا خورشید احمد اعظمی مدنی، مولانا محمد فہیم اختر ندوی، مولانا سلمان بن سلیمان ندوی، مولانا ممتاز سعود ندوی، مولانا اشرف قاسمی، مولانا انیس ندوی، قاضی محمد حسن ندوی، مفتی نثار عالم قاسمی

دلائل:

۱۔ جگہ کی قلت، زمانہ کی ضرورت اور لوگوں کے لئے آسانیاں پیدا کرنے کے لئے پارکنگ بنانا درست ہے اس کی نظیر جنازہ کی نماز ہے۔

۲۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سوار ہو کر طواف کرنا اور جوتیاں پہن کر نماز پڑھنا اس کے جواز کی دلیل ہے۔

۳۔ پارکنگ کا نظم مصالح مسجد میں شامل ہوگا۔

تیسری رائے: اس رائے کے حاملین نے بعض شرائط کے ساتھ اس کی اجازت دی ہے۔

اس رائے کے حاملین یہ ہیں: مولانا محمد ابرار خان ندوی، مفتی شکیل منصور قاسمی، مولانا حبیب اللہ قاسمی، قاضی محمد حسن ندوی

مشترکہ شرائط مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔مسجد کی نئی تعمیر کے بعد اس کی وقفی حیثیت اور تقدس میں کوئی کمی نہ ہو۔
۲۔تعمیر نو کے درمیان مسجد کے لئے متبادل جگہ کا انتظام کیا جائے تا کہ نماز کی ادائیگی متاثر نہ ہو۔
۳۔تعمیراتی عمل سے مسجد کی پاکیزگی، سکون اور نمازیوں کے لئے سہولت میں کوئی خلل نہ ہو۔
۴۔اس عمل کی شرعی ضرورت اور مصلحت کے لئے مقامی مفتیان کرام سے مشورہ لیا جائے۔
۵۔مسجد کی بالائی حیثیت میں کوئی کمی نہ ہو۔
۶۔بیسمنٹ کے استعمال سے مسجد کی پاکیزگی اور عبادت کے سکون پر کوئی اثر نہ پڑے۔
۷۔بیسمنٹ بنانے کی اجازت ہے بس مقاصد مسجد کی تکمیل ضروری امر ہے۔
۸۔واقف کی نیت کا احترام باقی رہے۔
۹۔تبدیلی مکمل طور پر موقوفہ ملکیت کے اندر ہو اور اس کا نفع مسجد یا متعلقہ وقف ہی کی طرف راجع ہو۔
۱۰۔اس کا متبادل حل شرعا یا عرفا موجود نہ ہو۔
۱۱۔معتمد مفتیان یا شرعی قاضی کی نگرانی میں ہو۔

سوال ۴۔قدیم مسجد شہید کر کے اس کے اردگرد کی جگہ خرید لی جائے اور چند منزلہ عمارت بنا کر بیسمنٹ میں پارکنگ، اس کے اوپر جماعت گاہ اور اس کے اوپر جزئی وقت کے لئے درسگاہ بنادی جائے اور بچوں سے تعلیمی فیس بھی لی جائے جو مصالح مسجد پر صرف ہو، کیا موجودہ حالات کے پیش نظر ایسا کیا جاسکتا ہے؟

اس مسئلہ کی پہلی شق میں مقالہ نگاروں کی تین آراء ہیں:

پہلی رائے: مسجد شہید کر کے اس کے اردگرد کی جگہ خرید کر اس میں چند منزلہ عمارت بنا کر نیچے بیسمنٹ وغیرہ بنانا جائز نہیں ہے، اکثر کے نزدیک یہ ہے۔

اس رائے کے حاملین یہ ہیں: مولانا راشد حسین ندوی، مولانا محمد علی ندوی، مفتی محمد ثناء الہدی قاسمی، مولانا بدر احمد مجتبی ندوی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مولانا انور علی اعظمی، مفتی نثار احمد صاحب، مفتی جمیل احمد نذیری، مفتی عثمان بستوی، مولانا اکرام احمد ندوی، مولانا اختر امام عادل قاسمی، مولانا عبدالرزاق امروہی، مفتی اقبال قاسمی، مولانا خورشید انور اعظمی، ڈاکٹر مصطفی عبدالقدوس، مولانا رحمت اللہ ندوی، مولانا محمد زبیر ندوی

دلائل:

۱۔"ولا یجوز أحدا لأجرۃو فی البزازیۃ و لا یجوز للقیم أن یجعل شیئا من المسجد مستغلا و لا مسکنا" (البحر الرائق ۵/ ۴۲۱)

۲۔"کرہ تحریما (الوطئی فوقہ، والبول والتغوط) لأنہ مسجد الی عنان السماء" (الدر المختار و

ردالمحتار ۱/ ۶۵۶)

۳۔ ”ان حرمة المسجد و أحكامه الثابتة له باقية الى يوم القيامة و لو اتسع و أزيلت جدره و اعيدت، عادت على هذا الحكم من غير تغيير فان الحكم المذكور منوط بالمسجد من حيث هو لا بذاک الجدار بعينه، وقد بنى في زمن عمر و وسع في زمن عثمان وغيره في القرن الأول و بعده ولم يخرجوا عن هذا الحكم“ (الحاوی ۲/ ۲۰)

دوسری رائے: اس سلسلہ میں جواز کی ہے۔

اس رائے کے حاملین یہ ہیں: مولانا ایاز عیسی ندوی، مولانا محمد ممتاز خان ندوی، ڈاکٹر حافظ کلیم اللہ عمری مدنی، مولانا خورشید احمد اعظمی مدنی، مولانا محمد فہیم اختر ندوی، مولانا جنید احمد قاسمی، مولانا سلمان بن سلیمان ندوی، مولانا ممتاز سعود ندوی، مولانا اشرف قاسمی، مولانا انیس ندوی، قاضی محمد حسن ندوی، مولانا نثار عالم ندوی، مولانا محبوب فروغ قاسمی

دلائل:

جواب نمبر ۳ میں اس کے جواز کے قائلین کے دلائل گزر چکے ہیں۔

تیسری رائے: اس رائے کے حاملین نے بعض شرائط کے ساتھ اس کی اجازت دی ہے۔

اس رائے کے قائلین یہ ہیں: مولانا محمد صابر حسین ندوی، مولانا محمد ابرار خان ندوی، مولانا صفدر زبیر ندوی، مولانا عبید اللہ ندوی، مفتی شکیل منصور قاسمی، مولانا حبیب اللہ قاسمی

شرائط:

جواب نمبر ۳ میں اس کے شرائط گزر چکے ہیں۔

اس مسئلہ کی دوسری شق میں مقالہ نگاروں کی تین آراء ہیں:

پہلی رائے: مسجد کی تعمیر جدید میں اوپر کی منزل کو جزئی تعلیم کے لئے خاص کرنا اور تعلیم پر پیسہ لینا جائز ہے، اکثر کے نزدیک یہ ہے۔

اس رائے کے قائلین یہ ہیں: ڈاکٹر حافظ کلیم اللہ عمری مدنی، مولانا راشد حسین ندوی، مولانا محمد علی ندوی، مولانا محمد ابرار خان ندوی، مفتی ثناء الہدی قاسمی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مولانا ممتاز سعود ندوی، مولانا انور علی اعظمی، مولانا اشرف قاسمی، مولانا انیس ندوی، مفتی نثار احمد صاحب، مولانا نثار عالم ندوی، مولانا محبوب فروغ قاسمی، مولانا محمد سرفراز ندوی، ڈاکٹر شاہ جہاں ندوی، مولانا محمد زبیر ندوی

دلائل:

۱۔ ”تعليم الصبيان فيه بلا أجر و بالأجر يجوز“ (الفتاوی البزازية)

۲۔"المساجد ما بنی الا لها من صلاة و اعتکاف و ذکر شرعی، و تعلیم علم و تعلمه و قرائة القرآن"
(البحر الرائق ۲/ ۶۰)

۳۔موجودہ زمانہ کی ضرورت اور بچوں کو ارتداد سے بچانے کے لئے اور دینی تعلیم کو فروغ دینے کے لئے اس کی انتہائی ضرورت ہے۔

دوسری رائے: اس سلسلہ میں عدم جواز کی ہے۔

اس رائے کے حاملین یہ ہیں: مفتی ذاکر نعمانی صاحب، مولانا بدر احمد مجتبی ندوی، مولانا اختر امام عادل قاسمی، مولانا عبدالرزاق امروہی، مفتی اقبال قاسمی، ڈاکٹر مصطفی عبدالقدوس ندوی

دلائل:

اس مسئلہ کی پہلی شق میں جو دلائل عدم جواز کے تحت ذکر کئے گئے ہیں وہی اس کے بھی دلائل ہیں۔

تیسری رائے: اس رائے کے حاملین نے بعض شرائط کے ساتھ اسے جائز قرار دیا ہے۔

اس رائے کے حاملین یہ ہیں: مولانا محمد صابر حسین ندوی، مولانا ایاز عیسی ندوی، مولانا محمد ممتاز خان ندوی، مولانا محمد فہیم اختر ندوی، مفتی شکیل منصور قاسمی، مولانا رحمت اللہ ندوی

مشترکہ شرائط یہ ہیں:

۱۔مسجد کی حرمت کا خیال رکھا جائے۔

۲۔تعلیم کو تجارت نہ بنایا جائے، اتنی فیس لی جائے جس سے معلمین کی تنخواہ کا نظم ہو جائے۔

۳۔مسجد اور دیگر سہولیات کے درمیان فاصلہ رکھا جائے۔

۴۔کوئی کام ایسا نہ کیا جائے جو مسجد کی حرمت کے منافی ہو۔

۵۔اگر معلمین کو تعلیم کے لئے رکھا، فیس انتظامیہ نے وصول کی اور اس سے مدرس کی تنخواہ اور دوسرے مصارف کا نظم کیا تو اس میں کوئی کراہیت ان شاء اللہ نہیں ہوگی۔

۶۔درسگاہ مسجد کے عملے کے لئے رہائش گاہ کے طور پر استعمال نہ ہو۔

۷۔اس سے مسجد کے نمازیوں کو کوئی تکلیف نہ ہو۔

۸۔اس جگہ کا استعمال صرف ضرورت کے تحت کیا جائے۔

۹۔مسجد کی حرمت وسکون متاثر نہ ہو، نیت خالص دینی ہو اور اس سے حاصل شدہ آمدنی مسجد ومتعلقات مسجد پر صرف ہو۔

۱۰۔معلم اور کاتب کے پاس اور کوئی جگہ نہ ہو، قلت جگہ کے باعث مسجد ہی مدرسہ ومکتب کے قائم مقام ہو وغیرہ۔

۱۱۔ تعلیمی خدمات دینی نوعیت کی ہوں مثلاً قرآن و دینیات پڑھانا۔

سوال ۵۔ آس پاس مسجد نہ ہو تو اپارٹمنٹ کے کسی حصہ کو خرید کر نماز کے لئے مختص کر لینے سے کیا وہ اپارٹمنٹ کا حصہ مسجد شرعی کہلائے گا یا نہیں؟

اس سوال کے جواب میں مقالہ نگاروں کی تین آراء ہیں:

پہلی رائے: اپارٹمنٹ کے کسی حصہ کو خرید کر نماز کے لئے مختص کر دینے سے وہ حصہ مسجد شرعی نہیں کہلائے گا۔

اس رائے کے حاملین یہ ہیں: مولانا محمد صابر حسین ندوی، مولانا خورشید احمد اعظمی مدنی، مولانا محمد علی ندوی، مولانا جنید احمد قاسمی، مولانا بدر احمد مجتبی ندوی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مولانا انور علی اعظمی، مولانا انیس ندوی، مفتی نثار احمد صاحب، مولانا حبیب اللہ قاسمی، مفتی ذاکر نعمانی، مفتی اقبال قاسمی، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا محبوب فروغ قاسمی، مولانا رحمت اللہ ندوی، ڈاکٹر شاہ جہاں ندوی، مولانا ممتاز خان ندوی

دلائل:

۱۔ "مندوب لكل مسلم أن يعد في بيته مكانا يصلي فيه الا هذا المكان لا ياخذ حكم المسجد على الاطلاق أنه باق على حكم ملكه له أن بيعه" (الفتاوى الهنديه ۵۴۸/۲)

۲۔ "كره تحريما الوطئ فوقه والبول والتغوط لأنه مسجد الى عنان السماء و هكذا الى تحت الثرى، كما في البيرى عن الاسبيجابى" (الدر المختار مع الرد ۴۲۸/۲)

۳۔ "قال في البحر: و حاصله: أن شرط كونه مسجدا أن يكون سفله و علوه مسجدا، لينقطع حق العبد عنه، لقوله تعالى: "و أن المساجد لله" بخلاف ما اذا كان السرداب والعلو موقوفا لمصالح المسجد فهو كسرداب بيت المقدس، هذا هو ظاهر الرواية" (رد المحتار ۳۵۸/۴)

۴۔ "قوله: و من جعل مسجدا تحته سرداب أو فوقه بيت، و جعل بابه الى الطريق و عزله، او اتخذ وسط داره مسجدا، و أذن للناس بالدخول فله بيعه و يرث عنه لانه لم يخلص لله تعالى لبقاء حق العبد متعلقا به" (البحر الرائق ۲۷۱/۵)

۵۔ اپارٹمنٹ میں مسجد کی مسجدیت متاثر ہوتی ہے، وہ اس طرح ہے کہ جس دن اس جگہ کی تقسیم لازم آئے گی، اسے منہدم کیا جائے گا تو بقیہ شیئرز میں مسجد کی مستقل جگہ نکالنا مشکل ہوگی کیونکہ وہ جگہیں ان خریداروں کے حصے میں رجسٹرڈ ہوں گی جنہوں نے مکان لئے ہوں گے۔

دوسری رائے: اس سلسلہ میں جواز کی ہے۔

اس رائے کے حاملین یہ ہیں: مولانا ممتاز سعود ندوی، مولانا اشرف قاسمی، قاضی محمد حسن ندوی، مفتی عثمان

بستوی، مولانا اکرام احمد ندوی، مولانا راشد حسین ندوی، مولانا محمد ابرار خان ندوی، مولانا فہیم اختر ندوی، مولانا صفدر زبیر ندوی، مفتی محمد ثناء الہدی قاسمی، ڈاکٹر مصطفی عبد القدوس ندوی، مولانا محمد زبیر ندوی، مولانا محمد سرفراز ندوی

دلائل:

۱۔ ''عن أبی یوسف أنه أجاز أن یکون الأسفل مسجدا و الأعلی ملکا لأن الأسفل أصل، عن محمد أنه حین دخل الری و رأی ضیق الأمکنة جوز ذلک'' (المحیط البرهانی ۲۰۷/۶)

۲۔ آبادی میں اضافہ، زمین کی مہنگائی اور ضرورت و حاجت کے پیش نظر بعض شرائط کے ساتھ مسجد شرعی کہلائے جانے کی مستحق ہے۔ ''لأن الضرورات تبیح المحظورات'' (الأشباہ والنظائر، ص: ۹۴)

۳۔ قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحبؒ کی رائے یہی نقل کی گئی ہے۔ (دیکھئے مباحث فقہیہ، ص: ۲۶۵)

۴۔ شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے یہاں اس کی گنجائش نکلتی ہے۔

تیسری رائے: اس رائے کے حاملین نے بعض شرائط کے ساتھ اسے مسجد شرعی قرار دیا ہے۔

اس رائے کے حاملین یہ ہیں: مولانا ایاز عیسی ندوی، ڈاکٹر حافظ کلیم اللہ عمری مدنی، مولانا عبید اللہ ندوی، مولانا سلمان بن سلیمان ندوی، مفتی شکیل منصور قاسمی، مفتی نثار عالم ندوی، مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا اختر امام عادل قاسمی، مولانا عبد الرزاق امروہی

مشترکہ شرائط:

۱۔ اذن عام ہو، سب کو آنے کی اجازت ہو، کسی کو روکنے کا حق نہ ہو۔

۲۔ ابتدا میں بانیوں نے اس کے کسی حصہ کو مسجد اور بقیہ کسی مصرف میں استعمال کرنے کی نیت کی ہو تو وہ حصہ یا منزل مسجد شرعی ہوگی بشرطیکہ ان کا راستہ الگ ہو اور اذن عام ہو۔

۳۔ راستہ مستقل ہو۔

۴۔ دواما اس کو نماز کے لئے وقف کر دیا جائے اور اس پر کسی کا مالکانہ حق باقی نہ رہے یہ ضرورتاً ہے۔

۵۔ جگہ مسلمانوں کی ملکیت ہو اور اسے مستقل مسجد بنائی جا سکے۔

۶۔ مسلمانوں کی شدید ضرورت ہو۔

۷۔ قریب میں کوئی اور مسجد نہ ہو۔

۸۔ اپارٹمنٹ کا زمینی حصہ ہی ہو اور دیوار کے ذریعہ مختلف کمروں کو جدا کیا گیا ہو، مختلف حصوں کے مختلف مالکان ہوں۔

۹۔ اپارٹمنٹ کے ایک حصہ کو خرید کر نماز کے لئے مختص کر لیا ہو۔

۱۰۔ اگر اپارٹمنٹ لب روڈ ہو اور نماز کے لئے مختص کردہ حصہ کا دروازہ روڈ کی طرف کھلتا ہو تو اس صورت میں بھی مسجد شرعی کہلائے گی لیکن فقہاء کے یہ اقوال اس صورت میں ہے جبکہ حویلی ممتاز ہو۔

۱۱۔ کثیر المنزلہ عمارت میں جو جگہ مخصوص کی جارہی ہے وہ مسجد کے لئے وقف کی جائے۔

۱۲۔ یہ گنجائش ایسے مقامات میں ہوگی جہاں اوپر اور نیچے کی منزل کو وقف کرنے میں دشواری ہو جیسے کثیر المنازل عمارت وغیرہ۔

۱۳۔ جو حصہ مسجد کے لئے وقف کیا جارہا ہے اس کی مسجدیت کو قانونی تحفظ دیا جائے تاکہ مستقبل میں کوئی اس جگہ کو مسجد کے علاوہ کام اور مقصد میں استعمال نہ کرسکے۔

۱۴۔ قانونی کاغذات میں اس کی وضاحت ہونی چاہیے کہ اس کی خرید وفروخت ممکن نہیں ہوگی، آئندہ اگر پوری بلڈنگ بیچی جائے تو مسجد بیع میں شامل نہیں ہوگی اور نہ اس کا معاوضہ لیا جائے گا بلکہ وہ حسب سابق مسجد ہی رہے گی، مالک یہ صراحت کرکے بیچے کہ مسجد کے لئے وقف جگہ بیع میں شامل نہیں ہے۔

۱۵۔ اگر کبھی عمارت منہدم ہوجائے تو جو حق زمین میں دیگر فلیٹس اور دوکانوں کے مالکان کو ملے گا وہ مسجد کو بھی ملے گا، دوبارہ تعمیر کی صورت میں مسجد کی جگہ حسب سابق مسجد ہی رہے گی۔

۱۶۔ اگر حکومت کسی جائز وجہ سے عمارت منہدم کردے تو جس طرح دیگر مالکان کو معاوضہ ملے گا اسی طرح مسجد کو بھی ملے گا، اگر کہیں مسجد بنائی جاسکتی ہو تو بنائی جائے گی۔

۱۷۔ مسجد کے لئے مخصوص جگہ شرعی اور قانونی طور پر وقف کی جائے۔

۱۸۔ وہ حصہ آزاد ہو یعنی، بیع وشراء، رہائش یا دیگر استعمالات سے مبرا ہو۔

سوال ۶۔ کئی منزلہ عمارت تعمیر کرتے وقت ہی اگر یہ نیت کرلی جائے کہ کسی ایک منزل کو مسجد اور بقیہ منزلوں کو کمرشیل کمپلکس اور کمپنی یا طباعتی ادارہ کے آفس وغیرہ بنادئے جائیں، تو کیا ایسی عمارت میں جو منزل مسجد متعین ہوگی، کیا وہ مسجد شرعی کہلائے گی؟

اس سوال کے جواب میں بھی مقالہ نگاروں کی تین آراء ہیں:

پہلی رائے: اکثر حضرات کثیر المنزلہ عمارت کے اس متعین حصہ کو مسجد شرعی کہنے کو جائز سمجھتے ہیں۔

اس رائے کے حاملین یہ ہیں: مولانا محمد ممتاز خان ندوی، ڈاکٹر حافظ کلیم اللہ عمری مدنی، مولانا راشد حسین ندوی، مولانا محمد فہیم اختر ندوی، مولانا صفدر زبیر ندوی، مفتی محمد ثناء الہدی قاسمی، مولانا ممتاز سعود ندوی، مفتی شکیل منصور قاسمی، مولانا اشرف قاسمی، مفتی عثمان بستوی، مولانا اکرام احمد ندوی، ڈاکٹر مصطفی عبدالقدوس ندوی، مولانا محمد زبیر ندوی، مولانا محمد سرفراز ندوی، قاضی محمد حسن ندوی

دلائل:

اس کے دلائل جواب نمبر ۵ میں ذکر کر دئے گئے ہیں۔

دوسری رائے: اس کے عدم جواز کی ہے۔

اس رائے کے حاملین یہ ہیں: مولانا محمد صابر حسین ندوی، مولانا خورشید احمد اعظمی مدنی، مولانا محمد علی ندوی، مولانا جنید احمد قاسمی، مولانا عبید اللہ ندوی، مولانا انور علی اعظمی، مولانا انیس ندوی، مفتی نثار احمد صاحب، مولانا حبیب اللہ قاسمی، مفتی ذاکر نعمانی، مولانا خورشید انور اعظمی، ڈاکٹر شاہ جہاں ندوی

دلائل:

اس کے دلائل جواب نمبر ۵ میں ذکر کر دئے گئے ہیں۔

تیسری رائے: اس رائے کے حاملین بعض شرائط کے ساتھ اسے مسجد شرعی کہنے کو جائز سمجھتے ہیں۔

اس رائے کے حاملین یہ ہیں: مولانا ایاز عیسی ندوی، مولانا بدر احمد مجتبی ندوی، مولانا سلمان بن سلیمان ندوی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مولانا نثار عالم ندوی، مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا اختر امام عادل قاسمی، مولانا عبد الرزاق امروہی، مولانا رحمت اللہ ندوی۔

شرائط:

اس کے شرائط جواب نمبر ۵ میں ذکر کر دئے گئے ہیں۔

سوال ۷۔ کیا زائد آمدنی کے پیش نظر مسجد کی اراضی فروخت کر کے دوسری زائد آمدنی والی اراضی یا دوکانیں خریدنا درست ہے؟

اس سوال کے جواب میں مقالہ نگاروں کی تین آراء ہیں:

پہلی رائے: اکثر مقالہ نگاروں نے بعض شرائط کے ساتھ اسے جائز قرار دیا ہے۔

اس رائے کے حاملین یہ ہیں: مولانا ایاز عیسی ندوی، مولانا محمد ممتاز خان ندوی، ڈاکٹر حافظ کلیم اللہ عمری مدنی، مولانا راشد حسین ندوی، مولانا خورشید احمد اعظمی مدنی، مولانا محمد علی ندوی، مولانا محمد ابرار خان ندوی، مولانا محمد فہیم اختر ندوی، مولانا عبید اللہ ندوی، مولانا بدر احمد مجتبی ندوی، مولانا سلمان بن سلیمان ندوی، مولانا ممتاز سعود ندوی، مفتی شکیل منصور قاسمی، مولانا اشرف قاسمی، مولانا حبیب اللہ قاسمی، مفتی ذاکر نعمانی، مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا عبد الرزاق امروہی، مفتی اقبال قاسمی، ڈاکٹر شاہ جہاں ندوی

مشترکہ شرائط یہ ہیں:

۱۔ خالص نیت: متولی یا منتظم کی نیت خالصتاً مصالح مسجد اور اس کے اخراجات کی تکمیل ہو، نہ کہ ذاتی نفع یا

اقرباء کی اعانت۔

۲۔مجاز اتھارٹی کی نگرانی: زمین کی فروخت اور دوکانوں کی خریداری کا سارا عمل کسی معتبر شرعی اتھارٹی مثلا اوقاف بورڈ، مقامی علماء کرام یا شرعی عدالت کی نگرانی میں ہو۔

۳۔نئی خریدی گئی دوکانوں کا وقف: واضح طور پر مسجد کے لئے وقف کی جائے ان پر کسی فرد یا گروہ کا ذاتی تصرف یا ملکیت کا دعوی نہ ہو۔

۴۔واقف نے استبدال کی اجازت دی ہو۔

۵۔وقف کی منفعت ختم ہوگئی ہو۔

۶۔شفافیت اور عوامی مفاد: تمام معاملات شفاف ہوں اور مسجد کے لئے واقعی فائدہ ہو اور مستحکم مالی سہارا ثابت ہوں۔

۷۔تبادلہ غبن فاحش کے ساتھ نہ ہو۔

۸۔اگر اس کے ناظم اور دیکھ ریکھ کرنے والے مفقود ہوں۔

۹۔موقوفہ کا عقار کی قبیل سے ہونا۔

۱۰۔اس کی فروختگی وہ شخص کرے جس کی شہادت قبول کی جاتی ہو۔

۱۱۔وقف جائیداد کی فروختگی مناسب قیمت پر مارکیٹ ویلیو کا لحاظ کرتے ہوئے کی جائے، اتنی کم قیمت پر اسے فروخت نہ کیا جائے جتنی کم قیمت قیمتوں کے ماہرین نہیں لگاتے۔

۱۲۔وقف کو فروخت کرنے والے متولی یا وقف افسر اس کی فروختگی اپنے کسی قریبی رشتہ دار یا کسی ایک شخص کے ہاتھ نہ کرے جس سے اس کا مفاد وابستہ ہو، اسی طرح کسی ایسے شخص کے ہاتھ فروختگی نہ کرے جس کا قرض یا مالی دین فروخت کرنے والے کے ذمہ لازم ہو۔

۱۳۔وقف جائیداد کی فروختگی روپیہ پیسہ کے بجائے جائیداد سے کی جائے، اگر کسی قانونی یا عملی دشواری کی وجہ سے نقد روپیوں سے فروختگی کی جائے تو جلد سے جلد اس کے ذریعہ جائیداد خرید کر متبادل وقف قائم کر دیا جائے۔

۱۴۔وقف جائیداد کے فوائد مکمل طور پر ختم نہ ہو جائیں یا اس سے مسجد کے اخراجات پورے نہ ہو رہے ہوں۔

۱۵۔نئی جائیداد کی خریداری اور اس کے وقف ہونے کا واضح یقینی منصوبہ موجود نہ ہو۔

۱۶۔اوقاف کی زمین ضائع ہونے یا فروخت ہونے کے بعد جائیداد نہ خریدنے کے خدشات ہوں۔

۱۷۔وقف کی کوئی ایسی آمدنی نہ ہو جس سے اس کو نفع بخش بنایا جائے۔

۱۸۔قاضی صاحب، علم و عمل کے ساتھ ساتھ پرہیز گار بھی ہوں۔

دوسری رائے: اس کے جواز کی ہے۔

اس رائے کے حاملین یہ ہیں: مولانا صابر حسین ندوی، مولانا صفدر زبیر ندوی، مولانا انیس ندوی، قاضی محمد حسن ندوی، مولانا نثار عالم ندوی، مولانا اکرام احمد ندوی، مولانا اختر امام عادل قاسمی، مولانا خورشید انور اعظمی، ڈاکٹر مصطفی عبدالقدوس ندوی، مولانا رحمت اللہ ندوی، مولانا محمد زبیر ندوی، مولانا محمد سرفراز ندوی

دلائل:

۱۔ ”قال الشیخ نظام الدین: القیم اذا اشتری من غلة المسجد حانوتا او دارا و أراد أن یستغل و یباع عند الحاجة جاز ان کان له ولایة الشراء و اذا جاز له أن یبیعه کذا فی السراجیة“ (الفتاوی الهندیه ۲/ ۴۳۱)

۲۔ وقف کی نافعیت ختم یا کم ہونے کے بعد بھی وقف کی جائیداد کو باقی رکھنا وقف کے مقاصد کے خلاف ہے۔

تیسری رائے: اس کے عدم جواز کی ہے۔

اس رائے کے حاملین یہ ہیں: مولانا جنید احمد قاسمی، مفتی محمد ثناء الہدی قاسمی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مفتی انور علی اعظمی، مفتی نثار احمد صاحب، مفتی عثمان بستوی، مولانا محبوب فروغ قاسمی

دلیل:

وقف تام ہونے کے بعد موقوفہ جگہ اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں داخل ہوجاتی ہے لہٰذا اس میں کسی طرح کی چھیڑ چھاڑ کرنا جائز نہیں ہے۔ درمختار کی عبارت ہے ”فاذا تم ولزم لا یملک ولا یملک ولا یعار ولا یرهن“ (ردالمحتار مع الدر المختار ۴/ ۳۵۲)

سوال ۸۔ مساجد کی اراضی میں مکاتب یا مدارس قائم کرنا درست ہے یا نہیں؟ اگر تعمیرات کے بعد مسجد کے تحفظ اور اس کی آمدنی کے پیش نظر کرایہ مقرر کردیا جائے اور آمدنی مسجد کو ہی دے دی جائے تو شرعاً اس کی اجازت ہوگی یا نہیں؟

اس سوال کے جواب میں مقالہ نگاروں کی دو آراء ہیں:

پہلی رائے: اس کے جواز کی ہے، اکثر اس کے قائل ہیں۔

اس رائے کے حاملین یہ ہیں: ڈاکٹر حافظ کلیم اللہ عمری مدنی، مولانا صفدر زبیر ندوی، مولانا سلمان بن سلیمان ندوی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مولانا ممتاز سعود ندوی، مولانا اشرف قاسمی، مولانا انیس ندوی، قاضی محمد حسن ندوی، مفتی ذاکر نعمانی، مفتی جمیل احمد نذیری، مفتی عثمان بستوی، مولانا اکرام احمد ندوی، مولانا اختر امام عادل قاسمی، مولانا عبدالرزاق امروہی، مفتی اقبال قاسمی، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا محبوب فروغ قاسمی، ڈاکٹر مصطفی عبدالقدوس

ندوی، مولانا رحمت اللہ ندوی، مولانا محمد زبیر ندوی، مولانا محمد سرفراز ندوی، ڈاکٹر شاہ جہاں ندوی، مولانا محمد علی ندوی

دلائل:

۱۔ دینی تعلیم وقف کے مقاصد کا حصہ ہے۔

۲۔ فقہ اکیڈمی کے دسویں سیمینار میں یہ قرارداد منظور ہوئی تھی کہ جن کی مساجد کی فاضل اراضی ہوں اگر ان میں مکتب یا مدرسہ قائم کرنا چاہیں تو تحفظ اوقاف کی غرض سے درست ہے۔

دوسری رائے: اس رائے کے حاملین نے بعض شرائط کے ساتھ اسے جائز قرار دیا ہے۔

اس رائے کے حاملین یہ ہیں: مولانا محمد صابر حسین ندوی، مولانا ایاز عیسی ندوی، مولانا ممتاز خان ندوی، مولانا راشد حسین ندوی، مولانا خورشید احمد اعظمی مدنی، مولانا ابرار خان ندوی، مولانا محمد فہیم اختر ندوی، مولانا جنید احمد قاسمی، مولانا عبید اللہ ندوی، مفتی محمد ثناء الہدی قاسمی، مولانا بدر احمد مجتبی ندوی، مولانا انور علی اعظمی، مولانا شکیل منصور قاسمی، مفتی نثار احمد صاحب، مولانا حبیب اللہ قاسمی، مولانا نثار عالم ندوی

مشترکہ شرائط یہ ہیں:

۱۔ مدرسہ یا مکتب مسجد کی کمیٹی کی نگرانی میں بنایا جائے۔

۲۔ مدرسہ یا مکتب کا کچھ کرایہ مسجد کے مصالح کے لئے خرچ کیا جائے۔

۳۔ وقف کی زمین پر ناجائز قبضہ کا اندیشہ ہو۔

۴۔ زمین مسجد کی ضرورت سے زائد ہو۔

۵۔ مسجد آباد نہ ہو اور مدرسہ یا مکتب قائم ہونے میں مسجد کے آباد ہونے کی امید ہو۔

۶۔ جس آبادی یا محلہ میں مسجد واقع ہے وہاں مسلمان بچوں کے لئے کوئی دینی مدرسہ یا مکتب قائم کرنے کے لئے کوئی مستقل بندوبست بھی نہ ہو تو مسجد پر وقف زائد اراضی میں مدرسہ یا مکتب قائم کیا جا سکتا ہے۔

۷۔ شرط یہ ہے کہ تعمیرات کی ملکیت مسجد کمیٹی کی ہی رہے گی اور یہ مدرسہ اور مکتب ہمیشہ کے لئے نہ ہو، آئندہ اگر یہ اراضی کی ضرورت مسجد کو پڑ جائے تو اس کو خالی کرا کے اپنی تحویل میں لے سکتے ہوں۔

۸۔ اگر زمین مسجد کی تعمیر کے لئے وقف ہے تو اس میں مسجد ہی بنائی جائے گی اور اگر مسجد پہلے سے بنی ہے تو واقف نے مسجد کے اخراجات وغیرہ کے لئے وقف کی ہے تو ایسا تصرف جو مصالح مسجد کے دائرہ میں ہو جائز ہے، خلاصہ یہ کہ وہ زمین جو مسجد کی تعمیر کے لئے نہ ہو ان میں مدارس و مکاتب کا قیام جائز ہے بشرطیکہ ان کا کرایہ مسجد میں لگایا جائے۔

۹۔ تحفظ کی غرض سے مساجد سے متعلق اراضی جس میں مسجد بنی ہوئی نہ ہو اس پر مدارس یا مکاتب کا قیام کیا

جاسکتا ہے بشرطیکہ دستاویز میں صراحت ہو کہ یہ مسجد کی زمین ہے اور اس کی آمدنی مسجد کے کام میں خرچ کی جائے گی۔

۱۰۔مساجد کی مالکانہ حیثیت مجروح نہ ہو۔

۱۱۔مدرسہ یا مکتب کا قیام مصالح کے تحت ہو۔

مناقشہ

سوال ۱۔زیر بحث مسئلہ میں تمام آراء و دلائل کا تجزیہ کرنے کے بعد محسوس ہوتا ہے کہ مسجد میں کچھ شرطوں کے ساتھ درسگاہ بنانا اور تعلیم کا نظم کرنا درست ہے، موجودہ حالات میں یہی رائے راجح معلوم ہوتی ہے۔اس کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

موجودہ دور الحاد و لادینیت کا دور ہے، ہر طرف کثرت سے فتنے پیدا ہو رہے ہیں، گمراہی اور جہالت کے اسباب عام ہو چکے ہیں، اگر نئی نسل کی دینی تعلیم کا معقول انتظام نہیں کیا گیا تو خطرہ ہے کہ آنے والی نسل ارتداد کی راہ پر چل پڑے گی، بلکہ چل چکی ہے، ایسے میں اگر ان کے دین و ایمان کو بچانے کی کوشش نہیں کی گئی تو سنگین حالات پیدا ہو سکتے ہیں۔

قرآن و حدیث میں حصول علم کی اہمیت پر غیر معمولی زور دیا گیا ہے، مسجد نبوی میں درس کے حلقے مستقل قائم تھے، جہاں ہر وقت تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری رہتا تھا، ایک مسلمان کے لئے دین کی تعلیم ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے، اس کی اہمیت کو صرف کچھ ٹیکنیکل بنیاد پر نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہے، اس لئے موجودہ حالات میں یہی رائے مناسب معلوم ہوتی ہے، اور قرآن و حدیث کی روح سے ہم آہنگ نظر آتی ہے۔

مناقشہ

دوسری شق: اس مسئلے میں تمام دلائل کا جائزہ لینے کے بعد دوسری رائے راجح معلوم ہوتی ہے، یعنی مسجد کی اوپر منزل پر طلبہ کے لئے مستقل رہائش گاہ بنانا درست نہیں ہے، اس سلسلے میں جتنی روایتیں نقل کی گئی ہیں، وہ سب عارضی رہائش گاہ یا قیام پر دلالت کرتی ہیں، ان سے مستقل قیام گاہ کا ثبوت نہیں ملتا ہے، نیز یہ واقف کی منشاء کے بھی خلاف ہے، قرآن کریم کی آیت ''وأن المساجد للہ فلا تدعو مع اللہ أحدا'' سے بھی یہ اشارہ ملتا ہے۔

مناقشہ

سوال ۲۔پہلی شق: قدیم مسجد شہید کر کے نئی تعمیر میں دوکان بنانے کے سلسلہ میں اکثر مقالہ نگاروں کی رائے یہ ہے کہ یہ درست نہیں ہے، دلائل اور ثبوت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رائے راجح ہے، اس میں مسجد کا ادب بھی ہے اور مقصد وقف کو بھی پوری طرح ملحوظ رکھا گیا ہے، ایک بار جب مسجد بن جاتی ہے تو اس کے حدود متعین ہو جاتے ہیں، جن میں کسی طرح کی چھیڑ چھاڑ مناسب نہیں ہے، فقہاء کی تصریحات کے مطابق تحت الثری سے عنان

سماء تک مسجد ہوتی ہے، اس میں مصالح مسجد کے نام پر کوئی تبدیلی درست نہیں ہے، اس کے کسی حصہ کو کرایہ پر دینا اور ذریعہ آمدنی بنانا مسجدیت کی روح کے خلاف ہے، اس سے مسجد کی شرعی حیثیت متاثر ہوتی ہے، اس لئے اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی ہے۔ فقہاء کی عبارتوں سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

دوسری شق: مسجد کے اوپر امام اور مؤذن کے لئے کمرہ بنانا جہاں وہ تنہا قیام کرسکیں، اس کی اجازت ہونی چاہیے، یہ بھی مصالح مسجد میں شامل ہے، مسجد کے اندر رہتے ہوئے جس طرح دیکھ بھال ہوسکتی ہے، وہ باہر رہتے ہوئے ممکن نہیں ہے، البتہ دو باتوں کا خیال رکھا جائے:

(۱) بیت الخلاء اور حمام مسجد کے حصہ سے خارج ہو۔

(۲) فیملی کے ساتھ قیام نہ ہو۔ اس سے مسجد کی حرمت متاثر ہوگی لہذا اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی ہے، البتہ اگر مسجد کی اصل عمارت کے چھجہ پر فیملی کواٹر اور حمام بنا دیا جائے تو اس کی گنجائش ہوسکتی ہے، اس سے مسجد کی حیثیت متاثر نہیں ہوگی اور ضرورت بھی پوری ہوجائے گی۔

الموسوعۃ الفقہیہ میں ہے:

”و اذا أراد أن يبنى حوانيت فى المسجد أو فى فناءه لا يجوز له أن يفعل لأن فناء المسجد تبع له“ (الموسوعة ۲۷/۳۷/۲۱۳)

”قيم المسجد لا يجوز أن يبنى حوانيت فى حد المسجد أو فى فناءه لأن المسجد اذا جعل حانوتا أو مسكنا لسقط حرمته، و هذا لا يجوز“ (الفتاوى الهنديه ۲/۴۶۲)

مناقشہ

سوال ۳۔ موجودہ حالات میں حکومت کی طرف سے آئے دن نت نئے قانون بنتے رہتے ہیں، جن کی خلاف ورزی پر مسلمانوں کو خاص طور سے نشانہ بنایا جاتا ہے، اگر بیسمنٹ میں پارکنگ کی جگہ نہ چھوڑی جائے تو مسجد کی نئی تعمیر کی اجازت نہیں مل سکتی ہے، حکومت اتر پردیش کا یہی قانون ہے، دیگر ریاستوں کا بھی یہی قانون ہو، یا مستقبل میں یہ قانون بن سکتا ہے، اس لئے قانونی مجبوری کے پیش نظر قدیم مسجد کی نئی تعمیر میں بیسمنٹ میں پارکنگ بنانے کی گنجائش ہونی چاہیے، فقہ کا قاعدہ ہے ”الضرورات تبیح المحظورات“ اگر اس کی اجازت نہ دی جائے تو مسجد کا وجود ہی خطرہ میں پڑ جائے گا۔ البتہ اس بات کا خیال رکھا جائے کہ اس مسئلہ میں مقامی علماء اور مفتیان کرام سے مشاورت کے بعد ہی کوئی قدم اٹھایا جائے، تاکہ مقامی حالات اور قوانین کی روشنی میں بہتر فیصلہ کرنے میں آسانی ہو۔

واضح ہو کہ اگر نئی مسجد تعمیر کی جائے اور اس کے تہ خانے میں شروع ہی سے پارکنگ بنائی جائے تو اس میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے۔

مناقشہ

سوال ۴۔پہلی شق: اس مسئلہ سے متعلق دلائل پر ایک نظر ڈالنے سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ قدیم مسجد شہید کر کے آس پاس کی جگہ خرید کر بیسمنٹ میں پارکنگ بنانا درست نہیں ہے، پیچھے یہ بات گزر چکی ہے کہ جس جگہ ایک بار مسجد بن جاتی ہے، وہ ہمیشہ مسجد رہتی ہے۔اس میں کوئی ایسا تصرف کرنا جس سے اس کی شرعی حیثیت تبدیل ہوجائے، درست نہیں ہے، کیونکہ مسجد تحت الثری سے عنان سماء تک ہوتی ہے،بیسمنٹ میں پارکنگ اس کی حرمت اور حیثیت میں تصرف ہے،اس لئے اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی ہے۔

الحاوی میں ہے:

"ان حرمة المسجد و أحكامه الثابتة له باقية الى يوم القيامة ، و لو اتسع و أزيلت جدره و أعيدت عادت على هذا الحكم من غير تغيير ، فان الحكم المذكور منوط بالمسجد من حيث هو لا بذلك الجدار بعينه ، و قد بنى في زمن عمر و وسع في زمن عثمان وغيره في القرن الأول و بعده و لم يخرجوه عن هذا الحكم" (الحاوی ۲/ ۲۰)

البحر الرائق میں ہے:

"و لا يجوز أخذ الأجرة ، و في البزازية لا يجوز للقيم أن يجعل شيئاً من المسجد مستغلا و لا مسكنا" (البحر الرائق ۵/ ۴۲۱)

مناقشہ

دوسری شق: مسجد کی اوپر منزل پر درسگاہ بنانا اور تعلیم پر فیس لینا موجودہ حالات کے تناظر میں درست معلوم ہوتا ہے، یہ ارتداد کا دور ہے، اگر نئی نسل کی تعلیم کا انتظام نہ کیا جائے تو خطرہ ہے کہ آگے چل کر وہ مرتد ہوسکتی ہے، اور اگر تعلیم پر فیس نہ لی جائے تو اس کی اہمیت نہیں ہوتی ہے، اس لئے تعلیم کی ضرورت اور فیس کی لازمیت دونوں ضروری ہیں، اس کے بغیر تعلیم میں کوالٹی نہیں ہوگی اور نہ ہی اس کا مقصد پورا ہوگا۔لہٰذا فیس لینے کی گنجائش ہوگی۔

جہاں تک فیس کے مصرف کا سوال ہے تو بہتر ہوگا کہ اس تعلیم کے لئے امام اور مؤذن کو مقرر کیا جائے تاکہ ان کی تنخواہ معقول ہو اور وہ یکسوئی کے ساتھ اپنی ذمہ داری کو انجام دے سکیں۔

"تعليم الصبيان فيه بلا أجر و بالأجر يجوز" (الفتاوی البزازية)

سوال نمبر ۵-۶ ایک دوسرے سے ملتا جلتا ہے، اس لئے دونوں کا تجزیہ ایک ساتھ پیش ہے۔

مناقشہ

سوال ۵-۶۔مسجد ایک مقدس اور مخصوص جگہ کا نام ہے، اس کی اپنی انفرادیت اور امتیازی شان ہوتی ہے، اس کے در و بام، اس کی ہیئت، اس کے مینارے دلوں میں ایک خاص قسم کی عظمت پیدا کرتے ہیں، یہ خصوصیات

اپارٹمنٹ کے ایک حصہ کو مخصوص کر دینے سے نہیں پیدا ہوسکتیں، اس لئے اس مسئلے میں مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسے شرعی مسجد نہ قرار دیا جائے، فقہاء کی تصریحات کے مطابق مسجد تحت الثری سے عنان السماء تک ہوتی ہے، یہ شرط یہاں پر مفقود ہے، اس لئے اس کو مسجد قرار دینا محل نظر ہے۔

جہاں تک آبادی کی کثرت اور بڑے شہروں میں آسمان چھوتی زمین کی قیمت کا سوال ہے تو اس کے لئے عبادت گاہ کا تصور پہلے سے موجود ہے، اللہ کے یہاں ثواب کا فیصلہ نیتوں کی بنیاد پر ہوتا ہے، اس لئے امید کی جانی چاہیے کہ عبادت گاہ میں وہی ثواب ملے گا جو شرعی مسجد میں حاصل ہوتا ہے، بالخصوص اس پس منظر میں کہ یہ راستہ مجبوری میں اختیار کیا گیا ہے۔ دلوں کا حال اللہ تعالیٰ بخوبی جانتا ہے۔

مسجد اسلام کا شعار ہے، اگر اس کو ایک اپارٹمنٹ میں محدود کر دیا جائے تو وہ شعار نہیں رہ سکتا، اس کو وہ مقام و مرتبہ نہیں مل سکتا جو اس کو انفرادیت اور امتیازی شان کی وجہ سے ملتا ہے، اس لئے شرعاً اس کو مسجد نہیں کہا جاسکتا۔

مناقشہ

سوال ۷۔ اس مسئلے سے متعلق دلائل وشواہد پر غور کرنے سے محسوس ہوتا ہے کہ پہلی رائے یعنی جس میں مخصوص شرطوں کے ساتھ استبدال کی اجازت دی گئی ہے، مناسب رائے ہے۔ یہ مسئلہ بہت ہی حساس ہے، اس میں مطلق اجازت نہیں دی جاسکتی ہے، اس سے اوقاف کی جائیداد خطرہ میں پڑسکتی ہے، وقف کا اصل مقصد انتفاع ہے، یہی واقف کی منشاء ہوتی ہے، اگر یہ مقصد فوت ہوتا ہوا نظر آئے تو پھر وقف کو باقی رکھنے کا کوئی مطلب نہیں ہے، ایسی صورت میں شرطوں کے ساتھ استبدال ہی مناسب معلوم ہوتا ہے۔ یہ شرطیں اس لئے ضروری ہیں تاکہ وقف کو ضائع ہونے سے بچایا جاسکے اور اس سے انتفاع بھی ممکن ہو، البتہ اس میں اتنی شرطیں نہ لگادی جائیں کہ ان کا پورا ہونا ممکن نہ ہو، بنیادی طور پر اس میں اخلاص نیت کا بڑا دخل ہے، یہ اولین شرط ہونی چاہیے، اس کو یقینی بنانے کے لئے مقامی علماء اور قضاۃ کی ایک مؤقر کمیٹی کی تشکیل ضروری ہے، کمیٹی کے ارکان کا تفقہ، اخلاص للّٰہیت اور دیانت داری سے متصف ہونا ضروری ہے، اگر ایسا ہوجائے تو استبدال کے جواز کی گنجائش نکل سکتی ہے۔

مناقشہ

سوال ۸۔ زیر بحث مسئلے میں دوسری رائے زیادہ مناسب معلوم ہوتی ہے، یعنی مخصوص شرطوں کے ساتھ زائد اراضی کو کرایہ پر مکتب ومدرسہ چلانے کے لئے دے دیا جائے۔ اس سے دو فائدے ہوں گے۔

(۱) مسجد کی اراضی کا تحفظ، جو سب سے زیادہ ضروری ہے۔

(۲) آمدنی میں اضافے جو مسجد کے مصالح میں استعمال ہوگی۔

شرطیں اس لئے ضروری ہیں کہ آج کل کرایہ کی زمین پر قبضہ کرنے اور اس کو نقصان پہنچانے سے متعلق بہت سے واقعات سننے اور دیکھنے کو ملتے ہیں، شرائط لگانے سے اراضی کا تحفظ ہوگا اور جب مسجد کو ضرورت پڑے گی واپس لے لی جائے گی۔ نیز دینی تعلیم کا فروغ اور نشر واشاعت بھی ہوگی جو کہ وقت کے اہم مقاصد میں سے ہے۔

مساجد اور ان کے اوقاف سے متعلق چند مسائل

مفتی حبیب اللہ قاسمی

بانی و مہتمم جامعہ اسلامیہ دار العلوم مہذب پور، سنجر پور، اعظم گڑھ

اسلام کے کار خیر کے شعبوں میں ایک اہم شعبہ اوقاف کا ہے۔ جس کے متعدد شعبے ہیں جن میں ایک اہم حصہ مساجد اور اس پر وقف اراضی و دیگر ذرائع آمدنی کا ہے، شریعت میں منشاء واقف کی بڑی اہمیت ہے، اس لئے فقہاء نے صراحت کی ہے: **شرط الواقف کنص الشارع**، ان دنوں متولیان یا مساجد کمیٹیوں کی طرف سے کچھ ایسے سوالات آرہے ہیں جن میں بظاہر محسوس ہوتا ہے کہ اوقاف میں بنیادی تبدیلیاں ہورہی ہیں یا منشاء واقف متاثر ہورہا ہے، دوسری طرف وقت اور حالات کا تقاضا ہے کہ یہ تبدیلیاں ناگزیر ہیں ورنہ وقف کے مقاصد مزید متاثر ہوں گے یا یہ معطل ہوجائیں گے، یا دشواریاں بڑھ جائیں گی، ایسے حالات میں ان سوالات پر عصری تناظر میں غور وفکر کرنے کی شدید ضرورت ہے۔ جس میں کتاب وسنت اور فقہاء کی تصریحات سامنے ہوں اور عصری تقاضوں کی رعایت بھی ہو۔ اس پس منظر میں ذیل میں چند سوالات کے جوابات درج کئے جارہے ہیں:

جواب: ۱۔ مسجد کی توسیع اور دوبارہ تعمیر:

مسجد کی توسیع اور از سر نو تعمیر کے جواز کے بارے میں فقہاء کا اتفاق ہے بشرطیکہ یہ ضرورت کی بنیاد پر ہو اور منشاء واقف متاثر نہ ہو۔

البحر الرائق شرح کنز الدقائق میں ہے:

"إذا دعت الحاجة إلى توسعة المسجد وزيادة بنائه، جاز ذلك إذا كان في مصلحة المصلين"

(البحر الرائق، جلد 5، صفحہ 266، کتاب الوقف، مطبع دار الکتب العلمیۃ)

۲۔ مسجد کی بالائی منزل میں درس گاہ اور رہائش گاہ کا مسئلہ:

مسجد کی بالائی منزل میں دینی تعلیم کا نظم اور طلبہ کی رہائش گاہ کے بارے میں فقہاء نے چند اصول بیان کیے ہیں:

۱۔ تعلیم دین کے لیے جگہ کا استعمال:

تعلیم دین مسجد کے مقاصد میں شامل ہے، لہذا مسجد کے احاطے میں درس گاہ بنانا جائز ہے بشرطیکہ یہ جگہ مسجد کے اصل استعمال (نماز) کو متاثر نہ کرے۔

الفتاوی الہندیۃ میں ذکر ہے:

"یجوز استعمال المسجد للتعلیم إذا کان ذلک متعلقا بالعلوم الشرعیة وکان للمسجد مکان مخصص للصلاة" (الفتاوی الهندیة، جلد2، صفحه442، باب الوقف، مطبع دار الفکر)

۲-رہائش کے لیے جگہ کا استعمال:

مسجد کی اوپری منزل کو طلبہ کی رہائش کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ وہ حصہ مسجد کی جگہ کے تابع نہ ہو۔ اگر وقف کے وقت اوپر کی منزل کو مسجد میں شامل نہ کیا گیا ہو تو اسے رہائش یا دیگر مقاصد کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔

بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع میں بیان ہے:

"الأماکن التی لا تُعدُّ مسجداً بالذات یجوز أن تُستخدم لمصالح المسلمین، مثل إقامة الطلبة فیها"

(بدائع الصنائع، جلد4، صفحه45، کتاب الوقف، مطبع دار الکتب العلمیة)

۳-مسجد کی حرمت کا مسئلہ:

مسجد کی حرمت متاثر نہ ہونے کا اصول یہ ہے کہ وہ جگہ جسے باقاعدہ مسجد قرار دیا گیا ہو، وہاں کوئی ایسا کام نہ کیا جائے جو مسجد کی حرمت کے خلاف ہو۔ اگر اوپر کی منزل مسجد کے تابع نہیں تو وہاں رہائش یا درس گاہ کا نظم مسجد کی حرمت کو متاثر نہیں کرتا۔

۴ فتح القدیر میں لکھا ہے:

"إذا کان البناء فوق المسجد لا یُعتبر داخلاً فی المسجد، فلا حرج فی استعماله لمصالح مشروعة"

(فتح القدیر، جلد6، صفحه245، کتاب الوقف، مطبع دار المعرفة)

۴-آداب مسجد کے خلاف یا کراہت کا مسئلہ:

مسجد کی بالائی منزل میں درس گاہ یا رہائش کا نظم کرنا شریعت کے آداب کے خلاف نہیں ہے بشرطیکہ اس سے مسجد کے اندرونی ماحول یا عبادات میں خلل نہ آئے۔ اگر یہ شرائط پوری ہوں تو نہ کراہت ہوگی اور نہ ہی حرمت کا مسئلہ۔

ردالمحتار علی الدر المختار میں ذکر ہے:

"إذا لم یکن فی ذلک هتک لحرمة المسجد ولا ضرر علی المصلین، فلا مانع من ذلک شرعاً"

(ردالمحتار، جلد3، صفحہ370، باب الوقف، مطبع دار عالم الکتب)

خلاصہ: مسجد کی توسیع اور دوبارہ تعمیر جائز ہے بشرطیکہ یہ ضرورت کے تحت ہو۔

بالائی منزل کو درس گاہ یا رہائش کے لیے استعمال کرنا اس وقت جائز ہے جب وہ مسجد کے تابع نہ ہو اور اس سے مسجد کی حرمت یا آداب پر اثر نہ پڑے۔

تعلیم دین اور طلبہ کی رہائش کا نظم اگر مسجد کی ضروریات کے ساتھ ہم آہنگ ہو تو یہ شرعاً جائز اور پسندیدہ عمل ہے۔

نوٹ: تمام مسائل میں منشاء واقف اور مقامی حالات کو خاص اہمیت دی جائے۔

سوال: ۲-اسی طرح بعض مساجد میں آمدنی نہیں ہوتی ہے۔ مسجد کی کمیٹی چاہتی ہے کہ قدیم مسجد شہید کر دی جائے اور چند منزلہ عمارت بنادی جائے جس میں نیچے کی منزل میں دکانیں بنادی جائیں تاکہ مسجد کی آمدنی کا ذریعہ ہو اور اوپر کی منزل جماعت گاہ ہو، کیا مصالح مسجد کے پیش نظر ایسا کیا جا سکتا ہے؟ اسی طرح جماعت گاہ کی منزل سے اوپر امام اور مؤذن کے لئے ایسے حجرے بنائے جا سکتے ہیں جہاں وہ تنہا یا فیملی کے ساتھ قیام کر سکیں؟

الجواب: ۲-اسلامی شریعت اور فقہ حنفی کی روشنی میں سوال کا جواب درج ذیل ہے:

مسئلہ: مسجد کو شریعت میں وقف کا حکم حاصل ہوتا ہے، اور وقف کے احکام کے تحت کسی وقف شدہ جگہ کو اس کے اصل مقصد (یعنی نماز پڑھنے) سے ہٹانا یا اس میں ایسی تبدیلی کرنا جو مسجد کی حرمت یا استعمال کو نقصان پہنچائے، جائز نہیں۔ تاہم، بعض حالات میں، جب مصلحتِ عامہ یا مسجد کے بہتر انتظام کا تقاضا ہو، تو شریعت میں اس کی اجازت دی گئی ہے، بشرطیکہ مسجد کی حیثیت اور مقصد متاثر نہ ہو۔

شرعی اصول: ۱-مسجد کے حکم کا تحفظ: مسجد کو ایک مرتبہ مسجد بنا دیا جائے تو وہ قیامت تک مسجد رہتی ہے، جیسا کہ حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں وارد ہے:

"**الأرض التی بنیت فیها المسجد وقف، ولا یجوز بیعها ولا التصرف فیها**" (المبسوط للسرخسی، ج3، ص273)

۲-تبدیلی کی گنجائش: اگر مسجد کو بہتر بنانے کے لیے کسی قسم کی تبدیلی ضروری ہو اور یہ تبدیلی اس کے اصل مقصد (عبادت) میں رکاوٹ نہ ڈالے، تو بعض صورتوں میں اجازت دی جا سکتی ہے:

"**إذا دعت الحاجة إلى تغییر فی الوقف أو استبداله بما هو أنفع، یجوز بشرط عدم إخلال الغرض الأصلی**" (الدر المختار مع رد المحتار، ج4، ص359)

۳-مصلحت کی شرط: فقہاء نے وضاحت کی ہے کہ اگر کوئی وقف، موقوف علیہ (یعنی مسجد یا اس کے استعمال) کے فائدے کے لیے ہو، تو شریعت میں اس کی اجازت دی گئی ہے:

"**إذا كان فی التغییر مصلحة راجحة للمسجد، كزیادة منفعة أو درء مفسدة، جاز بالإجماع**" (الاختیار لتعلیل المختار، ج2، ص51)

آپ کے سوال کے دو حصے:

۱-مسجد شہید کر کے نئی تعمیر اور دکانیں بنانا:

فقہ حنفی کے اصول کے مطابق، اگر مسجد کی عمارت خستہ ہو چکی ہو یا اس کی آمدنی نہ ہونے کے باعث اس کے انتظامات مشکل ہوں، تو مصلحتِ مسجد کے تحت نیچے کی منزل پر دکانیں بنا کر اوپر مسجد قائم رکھنا جائز ہوگا، بشرطیکہ:

۱۔ مسجد کی حرمت اور اس کا مقصد متاثر نہ ہو۔

۲۔ نئی تعمیر میں نماز کے لیے بہتر انتظام کیا جائے۔

۳۔ دکانوں کا کرایہ مسجد کے اخراجات پر ہی خرچ ہو۔

۲۔ جماعت گاہ کے اوپر امام ومؤذن کے لیے حجرے بنانا:

فقہ حنفی کی روشنی میں، امام اور مؤذن کے لیے حجرے بنانا جائز ہے، بشرطیکہ:

۱۔ یہ حجرے مسجد کے استعمال میں رکاوٹ نہ ڈالیں۔

۲۔ یہ حجرے صرف مسجد کے عملے کے لیے مختص ہوں اور ان کا مقصد صرف خدمتِ مسجد ہو۔

"**یجوز بناء مساکن للموظفین إذا کانت الضرورۃ قائمۃ لخدمۃ المسجد**" (الفتاوی الہندیۃ، ج2، ص436)

خلاصہ: مسجد کے مصالح اور انتظامات کو بہتر بنانے کے لیے نیچے کی منزل پر دکانیں بنا کر اوپر جماعت گاہ قائم کرنا اور امام ومؤذن کے لیے حجرے بنانا جائز ہے، بشرطیکہ مسجد کی حیثیت، مقصد، اور حرمت پر کوئی منفی اثر نہ پڑے اور اس سے حاصل شدہ آمدنی مسجد کے استعمال پر خرچ ہو۔

سوال: ۳۔ اسی طرح بعض مسجدیں شہر کے اندر ہوتی ہیں، آبادیاں بڑھ جاتی ہیں، مسجدوں کی توسیع کی ضرورت پڑ جاتی ہے۔ لیکن مسجد کے اردگرد جگہیں نہیں ہوتیں یا کم ہوتی ہیں۔ بہت سے نمازی اپنی اپنی گاڑیوں سے آتے ہیں، بالخصوص کالونیوں میں رہنے والے نمازیوں کو اسکی ضرورت پڑتی ہے لیکن وہاں گاڑیاں ٹھہرانے کی جگہیں نہیں ہوتی ہیں۔ ایسی صورت میں کمیٹی چاہتی ہے کہ مسجد شہید کر کے ایسی شکل اختیار کی جائے کہ نیچے بیسمنٹ میں پارکنگ ہو اور اوپر مسجد ہو، سوال یہ ہے کہ قدیم مسجد میں ایسی تبدیلی جس میں نمازیوں کی گاڑیوں کے ٹھہرانے کا نظم ہو، کی جاسکتی ہے؟ کیا موجودہ حالات کے پیش نظر اسکی گنجائش ہوگی؟

الجواب: ۳۔ قدیم مسجد کو شہید کر کے نیچے بیسمنٹ میں پارکنگ اور اوپر دوبارہ مسجد کی تعمیر کی اجازت فقہ حنفی اور اسلامی شریعت کی روشنی میں بعض شرائط کے ساتھ ممکن ہے۔ تاہم، یہ معاملہ نازک ہے اور اس پر غور کرتے وقت چند اہم اصول وضوابط کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ ذیل میں فقہ حنفی کی مستند کتب کے حوالوں اور دلائل کے ساتھ تفصیلی جواب پیش کیا جاتا ہے۔

مسجد کی حیثیت اور اس کا تقدس:

۱۔مسجد ایک وقف شدہ جگہ ہے جو اللہ کی عبادت کے لیے مخصوص ہو جاتی ہے۔اس کی حیثیت وقفِ صحیح کی ہوتی ہے،اور وقف شدہ جگہ کو اس کے اصل مقصد کے خلاف استعمال نہیں کیا جا سکتا۔

"**لا یجوز التغیر فی الوقف عما وقف علیه إلا لغرض شرعی**" (الفتاوی الہندیۃ، ج2،ص354)

۲۔مسجد کی جگہ کو تبدیل کرنے یا اس پر تعمیراتی تبدیلی کرنے کی اجازت صرف اس صورت میں دی جاتی ہے جب اصل مقصد یعنی عبادت اور نماز کی ادائیگی متاثر نہ ہو۔ماخوذ:

"**الوقف لا یجوز بیعه ولا نقله إلا إذا تعطل الانتفاع به بالکلیة، فحینئذ یجوز تغییره بما یناسب الغرض الشرعی**" (الدر المختار مع رد المحتار، ج6،ص555)

مسجد کے نیچے بیسمنٹ کی تعمیر:

فقہ حنفی کی روشنی میں مسجد کے نیچے تعمیر کی اجازت اس شرط کے ساتھ دی جا سکتی ہے کہ:

۱۔مسجد کی بالائی جگہ کی حیثیت میں کوئی کمی نہ ہو۔

۲۔بیسمنٹ کے استعمال سے مسجد کی پاکیزگی اور عبادت کے سکون پر کوئی اثر نہ پڑے۔

دلائل:"**ولو بنی فوق المسجد أو تحته شیء بشرط أن لا یؤثر علیها فلا بأس به، لأنه لا یخرجه عن کونه مسجداً**" (فتاوی قاضی خان، ج3، ص 94)

"**وإن أرادوا إصلاح المسجد بما یزید من مصلحته أو یرفع الضرر عن المصلین فلا بأس بذلک بشرط عدم الإضرار بالوقف**" (البحر الرائق، ج5،ص198)

مسجد کی شہادت اور تعمیر نو:

قدیم مسجد کو شہید کر کے اس کی دوبارہ تعمیر کی اجازت صرف اس وقت دی جا سکتی ہے جب:

۱۔موجودہ مسجد ناکافی ہو گئی ہو۔

۲۔موجودہ حالت میں اس کا استعمال مشکل ہو یا نمازیوں کے لیے سہولت فراہم کرنا ممکن نہ ہو۔

۳۔تعمیر نو کے بعد مسجد کا مقصد اور وقفی حیثیت برقرار رکھی جائے۔

دلائل:"**إذا کان فیه مصلحة لأهل المسجد، مثل توسعته أو زیادة مرافق له، فلا بأس بذلک، لأن الغرض من الوقف بقاء الانتفاع به**" (رد المحتار، ج4، ص358)

”لا بأس بنقل المسجد أو بناء المسجد فوق المسجد الأول إذا كان يحقق الغرض الشرعي و كان ضرورياً“ (فتح القدیر، ج6،ص320)

خلاصہ:

مذکورہ سوال کے مطابق، درج ذیل شرائط کی تکمیل کے ساتھ قدیم مسجد کو شہید کر کے نیچے بیسمنٹ میں پارکنگ اور اوپر دوبارہ مسجد کی تعمیر کی اجازت دی جاسکتی ہے:

۱۔مسجد کی نئی تعمیر کے بعد اس کی وقفی حیثیت اور تقدس میں کوئی کمی نہ ہو۔

۲۔تعمیرِ نو کے دوران مسجد کے لیے کسی متبادل جگہ کا انتظام کیا جائے تا کہ نماز کی ادائیگی متاثر نہ ہو۔

۳۔تعمیراتی عمل سے مسجد کی پاکیزگی، سکون اور نمازیوں کے لیے سہولت میں کوئی خلل نہ ہو۔

۴۔اس عمل کی شرعی ضرورت اور مصلحت کے لیے مقامی مفتیانِ کرام سے مشورہ لیا جائے۔

ان شرائط کے ساتھ موجودہ حالات کے پیشِ نظر اس تجویز کی گنجائش ہوسکتی ہے، بشرطیکہ تمام ضروری احتیاطی تدابیر اختیار کی جائیں۔

سوال: ۴۔بعض شہروں میں جگہ جگہ قدیم مساجد ہیں اردگرد میں جگہیں بھی خالی ہیں لیکن کم ہیں، دوسری طرف مسلم بچوں کی دینی تعلیم بالخصوص عصری اسکولوں میں پڑھنے والے بچوں کے لئے جزءِ وقتی دینی تعلیم کا نظم ضروری ہوتا ہے۔کمیٹی کے حضرات چاہتے ہیں کہ پوری مسجد شہید کر دی جائے اور اردگرد کی جگہیں بھی لے لی جائیں اور چند منزلیں بنادی جائیں جن میں بیسمنٹ میں پارکنگ ہو، اس کے اوپر جماعت گاہ ہو اور اس کے اوپر جزءِ وقتی درسگاہ ہو۔یعنی مسلم بچوں کی تعلیم وتربیت کا نظم ہو اور بچوں سے تعلیمی فیس بھی لی جائے تا کہ اساتذہ کی تنخواہ کے علاوہ مسجد کے مصالح پر صرف ہو یعنی درسگاہ کی منزل کرایہ پر ہو اور یہ آمدنی مصالح مسجد پر صرف ہو۔کیا موجودہ حالات کے پیشِ نظر ایسا کیا جاسکتا ہے؟

الجواب: ۴۔یہ سوال شرعی اور فقہی اعتبار سے کافی اہم ہے اور اس میں فقہ حنفی کے اصولوں کی روشنی میں تفصیلی جواب ضروری ہے۔مسجد کی زمین اور اس کا استعمال شرعی اعتبار سے مخصوص ہے، اور اس کے کسی اور مقصد کے لیے استعمال کے جواز یا عدمِ جواز کے بارے میں فقہاء کی صراحت موجود ہے۔ذیل میں اس مسئلے کی وضاحت فقہ حنفی کی معتبر کتب سے کی جائے گی:

۱۔مسجد کی شرعی حیثیت:

مسجد کی زمین وقف ہو جانے کے بعد ہمیشہ کے لیے اللہ کے لیے مخصوص ہو جاتی ہے اور اس کا کسی اور مقصد کے

لیے استعمال جائز نہیں۔ فقہاء نے مسجد کو شہید کر کے کسی اور مقصد کے لیے استعمال کرنے کو ناجائز قرار دیا ہے۔

علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ولا یجوز بیعها ولا هبتها ولا إرثها لأنها خرجت عن ملک الواقف إلی ملک الله تعالی" (ردالمحتار، کتاب الوقف، جلد 3، صفحہ 371، مطبع دارالفکر)

۲۔ مسجد کو شہید کرنے کا حکم:

مسجد کو شہید کرنا یا اس میں کسی قسم کی تبدیلی کرنا بغیر کسی شدید شرعی ضرورت کے جائز نہیں۔ اگر مسجد کی جگہ تبدیل کرنے کی صورت میں بھی اسی نوعیت کی مسجد بنائی جائے تو شدید مجبوری کے تحت اجازت دی جاسکتی ہے۔

علامہ کاسانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"وإن جعل المسجد بیتاً، أو جعل البیت مسجداً، فإن کان لضرورةٍ بأن خربت البلدة ولم یبق أحد یصلی فیه جاز، وإلا لا یجوز" (بدائع الصنائع، جلد 5، صفحہ 272، مطبع دارالکتب العلمیہ)

۳۔ مسجد کی آمدنی سے درسگاہ کا نظم:

فقہاء نے یہ صراحت کی ہے کہ مسجد کے وقف کا استعمال صرف مسجد کی تعمیر، دیکھ بھال اور دیگر متعلقہ امور کے لیے ہوسکتا ہے۔ اگر آمدنی کسی اور مقصد کے لیے خرچ کی جائے، تو یہ شرط وقف کے خلاف ہوگی۔

علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"شرط الواقف کنص الشارع، فیلزم العمل بشرطه ما لم یخالف الشرع" (ردالمحتار، کتاب الوقف، جلد 4، صفحہ 456، مطبع دارالفکر)

۴۔ جزوقتی درسگاہ کا قیام:

مسجد کے اندر دینی تعلیم کے لیے جزوقتی درسگاہ قائم کرنا جائز ہے، بشرطیکہ اس سے نمازیوں کو کوئی تکلیف نہ ہو اور مسجد کی حیثیت متاثر نہ ہو۔

علامہ مرغینانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"لا بأس بتعلیم القرآن فی المسجد ما لم یتخذه حانوتاً" (الہدایہ، کتاب الکراہیۃ، جلد 1، صفحہ 140، مطبع داراحیاء التراث العربی)

۵۔ پارکنگ اور دیگر مقاصد کے لیے بیسمنٹ کا استعمال:

مسجد کے نیچے یا اوپر ایسی تعمیرات کرنا جو مسجد کے مقصد کو متاثر نہ کریں، شدید ضرورت کے تحت بعض علماء نے جائز

قرار دیا ہے، بشرطیکہ اس سے مسجد کی عبادت کا مقصد متاثر نہ ہو۔

علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"إذا كان البناء لا يضر بالمسجد، ولا يمنع عن الصلاة، يجوز ذلك للحاجة" (ردالمحتار، جلد 3، صفحہ 372، مطبع دار الفکر)

۱۔ مسجد کو مکمل شہید کرنا جائز نہیں، سوائے شدید شرعی ضرورت کے۔

۲۔ پارکنگ یا درسگاہ کے لیے مسجد کے نیچے یا اوپر تعمیر کی اجازت شدید ضرورت کے تحت ہو سکتی ہے، بشرطیکہ مسجد کی حیثیت برقرار رہے۔

۳۔ مسجد کی آمدنی کو درسگاہ کے لیے استعمال کرنا جائز نہیں، لیکن الگ سے فیس لے کر اساتذہ کی تنخواہیں دی جا سکتی ہیں، بشرطیکہ یہ مسجد کے لیے وقف نہ ہو۔

لہٰذا، اس منصوبے کو انجام دینے سے پہلے علاقے کے معتبر علماء اور مفتیان کرام سے رجوع کر کے مزید وضاحت حاصل کی جائے۔

سوال: ۵۔ بعض بڑے شہروں میں مسلمانوں کی خاصی تعداد بڑی بڑی بلڈنگوں اور اپارٹمنٹ میں رہتی ہے وہاں کوئی مسجد نہیں ہوتی ہے، اگر یہ مسلمان باہم مشورہ سے اپارٹمنٹ کے کسی حصہ کو خرید لیں اور نماز کے لیے مختص کر لیں اور جماعت سے وہاں نماز ادا کریں تو کیا اپارٹمنٹ کا یہ حصہ مسجد شرعی کہلائے گی؟

کیا اس پر مسجد کے احکام جاری ہوں گے، یا اسے صرف جماعت خانہ کہیں گے؟

الجواب: ۵۔ فقہ حنفی کی روشنی میں کسی جگہ کو مسجد شرعی قرار دینے کے لیے چند اہم شرائط ہیں۔ اپارٹمنٹ کے کسی حصہ کو خرید کر نماز کے لیے مختص کرنا اور وہاں باجماعت نماز ادا کرنا اگرچہ جائز ہے، لیکن اس پر مسجدِ شرعی کے احکام لاگو نہیں ہوں گے۔ اس کے بجائے یہ جگہ جماعت خانہ یا نماز خانہ کہلائے گی۔

ذیل میں اس مسئلے کو فقہ حنفی کی معتبر کتابوں کے حوالوں کے ساتھ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے:

۱۔ مسجد شرعی کی تعریف:

فقہاء کے نزدیک مسجد وہ جگہ ہے جو دائمی طور پر اللہ کے لیے وقف کر دی جائے اور اس وقف میں کوئی قید یا شرط نہ ہو۔ مسجد کا مقصد صرف نماز اور عبادت ہو، اور اس کے تمام احکام مسجد کے لیے مخصوص ہوں۔

علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"المسجد شرعًا هو المكان الموقوف للصلاة المؤبدة بلا قيد ولا شرط" (ردالمحتار، کتاب الوقف، جلد 3،

صفحہ 370، مطبع دار الفکر)

۲۔مسجد کے وقف کی شرط:

مسجد کو شرعی مسجد کہلانے کے لیے اس جگہ کا وقف ہونا ضروری ہے۔ وقف کا مطلب یہ ہے کہ وہ جگہ اللہ کے لیے مخصوص ہو جائے اور اس میں مالک یا کسی فرد کا حق باقی نہ رہے۔ اپارٹمنٹ کے کسی حصہ کو خرید کر نماز کے لیے مختص کرنا اگرچہ ایک مستحسن عمل ہے، لیکن جب تک وہ شرعی طور پر وقف نہ ہو، اس پر مسجد کے احکام لاگو نہیں ہوں گے۔

علامہ کاسانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"**ولا تصير البقعة مسجدًا إلا بإخراجها عن ملك الواقف بتسبيلها للصلاة بلا رجوع**" (بدائع الصنائع، جلد 5، صفحہ 271، مطبع دار الکتب العلمیۃ)

۳۔اپارٹمنٹ میں مختص جگہ کا حکم:

اگر اپارٹمنٹ کے کسی حصہ کو خریدا جائے اور نماز کے لیے مختص کر دیا جائے تو وہ جگہ نماز خانہ یا جماعت خانہ کہلائے گی۔ وہاں باجماعت نماز ادا کی جا سکتی ہے، لیکن وہ مسجدِ شرعی نہیں ہوگی، کیونکہ:

وہ جگہ شرعی وقف کے تقاضے پورے نہیں کرتی۔

اس پر مالکان کا حق باقی رہتا ہے۔

اس جگہ کو واپس فروخت یا کسی اور مقصد کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔

علامہ مرغینانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"**وإن لم يكن الوقف خالصًا ولم تزل يد المالك عنها، لم يثبت للمكان حكم المسجد**" (الہدایہ، جلد 1، صفحہ 140، مطبع دار احیاء التراث العربی)

۴۔مسجد کے احکام:

مسجدِ شرعی پر درج ذیل احکام لاگو ہوتے ہیں:

۱۔اس جگہ کو نجاست سے محفوظ رکھنا واجب ہے۔

۲۔اس جگہ پر دنیاوی معاملات جیسے خرید و فروخت یا دیگر غیر ضروری امور ممنوع ہیں۔

۳۔وہاں اعتکاف کیا جا سکتا ہے۔

اگر اپارٹمنٹ کے کسی حصہ کو نماز کے لیے مختص کیا جائے تو یہ تمام احکام لاگو نہیں ہوں گے، کیونکہ وہ جگہ مسجدِ شرعی کے زمرے میں نہیں آتی۔

علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"لا یجوز الإیجار أو البیع فی المسجد الشرعی، لأنه خرج عن ملک الآدمیین" (ردالمحتار، جلد 3، صفحہ 372، مطبع دارالفکر)

۵۔جماعت خانہ کی شرعی حیثیت:

جماعت خانہ میں نماز پڑھنا جائز ہے، لیکن وہاں مسجدِ شرعی کے احکام جاری نہیں ہوتے۔ اگر لوگ اسے مسجد کے طور پر استعمال کریں، تو بھی اس کے شرعی احکام محدود رہیں گے۔

علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"مالم یکن للوقف الخالص فلا یصیر المکان مسجداً شرعاً، بل یبقی مکاناً للصلاۃ فقط" (ردالمحتار، جلد 3، صفحہ 371، مطبع دارالفکر)

۱۔اپارٹمنٹ کے کسی حصہ کو خرید کر نماز کے لیے مختص کرنا جائز ہے، لیکن وہ مسجدِ شرعی نہیں کہلائے گی، بلکہ وہ جماعت خانہ کہلائے گی۔

۲۔اس جگہ پر مسجدِ شرعی کے احکام (جیسے اعتکاف کی اجازت، نجاست سے مستقل حفاظت، یا وقف کی پابندی) لاگو نہیں ہوں گے۔

۳۔اگر اسے مسجدِ شرعی بنانا مقصود ہو، تو اس جگہ کو شرعی وقف کی نیت سے اللہ کے لیے ہمیشہ کے لیے مخصوص کرنا ہوگا۔

سوال:۶۔بعض اہل ثروت کئی منزلہ عمارت تعمیر کرتے ہیں اور شروع ہی سے ان کی نیت ہوتی ہے کہ کسی ایک منزل کو مسجد بنانا ہے اور طے کرلیں کہ تیسری منزل مسجد رہے گی اور نیچے کی دو منزلیں کمرشیل کمپلکس رہے گا اور چوتھی و پانچویں منزلوں میں کمپنی یا طباعتی ادارہ کے آفس ہوں گے یا نیٹ ورکنگ سسٹم کا کام ہوگا۔سوال یہ ہے کہ ایسی عمارت میں جو منزل مسجد متعین ہوگی کیا وہ مسجد شرعی کہلائے گی؟ کیا اس پر مسجد کے احکام جاری ہوں گے؟

الجواب:۶۔عمارت کی کسی ایک منزل کو مسجد بنانے کی نیت اور اسے شرعی مسجد قرار دینے کا مسئلہ فقہ اسلامی میں تفصیل طلب ہے۔اس سوال کا جواب دینے کے لیے سب سے پہلے مسجد شرعی کی تعریف کو سمجھنا ضروری ہے، اور پھر یہ جانچنا ہوگا کہ آیا اس صورت میں مذکورہ منزل پر مسجد کے احکام جاری ہوں گے یا نہیں۔

مسجد شرعی کی تعریف:

فقہ حنفی کے مطابق مسجد شرعی وہ جگہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے وقف کر دی جائے اور جہاں ہمیشہ کے لیے نماز پڑھنا اور عبادت کرنا مقصود ہو۔اس کے ساتھ اس پر مستقل طور پر مسجد کے تمام احکام لاگو ہوں، جیسے:

۱۔اس جگہ کو وقف کر دیا جائے۔

۲۔وقف کے بعد اس جگہ کی ملکیت کسی انسان کے ہاتھ میں باقی نہ رہے۔

۳۔وہاں اذان، جماعت اور نماز باجماعت کے احکام جاری ہوں۔

عمارت کے مخصوص حصہ کو مسجد قرار دینے کا حکم:

اگر کسی عمارت کی صرف ایک منزل کو مسجد قرار دیا جائے اور باقی منزلیں کمرشیل یا دیگر مقاصد کے لیے استعمال کی جائیں تو اس میں درج ذیل شرائط کا خیال رکھنا ضروری ہے:

۱۔وقف کا اصول:

مسجد بننے کے لیے ضروری ہے کہ وہ جگہ اللہ کی عبادت کے لیے وقف کر دی جائے اور وہ کسی شخص یا ادارے کی ملکیت میں باقی نہ رہے۔

اگر تیسری منزل کو مسجد بنایا گیا ہے لیکن نیچے کی منزلیں کمرشیل مقاصد کے لیے استعمال ہو رہی ہیں تو شرعی طور پر اس جگہ کی وقفیت پر سوال اٹھے گا، کیونکہ وقف کا مطلب یہ ہے کہ پورے علاقے یا حصے پر مسجد کے احکام نافذ ہوں۔

۲۔مستقل مسجد ہونا:

فقہاء کے نزدیک مسجد شرعی وہ ہوتی ہے جسے مستقل طور پر عبادت کے لیے مخصوص کیا جائے اور اس کا استعمال صرف عبادت ہی کے لیے ہو۔

اگر عمارت کی تیسری منزل کو مسجد بنا دیا جائے لیکن دیگر منزلیں کمرشل مقاصد کے لیے استعمال ہو رہی ہوں، تو ایسی صورت میں تیسری منزل پر مسجد شرعی کے مکمل احکام جاری نہیں ہوں گے، بلکہ وہ مصلیٰ یا عارضی نماز کی جگہ سمجھی جائے گی۔

معتبر کتب کے حوالہ جات:

۱۔ہدایہ:

"**وشرائط المسجد أن يوقفه على التأبيد... ولا يبقى للواقف فيه ملك**" (ہدایہ، کتاب الوقف، جلد 3، صفحہ 100)

اس عبارت کے مطابق مسجد شرعی ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ جگہ دائمی طور پر وقف کر دی جائے اور وہ کسی کی ملکیت میں نہ ہو۔

۲۔ردالمحتار (فتاوی شامی):

"والوقف على المسجد يقتضي إخراج الملك من الواقف" (ردالمحتار على الدر المختار، کتاب الوقف، جلد 4، صفحہ 356)

اس عبارت میں واضح ہے کہ مسجد کے لیے وقف کی شرط یہ ہے کہ اس جگہ کی ملکیت واقف کے ہاتھ سے نکل جائے۔

۳۔بدائع الصنائع:

"وإذا وقفت أرض للصلاة فإنها تصير مسجداً بشرط إخراج الملك منها" (بدائع الصنائع، کتاب الوقف، جلد 5، صفحہ 201)

یہاں بھی وقف کے لیے ملکیت کی منتقلی کو لازمی قرار دیا گیا ہے۔

۴۔فتاوی عالمگیری (الفتاوی الہندیہ):

"إذا شرط الإمام أو الواقف على المسجد أن يكون جزء منه مملوكاً له لا يصير المسجد شرعاً" (الفتاوی الہندیہ، جلد 2، صفحہ 435)

فتاوی ہندیہ میں واضح کیا گیا ہے کہ اگر مسجد کے کسی حصہ پر کسی کی ملکیت باقی رہے تو وہ حصہ مسجد شرعی نہیں ہوگا۔

۵۔فقہ حنفی کی ایک اور معتبر کتاب کاسانی میں:

"المسجد ما يرفع يده عنه ويكون لوجه الله" (بدائع الصنائع، جلد 5، صفحہ 202)

یہ بیان واضح کرتا ہے کہ مسجد کے لیے شرط ہے کہ اسے خالصتاً اللہ کے لیے چھوڑ دیا جائے۔

اگر کسی عمارت کی صرف تیسری منزل کو مسجد کے طور پر مقرر کیا گیا ہو اور نیچے یا اوپر کی منزلوں کو کمرشل مقاصد کے لیے استعمال کیا جا رہا ہو، تو اس پر مسجد شرعی کے احکام نافذ نہیں ہوں گے۔ اس جگہ کو مصلیٰ یا نماز کے لیے عارضی جگہ کہا جا سکتا ہے، لیکن فقہ حنفی کے مطابق وہ جگہ شرعی مسجد نہیں کہلائے گی، کیونکہ:

۱۔وقف کی شرائط مکمل نہیں ہوئیں۔

۲۔نیچے یا اوپر کی منزلوں کا کمرشل استعمال وقف کے مفہوم کے خلاف ہے۔

۳۔مسجد کی مکمل ملکیت اللہ کے لیے مخصوص نہیں ہوئی۔

لہٰذا، ایسی جگہ کو مسجد شرعی کے بجائے عارضی عبادت کی جگہ سمجھا جائے گا، اور اس پر مسجد کے احکام جیسے اعتکاف، وقف، اور مخصوص شرعی احکام جاری نہیں ہوں گے۔

سوال: ۷۔کچھ مسائل مسجد کی اراضی اور پراپرٹی سے بھی متعلق ہیں جو عام طور پر پیش آتے ہیں مثلاً بعض مساجد کی آمدنی کے لئے کچھ اراضی ہوتی ہیں جو زراعتی ہوتی ہیں، عموماً زراعت میں اخراجات بہت ہو جاتے ہیں اور آمدنی کم ہوتی ہے جس سے مسجد کے اخراجات پورے نہیں ہوتے، متولیان چاہتے ہیں کہ اراضی فروخت کر دی

جائیں اور ان کے بدلے بازار میں دکانیں خریدی جائیں تا کہ بذریعہ کرایہ مسجد کو اتنی آمدنی آتی رہے جس سے اخراجات پورے ہوں۔

سوال یہ ہوتا ہے کہ کیا زائد آمدنی کے پیش نظر مسجد کی اراضی فروخت کر کے دوسری زائد آمدنی والی اراضی یا دکانیں خریدنا درست ہے؟ اس سوال میں نزاکت یہ ہے کہ عموماً دیکھا جاتا ہے کہ اوقاف کی اراضی فروخت ہونے کے بعد ضائع ہوجاتی ہیں اور بدل شاذ و نادر ہی حاصل ہو پاتا ہے۔ ایسی صورت میں کیا زائد آمدنی کے لئے موقوفہ اراضی فروخت کر کے دکانیں خریدی جاسکتی ہیں؟

الجواب: ۷۔ مسجد کی اراضی یا کسی وقف شدہ زمین کو فروخت کر کے اس کے بدلے دکانیں خریدنے کا مسئلہ فقہ اسلامی میں وقف کے اصولوں اور شرائط کے تحت آتا ہے۔ وقف ایک شرعی عقد ہے جس کے احکام کو فقہ حنفی میں بہت تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ وقف شدہ زمین یا جائیداد کو بیچنے کی اجازت دینے یا نہ دینے کا فیصلہ درج ذیل اصولوں اور شرائط پر مبنی ہے۔

۱۔ وقف کا مفہوم:

وقف کے تحت وہ چیز مستقل طور پر اللہ کے لیے مخصوص ہو جاتی ہے اور اس کی ملکیت کسی فرد یا ادارے کے پاس نہیں رہتی۔ وقف کا مقصد اس کے اصل استعمال کو برقرار رکھنا ہے۔

۲۔ وقف کی فروخت:

فقہاء کے مطابق، وقف شدہ جائیداد کو فروخت کرنا یا بدلنا اصولی طور پر جائز نہیں، کیونکہ اس سے وقف کا اصل مقصد فوت ہوجاتا ہے۔ البتہ چند استثنائی حالات میں، جب وقف کے اصل مقصد کی تکمیل ممکن نہ ہو، تو فروخت یا تبادلہ کی اجازت دی گئی ہے۔

فقہ حنفی کی مستند کتب کے حوالہ جات:

۱۔ ہدایہ:

"**الوقف لا یباع و لا یورث و لا یوہب عنہ لأنہ صار حقا للہ تعالی خالصا**" (ہدایہ، کتاب الوقف، جلد 3، صفحہ 107)

ہدایہ میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ وقف شدہ جائیداد کو بیچنا، وراثت میں دینا یا کسی اور کے حوالے کرنا جائز نہیں، کیونکہ وہ خالص اللہ کے لیے مخصوص ہو چکی ہے۔

۲۔ درمختار:

"ولا يجوز بيع الوقف إلا إذا تعطلت منافعه ولم يمكن الانتفاع به على الوجه الموقوف عليه" (درمختار، کتاب الوقف، جلد 4، صفحہ 428)

درمختار میں بیان کیا گیا ہے کہ وقف شدہ جائیداد کو صرف اس صورت میں فروخت کیا جا سکتا ہے جب اس کے فوائد مکمل طور پر ختم ہو جائیں اور اس کے اصل مقصد کے مطابق اس کا استعمال ممکن نہ رہے۔

۳۔ بدائع الصنائع:

"وأما بيع الوقف فجائز إذا خرب ولم يبق للناس فيه منفعة" (بدائع الصنائع، کتاب الوقف، جلد 5، صفحہ 204)

بدائع الصنائع کے مطابق وقف کی فروخت اس وقت جائز ہوگی جب وہ خراب ہو جائے اور اس سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہو رہا ہو۔

۴۔ الفتاویٰ الہندیہ:

"وإذا خرب الوقف ولا يوجد ما يصلحه، يباع وتشترى بثمنه أرض أخرى للوقف" (الفتاوی الہندیہ، جلد 2، صفحہ 403)

فتاویٰ ہندیہ میں یہ بیان موجود ہے کہ اگر وقف جائیداد برباد ہو جائے اور اس کی مرمت ممکن نہ ہو، تو اسے فروخت کیا جا سکتا ہے، بشرطیکہ اس کی قیمت سے دوسری وقف جائیداد خریدی جائے۔

۵۔ ردالمحتار (شامی):

"يحرم بيع الوقف ما دام ينتفع به، إلا لغرض شرعي قوي" (ردالمحتار، جلد 4، صفحہ 429)

ردالمحتار میں بیان کیا گیا ہے کہ جب تک وقف سے فائدہ اٹھایا جا رہا ہے، اسے بیچنا حرام ہے، سوائے اس وقت کے جب کوئی قوی شرعی ضرورت پیش آئے۔

مذکورہ سوال کا تجزیہ:

۱۔ اراضی کی فروخت کا عمومی حکم:

وقف کی زمین کو فروخت کرنا فقہ حنفی میں منع ہے، جب تک کہ کوئی خاص مجبوری یا ضرورت نہ ہو۔

اگر زمین زراعتی ہے اور اخراجات زیادہ ہونے کی وجہ سے مسجد کے اخراجات پورے نہیں ہو رہے، تو یہ ایک عذر شرعی بن سکتا ہے، لیکن اس کے لیے شرائط کو پورا کرنا ضروری ہوگا۔

۲۔ شرائط برائے فروخت:

وقف زمین کو فروخت صرف اس صورت میں جائز ہوگی جب یہ یقینی ہو کہ اس کی قیمت سے خریدی جانے والی نئی

جائیداد وقف کے اصل مقصد کو زیادہ بہتر طریقے سے پورا کرے گی۔

یہ بھی ضروری ہے کہ فروخت کے بعد نئی جائیداد کی خریداری فوراً کی جائے اور اس کے وقف ہونے کو یقینی بنایا جائے، تاکہ وقف کا مقصد ضائع نہ ہو۔

۳۔موجودہ صورت حال:

چونکہ اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ وقف کی زمین فروخت کرنے کے بعد نئی جائیداد خریدی نہیں جاتی یا اس میں کوتاہی برتی جاتی ہے، اس لیے احتیاطاً فروخت نہ کرنے کا حکم دیا جاتا ہے، تاکہ وقف کا مقصد ضائع نہ ہو۔

۴۔کیا زائد آمدنی کے لیے فروخت جائز ہے؟

صرف زائد آمدنی کے لیے وقف جائیداد کو فروخت کرنا جائز نہیں۔

اگر وقف جائیداد سے مسجد کے اخراجات پورے ہو رہے ہیں، تو اس کی فروخت کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

فقہ حنفی کے مطابق، وقف شدہ زمین کو زائد آمدنی کے لیے فروخت کرنا اصولی طور پر ممنوع ہے، جب تک کہ:

۱۔وقف جائیداد کے فوائد مکمل طور پر ختم نہ ہو جائیں یا اس سے مسجد کے اخراجات پورے نہ ہو رہے ہوں۔

۲۔نئی جائیداد کی خریداری اور اس کے وقف ہونے کا واضح اور یقینی منصوبہ موجود نہ ہو۔

۳۔ اوقاف کی زمین کے ضائع ہونے یا فروخت کے بعد جائیداد نہ خریدنے کے خدشات ہوں۔

احتیاطی حکم:

چونکہ سوال میں ذکر کیا گیا ہے کہ وقف کی زمینیں اکثر فروخت کے بعد ضائع ہو جاتی ہیں، اس لیے احتیاطاً ایسی فروخت کو منع کیا جائے گا۔

البتہ اگر شرعی عذر قوی ہو اور تمام شرائط کی تکمیل ہو تو متولی شریعت کے ماہر عالم یا مفتی سے اجازت لے کر ایسا کر سکتا ہے۔

سوال:۸۔بعض مساجد ایسی ہوتی ہیں کہ ان سے متعلق اراضی ہوتی ہیں جو مساجد کی ملکیت ہوتی ہے، کمیٹی اس کے تحفظ اور مسجد کی آمدنی کے پیش نظر وہاں مکاتب یا مدارس قائم کر دینا چاہتی ہے۔

سوال یہ ہے کہ مساجد کی اراضی میں مکاتب یا مدارس قائم کرنا درست ہے؟

اگر تعمیرات کے بعد کرایہ مقرر کر دیا جائے اور آمدنی مسجد کو دی جائے اور وہاں تعلیمی نظام جاری رہے تو شرعاً اسکی اجازت ہوگی؟

اس سے مقاصد وقف میں خلل تو نہیں ہوگا؟ تحفظ کی غرض سے کیا یہ تصرف درست ہوگا؟

الجواب:۸۔مسجد کی زمین پر مکاتب یا مدارس قائم کرنے کے مسئلے میں شریعت اور فقہ حنفی کی روشنی میں درج ذیل اصولوں کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ یہ مسئلہ وقف کے مقاصد، مسجد کی زمین کے استعمال، اور اس زمین کے تحفظ کے حوالے سے فقہ کے قواعد کے تحت آتا ہے۔

فقہ حنفی میں وقف اور مسجد کی زمین کا اصول:

۱۔مسجد کی زمین کا حکم:

مسجد کی زمین وہ ہوتی ہے جو مسجد کے لیے وقف ہو یا جسے مسجد کی خدمت اور ضرورت کے لیے مختص کیا گیا ہو۔ ایسی زمین کا استعمال صرف اس مقصد کے لیے ہونا چاہیے جو مسجد کے شرعی اور وقف کے مقاصد کے مطابق ہو۔

۲۔وقف کے مقاصد:

فقہ حنفی کے مطابق وقف کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ اس سے اللہ کی رضا کے لیے مخصوص کام کیے جائیں۔ اگر وقف شدہ زمین کا استعمال وقف کے مقصد سے ہٹ کر کیا جائے یا اس میں کوئی تبدیلی کی جائے، تو یہ شریعت کی نظر میں قابل قبول نہیں ہوگا، الا یہ کہ اس تبدیلی سے وقف کے مقصد کو نقصان نہ پہنچے بلکہ فائدہ ہو۔

مسجد کی زمین پر مکاتب یا مدارس قائم کرنے کے احکام:

۱۔مکاتب اور مدارس کی تعمیر:

اگر مسجد کی زمین کے کسی حصہ کو مکتب یا مدرسہ قائم کرنے کے لیے استعمال کیا جائے، اور یہ تعلیمی نظام مسجد کے مقاصد (عبادت اور دینی تعلیم کی ترویج) سے ہم آہنگ ہو، تو یہ درست ہوگا۔

شرط یہ ہے کہ یہ کام مسجد کے اصل مقصد (نماز اور عبادت) میں خلل ڈالے بغیر کیا جائے۔

۲۔کرایہ مقرر کرنا:

اگر مسجد کی زمین پر تعمیرات کے بعد مکاتب یا مدارس کے لیے کرایہ مقرر کیا جائے اور اس آمدنی کو مسجد کی ضروریات پر خرچ کیا جائے، تو فقہاء کے مطابق یہ جائز ہوگا، کیونکہ یہ وقف کے اصل مقصد کی تکمیل میں معاون ہوگا۔

البتہ کرایہ کا تعین مناسب اور وقف کے فائدے کے مطابق ہونا چاہیے۔

۳۔مقاصد وقف میں خلل:

مقاصد وقف میں اس وقت خلل واقع ہوگا جب زمین کا استعمال ایسے کاموں میں ہو جو وقف کے مقصد کے خلاف ہوں یا جن سے مسجد کے اخراجات یا استعمال پر منفی اثر پڑے۔

مکاتب اور مدارس چونکہ دینی تعلیم کی ترویج کے لیے ہیں، اس لیے ان کا قیام وقف کے مقصد کے مطابق ہے، بشرطیکہ یہ کام مسجد کے معاملات میں رکاوٹ نہ بنے۔

۴۔زمین کے تحفظ کی غرض سے تصرف:

اگر مسجد کی زمین کے تحفظ کے لیے اس پر تعمیرات کی جائیں، جیسے مکاتب یا مدارس، تاکہ زمین پر ناجائز قبضہ نہ ہو، تو یہ تصرف بھی شریعت کے مطابق ہوگا، بشرطیکہ یہ نیت خالصتاً مسجد کی بھلائی اور فائدے کے لیے ہو۔

فقہ حنفی کی مستند کتب کے حوالہ جات:

۱۔ہدایہ:

"**لا يجوز تغيير الوقف عن وجهه ما دام يمكن الانتفاع به على وجهه الموقوف عليه**" (ہدایہ، کتاب الوقف، جلد3، صفحہ 110، مطبع دار احیاء التراث العربی)

وقف کی چیز کو اس کے اصل مقصد سے ہٹانا اس وقت تک جائز نہیں جب تک کہ اصل مقصد کے مطابق اس سے فائدہ اٹھانا ممکن ہو۔

۲۔درمختار:

"**ويجوز التصرف في الوقف لغرضٍ شرعي إذا كان فيه مصلحة الوقف**" (درمختار، جلد4، صفحہ 439، مطبع دار الفکر)

وقف میں ایسی تبدیلی یا تصرف جائز ہے جو شرعی غرض کے تحت ہو اور وقف کے فائدے میں ہو۔

۳۔بدائع الصنائع:

"**إذا كان التصرف يعود بالنفع إلى الوقف ولم يفوت عليه المقصد الأصلي، كان جائزاً**" (بدائع الصنائع، جلد5، صفحہ 211، مطبع دار الکتب العلمیۃ)

اگر وقف میں ایسا تصرف کیا جائے جو وقف کے لیے نفع بخش ہو اور اس کے اصل مقصد کو ضائع نہ کرے، تو یہ جائز ہے۔

۴۔الفتاوی الہندیہ:

"**ويجوز تأجير أرض الوقف إذا كان فيه مصلحة للمسجد أو الوقف**" (الفتاوی الہندیہ، جلد2، صفحہ 404، مطبع

دارالکتب العربیۃ)

وقف کی زمین کو کرائے پر دینا جائز ہے، بشرطیکہ اس سے مسجد یا وقف کو فائدہ ہو۔

۵۔ردالمحتار (فتاوی شامی):

"ویجوز بناء المدارس علی أرض الوقف إذا کانت للمصلحة الشرعیة، ولم یضر بمقاصد الوقف"

(ردالمحتار، جلد 4، صفحہ 432، مطبع دارالفکر)

اگر زمین پر مدارس کی تعمیر وقف کے شرعی فائدے کے لیے ہو اور وقف کے مقاصد میں خلل نہ ڈالے، تو یہ جائز ہے

۱۔مکاتب یا مدارس کا قیام:

مسجد کی زمین پر مکاتب یا مدارس قائم کرنا شرعاً جائز ہے، بشرطیکہ:

یہ مسجد کے معاملات میں رکاوٹ نہ بنے۔

یہ زمین کے وقف کے مقصد (دینی امور) سے ہم آہنگ ہو۔

تعمیرات کے بعد کرایہ کی آمدنی مسجد کے اخراجات کے لیے استعمال ہو۔

۲۔تحفظ کی غرض سے تصرف:

اگر مسجد کی زمین پر ناجائز قبضے کا خطرہ ہو اور اس کے تحفظ کے لیے وہاں مکاتب یا مدارس بنائے جائیں، تو یہ بھی شریعت کی نظر میں درست ہوگا، کیونکہ یہ وقف کے تحفظ کے لیے ضروری تصرف ہے۔

۳۔وقف کے مقصد میں خلل:

چونکہ مکاتب اور مدارس دینی تعلیم کے لیے ہیں، اس لیے ان کا قیام وقف کے مقصد کے خلاف نہیں ہے، بلکہ یہ وقف کی مصلحت کے تحت آتا ہے۔

۴۔احتیاط:

تعمیرات اور کرایہ مقرر کرنے کے تمام امور میں شرعی رہنمائی حاصل کی جائے اور کمیٹی وقف کے تحفظ کے لیے مکمل دیانت داری کے ساتھ کام کرے۔

یہ تصرف فقہ حنفی کے اصولوں کے مطابق جائز اور مستحسن ہوگا، بشرطیکہ تمام شرائط پوری ہوں۔

مساجد اوران کے اوقاف سے متعلق چند مسائل

ڈاکٹر مفتی محمد شاہ جہاں ندوی
جامعہ سید احمد شہید، احمد آباد کٹولی، ملیح آباد لکھنو، یوپی، انڈیا

تمہید:

مساجد اسلام کا اولین اور اہم مرکز ہیں، ان کو آباد کرنا ایمان کی علامت اور نشانی ہے، اوران میں دل کا اٹکا رہنا کمال ایمان کی دلیل ہے ، ان کو ویران کرنا کافروں ، مشرکوں اور منافقین کا طیرہ ہے ، دوسری طرف وقف مسلمانوں کا طرہ امتیاز رہا ہے، اللہ تعالیٰ نے نیکی وخیر کی طرف مسلمانوں کو لپکنے اور سبقت کرنے کا حکم دیا ہے، مسلمانوں نے اس حکم کی عملی تطبیق اس طرح کی کہ دنیا انگشت بداں ہے، انہوں نے خیر وبھلائی کا کوئی شعبہ نہیں چھوڑا، جس کے لئے وقف نہ کیا ہو، تعلیم وتربیت، تزکیہ ورحانیت اور علاج ومعالجہ سے لے کر زندگی کے ہر نفع بخش میدان کے لئے وقف کیا، انسان تو بہر حال انسان ہے، انہوں نے جانوروں تک کے لئے وقف کیے تا کہ کام کے لائق نہ رہنے کی صورت میں کوئی جانور بھوکا نہ مرے، آج یورپ جانوروں کے حقوق کی دہائی دیتا ہے، جبکہ مسلمانوں کو اس میدان میں بھی سبقت حاصل ہے۔

لہذا آج ضرورت ہے کہ اسلاف کے چھوڑے ہوئے اوقاف کی ہر طرح حفاظت کی جائے ، ان کو خرد برد کا نشانہ بننے سے بچایا جائے اور ہر وقف کو ان کے صحیح مصرف میں استعمال کیا جائے۔

اس مختصر تمہید کے بعد سوالات کے جوابات درج ذیل ہیں:

سوال نمبر ا کا جواب: مسجد کے اوپری منزل کو درسگاہ اور رہائش گاہ بنانے کے سلسلے میں شرعی نقطۂ نظر۔

ایک جگہ جب مسجد بن جاتی ہے تو وہ تحت الثری سے لے کر عرش تک مسجد ہی رہتی ہے، شرعی نصوص سے اسی کی تائید ہوتی ہے ، پہلی عبادت گاہ جو اللہ رب العزت کی پرستش کے لئے بنائی گئی وہ خانہ کعبہ ہے اس کے بارے میں فرمان باری تعالیٰ ہے: (إن أول بيت وضع للناس للذى ببكة مبارکا وهدى للعالمين) (۳/آل عمران :۹۶) (پہلا گھر جو لوگوں کے لئے (بہ حیثیت مرکز توحید قائم کیا گیا، وہ وہی ہے جو ''بکہ'' (مکہ) میں ہے، بابرکت اور سارے انسانوں کے لئے مرکز ہدایت ہے)۔

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے: (جعل اللہ الکعبۃ البیت الحرام قیاما للناس) (۵/مائدہ:۹۷) (اللہ تعالیٰ نے کعبہ مقدسہ محترم گھر کو لوگوں کی بقا کا مرکز بنایا ہے)۔

نیز فرمان الٰہی ہے: ومن أظلم ممن منع مساجد اللہ ان یذکر فیھا اسمہ وسعی فی خرابھا، اولئک ما کان لھم ان یدخلوھا الا خائفین، لھم فی الدنیا خزی، ولھم فی الاخرۃ عذاب عظیم)، [۲/البقرۃ: ۱۱۴] (اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ کی مسجدوں میں اس کے ذکر سے روکے؟ اور ان کی ویرانی و بربادی کی کوشش کرے، انہیں تو حق نہیں تھا کہ ان مسجدوں میں اللہ کے خوف اور خشوع کے بغیر داخل ہوں، دنیا میں ان کے لئے ذلت ورسوائی طے ہے اور آخرت میں ان کو سخت سزا دی جائے گی)۔

ان آیتوں کے اشارۃ النص سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کسی حالت میں مسجد کی شرعی حیثیت ختم نہیں کی جاسکتی ہے، یہی وجہ ہے کہ خانہ کعبہ متعدد بار منہدم ہوا، سیلاب کی زد میں آیا، اسے بت کدہ بنالیا گیا، لیکن اس کی شرعی حیثیت اللہ عزوجل کی عبادت گاہ کی ہی رہی، اس سے معلوم ہوا کہ مسجد کی شرعی حیثیت ہمیشہ برقرار رہتی ہے، اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی جاسکتی ہے۔

لہذا مسجد کی ساری منزلیں مسجد ہی رہیں گی، البتہ اگر اس علاقہ میں علیحدہ طور پر تعلیم وتدریس کا انتظام نہیں کیا جاسکتا ہو تو علاقہ کی ضرورت کے پیش نظر اوپر منزل میں تعلیم وتدریس کا انتظام کیا جاسکتا ہے، اور طلبہ وہاں رہائش بھی رکھ سکتے ہیں، جیسا کہ اصحاب صفہ کی تعلیم وتدریس مسجد نبوی میں ہوتی تھی، اور ان میں سے بہت سے افراد مسجد میں ہی سوتے تھے، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

"وفی مرسل یزید بن عبد اللہ بن قسیط عند ابن سعد: کان اھل الصفۃ ناسا فقراء لا منازل لھم، فکانوا ینامون فی المسجد، لامأوی لھم غیرہ") ابن حجر، فتح الباری ۱۱/۲۸۶، بیروت، دار المعرفۃ ۱۳۷۹ھ، نیز دیکھیے: ابن سعد، الطبقات الکبریٰ ۱/۲۵۵ بیروت، دار صادر، ع، ا۔: ۸)۔

(ابن سعد کی "طبقات" میں یزید بن عبداللہ بن قسیطؒ کی مرسل روایت میں منقول ہے کہ اصحاب صفہ حاجت مند لوگ تھے، ان کے پاس گھر نہیں تھے وہ مسجدوں میں ہی سوتے تھے، اس کے علاوہ ان کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا)۔

مسجد کے کسی حصہ میں تعلیم وتدریس بھی ہوسکتی ہے، جیسا کہ حضرت عقبہ بن عامر جہنی، رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جبکہ ہم صفہ میں تھے، ہمارے پاس آئے اور فرمایا:

"ایکم یحب ان یغدو الی بطحان، او العقیق۔ فیأخذ ناقتین کوماوین زھراوین بغیر اثم باللہ عز وجل، ولا قطع رحم؟ قالوا: کلنا یا رسول اللہ! قال: فلأن یغدو احدکم کل یوم الی المسجد، فیتعلم آیتین

مثل إعداد هن من الابل "(سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب فی ثواب قراۃ القرآن، حدیث نمبر ۱۴۵۶، مسند رویانی، حدیث نمبر ۲۰۹، اور یہ صحیح درجہ کی حدیث ہے)۔

(تم میں سے کون اس بات کو پسند کرتا ہے کہ "بطحان" - یا "عقیق" - جائے اور قطع رحمی اور اللہ عزوجل کے حق میں گناہ کیے بغیر دو خوبصورت اور بڑے کوہان والی اونٹنیاں حاصل کر لے؟ اصحاب صفہ نے جواب دیا: اے اللہ کے رسول! ہم میں سے ہر ایک شخص اس کو پسند کرتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے ہر شخص ہر روز مسجد جا کر کتاب اللہ کی دو آیتیں سیکھے، تو یہ ضرور اس کے لئے دو اونٹنیوں سے بہتر ہے)۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد میں تعلیم وتعلم کا سلسلہ رکھا جاسکتا ہے، اگرچہ فقہائے متقدمین نے اجرت لے کر مسجد میں تدریس کو مکروہ قرار دیا ہے، لیکن اس کا محل ومصداق وہ حالت ہے جہاں ضرورت نہ ہو، "فتح القدیر" میں ہے:

"ومعلم الصبیان القرآن کالکاتب، ان کان لأجر لا، وحسبة لا بأس به، ومنهم من فصل هذا، ان کان لضرورة الحر وغیره لا یکره، وإلا فیکره، وسکت عن کونه باجر او غیره، وینبغی حمله علی ما إذا کان حسبة، فاما ان کان باجر فلا شک فی الکراهة، وعلی هذا فاذا کان حسبة ولا ضرورة یکره، لان نفس التعلیم ومراجعة الاطفال لا تخلو عما یکره فی المسجد"۔ (ابن ہمام، فتح القدیر، کتاب الصلاۃ ۱/۴۲۲، بیروت، دار الفکر)۔

(بچوں کو قرآن کریم کی تعلیم دینے والا کاتب کی طرح ہے، اگر اجرت کے لئے ہو تو اس کی گنجائش نہیں ہے، اور اگر بہ طور طلب ثواب ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، بعض نے اس کی تفصیل کی ہے کہ اگر یہ گرمی وغیرہ کی ضرورت کے پیش نظر ہو تو مکروہ نہیں ہے، ورنہ مکروہ ہے، اور یہ اجرت کے ساتھ ہو یا بلا اجرت ہو اس سے خاموشی اختیار کی ہے، مناسب یہی ہے کہ اسے طلب ثواب پر محمول کیا جائے، البتہ اگر اجرت کے ساتھ ہو تو کراہت میں کوئی شک نہیں ہے، بنا بریں اگر طلب ثواب کے لئے ہو اور ضرورت نہ ہو تو بھی مکروہ ہے، اس لئے کہ نفس تعلیم اور بچوں سے بات چیت ایسے امور سے خالی نہیں جو مسجد میں مکروہ ہیں)۔

جب ضرورتاً تعلیم وتدریس کی گنجائش ہے تو پھر کھانے پینے کی بھی گنجائش ہے جیسا کہ اصحاب صفہ مسجد میں کھجور کے لٹکائے جانے والے گچھے سے کھاتے تھے:

"فکان احدهم اذا جاع اتی القنو، فضربه بعصاه، فسقط البسر والتمر، فیأکل"

(سنن ترمذی، کتاب التفسیر، حدیث نمبر ۲۹۸۷، مصنف ابن ابی شیبہ، حدیث نمبر ۱۰۸۹، اور یہ صحیح درجہ کی حدیث ہے)۔

(اصحاب صفہ میں سے کسی کو بھوک لگتی تو وہ گچھے کے پاس آتا اور اپنے ڈنڈ سے اسے مارتا اور ادھ پکی کھجور اور سوکھی کھجور گرتی تو وہ اسے کھالیتا تھا)۔

البتہ بہتر یہ ہے کہ نفلی اعتکاف کی نیت کرلے، ''ہندیہ'' میں ہے:

''ویکرہ النوم والأکل فیہ لغیر المعتکف، واذا اراد ان یفعل ذلک ینبغی ان ینوی الاعتکاف فیدخل فیہ ویذکر اللہ تعالیٰ بقدر ما نوی او یصلی، ثم یفعل ما شاء، کذا فی السراجیۃ''۔ (ھندیہ، کتاب الکراھیۃ، الباب الخامس فی آداب المسجد والقبلۃ ۵/ ۳۲۱، بیروت، دارالفکر، ۱۴۱۱ھ/ ۱۹۹۱ء).

(غیر معتکف کے لئے مسجد میں کھانا اور سونا مکروہ ہے، اگر ایسا کرنا چاہئے تو مناسب یہ ہے کہ اعتکاف کی نیت کرلے، پھر مسجد میں داخل ہو، اور اپنی نیت کے بقدر اللہ تعالیٰ کا ذکر لے یا نماز پڑھے، پھر جو چاہے کرے، ایسے ہی ''سراجیہ'' میں ہے)۔

خلاصہ کلام یہ کہ مسجد کی اوپری منزل کو درسگاہ اور رہائش گاہ کے لئے خاص کرنا درست نہیں ہے، البتہ مسجد کے کسی حصہ میں تعلیم وتدریس ہوسکتی ہے اور طلبہ وہاں رہ سکتے ہیں، جب نمازی زیادہ ہوں تو اسے نماز کے لئے بھی استعمال کیا جائے، تخصیص یعنی رسگاہ اور رہائش گاہ کے لئے خاص استعمال کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

سوال نمبر ۲ کا جواب:

قدیم مسجد شہید کرکے نیچے کی منزل میں دکانیں بنانے کے سلسلے میں شرعی حکم

مسجد خالص اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے، ایک جگہ جب مسجد بن جاتی ہے تو وہ ہمیشہ کے لئے مسجد ہی رہتی ہے۔ مسجد کو بندوں کے حقوق ومنفعت سے ممتاز ہونا چاہئے، فرمان باری تعالیٰ ہے: (وان المساجد للہ تلا تدعوا مع اللہ احدا) ۲/جن: ۱۸)۔ (اور مسجدیں صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں، لہذا اللہ کے ساتھ کسی کی دہائی مت دو)۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسجدیں اللہ تعالیٰ کی ملکیت اور اللہ عزوجل کے ساتھ خاص ہیں، مسجد میں کوئی ایسا تصرف نہیں کرسکتے ہیں جس سے اس کی حرمت وعظمت پامال ہو، لہذا قدیم مسجد شہید کرکے چند منزلہ عمارت بنانے میں تو کوئی حرج نہیں ہے لیکن نیچے کی منزل میں دکانیں بنانا جائز نہیں ہے، ''البحر الرائق'' میں ہے:

وفی البزازیۃ: ولا یجوز للقیم ان یجعل شیئا من المسجد مستغلا ولا مسکنا''۔ (ابن نجیم، البحر الرائق، کتاب الوقف، فصل: بما اختص المسجد باحکام ۵/ ۲۷۱، بیروت، دارالمعرفۃ)۔

(بزازیہ میں ہے: متولی کے لئے جائز نہیں ہے کہ مسجد کے کسی حصہ کو آمدنی کا ذریعہ اور رہائش گاہ بنائے)۔

اسی طرح جماعت گاہ کی منزل سے اوپر امام اور مؤذن کے لئے ایسے حجرے نہیں بنائے جاسکتے ہیں جہاں وہ

تنہا یا فیملی کے ساتھ قیام کرسکیں، مسجد بناتے وقت ہی پہلے سے ان ساری چیزوں کا انتظام کیا جانا چاہئے، مسجد بننے کے بعد ایسا تصرف مسجد کی عظمت کے خلاف ہے، نیز ایک جگہ بنی ہوئی مسجد تحت الثریٰ سے عرش تک مسجد ہی ہے، ''البحر الرائق'' میں ہے:

فإن قلت: لو جعل مسجداثم أراد ان يبنى فوقه بيتا للامام او غيره، هل له ذلک؟قلت: قال فى التاتار خانية: اذا بنى مسجدا او بنى غرفة، وهو فى يده فله ذلک، وان كان حين بناه خلى بينه وبين الناس، ثم جاء بعد ذلک يبنى لا يتركه''۔ (ابن نجيم، البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل: بما اختص المسجد بأحكام ۵/ ۲۷۱، بيروت، دار المعرفة)

(اگر تم دریافت کرو کہ: اگر کوئی مسجد بنالے، پھر اس کے اوپر امام یا دوسرے کے لئے کمرہ تعمیر کرنا چاہئے تو کیا وقف کرنے والا ایسا کرسکتا ہے؟ میں جواب دوں گا کہ ''تاتارخانیہ'' میں درج ہے کہ اگر مسجد کی تعمیر کرلے اور بالا خانہ کی تعمیر کرے، حالانکہ مسجد اسی کے قبضہ میں ہو تو وہ ایسا کرسکتا ہے۔ اور اگر اس نے بنا کر لوگوں کے حوالے کردیا پھر اس کے بعد بالا خانہ کی تعمیر کرنے کے لئے آیا تو اسے ایسا نہیں کرنے دیا جائے گا)۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی تاتارخانیہ کی عبارت نقل کرکے اس پر کوئی نقد نہیں کیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو بھی اس سے اتفاق ہے، وہ تحریر فرماتے ہیں:

''وعبارة التاتار خانية، وان كان حين بناه خلى بينه وبين الناس، ثم جاء بعد ذلک، يبنى لا يترک''۔ (ابن عابدين رد المحتار، كتاب الوقف، فصل: فى احكام المسجد ۴/ ۳۵۸، بيروت، دار الفكر، ۱۴۲۱/ ۲۰۰۰ء)۔

(تاتارخانیہ کی عبارت یہ ہے کہ: اگر مسجد تعمیر کرکے لوگوں کو سپرد کردے، پھر اس کے بعد بالا خانے تعمیر کرنے کے لئے آئے تو اسے ایسا نہیں کرنے دیا جائے گا)۔

متبادل طریقہ:

پرانی مسجد کے دائرہ کو ''خواتین کی نماز'' کے لئے مخصوص کردیا جائے۔ پرانی مسجد کے دائرہ سے باہر تھوڑی سی زمین مل جائے تو پلر ڈال کر اس خارجی حصہ میں دکانیں نیز اس کے نچلے حصے میں یا اسی کے سامنے والے اوپری حصہ میں امام اور مؤذن کے لئے حجرے بنالئے جائیں اگر مسجد کے اردگرد زمین کسی طرح سے حاصل ہو تو پھر وضو خانہ اور ٹوائلٹ والے حصے میں پلر ڈال کر ایک یا چند دکانیں اسی طرح اس کے بالائی حصے میں امام اور مؤذن کے حجرے بنائے جاسکتے ہیں۔

سوال نمبر ۳ کا جواب:

قدیم مسجد شہید کر کے بیسمنٹ میں پارکنگ بنانے کے سلسلے میں شرعی حکم

ساری مسجدیں خانہ کعبہ اور مسجد حرام کی بیٹیاں ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں ہیں، جس طرح مسجد حرام بندوں کی منفعت سے ممتاز ہے، اسی طرح ہر مسجد ممتاز ہونی چاہئے۔

لہذا مسجد شہید کر کے بیسمنٹ میں پارکنگ بنانا جائز نہیں ہے، علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں :**قلت : وبهذا علم ايضا حرمة احداث الخلوات على ذلك من تقذير المسجد بسبب الطبخ والغسل ونحوه**" (ابن عابدین، ردالمختار، کتاب الوقف فصل: فی احکام المسجد ۴/ ۳۵۸، بیروت دارالفکر، ۱۴۲۱ھ/ ۲۰۰۰ء)۔ (میں کہتا ہوں کہ اس سے مسجدوں کے اندر نئے کمرے بنانے کی حرمت معلوم ہوئی جیسے وہ کمرے جو مسجد اموی کے برآمدہ میں ہیں بالخصوص اس پر مرتب ہونے والے اثرات کی بنا پر جیسے کھانا پکانے اور برتن وغیرہ دھونے کی وجہ سے مسجد کی آلودگی کی بنا پر اس طرح کے کمرے بنانا حرام ہے)۔

یہ ظاہر ہے کہ قدیم مسجد کے دائرہ میں پارکنگ رکھنے میں مسجد کی حرمت کی پامالی ہے، نیز آلودگی بھی ہے۔

متبادل طریقہ:

اس سلسلے میں متبادل طریقہ یہی ہے کہ توسیع کی خاطر قدیم مسجد شہید کر کے چند منزلیں بنالی جائیں، قدیم وضو خانہ اور استنجا خانہ کو اسی کے مقابل بالائی حصہ میں منتقل کر دیا جائے، اور اس نچلے حصے میں گاڑیوں کے ٹھہرانے کے لئے پارکنگ بنا دیا جائے، جبکہ مسجد کے دائرہ کے بیسمنٹ کو خواتین کی نماز کے لئے مخصوص کر دیا جائے۔

سوال نمبر ۴ کا جواب۔

درسگاہ کی منزل کرایہ پر دینے کے بارے میں شرعی حکم

مسجدیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں، اس لئے ہر طرح کی مادی منفعتوں سے ان کو دور رکھنا ضروری ہے ضرورت کے مدنظر قدیم مسجد کو شہید کر کے اس میں توسیع کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اسی طرح چند منزلہ مسجدیں بنانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

البتہ مسجد کے دائرہ والے بیسمنٹ کو پارکنگ بنانا درست نہیں ہے، ہاں! وضو خانہ اور ٹوائلٹ وغیرہ کے قدیم حصہ میں گاڑیوں کے ٹھہرانے کا نظم کیا جاسکتا ہے، وضو خانہ اور ٹوائلٹ کو اسی کے بالمقابل یا قدیم مسجد کے اردگرد کی جگہ میں بنایا جاسکتا ہے۔

نیز مسجد کی کسی منزل کو جز وقتی درسگاہ کے لئے خاص کر کے اسے کرایہ پر لگانا درست نہیں ہے خواہ کرایہ مسجد کے مصالح پر ہی صرف کیوں کیا جائے۔

صحیح طریقہ یہ ہے کہ تخصیص کے بغیر کسی بھی منزل میں جز وقتی دینی تعلیم کا نظم کیا جا سکتا ہے، جیسا کہ اصحاب صفہ مسجد میں بھی تعلیم حاصل کرتے تھے جن کی تعداد اسی (۸۰) سے ۴۰۰ چار سو تک پہنچ جاتی تھی، مختلف اسباب کے تحت ان کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہتی تھی، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رقمطراز ہیں۔:

الصفة مكان فی مؤخر المسجد النبوی مظل، أعد لنزول الغرباء فيه، ممن لاماوی له ولا اهل، وكانوا يكثرون فيه ويقلون بحسب من يتزوج منهم، أو يموت، او يسافر، وقد سرد اسماءهم أبو نعيم فی الحلية فزادوا علی المائة"۔(ابن حجر، فتح الباری ۵۹۵/۶، بیروت، دارالمعرفة، ۱۳۷۹ھ).

(صفہ مسجد نبوی کے پچھلے حصے میں ایک سائبان والی جگہ ہے جسے پردیسیوں کے قیام کے لئے تیار کیا گیا تھا جن کے پاس کوئی ٹھکانہ نہیں ہوتا نہ بیوی ہوتی، ان میں سے شادی کر لینے یا مر جانے یا سفر پر جانے والوں کے لحاظ سے ان کی تعداد میں کمی بیشی ہوتی رہتی تھی، ابونعیم نے حلیۃ الاولیا میں ان کے نام ذکر کیے ہیں، جن کی تعداد سو سے زائد ہے)۔

علامہ زمخشری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

"هم أصحاب الصفة وهم نحو من اربع مأة رجل من مهاجری قريش، لم يكن لهم مساكن فی المدينه ولا عشائر، فكانوا فی صفة المسجد، وهی سقيفته، يتعلمون القرآن بالليل"، (زمخشری، الكشاف، عن حقائق التنزيل، ۳۴۵/۱، بيروت، داراحياء التراث العربی تحقيق: عبد الرزاق مهدی)

(یہ اصحاب صفہ ہیں جن کی تعداد تقریبا چار سو تھی جو قریش کے مہاجرین میں سے تھے، مدینہ منورہ میں ان کی رہائش گاہیں اور خاندان نہیں تھے، وہ مسجد کے صفہ میں رہتے تھے جو مسجد کا سائبان تھا، وہ لوگ رات میں قرآن کی تعلیم حاصل کرتے تھے)۔

لہذا مسجد میں مسلم بچوں کی دینی تعلیم بالخصوص عصری اسکولوں میں پڑھنے والے بچوں کے لئے جز وقتی دینی تعلیم کے نظم میں شرعا کوئی قباحت نہیں ہے۔ بہتر یہ ہے کہ ان کو مفت تعلیم دی جائے، لیکن ضرورتا ان سے فیس بھی لی جا سکتی ہے تاکہ معلم کی اجرت ادا کی جا سکے، مسجد کے مصالح پر صرف کے لئے دوسری تدبیر اختیار کی جائے، مگر مسجد کی کسی منزل کو کرایہ پر دینا جائز نہیں ہے، ہندیہ میں ہے:

"اذا اراد انسان ان يتخذ تحت المسجد حوانيت غلة لمرمة المسجد او فوقه ليس له ذلک، كذا فی الذخيرة". هنديه كتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد..الفصل الأول فيما يصير به)

(اگر کوئی انسان مسجد کے نیچے یا اوپر مسجد کی مرمت کی خاطر آمدنی کی دکانیں بنائے، تو اسے یہ اختیار نہیں ہے

ایسا ہی ذخیرہ میں ہے)۔

جو حکم دکان کا ہے وہی حکم درسگاہ کے لئے کرایہ پر دینے کا ہے دونوں امور حرمت مسجد کے خلاف ہیں البتہ قدیم مسجد کے اردگرد کی جگہ کے بالمقابل حصہ کو خارج مسجد رکھتے ہوئے اس حصہ کو درسگاہ کے لیے کرایہ پر دئے سکتے ہیں، جیسا کہ قدیم زمانہ میں مسجد سے متصل تعلیم کے کمرے تیار کیے جاتے تھے۔

سوال نمبر ۵ کا جواب

اپارٹمنٹ کے کسی حصہ کو نماز کے لئے مختص کرنے کی صورت میں وہ مسجد شرعی ہوگی؟

مسجد بالکل ممتاز اور جدا ہونی چاہئے جس مسجد سے بندوں کی منفعت مربوط ہو، وہ مسجد شرعی نہیں ہے، اس پر مسجد کے احکام جاری نہیں ہوں گے، وہ صرف جماعت گاہ ہے، یہی ظاہر مذہب ہے نیز یہی مقاصد شریعت سے ہم آہنگ ہے، کیونکہ مسجد کی غرض وغایت اللہ تعالیٰ کی بندگی، دین کا تحفظ اور ایمان کی بقا ہے، یہ مقاصد اسی وقت پورے ہوں گے جبکہ مسجد امتیازی شان رکھتی ہو، اس کے حدود جدا اور ممتاز ہوں، لہذا اگر:

۱۔ اپارٹمنٹ کا زمینی حصہ ہی ہو اور دیوار کے ذریعہ مختلف حصوں کے مختلف مالکین ہوں، اپارٹمنٹ کے ایک حصہ کو خرید کر نماز کے لئے مختص کرلیا ہو اور اس کے لئے راستہ کی شرط ہو تو پھر یہ حصہ مسجد شرعی کہلائے گی اور اس پر مسجد کے احکام جاری ہوں گے۔

۲۔ صاحبین کے نزدیک بغیر شرط کے بھی راستہ اس کا حق ہوجائے گا اور وہ مسجد ہوجائے گی۔

۳۔ اگر اپارٹمنٹ لب روڈ ہو اور نماز کے لئے مختص کردہ حصہ کا دروازہ روڈ کی طرف کھلتا ہو تو اس صورت میں بھی وہ مسجد شرعی کہلائے گی۔

لیکن فقہائے کے یہ اقوال اس صورت میں ہیں جبکہ حویلی کے وسط کا حصہ ممتاز ہو، ہندیہ میں ہے:

”فلو جعل وسط داره مسجدا واذن للناس فی الدخول والصلاة فیه، ان شرط معه الطریق صار مسجدا فی قولهم، وإلا فلا عند ابی حنیفة رحمه الله تعالیٰ، وقالا: یصیر مسجدا وتصیر الطریق من حقه من غیر شرط، کذا فی القنیة وفی السغنانی: لو عزل بابه الی الطریق الاعظم یصیره مسجدا، کذا ذکره الامام قاضی خان، کذا فی التتارخانیة“ (هندیة کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد، الفصل الاول فیما یصیر به مسجدا. ۲/ ۴۵۵-۴۵۴، بیروت دار الفکر، ۱۴۱۱ھ، ۱۹۹۱ء).

(سو اگر اپنی حویلی کے درمیانی حصہ کو مسجد قرار دے اور لوگوں کو اس میں داخل ہونے اور نماز کی اجازت دے دے، اگر اس کے ساتھ راستہ کی بھی شرط لگا دے تو ہمارے فقہاء کے قول کے مطابق یہ مسجد ہوجائے گی، ورنہ امام ابو

حنیفہؒ کے نزدیک یہ مسجد نہیں ہوگی، صاحبینؒ کہتے ہیں، یہ مسجد ہوجائے گی، اور بغیر شرط کے راستہ اس کا حق ہوجائے گا، ایسے ہی قنیہ میں ہے، سغنانی میں ہے: اگر مسجد کا دروازہ شاہ راہ عام کی طرف کردے تو یہ مسجد ہوجائے گی، ایسے ہی امام قاضی خان نے ذکر کیا ہے، تتارخانیہ میں یوں ہی درج ہے)۔

قول راجح:

''اپارٹمنٹ وہ رہائی اکائی جس میں کئی متصل کمرے ہوں یعنی کمروں کا سیٹ اپارٹمنٹ کہلاتا ہے ،جس میں ہر اکائی کا الگ الگ مالک ہوتا ہے، اب اپارٹمنٹ کے جس حصہ کو خرید کر نماز کے لئے مختص کرلیا گیا چونکہ وہ ممتاز اور جدا نہیں ہے، اس لئے اپارٹمنٹ کا یہ حصہ مسجد شرعی نہیں ہے، اس پر مسجد کے احکام جاری نہیں ہوں گے، اسے صرف جماعت گاہ کہیں گے، کیونکہ یہ دوسری عمارتوں سے گھرا ہوا حصہ ہے، اس میں صرف اس بلڈنگ اور اپارٹمنٹ کے لوگ ہی داخل ہوں گے، چنانچہ یہ وقف نہیں ہے بلکہ مشترک چیز کے ہبہ کے درجہ میں ہے، اس سلسلہ میں علامہ سرخسیؒ کے ذکر کردہ جزئیہ سے بھی استئناس کیا جاسکتا ہے: ''**رجل جعل فی دارہ مسجدا یصلی فیه الناس، ثم مات، قال: هو میرات لورثته، لانه لم یمیزه عن ملکه**''. (سرخسی، المبسوط، کتاب الھبۃ، ۱۲/ ۸۲، ط، ۱، بیروت، دارالفکر، ۱۴۲۱ھ/ ۲۰۰۰ء تحقیق، خلیل میس)۔ (ایک شخص نے اپنے گھر کے اندر مسجد بنائی، جس میں لوگ نماز پڑھ رہے تھے، پھر اس کا انتقال ہوگیا، مصنف کہتے کہ: یہ ورثہ کی میراث ہے اس لئے کہ اس نے اسے اپنی ملکیت سے ممتاز نہیں کیا)۔

سوال نمبر ۶ کا جواب:

کئی منزلہ عمارت کی کسی منزل کو مسجد بنانے کے سلسلے میں شرعی نقطہ نظر

اسلام میں مسجد مینارۂ نور وہدایت ہے، اسلامی شان وشوکت کا مرکز ہے، عبادت وبندگی کی اساسی جگہ ہے تلاوت وذکر الٰہی کا محور ہے، اس لئے مسجد ممتاز رہنی چاہئے، اس کی اپنی شناخت ہونی چاہئے، لہذا کئی منزلہ عمارت کی ایک منزل مسجد شرعی نہیں کہلائے گی، اور اس پر مسجد شرعی کے احکام جاری نہیں ہوں گے، یہی ظاہر مذہب ہے اور اس کے علاوہ دیگر روایتیں ضعیف ہیں۔

البتہ اگر کسی ملک یا خطہ میں علیحدہ شناخت والی مسجد ممکن نہ ہو تو ایسی جماعت گاہ میں نماز پڑھنے کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ مسجد کے برابر ثواب عنایت فرمادے۔

دیگر ضعیف روایتیں درج ذیل ہیں:

۱۔ امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اگر گراؤنڈ فلور کو مسجد قرار دے، تو یہ جائز ہے کیونکہ اس صورت میں اسے

قرار وابدیت حاصل ہے اور مسجد کا یہی حکم ہے کہ وہ مستقل ہو اور ہمیشہ کے لئے ہو، 'المبسوط' میں ہے: **وعن محمد عال: ان جعل السفل مسجدا جاز، وان جعل العلو مسجد دون السفل لا یجوز،** (سرخسی، المبسوط کتاب الھبہ، ۱۲/ ۸۳، ط، ا، بیروت، دارالفکر، ۱۴۲۱ھ/ ۲۰۰۰ء تحقیق: خیل میس)۔(امام محمد سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ اگر نچلے حصہ کو مسجد قرار دے تو جائز ہے اور اگر اوپری حصہ کو نچلے حصہ کے بغیر مسجد قرار دے تو یہ جائز نہیں ہے) یہی حسن بن زیادؒ سے ایک روایت ہے (مرجع سابق، کتاب الوصایا، ۲۸/ ۸۵)

ان سے ایک روایت یہ ہے کہ بالائی حصہ مسجد ہو، اور نچلا حصہ مسجد کی منفعت وآمدنی کے لئے ہو، تو یہ بھی بہ طور استحسان جائز ہے۔ (مصدر سابق، کتاب الھبۃ ۱۲/ ۸۲)۔

۲۔امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جگہ کی قلت کی بنا پر ضرورتاً ان تمام صورتوں کو جائز قرار دیا کہ بالائی حصہ کو مسجد قرار دیا جائے اور نچلے حصہ کو کسی اور مقصد کے لئے استعمال کیا جائے، اسی طرح نچلے حصہ کو مسجد قرار دیا جائے اور بالائی حصہ کو کسی اور مقصد کے لئے استعمال کیا جائے، المبسوط میں ہے: **(وعن ابی یوسف ان ذلک کله جائز، رجع الیه حین قدم بغداد، ورأی ضیق المنازل باهلها، وهو مستقیم علی أصله، وقد بینا انه یوسع فی الوقف، فکذلک فی المسجد"** (سرخسی المبسوط کتاب الھبہ ۱۲/ ۸۳)۔(امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ یہ ساری صورتیں جائز ہیں۔ وہ جب بغداد آئے اور رہنے والوں کے لئے گھروں کی تنگی دیکھی تو اسی رائے کی طرف رجوع کرلیا... اور یہ ان کے ضابطہ کے مطابق درست ہے، ہم بیان کر چکے ہیں کہ وہ وقف میں وسعت سے کام لیتے ہیں تو ایسے ہی مسجد کے بارے میں بھی وسعت سے کام لیتے ہیں)۔

لیکن ظاہر مذہب کا رجحان اس طرح ظاہر ہے کہ مسجد کو بندوں کے مادی حقوق سے خالی ہونا چاہئے اور ہر طرح سے ممتاز ہونا چاہئے، یہی وجہ ہے کہ علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسی کو ترجیح دی ہے، وہ تحریر فرماتے ہیں: **هذا هو ظاهر المذهب، وهناک روایات ضعیفة مذکوره فی الهدایة،** (ابن نجیم البحر الرائق، بیروت، دار المعرفة). یہی ظاہر مذہب ہے اور اس مسئلہ سے متعلق چند ضعیف روایتیں ہیں جو ہدایہ میں مذکورہ ہیں:

سوال نمبر ۷ کا جواب:

زائد آمدنی کی خاطر موقوفہ آراضی فروخت کر کے دکانیں خریدنے کے سلسلے میں شرعی حکم

زائد آمدنی کے لئے موقوفہ آراضی کو فروخت کر کے دکانیں خریدنا درج ذیل شرطوں کے ساتھ جائز ہے:

۱۔ جہاں امارت شرعیہ قائم ہو اس کے نامزد تین معتبر وقابل اعتماد قاضی کی اجازت سے ہو۔

۲۔جس خطہ میں امارت شرعیہ قائم نہ ہو، وہاں ملک کے قابل اعتماد تین ادارے کے تین معتبر وقابل اعتماد مفتی

وقاضی کی اجازت سے ہو۔

۳۔موقوفہ آراضی فروخت کرنے سے پہلے ہی بدل یعنی دکانوں کی خرید کا معاملہ کرلیا جائے اور بیعانہ دے دیا جائے، اور جوں ہی موقوفہ آراضی فروخت ہو رقم ادا کر کے دکانیں مسجد کے نام سے رجسٹری کرالی جائیں۔

۴۔معتبر مفتی وقاضی جن کی اجازت سے موقوفہ آراضی فروخت کی جارہی ہو، وہ اس بات کا تیقین حاصل کرلیں کہ بدل یعنی دکانوں کی خریداری کا معاملہ کیا گیا ہے یا نہیں؟۔وہ اسی وقت اجازت دیں جبکہ پہلے خریداری کا معاملہ کر کے بیعانہ دے کر کاغذ بنالیا گیا ہو۔

۵۔اجازت دینے کے بعد وہ معتبر مقامی لوگوں پر مشتمل کمیٹی تشکیل کردیں، جو ان کو پورے معاملے سے باخبر رکھے۔

۶۔ٹال مٹول کی صورت میں کمیٹی اجازت دینے والے مفتی وقاضی کو باخبر کرے جو تحقیق کرنے کے بعد متولی کو برخاست کردیں، اور مقامی کمیٹی کے واسطے سے دکانوں کی خریداری کر کے مسجد کے نام رجسٹری کرائیں اور نئے متولی کا تقرر کریں۔

اگرچہ فقہاء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے لیکن جن شرطوں کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ان کے التزام کے ساتھ اوقاف کی آراضی کو فروخت ہونے کے بعد ضائع ہونے سے بچایا جاسکتا ہے، لہذا جن فقہاء نے زائد آمدنی کے لئے موقوفہ آراضی فروخت کرنے سے منع کیا ہے، ان کے تحفظات ختم ہوجائیں گے۔'ردالمحتار'' میں ہے:

''الرابعة: ان یرغب انسان فیه ببدل اکثر غلة واحسن صقعا، فیجوز علی قول ابی یوسف، وعلیه الفتوی، کما فی فتاوی قاری الهدایة نحن لا نفتی به، وقد شاهدنا فی الاستبدلال ما لا یعدو یحصی، فن ظلمة القضاء جعلوه حیلة للابطال اوقاف المسلمین، وعلی تقدیره فقد قال فی الاسعاف: المراد بالقاضی هو قاضی الجنة المفسر بذی العلم والعمل اھ، ولعمری ان هذا اعز من الکبریت الاحمر وما اراه الا لفظا یذکر، فلا حری فیه السد خوفا من مجاوزة الحد، واللہ سائل کل انسان، اھ) ابن عابدین، رد المحتار، کتاب الوقف، مطلب فی استبدال الوقف وشروطه، ۳۸۸/۴، بیروت، دارالفکر، ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۰ء).

(وقف کو بدلنے کی چوتھی صورت یہ ہے کہ کوئی آمدنی اس کے بارے میں ایسے بدل کے ساتھ راغب ہو جس میں زیادہ آمدنی ہو اور جو بہتر وجہ ہو، تو یہ امام ابو یوسف کے قول کے مطابق جائز ہے، اور اسی پر فتویٰ ہے، جیسا کہ قاری ہدایہ کے فتاوی میں ہے، ''النھر الفائق'' کے مصنف نے اپنی کتاب اجابۃ السائل میں فرمایا: قاری الھدایۃ کا قول کہ امام ابو یوسف کے قول پر عمل ہے، یہ صدرالشریعۃ کے قول سے معارض ہے کہ ہم اس پر فتویٰ نہیں دیتے ہیں۔وقف کی تبدیلی کی صورت میں ہم نے بے شمار خرابیاں دیکھیں ہیں، کیونکہ ظالم قاضیوں نے اسے مسلمانوں کے اوقاف کو باطل

کرنے کا ذریعہ بنالیا ہے۔اور اگر تبدیلی کے جواز کو مان بھی لیا جائے تو اسعاف میں درج ہے کہ قاضی سے مراد قاضی جنت ہے، جس کی وضاحت علم وعمل کے جامع قاضی سے کی گئی ہے، اللہ تعالیٰ کی قسم: یہ سرخ گندھک سے بھی زیادہ نادر ہے، میری رائے ہے کہ یہ صرف ایک لفظ ہے جس کو ذکر کیا جاتا ہے لہذا اس سلسلے میں زیادہ سزاوار یہ ہے کہ حد سے تجاوز کرنے کے اندیشے سے دروازہ کو ہی بند کر دیا جائے، اور اللہ تعالیٰ ہر انسان کا مواخذہ کرنے والا ہے۔

سوال نمبر ۸ کا جواب:

مساجد کی آراضی میں مکاتب یا مدارس قائم کرنے کے سلسلے میں شرعی حکم

اصل ضابطہ یہ ہے کہ جو وقف جس مقصد کے لئے ہو اسے اسی مقصد کے لئے استعمال کیا جائے، وقف کی ہیئت اور ڈھانچہ میں تبدیلی نہ کی جائے، عام طور سے فقہاء نے اس کی صراحت کی ہے، علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں: **لا تجب الزيادة فيه، بل تبقيه كما كان، (ابن همام فتح القدير، كتاب الوقف، مطلب الاستبدلال، ۲۲۸/۶، بيروت دار الفكر)**.(وقف میں اضافہ ضروری نہیں ہے بلکہ اسے سابق حالت پر برقرار رکھنا ضروری ہے۔

ہندیہ میں ہے:

"ولا يجوز تغيير الوقف عن هيئته فلا يجعل الدار بستانا، لا الخان حماما، ولا الرباط دكانا، الا اذا جعل الواقف الى الناظر ما يرى فيه مصلحة الوقف، كذا فى السراج الوهاج"(هنديه، كتاب الوقف، الباب الثالث عشر فى الاوقاف التى يستغنى عنها....۴۹۰/۲۷، بيروت، دار الفكر، ۱۴۱۱ھ/۱۹۹۱ء ع۔ا۔:۶).

(وقف کو اس کی اصل شکل سے بدلنا جائز نہیں ہے، لہذا گھر کو باغ، سرائے کو غسل خانہ اور مسافر خانہ کو دکان میں تبدیل نہیں کیا جائے گا، مگر اس وقت جبکہ وقف کرنے والا متولی کو اختیار دے کہ وہ اپنی صوابدید کے مطابق وہ کام کرواسکتا ہے جس میں وقف کی مصلحت ہو)۔

اگر تحفظ کی غرض سے ایسا کرنا ضروری ہو کہ مساجد کی آراضی میں مکاتب یا مدارس قائم نہ کیا جائے تو لوگ آراضی پر قبضہ کرلیں گے تو ایسی صورت میں مکاتب یا مدارس قائم کرکے ان کو کرایہ پر دینا جائز ہوگا، کیونکہ مسجد سے متعلق آراضی کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ مصالح مسجد کے لئے ان کا استعمال کیا جائے چونکہ مساجد کی آراضی میں قائم ہونے والی مسجد کے لئے آمدنی کا حصول ہوتا ہے اس لئے شرعی اعتبار سے اس میں کوئی قباحت نہیں ہے، اس سے مقاصد وقف میں خلل پیدا نہیں ہوگا۔

خلاصہ بحث:

۱۔مسجد کی ساری منزلیں مسجد ہی رہیں گی، کسی منزل کو درسگاہ اور طلبہ کی رہائش کے لئے خاص کرنا مکروہ تحریمی ہے، تخصیص کے بغیر اگر کسی علاقہ میں علیحدہ طور پر تعلیم وتدریس کا انتظام نہ کیا جاسکتا ہو تو علاقہ کی ضرورت کے مدنظر تعلیم وتدریس کی گنجائش ہوگی اور مجبوری کی بنا پر طلبہ رہائش بھی رکھ سکتے ہیں، البتہ آداب مسجد کا خیال رکھنا ضروری ہے، اور بہتر یہ ہے کہ نفلی اعتکاف کی نیت سے رہیں، ذکر وتلاوت اور نماز کا بھی اہتمام رکھیں۔

۲۔قدیم مسجد شہید کر کے چند منزلہ عمارت بنانے میں تو کوئی حرج نہیں ہے لیکن نیچے کی منزل میں دکانیں بنانا جائز نہیں ہے۔

اسی طرح جماعت گاہ کی منزل سے اوپر امام اور مؤذن کے لئے ایسے حجرے نہیں بنائے جاسکتے ہیں جہاں وہ تنہا یا فیملی کے ساتھ قیام کرسکیں۔

متبادل طریقہ: پرانی مسجد کے دائرہ سے باہر تھوڑی سی زمین مل جائے تو پلر ڈال کر اس خارجی حصہ میں دکانیں، نیز اس نچلے حصہ میں یا اسی کے سامنے والے اوپر حصہ میں امام اور مؤذن کے حجرے بنائے جاسکتے ہیں۔

ایسے ہی وضو خانہ اور ٹوائلٹ والے حصے میں پلر ڈال کر ایک یا چند دکانیں اور اسی کے مقابل بالائی حصہ میں امام اور موذن کے حجرے بنائے جاسکتے ہیں۔

۳۔مسجد شہید کر کے بیسمنٹ میں پارکنگ بنانا جائز نہیں ہے۔

متبادل طریقہ: قدیم وضو خانہ اور استنجا خانہ کو اسی کے مقابل بالائی حصہ میں منتقل کر دیا جائے، اور اس نچلے حصے میں گاڑیوں کے ٹھہرانے کے لئے پارکنگ بنا دیا جائے، نیز قدیم سجد کے دائرہ کے بیسمنٹ کو خواتین کی نماز کے لئے مخصوص کر دیا جائے۔

۴۔مسجد کی کسی منزل کو جز وقتی درسگاہ کے لئے خاص کر کے اسے کرایہ پر لگانا درست نہیں ہے۔

صحیح طریقہ: کسی منزل کو خاص کیے بغیر جز وقتی دینی تعلیم کا نظم کیا جاسکتا ہے، بہتر یہ ہے کہ ان کو مفت تعلیم دی جائے لیکن ضرورتاً ان سے فیس بھی لی جاسکتی ہے تاکہ معلم کی اجرت ادا کی جاسکے، لیکن مسجد کے مصالح پر صرف کرنے کے لئے دوسری تدبیر اختیار کی جائے۔

متبادل طریقہ: مسجد کے اردگرد کی جگہ کے بالمقابل حصہ کو خارج مسجد رکھتے ہوئے اس حصہ کو درسگاہ کے لئے کرایہ پر دے سکتے ہیں۔

۵۔اپارٹمنٹ کے جس حصہ کو خرید کر نماز کے لئے مختص کرلیا گیا چونکہ وہ ممتاز اور جدا نہیں ہے اس لئے

اپارٹمنٹ کا یہ حصہ مسجد شرعی نہیں ہے اس پر مسجد کے احکام جاری نہیں ہوں گے، اسے صرف جماعت گاہ کہیں گے۔

اگر کسی خطہ میں لوگ مجبوری میں ایسا کر رہے ہوں تو اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ ان کو مسجد میں نماز ادا کرنے کا ثواب عطا کرے، لیکن شرعی اعتبار سے وہ مسجد شرعی نہیں ہے۔

۶۔ کئی منزلہ عمارت کی ایک منزل مسجد شرعی نہیں ہے، اور اس پر مسجد شرعی کے احکام جاری نہیں ہوں گے۔

البتہ اگر کسی ملک، علاقہ یا خطہ میں علیحدہ شناخت والی مسجد کی تعمیر ممکن نہ ہو تو ایسی جماعت گاہ میں نماز پڑھنے کی صورت میں اللہ عزوجل کی ذات سے امید ہے کہ مسجد کے برابر ثواب عنایت فرمادے۔

۷۔ زائد آمدنی کے لئے موقوفہ آراضی فروخت کر کے دکانیں خریدنا درج ذیل شرطوں کے ساتھ جائز ہے۔

(الف) جس خطہ میں امارت شرعیہ قائم ہو اس کے تین معتبر، قابل اعتماد قاضی کی اجازت سے ہو۔

(ب) جہاں امارت شرعیہ نہ ہو وہاں ملک کے قابل اعتماد تین ادارے کے تین معتبر مفتی وقاضی کی اجازت سے ہو۔

(ج) موقوفہ آراضی فروخت سے پہلے ہی بدل یعنی دکانوں کی خرید کا معاملہ کر لیا جائے اور بیعانہ دے دیا جائے۔

(د) تین معتبر مفتی وقاضی بدل کی خریداری کے لئے بیعانہ کی ادائیگی کے بعد ہی فروخت کی اجازت دیں۔

(ہ) اجازت دینے کے بعد وہ تین معتبر مقامی لوگوں پر مشتمل کمیٹی کی تشکیل کر دیں جو ان کو پورے معاملے سے باخبر رکھے۔

(و) ٹال مٹول کی صورت میں کمیٹی اجازت دینے والے مفتی وقاضی کو باخبر کرے جو تحقیق کرنے کے بعد متولی کو برخاست کر دیں اور مقامی کمیٹی کے واسطے سے دکانوں کی خریداری کر کے مسجد کے نام رجسٹری کرائیں اور نئے متولی کا تقرر کریں۔

۸۔ تحفظ کی غرض سے ایسا کرنا ضروری ہو کہ مساجد کی آراضی میں مکاتب یا مدارس قائم نہ کیا جائے تو لوگ آراضی پر قبضہ کر لیں گے تو ایسی صورت میں مکاتب یا مدارس قائم کر کے ان کو کرایہ پر دینا جائز ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب، علمہ اتم واحکم

مساجد اور ان کے اوقاف سے متعلق چند مسائل

ڈاکٹر محمد مصطفی عبد القدوس ندوی
جامعۃ القرآن، گڑھا، گجرات

یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام میں مساجد کی بڑی اہمیت ہے اور مسلمانوں کو مساجد سے عقیدت بہت ہوتی ہے؛ اسی وجہ سے لوگ مساجد کی تعمیر اور مساجد پر وقف کرنے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں، اس وقت مساجد اور ان پر اوقاف کی بابت کچھ بے اعتدالیاں نظر آرہی ہیں، جس کے پس منظر میں متولیان مساجد یا کمیٹیوں کی طرف سے کچھ سوالات آرہے ہیں، جن پر عصری تناظر میں غور وفکر کرنے کی سخت ضرورت ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان سوالات کے جوابات سے پہلے مسجد کی شرعی حیثیت، اس کے مقاصد واغراض، اور استبدال وقف پر اختصار کے ساتھ گفتگو کی جائے؛ تاکہ سوالات کے جوابات کو منقح کیا جاسکے۔

۱۔ مسجدوں کی تعمیر کے اغراض ومقاصد:

مساجد کی تعمیر کے مقاصد میں ایک اللہ تعالی کے شعار کو بلند کرنا اور اس کی شان کو بڑھانا ہے؛ کیونکہ مسجد اللہ تعالی کے شعائر میں سے ہے، جس کی تعظیم کرنا ایمان وتقوی کی علامت ہے، جیسا کہ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: ﴿وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ (حج: ۳۲) اور جو شخص اللہ کے شعائر (یعنی اللہ کی نسبت رکھنے والی یادگاروں) کا ادب کرتا ہے، تو یہ (ادب) اس وجہ سے ہے کہ دلوں میں اللہ کا ڈر ہے اسی وجہ سے اس کی بے حرمتی حرام ہے؛ چنانچہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحِلُّوا شَعَائِرَ اللهِ) (مائدہ:) "اے ایمان والو! اللہ کے شعائر کی بے حرمتی نہ کرو، اور ظاہر ہے کہ مسجدوں کو توڑ پھوڑ کرنا اور ان کو ویران کرنا مسجد کی بے حرمتی ہی ہے، ایسا کرنے والوں کے لئے دنیا میں ذلت ورسوائی اور آخرت میں عذاب عظیم کی وعید سنائی گئی ہے، فرمایا:

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللهِ أَنْ يُذكر فيها اسمهُ وَسَعَى فِي خَرَابِهَا أُولَئِكَ مَا كَانَ هُمْ أَنْ يَدْخُلُوهَا إِلَّا خَائِفِينَ لهم في الدُّنْيَا خِزي وَلهُمْ فِي الآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ (بقرہ: ۱۱۴)

''اور اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا جو اللہ کی مسجدوں میں اللہ کا نام لینے سے روکے اور اس کو ویران کرنے کے درپے ہو، وہ تو اس لائق بھی نہیں کہ بے خوف ہوکر مسجدوں میں داخل ہوں، ان کے لئے دنیا میں

رسوائی اور آخرت میں بڑا عذاب ہے''۔

مسجد کی تعمیر کا بنیادی مقصد کائنات کے حقیقی خالق و مالک کی عبادت اور اس کی بندگی اور غیر اللہ کی معبودیت کی نفی ہے، اسی وجہ سے مسجد کی زمین پر بت خانہ بنانے کی اجازت ہرگز نہیں دی جاسکتی؛ کیونکہ یہ مسجد کے عین مقصد کے خلاف ہے؛ چنانچہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

(وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللّٰهِ أَحَدًا) (جن: ۱۸)

''اور یہ کہ مسجدیں اللہ کے لئے ہیں تو تم لوگ اللہ کے ساتھ کسی اور کی عبادت نہ کرو''۔ اس آیت کی تفسیر میں علامہ قرطبی نے مشہور تابعی امام سعید بن جبیر کا قول نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں:

قالت الجن كيف لنا أن نأتي المساجد ونشهد معك الصلاة ونحن ناون عنك؟ فنزلت" وأن المساجد لله"، أي بنيت لذكر الله وطاعته" (الجامع لاحكام القرآن: ۲۰/۱۹)

جنوں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم مساجد میں کیسے آسکتے ہیں اور آپ کے ساتھ نماز میں کیسے شریک ہوسکتے ہیں، جبکہ ہم تو آپ سے دور رہتے ہیں، تو یہ آیت" وأن المساجد لله" نازل ہوئی، یعنی: مساجد اللہ کے ذکر اور طاعت و بندگی کے لئے بنائی گئی ہیں۔''

اسی وجہ سے اللہ کے رسول صلی ﷺ نے مسجد کی طرف چلنے کو ایمان کی علامت قرار دیا ہے اور اندھیرے میں چلنے والے کے لئے قیامت کے روز نور کے حصول کی خوشخبری سنائی؛ چنانچہ حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:" جب تم لوگ کسی آدمی کو دیکھو کہ وہ مسجد آتا جاتا ہے تو اس کے ایمان کی شہادت دو؛ کیونکہ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ مسجدوں کو صرف وہی لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔'' (سنن ترمذی، ابواب تفسیر القرآن، سورۃ التوبہ، حدیث: ۳۰۹۳، امام ترمذی کا بیان ہے: حدیث حسن ہے) اور حضرت بریدہ سے منقول ہے کہ اللہ کے رسول نے فرمایا:''ان لوگوں کو خوشخبری دیدو جو اندھیرے میں مسجد کی طرف پیدل جاتے ہیں کہ انہیں قیامت کے دن نور کامل عطا ہوگا۔" (سنن ابی داؤد، باب ماجاء في المشى الى الصلاة في الظلام، حدیث: ۶۵، سنن ترمذی، حدیث: ۲۲۱، امام ترمذی کا بیان ہے: حدیث غریب ہے)۔

آفت سماوی کے موقع پر مسلمانوں کے لئے الٰہی ٹھکانہ اور پناہ گاہ ہے جہاں پہنچ کر اہل ایمان کو سکون ملتا ہے اور اپنے اوپر ایک اللہ کا سہارا کا احساس بیدار ہوتا ہے اور گڑگڑا کر روتا دھوتا ہے، پھر اللہ کی مدد آتی ہے؛ چنانچہ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ:''جب کوئی آسمانی آفت آئے تو مسجدوں کو آباد کرنے والوں سے وہ آفت ہٹالی جاتی ہے''۔ (فیض القدیر للمناوی: ۱/ ۲۶۵، بحوالہ سنن بیہقی)۔

اسی طرح مسجد کی تعمیر کے مقاصد میں سے جہاں اللہ تعالی کی عبادت جیسے فرض باجماعت اور نفل نمازیں، اس کی تحمید وتسبیح اور کبریائی بیان کرتے ہیں، وہیں عقد نکاح بھی ہے؛ کیونکہ نکاح عبات ہے۔(فتح القدیر: ۳/۱۸۱، ط: زکریا، دیوبند)؛ اسی وجہ سے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نکاح مسجد میں رکھو" (ترمذی، باب ماجاء فی اعلان النکاح، باب نمبر: ۶)، علم دین کا مذاکرہ، درس وتدریس، ذکر صالحین اور دینی بیانات ہیں اور دوسرے مقاصد کے لئے نہیں جن سے مسجد کی نظافت وطہارت متاثر ہوتی ہو، اس کا احترام اور تقدس پامال ہوتا ہو اور اس سے اس کی اہانت لازم آتی ہو، جیسے: خرید وفروخت، حدود وقصاص جاری کرنا اور دوسرے دنیاوی کام (مسلم، الطهارة، بَابُ وُجُوبِ غُسْلِ الْبَوْلِ وَغَيْرِهِ مِنَ النَّجَاسَاتِ إِذَا حصلت في المسجد، برقم: ۱۰۰ - (۲۸۵)، ترمذی، باب ما جاء في الرجل يقتل ابنه يقاد منه أم لا، حديث نمبر: ۱۴۰۱، فتح القدير: ۲/۱۲۸، فصل في الصلاة على الميت، مرقاة المفاتيح: ۲/۴۱۰، باب المساجد ومواضع الصلاة، الفصل الثاني: ۳/، باب الذكر بعد الصلاة، الفصل الثاني: ۷/۲۶، كتاب القصاص، الفصل الثانی)؛ چنانچہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"وَفِي بُيُوتٍ أَذِنَ اللَّهُ أَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ" [نور: ۳۶]

ان گھروں میں جن کا ادب کرنے کا اور جن میں اپنا نام لینے کا اللہ تعالی نے حکم دیا ہے، وہ لوگ صبح وشام اللہ کی پاکی بیان کرتے رہتے ہیں"۔

حضرت ابوھریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ مسجد تو اللہ کے ذکر و یاد اور نماز کے لئے بنائی گئی ہے"۔(صحيح ابن حبان، ذكر الزجر عن أن يدعو المرأ لنفسها الخ، حديث: ۹۸۵)۔

۲۔مسجد کی شرعی حیثیت اور اس کا مقام:

اسلام میں مساجد کا وہی مقام ہے جو انسان کے جسم میں دل کا، دل کی حرکت سے زندگی شروع ہوتی ہے اور زندگی کی بقا کا علم ہوتا ہے۔اسی طرح مسجد سے انسانی زندگی کا آغاز ہوتا ہے، دل کی حرکت بند ہونے کے بعد زندگی کا تصور نہیں کیا جاسکتا ہے۔اسی طرح کسی ایسی مسلم آبادی کا تصور نہیں کیا جاسکتا ہے جہاں مسجد نہ ہو۔

اسلام دنیا میں عقیدہ توحید کا نمائندہ مذہب ہے اور وہ پوری انسانیت کو اس سچائی کی طرف دعوت دیتا ہے کہ اس کائنات کا خالق اور رب ایک ہی قادر مطلق ذات ہے جس کا کوئی شریک نہیں، اس گونج کا مرکز مسجد ہے، جہاں سے چوبیس گھنٹے میں پانچ مرتبہ روزانہ اس کی صدا بلند ہوتی ہے اور اس کی دعوت دی جاتی ہے۔

اللہ تعالی کے یہاں روئے زمین پر سب سے زیادہ پسندیدہ جگہ اگر کوئی ہے تو وہ مسجد ہی ہے؛ چنانچہ جیسا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خبر دی، وہ فرماتے ہیں:

" أحب البلاد إلى الله مساجدها وأبغض البلاد إلى الله أسواقها. (مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب فضل الجلوس في مصلاه بعد الصبح وفضل المساجد، حديث: ۱۷۱)

اللہ کے نزدیک شہروں میں محبوب ترین جگہیں مسجدیں ہیں اور سب سے مبغوض ترین اور ناپسندیدہ جگہیں بازار ہیں"۔

مسجد عمارت کا نام نہیں ہے بلکہ اس زمین کا نام ہے جو اللہ کی عبادت کے لئے مختص کی گئی ہو؛ چنانچہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا [جن: ۱۸]

(إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا اللَّهَ فَعَسَى أُولَئِكَ أَنْ يَكُونُوا مِنَ الْمُهْتَدِينَ﴾ [توبہ: ۱۸]

دونوں آیتوں سے صاف طور معلوم ہوا کہ مسجدیں اللہ کی ملکیت میں چلی جاتی ہیں، مطلب یہ ہوا کہ وقف کے بعد مساجد پر بندوں کی ملکیت باقی نہیں رہتی، بندوں کو ان میں صرف عبادت، تلاوت اور ذکر وغیرہ کی اجازت ہے جیسا کہ مساجد کی تعمیر کے اغراض ومقاصد ذیل میں اوپر بات آچکی ہے، اگر بندوں کی تھوڑی ملکیت بھی باقی رہے گی تو وہ خالص اللہ کی ملکیت نہیں ہوگی، اور مسجد ہونے کے لئے ضروی ہے کہ وہ ہر اعتبار سے کلی طور پر اللہ کی ملکیت میں ہو، ظاہر ہے کہ اگر اس میں کسی کی کسی طرح کی ملکیت ہو خواہ وہ ادنی ہی کیوں نہ ہو تو اس کو وہاں دوسروں کو آنے جانے سے روکنے کا حق باقی رہے گا تو سارے لوگ اس میں آزادی کے ساتھ کیسے عبادت کر سکیں گے؟ (ہدایہ وفتح القدیر: ۶/ ۱۹۲، ط: دار الکتب العلمیہ - بیروت، بنایہ: ۷/ ۴۴۵) اور مسجد کی تعمیر کا بنیادی مقصد اس میں اللہ کی عبادت ہے، لہذا جب بندہ نے مسجد کے لئے اپنی زمین وقف کر دی، تو وہ زمین پورے طور پر خالص اللہ کے لئے ہوگئی، اب واقف اس زمین کو نہ بیچ سکتا ہے اور نہ ہی کسی طرح کا مالکانہ تصرف کر سکتا ہے، دوسرے الفاظ میں اب وہ زمین اپنی اصل کی طرف لوٹ آئی، اور وہ اصل یہ ہے کہ تمام چیزیں اللہ کی ہیں، (ہدایہ مع الفتح: ۶/ ۲۱۹) اس کی اصل خانہ کعبہ ہے کہ اس پر کسی کی ملکیت نہیں، یہی حکم تمام مساجد کا ہے، (فتح القدیر: ۶/ ۱۹۲) کیونکہ خود ہی اللہ تعالی نے اس امر کو واضح فرمادیا: (وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللهِ أَحَدًا جن: ۱۸) اللہ کی ملکیت میں چلی جانے کی وجہ سے ہی حضرت عمرؓ نے جب خیبر کی زمین کو وقف کیا تو اس میں صراحت کے ساتھ آیا: لا يُباع ولا يُوهَبُ وَلا يُورَثُ (أخرجه البخاري في الشروط، باب الشروط في الوقف، برقم: 2737، في الوصايا، باب الوقفِ كَيْفَ يُكتب؟، برقم: 2772، ومسلم في الوصية، باب الْوَقْفِ، برقم: 15 - (1632)، والترمذي في الأحكام، باب في الوقف، برقم: 1375، وقال: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صحيح)، یعنی نہ اس کو بیچا جائے گا، نہ ہی اس کو ہبہ کیا جائے گا اور نہ ہی اس میں میراث جاری ہوگی۔

ان ہی نصوص کی روشنی میں فقہاء کرام خصوصیت کے ساتھ ائمہ اربعہ اوران کے متبعین کے نزدیک مسجد کی زمین وقف ہوجانے کے بعد وہ ہمیشہ کے لئے وقف ہوجاتی ہے، دوبارہ نہ ہی واقف کی ملکیت میں اور نہ ہی واقف کی وفات کے بعد اس کے وارثین کی ملکیت میں عود کرتی ہے، گومسجد ویران ہوگئی ہو اور وہاں مسلم آبادی بالکل نہ رہی ہو؟ اس لئے کہ جس چیز کی بیچ اس کی منفعت کے باقی رہنے کی صورت میں درست نہیں ہوتی اس کے ویران ہونے کے بعد بھی اس کی بیچ صحیح نہیں ہوگی: جیسے کہ آزاد کردہ غلام آزادی کے بعد دوبارہ غلامیت کی طرف عود کر کے نہیں آسکتا گو اس کا آقا اس کی خدمت کا ضرورتمند ہو (دیکھئے: المغنی لابن قدامة: ۲/ ۲۵۱، ط: دار الفکر، بیروت)؛ چنانچہ مذہب حنفی کے مشہور ترجمان فقیہ صاحب ہدایہ کا بیان ہے:

وَمَنْ اتَّخَذَ أَرْضَهُ مَسْجِدًا لم يَكُنْ لَهُ أَن يَرْجِعَ فِيهِ وَلَا يَبِيعَهُ وَلَا يُورَثُ عَنْهُ) لِأَنَّهُ تَحَرَّدَ عَنْ حَقِ الْعِبَادِ وَصَارَ خَالِصًا لِلَّهِ، وَهَذَا لِأَنَّ الْأَشْيَاءَ كُلَّهَا لِلهِ تَعَالَى، وَإِذَا أَسْقَطَ الْعَبْدُ مَا ثَبَتَ لَهُ مِنَ الْحَقِّ رَجَعَ إِلَى أَصْلِهِ فَانْقَطَعَ تَصَرُّفُهُ عَنْهُ كَمَا في الإعتاق" الهداية مع الفتح: ۲/ ۲۱۹، ط: بیروت، مزید دیکھئے: بنایہ: ۷/ ۴۲۶، ۴۵۷، البحر الرائق: ۵/ ۴۲۷ ط: زکریا دیوبند)۔

علامہ حصکفیؒ لکھتے ہیں:

وَلَوْ خَرِبَ مَا حَوْلَهُ وَاسْتُغْنِيَ عَنْهُ يَبْقَى مَسْجِدًا عِنْدَ الْإِمَامِ وَالثَّانِي أَبَدًا إلى قيام السَّاعَةِ (وَبِهِ يُفْتِي) حاوي القدسي (الدر المختار مع الرد: ۶/ ۵۴۸، ط: زکریا)۔

فتاوی سراجیہ میں لکھا ہے: "استبدال الوقف جائز مالم یکن مسجداً (فتاوی سراجیہ، ص: ۹۳)۔

مالکیہ کی مختلف معتبر ومعتمد علیہ کتب فقہ کی تصریحات ملاظہ ہوں:

"وَأَمَّا هِيَ فَقَدْ ارْتَفَعَ مِلْكُهُ عَنْهَا قَطْعًا، قَالَ فِي الذخيرة لاتفاقِ الْعُلَمَاءِ عَلَى أَنَّهَا مِنْ بَابِ إِسْقَاطِ الْمِلْكِ كالعتق" (الشرح الكبير للشيخ الدردير وحاشية الدسوقي (باب) فِي أَحْكَامِ الْوَقْفِ: ۴/ ۹۵)

منح الجلیل شرح خلیل میں ہے:

" فَلَا مِلْكَ لِمَخْلُوقٍ فِيهَا لِقَوْلِهِ تَعَالَى (وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لله) وَلِإِقَامَةِ الْجُمُعَةِ فِيهَا وَهِيَ لَا تُقام في مملوك في قَوَاعِدِ الْمُقْرِي وَقْفُ الْمَسَاجِدِ إسقاط ملك إجماعا " (منح الجليل شرح خليل، باب في بيان أَحْكَامِ الْوَقْفِ وَمَا يَتَعَلَّقُ به: ۸/ ۱۳۶، ۱۶۷)۔

علامہ قرطبی مالکی نے لکھا ہے:

" لا يَجُوزُ نَقض الْمَسْجِدِ وَلا بَيْعُهُ وَلَا تَعْطِيلُهُ وَإِن خَرِبَتِ الْمَحَلَّة " (الجامع لأحكام القرآن: ۲/ ۷۸)

علامہ ابن قدامہؒ کا بیان ہے:

"أن المساجد لا تباع وإنما تنقل آلتها" (المغنی: ۲/ ۲۵۱، ط: دار الفکر بیروت).

امام نووی شافعی رقمطراز ہیں:

" وإن وقف مسجدا فخرب المكان وانقطعت الصلاة فيه، لم يعد إلى الملك، ولم يجز له التصرف فيه، لان ما زال الملك فيه الحق الله تعالى لا يعود إلى الملك بالاختلال كما لو أعتق عبدا ثم زمن المجموع شرح المهذب للنووی: ۱۵/۳۶۰)

فقہاء حنابلہ نے لکھا ہے:

"لا تباع المساجد لكن تنقل آلتها إلى مسجد آخر (العدة شرح العمدة: ۳۱۳/۱، نیز دیکھئے: المغنی لابن قدامہ: ۲/ ۲۵۱، ط: دار الفکر، بیروت)۔

اب رہی مسجدیت یعنی شرعی مسجد کی بات تو شرعی نقطہ نظر سے جس زمین کو مسجد کے لئے وقف کی گئی ہو، وقف کے بعد وہ مسجد کے لئے ہوگئی اور اس پر اللہ کی ملکیت ثابت ہوگئی؛ البتہ ایک مرتبہ بھی اس جگہ مسجدیت کی نیت سے نماز با جماعت ادا کر لی گئی تو وہ مسجدیت کے حکم میں ہوگئی اور ہمیشہ کے لئے ہوگئی، اسے بیچنے وھبہ کرنے اور اس میں میراث جاری ہونے کی بات تو دور کی رہی اسے کسی اور زمین سے نہ بدلی جاسکتی اور نہ ہی اسے کسی اور جگہ منتقل کی جاسکتی:

البحر الرائق کی کی شرح میں ہے:

(قَوْلُهُ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ يَزُولُ مِلْكُهُ بِقَوْلِهِ جَعَلْتُهُ مَسْجِدًا يَعْنِي وَبِالصَّلَاةِ فِيهِ، فَفِي الذَّخِيرَةِ مَا نصه وبالصَّلَاةِ بِجَمَاعَةٍ يَقَعُ التسليم بلا خلافٍ حَتَّى إنَّهُ إذَا بَنَى مَسْجِدًا وَأَذِنَ لِلنَّاسِ بِالصَّلَاةِ فِيهِ جَمَاعَةً فَإِنَّهُ يَصِيرُ مَسْجِدًا" (منحة الخالق على البحر الرائق: ۵/ ۴۱۶، ط: دار الكتب العلميه، بيروت)- وَعَنْ مُحَمَّدٍ تُشْتَرَطُ الصَّلَاةُ بِالجَمَاعَةِ لِأَنَّ الْمَسْجِدَ مَبْنِي لِذَلِكَ فِي الْغَالِبِ وَصَحَّحَهَا الزيلعي تَبَعًا لِمَا في الخانية لِأَنَّ قَبْضَ كُلِّ شَيْءٍ وَتَسْلِيمَهُ يَكُونُ بِحَسَبِ مَا يَلِيقُ بِهِ وَذَلِكَ فِي الْمَسْجِدِ بِأَدَاءِ الصَّلَاةِ بِالْجَمَاعَةِ أَمَّا الْوَاحِدُ يُصَلِّي فِي كُلِّ مَكَان. (البحر الرائق لابن نجيم المصری: ۵/ ۴۱۶، فصل فی احکام المساجد، نیز دیکھئے: فتح القدیر: ۶/ ۲۱۷، کتاب الوقف، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت).

خلاصۂ کلام مسجد کی حیثیت کو بدلنا درست نہیں ہے، جو ایک بار کسی جگہ کو مسجد کے لئے وقف کیا گیا اور وہاں ایک بار جماعت کے ساتھ نماز پڑھ لی گئی تو وہ اب ہمیشہ کے لئے مسجد ہوگئی، اس کی حیثیت نہیں بدلی جاسکتی۔

۳۔استبدال وقف:

وقف کے باب میں چند باتیں بڑی اہم ہیں:

ایک مسجدیت کی تبدیلی اور منتقلی کا حکم ہے تو اوپر بات آچکی ہے کہ مسجد کے لئے ابدیت وہمیشگی اور لوگوں کے آنے کی عام اجازت ہونا ضروری ہے، ایسی صورت میں اس کی تبدیلی، کسی اور جگہ اس کی منتقلی اور اس کی خرید و فروخت صحیح نہیں ہوگی اور نہ ہی اس کی حیثیت کو بدلنا درست ہوگا، ہاں اس پر کوئی چیز وقف کی گئی ہو جس کی حیثیت مسجد کی ملکیت کی ہو، مسجدیت کی نہ ہو تو اس میں ایک گونا تبدیلی کی گنجائش ہے ''**استبدال الوقف جائز ما لم یکن مسجدا**''. (فتاوی سراجیہ، ص: ۹۳)۔

واقف کی شرط: فقہ اسلامی میں واقف کی شرط کو اس کے موجب پر عمل کے اعتبار سے شارع کی نص کا درجہ دیا گیا ہے:

''شرط الْوَاقِفِ كنص الشارع أي في وُجُوبِ الْعَمَلِ بِهِ، وَفِي الْمَفْهُومِ وَالدَّلالة'' (الأشباه والنظائر لابن نجيم المصري: 1/163، كتاب الوقف)

اس لئے واقف کی شرط کی رعایت اور اس کا پاس ولحاظ کیا جانا ضروری ہوگا بشرطیکہ اس میں خلاف شرع بات نہ ہو؟ کیونکہ اللہ کے رسول نے ارشاد فرمایا:

''الْمُسْلِمُونَ عِندَ شُرُوطِهِمْ، إِلَّا شَرْطاً حَرَّمَ حَلَالًا أَوْ أَحَلَّ حَرَامًا'' (سنن ترمذی، أبواب الأحكام، بَابُ مَا ذُكِرَ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الصلح بينَ النَّاسِ'' حدیث نمبر: ۱۳۵۲، امام ترمذی کا بیان ہے: یہ حدیث حسن صحیح ہے، سنن دارقطنی، کتاب البیوع، حدیث نمبر: ۲۸۹۲)

دوسری بات وقف کی مصلحت ومقصد، اس سے مراد وقف کی جائیداد کو باقی رکھنا، اس کو زیادہ سے زیادہ ثمر آور اور نفع بخش بنانا اور اس کو تقویت پہونچانا اور اس کی منفعت کو مقررہ مصارف پر خرچ کیا جانا؟ اسی وجہ سے حدیث پاک میں کہا گیا:

''لا يُبَاعُ وَلَا يُوهَبُ وَلَا يُورث'' (أخرجه البخاري في الشروط، باب الشروط في الوقف، برقم: 2737، في الوصايا، باب الوَقْفِ كَيْفَ يُكْتَبُ، برقم: 2772، ومسلم في الوصية باب الْوَقْف، برقم: 15 - (1632)، والترمذي في الأحكام، باب في الوقف، برقم: 1375، وقال: هذا حديثٌ حَسَنٌ صَحِيح)

یعنی نہ اس کو بیچا جائے گا، نہ ہی اس کو ہبہ کیا جائے گا اور نہ ہی اس میں میراث جاری ہوگی۔

ظاہر ہے کہ استبدال وقف کا تعلق آخر الذکر دونوں باتوں سے ہے؛ اس لئے کہ واقف اگر استبدال کی شرط

اپنی ذات کے لئے یا کسی اور متعلقہ شخص جیسے متولی کے لئے لگاتا ہے تو درست ہے، اور اسے اس وقف میں تبدیل کا حق حاصل ہوگا؛ کیونکہ یہ ایک جائز اور معتبر شرط ہے، اور وقف کی حفاظت اور اس کی نافعیت کی بقا مقصود ہے؛ البتہ قاضی سے اجازت لینا ضروری ہوگا:

" إذا شرط الاستبدَالَ لِنَفْسِهِ فِي أَصْلِ الْوَقْفِ أَنَّ الشَّرْطَ وَالْوَقْفَ صَحِيحَانِ وَيَمْلِكُ الاسْتِبْدَال (البحر الرائق: 5 / 229)."الصحيح رواية ودراية جواز الاستبدال . منحة الخالق على البحر الرائق: (5 / 229)، " إلا بإذن القاضي ... إلا بإذن الحاكم (فتح القدير : ۲ / ۲۱۲، ۲۲۸، نیز دیکھئے: فتاوی ابن نجیم بهامش الغياثية، ص: ۸۷)۔

اگر استبدال کی شرط نہ لگائی گئی ہو تو واقف اور متولی وقف کے لئے استبدال جائز نہیں ہوگا، جیسا کہ حدیث پاک ''لا يُبَاعُ وَلَا يُوهَبُ ولا يُورث'' سے معلوم ہوتا ہے؛ لیکن وقف کی حفاظت وصیانت اور اس کی نافعیت استبدال وقف پر موقوف ہو جائے تو استبدال کی اجازت ہوگی؟ کیونکہ حدیث پاک میں وقف کی خرید وفروخت وغیرہ سے جو روکا گیا ہے، اس کا مقصد وقف کی حفاظت وبقا ہے، اس کو کارآمد اور نفع بخش بنائے رکھنا ہے، اور جب اس کی حفاظت وبقا ممکن نہ ہو یا اس کی نافعیت بالکل ختم ہو چکی ہو، یا بہت کم ہو، تو وقف کا مقصد فوت ہو چکا ہے، ایسی صورت میں کہا جا سکتا ہے کہ خود صاحب وقف کی جانب سے معنی اور دلالۃً استبدال کی اجازت متصور ہوگی، اسی بنیاد پر علامہ ابن ھمام نے لکھا ہے کہ اگر استبدال کے بغیر وقف سے نفع اٹھانا ہی ممکن نہ ہو، تو اس صورت میں بالاتفاق استبدال جائز ہے: " فينبغي أن لا يختلف فيه " (فتح القدير: ٦ / ۲۱۲، ط: دار الكتب العلميه بيروت، نیز دیکھئے: فتح القدير: ٦ / ۲۲۰، البحر الرائق: ۵ / ۴۲۲)

اگر موقوفہ جائیداد فی الجملہ قابل انتفاع ہے؛ لیکن استبدال وقف کے ذریعہ اس کی نافعیت میں مزید اضافہ اور اس کو زیادہ نفع بخش بنایا جا سکتا ہے، تو علامہ حصکفی امام ابو یوسفؒ کے قول پر تفریع کرتے ہوئے اس صورت میں بھی استبدال وقف کی اجازت دی ہے:

الرَّابِعَةُ: أَنْ يَرْغَبَ إِنْسَانٌ فِيهِ بِبَدَلٍ أَكْثَرَ غَلَّةً، وَأَحْسَنَ صُقعًا فَيَجُوزُ عَلَى قَوْلِ أَبِي يُوسُفَ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى كَمَا فِي فَتَاوَى قَارِي الهداية (الدر المختار ورد المحتار: 6/588، ط: زكريا ديوبند)

یہاں اس بات کا تذکرہ بے جا نہ ہوگا کہ موقوفہ جائیداد کی نافعیت میں مزید اضافہ اور اس کو نفع بخش بنانے کی غرض سے بہت سارے فقہاء نے استبدال وقف سے روکا اور ناجائز قرار دیا ہے؛ چنانچہ ایسی صورت میں علامہ ابن ھمام نے استبدال کو ناجائز قرار دیا، علامہ بیری شارح اشتباہ نے اس رائے کی تصویب کی، صدر الشریعہ اور بعض اہل علم نے اس پر فتوی دیا ہے، شمس الائمہ حلوائی اور شمس الائمہ سرخسی کا بھی یہی فتوی ہے۔ (دیکھئے: ردالمحتار: ٦ / ۵۸۸۔

۶۸۹)۔

ان حضرات فقہاء کرام کا اساسی مقصد وقف جائیداد کی حفاظت و بقا ہے؛ تاکہ معمولی بہانہ سے لوگ وقف جائیداد کو ہڑپ نہ جائیں:

"وَفِي شَرْحِ الْوِقَايَةِ أَنَّ أَبَا يُوسُفَ يُجوز الاسْتِبْدَالَ فِي الْوَقْفِ مِنْ غَيْرِ شَرْطٍ إِذَا ضَعُفَتْ الْأَرْضُ مِنْ الريع وَنَحْنُ لَا نُفْتِي بِهِ وَقَدْ شَاهَدْنَا فِي الاسْتِبْدَالِ مِنْ الْفَسَادِ مَا لَا يَعُدُّ وَلَا يُحْصَى فَإِنَّ ظَلَمَةَ الْقُضَاةِ جَعَلُوهُ حِيلَةً إلَى إبْطَالِ أَكْثَرِ أَوْقَافِ الْمُسْلِمِينَ وَفَعَلُوا مَا فَعَلُوا، وفي الذخيرة سئل شمسُ الْأَئِمَّةِ الْحُلْوَانِي عَنْ أَوْقَافِ الْمَسْجِدِ إذَا تَعَطَّلَتْ وَتَعَذَّرَ اسْتِغْلَالُهَا هَلْ لِلْمُتَوَلِي أَنْ يَبِيعَهَا وَيَشْتَرِي مَكَانَهَا أُخرى؟ قال :نعم !قيل إن لم تتعطل ولكن يُؤْخذ بِثَمَنها ما هو خَيْرٌ مِنْهَا هَلْ لَهُ أَنْ يَبِيعَهَا؟ قَالَ: لا. وَمِنْ الْمَشايخ من لم يجوز بَيْعَهُ تَعَطَّلَ أَو لَمْ يَتَعَطَّلْ وَكَذَا لَمْ يُجوز الاسْتِبْدَال بِالْوَقْفِ وَهَكَذَا فَتْوَى شَمْسِ الْأَئِمَّةِ السَّرَخْسِي (البحر الرائق: ۵/ ۲۲۳)، اسی طرف مالکیہ

(لا عَمَّارٍ) حُبِّسَ مِنْ دُورٍ وَحَوَانِيتَ وَحَوَائِطَ وَرَبْعٍ فَلَا يُبَاعُ لِيُسْتَبْدَلَ بِهِ غَيْرُه (الشرح الكبير وحاشية الدسوقي: 4/ 91) اور حنابلہ " وإن لم تتعطل مصلحة الوقف بالكلية لكن قلت وكان غيره أنفع منه وأكثر رداً على أهل الوقف، لم يجز بيعة (المغني لابن قدامة: 6/ 253، ط: دار الفكر - بيروت)

کا رجحان ہے اور سوچ یہ ہے کہ عدم استبدال کی صورت میں وقف جائیداد کا نفع کچھ تو آتا رہے گا اور وقف جائیداد محفوظ رہے گی، تو ہوسکتا ہے کہ انقلاب زمانہ اور حالات کے کروٹ لینے کی صورت میں کم نفع والی جائیداد کے اچھے دن آجائیں اور اس کی منفعت بڑھ جائے۔

معلوم ہوا کہ جن فقہاء کرام نے زیادہ آمدنی و نفع کے لئے استبدال کو ناجائز قرار دیا ہے دراصل وقف کی حفاظت ہی کے لئے، اور اپنے زمانے کے غیر دیندار ظالم قضاہ کا شکوہ کیا ہے، ایسی صورت حال میں استبدال کو قاضی الجنۃ یعنی دیندار، متقی و پرہیزگار صاحب علم کی اجازت سے مقید کردیا جائے، جیسا کہ علامہ ابن عابدین شامی نے اس کی صراحت کی ہے:" (ردالمحتار: ۲/ ۵۸۸-۵۸۹) تو وقف ضائع ہونے سے محفوظ رہے گا اور اس کا مقصد ''وقف کا نفع جاری رہنا'' پورا ہوتا رہے گا۔

۴-قدیم مسجد کو شہید کرکے اس کے اوپر کسی منزل کو تعلیم گاہ اور اس کے اوپر رہائش گاہ بنانا:

اصولی طور پر مسجدیت یعنی مسجد شرعی کے اندر جس طرح رہائش گاہ بنانا درست نہیں ہے اسی طرح اس کی چھت پر بھی رہائش گاہ تعمیر کرنا صحیح نہیں ہے؛ اس لئے کہ مسجد کے اندر کی طرح اس کی چھت بھی مسجد کے حکم میں ہے بلکہ مسجد

شرعی کی جگہ اندورن زمین تا آسمان مسجد کے حکم میں ہے؛

" مَسْجِدٌ إِلَى عَنانِ السَّمَاء بفتح الْعَيْنِ، وَكَذَا إلى تحت الثرا (الدر المختار ورد المحتار : 1 / 656)):1/٦٥٦)،

اس کی نظیر خانہ کعبہ ہے کہ خانہ کعبہ زمین تا آسمان کا نام ہے، اس کی بلڈنگ کا نہیں؛ کیونکہ بلڈنگ تو منتقل کی جاسکتی ہے زمین نہیں یہی وجہ ہے اگر خانہ کعبہ کا ملبہ یا صحیح سالم پوری بلڈنگ ہی مشین کے ذریعہ کسی اور جگہ منتقل کر دی گئی تو اس کی طرف رخ کر نماز پڑھنے سے نماز درست نہیں ہوگی، جبکہ خانہ کعبہ کی جگہ عمارت نہ ہو صرف کھلی فضا ہو تو اس کی طرف رخ کر نماز پڑھی جائے تو درست ہے۔

(البحر الرائق، بَابُ الصَّلَاةِ فِي الكعبة:2/215، البناية شرح الهداية، حكم من اشتبهت عليه القبلة :145/2)

لہذا پرانی مسجد شرعی کو شہید کر کے از سر نو تعمیر ہو، تو اس میں اوپر کی کسی منزل میں طلبہ کے لئے رہائش گاہ بنانا مکروہ تحریمی نادرست ہوگا؛ کیونکہ اس طرح رہائش گاہ کے باقاعدہ نظم سے مسجد کی حرمت متاثر ہوگی؛ اس لئے کہ ظاہر ہے کہ باضابطہ قیام کی صورت میں گاہے بگاہے بالغ بچے جنبی ہونگے اور اگر چھوٹے بچے ہونگے تو وہ آداب مسجد سے آشنا ہونے کی وجہ سے مسجد کو کھیل کود کا میدان بنائیں گے اور کبھی کبھار مسجد کو پراگندہ بھی کریں گے، جبکہ مسجد کو نجاست سے پاک رکھنا اور اس کا احترام واجب ہے؟ اس لئے کہ اللہ تعالی نے فرمایا:

"أَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ"[بقرہ:۱۲۵]"

(اور ہم نے ابراہیم واسماعیل سے وعدہ کیا تھا کہ میرے گھر کو طواف، اعتکاف اور رکوع وسجدہ کرنے والوں کے لئے خوب پاک رکھا کرو)۔ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجدوں کو بچوں، پاگلوں، خرید وفروخت، مقدمات، چیخ وپکار، حدوں کو قائم کرنے اور تلواروں کو بے نیام کرنے سے پاک رکھو، فرمایا

(ابن ماجه، المساجد والجماعات، بَابُ مَا يُكْرَهُ فِي الْمَسَاجِدِ، حديث نمبر: ۷۵۰، معجم طبرانی كبير، حديث نمبر: ۷۶۰۱)

اسی وجہ سے فقہاء نے لکھا ہے کہ مسجد کی چھت پر جنبی، حائضہ اور نفساء کے لئے ٹھہرنا حلال نہیں ہے۔ (تبیین الحقائق، بَابُ الْوِتْرِ وَالنَّوَافِلِ :۱/ ۱۶۸)۔ نیز فقہاء نے لکھا ہے کہ مسجد کی چھت پر بول وبراز کرنا مکروہ تحریمی ہے:

"(وَ) كُرِهَ تَحْرِيمًا (الْوَطْءُ فَوْقَهُ، وَالْبَوْلُ وَالتَّغَوُّطُ) لِأَنَّهُ مَسْجِدٌ إِلَى عَنَانِ السَّمَاءِ. (الدر المختار ورد المحتار: 656/11)

نیز چونکہ مسجد شرعی کی جگہ زمین سے آسمان تک مسجد ہوتی ہے؛ اس لئے مسجد کی کسی ایک منزل اور اس سے زائد

منزلوں کو رہائش گاہ بنانا مسجدیت کے مغایر عمل ہے، اور نیز مسجد کی تعمیر کا اساسی مقصد اللہ کی عبادت اور اس کی تسبیح وتحمید وغیرہ بیان کرنا جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا، ان میں سے رہائش گاہ نہیں ہے۔

جہاں تک مسجد کی بعض منزلوں پر دینی تعلیم کے نظم کی بات ہے، تو بعض شرطوں کے ساتھ اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے اور وہ یہ ہیں، چھوٹے بے سمجھ بچوں کو مسجد میں آنے نہ دیا جائے، اسی طرح مسجد کے احکام وآداب واحترام کا پورا خیال رکھا جائے جیسا کہ اوپر اس کی طرف اشارہ کیا گیا۔ جہاں تک گنجائش کی بات ہے تو حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے لوگوں کے ساتھ طلوع شمس تک بیٹھنے کو پسند فرمایا جو اللہ کو یاد اور ان کا ذکر کرتے ہیں:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: » لَأَنْ أَقْعُدَ مَعَ قَوْمٍ يَذْكُرُونَ اللَّهَ تَعَالَى مِنْ صَلَاةِ الْغَدَاةِ، حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ أَحَبُّ إِلَيَّ، مِنْ أَنْ أَعْتِقَ أَرْبَعَةً مِنْ وَلَدِ إِسْمَاعِيلَ وَلَأَنْ أَقْعُدَ مَعَ قَوْمٍ يَذْكُرُونَ اللَّهَ مِنْ صَلَاةِ الْعَصْرِ إِلَى أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَعْتِقَ أَرْبَعَةً « (ابو داؤد، کتاب العلم، حدیث نمبر: ۳۶۶۷)۔

ملا علی قاریؒ نے ذکر اللہ میں دعاء، تلاوت، علمی مذاکرہ اور صالحین کے تذکرہ کو شمار کرایا ہے (مرقاۃ المفاتیح: ۳/ ۴۴، باب الذکر بعد الصلاۃ، الفصل الثانی)

نیز انہوں نے لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے مسجد میں تعلیم دینے اور علمی بحث کو جائز قرار دیا ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح ۳/ ۴۴، باب الذکر بعد الصلاۃ، الفصل الثانی)۔ علامہ ابن نجیم مصری رقمطراز ہیں: مسجد میں درس وتدریس جائز ہے "ویجوز الدرس في المسجد" (البحر الرائق: ۵/ ۴۱۹، ط: دار الکتب العلمیۃ - بیروت)۔

۵- مسجد کے نیچے دکانیں اور اوپر امام ومؤذن کی رہائش گاہیں:

اوپر ذکر کردہ بنیادی اصولی باتوں کی روشنی میں اس سوال کا جواب واضح ہے کہ اگر مسجد نمازیوں کے لئے تنگ پڑ رہی ہو یا بوسیدہ ہوگئی ہو تو اس کو منہدم کرنا درست ہے؛ تاکہ مسجد کشادہ ہوجائے اور نمازیوں کے لئے کافی ہوجائے اور مضبوط ہو، (دیکھئے: فتح القدیر: ۶/ ۲۱۹، ط: دار الکتب العلمیۃ - بیروت، البحر الرائق: ۵/ ۴۲۰، ط: دار الکتب العلمیۃ - بیروت، ردالمحتار: ۶/ ۵۴۶، ط: زکریا دیوبند)۔ جہاں تک رہی بات کہ مسجد کو منہدم کرکے اسے چند منزلہ عمارت بنادی جائے جس میں نیچے منزل میں دکانیں بنادی جائیں؛ تاکہ آمدنی کا ذریعہ ہو اور اوپر کی منزل جماعت گاہ ہو تو اوپر کی منزل جماعت گاہ کے لئے درست ہے؛ کیونکہ وہ مسجد ہی ہے؛ لیکن نیچے منزل میں دکانیں بنانا تاکہ آمدنی کا ذریعہ ہو، تو ایسا کرنا شرعاً صحیح نہیں ہے، گو آنے والی آمدنی مسجد کے مصالح میں ہی خرچ ہو؛ اس لئے جو جگہ مسجد کے لئے خاص ہوجاتی ہے تو نیچے زمین سے آسمان تک مسجد ہوتی ہے، تو اس جگہ کو خواہ نیچے کی منزل ہو یا اوپر کی کوئی منزل ہو،

دکان، اسٹور روم یا ایسے کام کے لئے استعمال صحیح نہیں ہوگا جس سے اجرت حاصل کی جائے:

"فَمَنْ بَنَى بَيْتًا عَلَى جِدَارِ الْمَسْجِدِ وَجَبَ هَدْمُهُ وَلَا يَجُوزُ أَخْذُ الْأُجْرَةِ وَفِي الْبَزَّارِيَّةِ وَلَا يَجُوزُ لِلْقَيِّمِ أَنْ يَجْعَلَ شَيْئًا مِنْ الْمَسْجِدِ مُسْتَغَلًّا وَلَا مَسْكَنًا". (البحر الرائق: 5/(421)؛

بلکہ فقہاء نے یہاں تک لکھا ہے کہ مسجد کی دیوار کو دکان کی دیوار کے طور پر استعمال کرنا اور اس پر دکان کی چھت ڈالنا درست نہیں ہے:

"وَلَا يُوضَعُ الْجِذْعُ عَلَى جِدَارِ الْمَسْجِدِ وَإِنْ كَانَ مِنْ أَوْقَافِهِ". (البحر الرائق: ۵/ ۴۱۹، نیز دیکھئے: ردالمحتار:: ۳/ ۳۸۲) وَفِي الْمُجْتَبَى لَا يَجُوزُ لِلْقَيِّمِ الْمَسْجِدِ أَنْ يَبْنِيَ حَوَانِيتَ فِي حَدِ الْمَسْجِدِ أَوْ فنائه. (البحر الرائق: 5/418)؛

اس لئے کہ مسجد خالص اللہ کے لئے ہوتی ہے:

"وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا" (جن: ۱۸)

اس وجہ سے اس سے انتفاع جائز نہیں ہوگا۔

"لأنه جعل خالصا لله تعالى ولهذا لا يجوز الانتفاع به" (هدايه مع الفتح: ۲/۱۹۲)۔

جہاں تک یہ سوال کہ جماعت گاہ کی منزل سے اوپر امام ومؤذن کے لئے ایسے حجرے بنائے جاسکتے ہیں جہاں وہ تنہا یا فیملی کے ساتھ قیام کرسکیں؟ اگر پہلے سے اس جگہ مسجد نہ بنی ہو بلکہ پہلی بار مسجد کی تعمیر ہورہی ہے تو ابتداء تعمیر میں امام ومؤن کے لئے جماعت گاہ کی منزل سے نیچے یا اوپر تعمیر کی جائے تو یہ صورت جائز ہے؛ لیکن اگر اس جگہ پہلے سے مسجد بنی ہو، اس کو منہدم کرکے تعمیر نو ہورہی ہو تو ایسی صورت میں جائز نہیں ہوگا۔ علامہ حصکفی نے فتاوی تاتار خانیہ کے حوالہ سے لکھا ہے:

"لو بَنَى فَوْقَهُ بَيْتا لِلْإِمَامِ لَا يَضُرُّ لِأَنَّهُ مِنْ الْمَصَالِحِ، أَمَّا لَوْ تَمَّتْ الْمَسْجِدِيَّةُ ثُمَّ أَرَادَ الْبِنَاءَ مُنِعَ، وَلَوْ قَالَ عَنَيْت ذَلِكَ لَمْ يُصَدَّقْ تَتَارْ خَانِيَّةْ، فَإِذَا كَانَ هَذَا فِي الْوَاقِفِ فَكَيْفَ بِغَيْرِهِ فَيَجِبُ هَدْمُهُ" (الدر المختار مع الرد: 6/548).

اسی تفصیل کے ساتھ حنابلہ کا مذہب بھی یہی ہے، فقہاء حنابلہ میں سے علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں:

"أما بعد كونه مسجدا لا يجوز جعله سقاية ولا حوانيت". (المغنی: ۲/ ۲۵۴، ط: دار الفكر بيروت).

کیونکہ وہ پہلے سے مسجد شرعی ہے، منہدم کرنے کے بعد مسجد شرعی کی حیثیت ختم نہیں ہوتی ہے بلکہ باقی رہتی ہے، اور یہ بات معلوم ہے کہ مسجد شرعی کی جگہ زمین سے آسمان تک مسجد ہوتی ہے؛ لہذا جس طرح مسجد شرعی کے اندر امام ومؤذن کے لئے رہائش گاہ تعمیر کرنا صحیح نہیں ہے، اسی طرح مسجد کی چھت پر بھی رہائش گاہ بنانا جائز نہیں؛ چونکہ اس

سے مسجد شرعی کی بے حرمتی ہوگی؟ اس لئے کہ ظاہر ہے کہ فیملی کے ساتھ باضابطہ قیام کی صورت میں چھوٹے بچے آداب مسجد سے نا آشنا ہونے کی وجہ سے مسجد کو کھیل کود کا میدان بنائیں گے اور کبھی کبھار مسجد کو پراگندہ بھی کریں گے، جبکہ مسجد کو نجاست سے پاک رکھنا اور اس کا احترام واجب ہے؛ اس لئے کہ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:

"أَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ" [بقرہ: ۱۲۵]

نیز بیوی میاں کے درمیان ہم بستری ہوگی اور عورتیں حائضہ ونفساء ہونگی کھانا پکانا اور غسل کرنا وغیرہ ہونگے، جو ایک مسجد شرعی کی شان وحرمت اور اس کی عظمت کے خلاف ہے۔

خلاصۂ جواب: اوپر ذکر کردہ تصریحات وتوضیحات کی روشنی میں اس کا جواب واضح ہے کہ اگر اس جگہ پہلے سے مسجد نہ ہو بلکہ ابھی نئی مسجد بن رہی ہو تو ابتداء تعمیر میں اس طرح کا کام کیا جاسکتا ہے کہ نیچے بیسنٹ میں پارکنگ ہو اور اوپر مسجد ہو، اس لئے کہ ابھی مسجد شرعی نہیں بنی ہے، مسجد شرعی بننے کے بعد ایسا کرنا درست نہیں ہوگا؛ لہذا مسجد شہید کر کے ایسی کوئی شکل نکالنا کہ نیچے بیسمنٹ میں پارکنگ ہو اور اوپر مسجد ہو؛ تاکہ نمازیوں کی گاڑیوں کے ٹھہرانے کا نظم ہو، کی شرعا کوئی گنجائش نہیں ہوگی؛ مسجد شرعی کی جگہ زمین تحت الثری سے آسمان تک ہوتی ہے، اور مسجد شرعی میں ایسا کوئی تصرف کرنا خواہ وہ مسجد کے نیچے ہو یا اس کے اوپر جو مسجدیت یعنی مسجد شرعی کے احترام وعظمت اور اس کی تعمیر کے مقصد کے خلاف ہو، جائز نہیں، جیسا کہ اوپر تفصیل سے بیان آچکا ہے۔

۷۔ جماعت گاہ کے اوپر کی منزل تعلیم گاہ ہو اور وہ کرایہ پر ہو اور نیچے بیسمنٹ پارکنگ:

جواب: اگر اس جگہ پہلے سے مسجد نہ ہو بلکہ ابھی نئی مسجد بن رہی ہو تو ابتداء تعمیر میں اس طرح کا کام کیا جاسکتا ہے کہ نیچے بیسمنٹ میں پارکنگ ہو اس کے اوپر جماعت گاہ ہو اور جماعت گاہ کے اوپر جزء وقتی درسگاہ ہو، یعنی مسلم بچوں کی تعلیم وتربیت کا نظم ہو، تو ایسا کرنا درست ہے اور بچوں سے تعلیمی فیس بھی لی جاسکتی ہے؟ کیونکہ ابھی مسجد شرعی نہیں بنی ہے، ہاں! مسجد شرعی بننے کے بعد ایسا کرنا درست نہیں ہوگا؛ یعنی اگر قدیم مسجد ہے اسے شہید کردی جائے اور اردگرد کی جگہیں بھی لے لی جائیں اور چند منزلیں بنادی جائیں، جن میں بیسمنٹ میں پارکنگ ہو، اس کے اوپر جماعت گاہ اور اس کے اوپر جزء وقتی درسگاہ ہو۔ یعنی مسلم بچوں کی تعلیم وتربیت کا نظم ہو اور بچوں سے تعلیمی فیس بھی لی جائے؛ تاکہ اساتذہ کی تنخواہ کے علاوہ مسجد کے مصالح پر صرف ہو، یعنی درسگاہ کی منزل کرایہ پر ہو اور یہ آمدنی مصالح مسجد پر صرف ہو، تو ایسا کرنا شرعا صحیح نہیں ہوگا۔

اس لئے کہ مسجد شرعی کی جگہ زمین تحت الثری سے آسمان تک ہوتی ہے، اور مسجد شرعی میں ایسا کوئی تصرف کرنا خواہ وہ مسجد کے نیچے ہو یا اس کے اوپر جو مسجدیت یعنی مسجد شرعی کے احترام وعظمت اور اس کی تعمیر کے مقصد کے خلاف ہو، جائز نہیں، اور بات ظاہر ہے کہ پارکنگ بنانا مسجد شرعی کی عظمت واحترام اور اس کے تقدس کے خلاف ہے،

دوسرے الفاظ میں اس میں مسجد کی اہانت و بے حرمتی لازم آئے گی، جو ایک مکروہ تحریمی عمل ہے۔

دوسری بات مسجد کی ایک منزل کو بچوں کی تعلیم و تربیت کے لئے مختص ہو اور وہ کرایہ پر ہو، تو ایسا کرنا درست اس لئے نہیں ہوگا کہ مسجد شرعی آمدنی کا ذریعہ نہیں ہے، کیونکہ یہ مسجد شرعی کے مقصد کے خلاف ہے؛ اسی لئے فقہاء نے واضح لفظوں میں لکھا ہے کہ ایسے کام کے لئے استعمال صحیح نہیں ہوگا جس سے اجرت حاصل کی جائے:

"وَلَا يَجُوزُ أَخْذُ الْأُجْرَةِ وَفِي الْبَزَّازِيَّةِ وَلَا يَجُوزُ لِلْقَيِّمِ أَنْ يَجْعَلَ شَيْئًا مِنَ الْمَسْجِدِ مُسْتَغَلًّا وَلَا مَسْكَنًا.

(البحر الرائق: 5/(421)

بلکہ فقہاء نے یہاں تک لکھا ہے کہ مسجد کی دیوار کو دکان کی دیوار کے طور پر استعمال کرنا اور اس پر دکان کی چھت ڈالنا درست نہیں ہے:

"وَلَا يُوضَعُ الْجِذْعُ عَلَى جِدَارِ الْمَسْجِدِ وَإِنْ كَانَ مِنْ أَوْقَافِهِ" (البحر الرائق: ۵/ ۴۱۹، نیز دیکھئے: رد المحتار:: ۳/ ۳۸۲)

اس لئے کہ مسجد خالص اللہ کے لئے ہوتی ہے۔

"وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا" (جن: ۱۸)

اس وجہ سے اس سے انتفاع جائز نہیں ہوگا۔

"لأنه جعل خالصا لله تعالى ولهذا لا يجوز الانتفاع به (هدايه مع الفتح: ۲/۱۹۲).

۸- اپارٹمنٹ کا ایک حصہ مسجد شرعی یا جماعت گاہ:

یہ جماعت گاہ ہے، جس کو عربی میں مسجد بیت کہا جاتا ہے، مسجد شرعی نہیں ہے:

"لا يُكْرَهُ الْوَطْءُ وَالْبَوْلُ وَالتَّخَلِّي فَوْقَ بَيْتٍ فِيهِ مَسْجِدٌ وَالْمُرَادُ مَا أُعِدَّ لِلصَّلَاةِ، لِأَنَّهُ ثُمَّ يَأْخُذُ حُكْمَ الْمَسْجِدِ" (تبيين الحقائق: ۱/ ۱۶۸، باب الوتر والنوافل)۔

ہاں! اگر اپارٹمنٹ میں رہنے والے مسلمانوں نے اپارٹمنٹ کے ایک حصہ کو مسجد شرعی کی نیت سے خرید کیا تھا اور اس کے بعد مسجد شرعی کے ارادہ سے نماز باجماعت ادا کیں اور ان لوگوں نے وہاں! نماز کے لئے آنے والوں کے لئے عام اجازت دی تو وہ مسجد شرعی ہے، اس پر مسجد شرعی کے سارے احکام جاری ہونگے۔

۹- کئی منزلہ عمارت میں ایک منزل کو مسجد بنانا:

اوپر ذکر کردہ اصول کی روشنی میں سوال میں ذکر کردہ عمارت میں جو منزل مسجد متعین ہوگی، وہ مسجد شرعی کہلائے گی اور اس پر مسجد کے احکام جاری ہوں گے، بشرطیکہ اس مسجد تک پہنچنے کا راستہ ہو اور آنے کی عام اجازت ہو، اس لئے کہ مسجد شرعی بننے سے پہلے عمارت کا نقشہ تیار ہوا ہے اور ابتداء تعمیر میں یہ کام ہوا ہے، ہدایہ و فتح القدیر میں لکھا ہے:

"إِنَّ اتَّخَذَ وَسطَ دَارِهِ مَسْجِدًا وَأَذِنَ لِلنَّاسِ بِالدُّخُولِ فِيهِ ذُنَا عَامًا) ... (وَعَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّهُ لَا يُبَا عُ وَلَا يُورَثُ وَلَا يُوهَبُ اعْتَبَرَهُ مَسْجِدًا، وَهَكَذَا عَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ يَصِيرُ مَسْجِدًا؛ لِأَنَّهُ لَمَّا رَضِيَ بِكَوْنِهِ مَسْجِدًا وَلَا يَصِيرُ مَسْجِدًا إِلَّا بِالطَّرِيقِ دَخَلَ فِيهِ الطَّرِيقُ وَصَارَ مُسْتَحَقًّا كَمَا يَدْخُلُ فِي الْإِجَارَةِ مِنْ غَيْرِ ذِكْرٍ." (الهداية وفتح القدير: 218/6). وَعَنْ كُلِّ مِنْ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ أَنَّهُ يَصِيرُ مَسْجِدًا؛ لِأَنَّهُ لَمَّا رَضِيَ أَنْ يَكُونَ مَسْجِدًا وَلَمْ يَصِرْ مَسْجِدًا إِلَّا بِالطَّرِيقِ دَخَلَ فِيهِ الطَّرِيقُ وَصَارَ دَاخِلًا بِلَا ذِكْرٍ كَمَا يَدْخُلُ فِي الْإِجَارَةِ بِلَا ذِكْرٍ" (فتح القدير: 218/6، ط: دار الكتب العلمية بيروت).

حنابلہ کے یہاں بھی اس مسئلہ کی صراحت ملتی ہے، وہ بھی جائز قرار دیتے ہیں؛ چنانچہ حنبلی دبستان فقہ کے مشہور ترجمان علامہ ابن قدامہ رقمطراز ہیں:

"إذا جعل علو داره مسجدا دون سفلها، أو سفلها دون علوها صح" (المغنی: ۲۱۸/۲)۔

۱۰- زائد آمدنی کے لئے موقوفہ اراضی کو بیچ کر دکانیں خریدنا:

وقف میں اصل یہی ہے کہ جو چیز وقف ہو، وہ باقی رہے اور اس کی منفعت اہل وقف تک پہنچتی رہے، جیسا کہ حدیث پاک سے معلوم ہوتا ہے:

"يُبَا عُ وَلَا يُوهَبُ وَلَا يُورَثُ" (أخرجه البخاري في الشروط، بَابُ الشُّرُوطِ فِي الوَقْفِ، برقم: 2737 في الوصايا، باب الوَقْفِ كَيْفَ يُكْتَبُ، برقم: 2772، ومسلم في الوصية بَابُ الْوَقْفِ، برقم: 15 - (1632)، والترمذي في الأحكام، باب في الوقف، برقم: 1375، وقال: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ)

یعنی نہ اس کو بیچا جائے گا، نہ ہی اس کو ہبہ کیا جائے گا اور نہ ہی اس میں میراث جاری ہوگی۔ نیز یہاں دوسری بات قابل غور وفکر وقف کی مصلحت ومقصد ہے کہ وقف کی جائیداد کو باقی رکھنا، اس کو زیادہ سے زیادہ ثمر آور اور نفع بخش بنانا اور اس کو تقویت پہونچانا اور اس کی منفعت کو مقررہ مصارف پر خرچ کیا جانا، جیسا کہ حدیث بالا میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے؛ اسی وجہ سے اگر واقف کی جانب سے استبدال کی شرط نہ لگائی گئی ہو تو واقف اور متولی وقف کے لئے استبدال جائز نہیں ہوتا ہے، لیکن وقف کی حفاظت وصیانت اور اس کی نافعیت استبدال وقف پر موقوف ہو جائے تو استبدال کی اجازت ہوتی ہے، کیونکہ حدیث پاک میں وقف کی خرید وفروخت وغیرہ سے جو روکا گیا ہے، اس کا مقصد وقف کی حفاظت وبقا ہے، اس کو کارآمد اور نفع بخش بنائے رکھنا ہے، اور جب اس کی حفاظت وبقا ممکن نہ ہو یا اس کی نافعیت بالکل ختم ہو چکی ہو، یا بہت کم ہو، تو وقف کا مقصد فوت ہو چکا ہے، ایسی صورت میں کہا جا سکتا ہے کہ خود صاحب وقف کی جانب سے معنی اور دلالۃ استبدال کی اجازت متصور ہوگی، اس بنیاد پر علامہ ابن ہمام نے لکھا ہے کہ اگر

استبدال کے بغیر وقف سے نفع اٹھانا ہی ممکن نہ ہو، تو اس صورت میں بالاتفاق استبدال جائز ہے:

"فينبغي أن لا يختلف فيه" (فتح القدير: ۶/ ۲۱۲، ط: دار الكتب العلمية - بيروت، نیز دیکھئے: فتح القدير: ۶/ ۲۲۰، البحر الرائق: ۵/ ۴۲۲)

اگر موقوفہ جائیداد فی الجملہ قابل انتفاع ہے؛ لیکن استبدال وقف کے ذریعہ اس کی نافعیت میں مزید اضافہ اور اس کو زیادہ نفع بخش بنایا جا سکتا ہے، تو اس بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے؛ تاہم علامہ حصکفی نے امام ابو یوسف کے قول پر تفریع کرتے ہوئے اس صورت میں بھی استبدال وقف کی اجازت دی ہے:

"الرَّابِعَةُ: أَنْ يَرْغَبَ إِنْسَانٌ فِيهِ بِبَدَلٍ أَكْثَرَ غَلَّةً، وَأَحْسَنَ صُقْعًا فَيَجُوزُ عَلَى قَوْلِ أَبِي يُوسُفَ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى كَمَا فِي فَتَاوَى قَارِئِ الْهِدَايَةِ" (الدر المختار ورد المحتار: 6/588، ط: زكريا ديوبند)

یہاں یہ بھی واضح رہے کہ جن فقہاء کرام نے زیادہ آمدنی و نفع کے لئے استبدال کو ناجائز قرار دیا ہے دراصل انہوں نے بھی موقوفہ جائیداد کی حفاظت ہی کے لئے ناجائز قرار دیا ہے، اور اپنے زمانے کے غیر دیندار ظالم قضاء کا شکوہ کیا ہے۔

"نَحْنُ لَا تُفْتِي بِهِ وَقَدْ شَاهَدْنَا فِي الِاسْتِبْدَالِ مَا لَا يُعَدُّ وَيُحْصَى: فَإِنَّ ظَلَمَةَ الْقُضَاةِ جَعَلُوهُ حِيلَةً لِإِبْطَالِ أَوْقَافِ الْمُسْلِمِينَ. (رد المحتار: 6/588-589)

لیکن یہ شکوہ اس وقت دور ہو جاتا ہے جبکہ یہاں استبدال کو قاضی الجنۃ یعنی دیندار، متقی و پرہیزگار صاحب علم کی اجازت سے مقید کر دیا جائے، جیسا کہ علامہ ابن عابدین شامی نے اس کی صراحت کی ہے:

"الْمُرَادُ بِالْقَاضِي: هُوَ قَاضِي الْجَنَّةِ الْمُفَسَّرُ بِذِي الْعِلْمِ وَالْعَمَلِ." (رد المحتار: ۲/ ۵۸۸-۵۸۹)

تو وقف ضائع ہونے سے محفوظ رہے گا اور اس کا مقصد "وقف کا نفع جاری رہنا" پورا ہوتا رہے گا۔

خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ وقف کی روح اور اس کا بنیادی مقصد موقوفہ جائیداد کی حفاظت و صیانت، اس کا نفع جاری رہنا بلکہ زیادہ سے زیادہ نفع بخش بنانے کی فکر کرنا، اسی مقصد کے تحت استبدال وقف کو جائز قرار دیا گیا، اس استبدال میں جن فقہاء نے اتحاد جنس کی شرط لگائی اور عقار یعنی ٹھوس زمین یا بلڈنگ غیر منقولی سے استبدال کی شرط لگائی اور انہوں نے دراہم و دنانیر نقد رقم کے عوض بدلنے کو ناجائز قرار دیا، تو ان کا مقصد بھی موقوفہ جائیداد کی ممکنہ حد تک حفاظت ہے؛ کیونکہ عام طور پر موقوفہ جائیداد نقد رقم کے عوض بیچنے کے بعد، خریدنے میں دیر ہونے کی صورت میں نقد رقم ناجائز تصرف میں خرچ ہو جاتی ہے:

"وَهُوَ أَنْ يُسْتَبْدَلَ بِعَقَارٍ لَا بِدَرَاهِمَ وَدَنَانِيرَ فَإِنَّا قَدْ شَاهَدْنَا النُّظَّارَ يَأْكُلُونَهَا، وَقَلَّ أَنْ يَشْتَرِيَ بِمَا بَدَلًا وَلَمْ تَرَ أَحَدًا مِنَ الْقُضَاةِ فَتَّشَ عَلَى ذَلِكَ مَعَ كَثْرَةِ الِاسْتِبْدَالِ فِي زَمَانِنَا." (رد المحتار: 6/586، ط: زكريا، ديوبند)

لہذا اگر اس کے ضائع ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو نقد رقم کے بدلہ بیچنے کے بعد رقم کو محفوظ رکھا جائے، اور علامہ حصکفیؒ کی

صراحت کے مطابق نقد رقم کے بدلہ بیچنے کے جواز کو قاضی الجنۃ "قَاضِي الْجَنَّةِ الْمُفَسَّرِ بِذِي الْعِلْمِ وَالْعَمَلِ" (ردالمحتار: ۲/۵۸۸-۵۸۹)

کی اجازت وحکم سے مربوط کیا جائے؛ تاکہ وقف کے ضیاع کے اندیشہ کا سدباب ہوجائے۔

"(قَوْلُهُ: وَلَوْ بِالدَّرَاهِمِ وَالدَّنَانِيرِ) رَدٌّ لِمَا مَرَّ عَنْ الْبَحْرِ مِنْ اشْتِرَاطِ كَوْنِ الْبَدَلِ عَقَارًا، وَحَاصِلُهُ: إنَّ اشْتِرَاطَ ذَلِكَ إنَّمَا هُوَ لِكَوْنِ الدَّرَاهِمِ يُخْشَى عَلَيْهَا أَكْلُ نظَّارِهَا وَإِذَا كَانَ الْمَشْرُوطُ كَوْنَ الْمُسْتَبْدِلِ قَاضِيَ الْجَنَّةِ لَا يُخْشَى ذَلِكَ." (ردالمحتار: 4/387)،

اور وقف کا مقصد "وقف کا نفع جاری رہنا" پورا ہوتا رہے۔ نیز کوشش ہو کہ اس رقم سے اس کی ہم جنس خریدی جائے؛ تاکہ ممکنہ حد تک واقف کے منشا کی رعایت بھی ہو اور وقف کا مقصد بھی پورا ہو، اور اس کا نفع جاری رہے:

"وفي شرح الملتقى: يصرف وقفها لأقرب مجانس لها" (ردالمحتار: ۲/۵۴۹، ط: زکریا، دیوبند)۔

حنابلہ کے یہاں بھی اس کی صراحت ملتی ہے؛ چنانچہ فقہ حنبلی کی مشہور کتاب "کشاف القناع" میں لکھا ہے:

"وَلَوْ وَقَفَ عَلَى مَسْجِدٍ أَوْ حَوْضٍ وَتَعَطَّلَ الِانْتِفَاعُ بِهِمَا صُرِفَ إلَى مِثْلِهِمَا" (کشاف القناع: ۴/۲۹۶).

اگر ایسا ممکن نہ ہو تو خلاف جنس بھی خریدی جانے کی گنجائش ہوگی جبکہ وقف کا مقصد پورا ہو رہا ہو:

وَالظَّاهِرُ عَدَمُ اشْتِرَاطِ اتِّحَادِ الْجِنْسِ فِي الْمَوْقُوفَةِ لِلِاسْتِغْلَالِ؛ لِأَنَّ الْمَنْظُورَ فِيهَا كَثْرَةُ الرِّبح (ردالمحتار: 6/586، ط) زکریا دیوبند)

علامہ ابن نجیم مصریؒ لکھتے ہیں:

"فَلَوْ انْهَدَمَ الْوَقْفُ كُلُّهُ فَقَدْ سُئِلَ عَنْهُ قَارِئُ الْهِدَايَةِ بِقَوْلِهِ سُئِلَ عَنْ وَقْفٍ تَهَدَّمَ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ شَيْءٌ يُعَمَّرُ مِنْهُ وَلَا أَمْكَنَ إجَارَتُهُ وَلَا تَعْمِيرُهُ هَلْ تُبَاعُ أَنْقَاضُهُ مِنْ حَجَرٍ وَطُوبٍ وَخَشَبٍ؟ أَجَابَ إنْ كَانَ الْأَمْرُ كَذَلِكَ صَحَّ بَيْعُهُ بِأَمْرِ الْحَاكِمِ أَوْ يُشْتَرَى بِثَمَنِهِ وَقْفٌ مَكَانَهُ فَإِذَا لَمْ يُمْكِنْ رَدَّهُ إلَى وَرَثَةِ الْوَاقِفِ إنْ وُجِدُوا وَإِلَّا صُرِفَ إلَى الْفُقَرَاءِ اهـ." البحر الرائق: 5/237، نیز دیکھئے: ردالمحتار: 6/573، ط: زکریا دیوبند)۔

علامہ ابن عابدین شامی نے قنیہ کے حوالہ سے:

"إنما يجوز الشراء بإذن القاضي"، نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

"ينبغي أن يكون ذلك بأمر الحاكم احتياطا." ردالمحتار: ۲/۶۲۷)، ط: زکریا، دیوبند)

مذکورہ بالا فقہاء کی تصریحات اور وقف کے مقصد کے پیش نظر کہا جاسکتا ہے کہ زیر بحث مسئلہ میں زائد آمدنی کے پیش نظر مسجد کی اراضی فروخت کرکے دوسری زائد آمدنی والی اراضی یا دکانیں خریدنا درست ہے۔ جہاں تک سوال میں ذکر کردہ اندیشہ "اوقاف کی اراضی فروخت ہونے کے بعد ضائع ہوجاتی ہیں اور بدل شاذ ونادر ہی حاصل ہو پاتا ہے۔" اس اندیشہ کے

سد باب کے لئے ضروری ہوگا علاقہ میں قائم دار القضاء کے شرعی قاضی جو تقوی وطہارت، علم وفضل اور دینداری میں لوگوں کے درمیان مشہور ومعروف اور معتمد علیہ ہو، کی اجازت اور اس معاملہ میں اس کی شرکت کے ساتھ کام کیا جائے تو وقف ضائع ہونے سے محفوظ رہے گا اور اس کا مقصد ''وقف کا نفع جاری رہنا'' پورا ہوتا رہے گا اور اس کا ثواب واقف کو برابر ملتا رہے گا۔

۱۱۔مساجد کی اراضی میں مکاتب یا مدارس کا قیام:

اگر تعمیرات کے بعد کرایہ مقرر کر دیا جائے اور آمدنی مسجد کو دی جائے اور وہاں تعلیمی نظام جاری رہے تو شرعا اس کی اجازت ہوگی، کیونکہ یہ عین مسجد شرعی نہیں ہے بلکہ اس کی ملکیت ہے، اس لئے کرایہ مقرر کرنے میں کوئی حرج نہیں، اور اس سے مقاصد وقف میں خلل بھی واقع نہیں ہو رہا ہے؛ کیونکہ وقف کو آباد رکھنے اور اس کے تحفظ کے لئے ایسا کیا جا رہا ہے؛ اس لئے یہ تصرف درست ہوگا۔فقہاء کے یہاں اس کی صراحت ملتی ہے کہ فقہاء نے وقف اراضی کے تحفظ کی غرض سے اس کے کچھ حصے کو فروخت کرنے یا کرایہ پر لگانے کو جائز قرار دیا ہے:

''وَإِنْ بَاعَ بَعْضَهُ لإصلاح بَاقِيهِ الخرَابِ كُلِّهِ جَازَ'' اھ (البحر الرائق: ۵/ ۲۳۷)۔

علامہ ابن نجیم مصری رقمطراز ہیں:

''فيم يُبيحُ فِنَاءَ الْمَسْجِدِ لِيَتَّجِرَ فِيهِ الْقَوْمُ أَوْ يَضَعُ فِيهِ سَرَّا أَجْرَهَا لِيَتَّجِرَ فِيهَا النَّاسُ فَلَا بَأْسَ إِذَا كَانَ لِصَلَاحِ الْمَسْجِدِ'' (البحر الرائق: ۵/ ۴۱۸ ط: زکریا، دیوبند)۔

فقہاء حنابلہ نے بھی کہا ہے کہ اگر وقف کو آباد کرنا، اور اس کے کچھ حصہ کو آباد کرنا بعض حصے کو فروخت کئے بغیر ممکن نہ ہو، تو اس کے کچھ حصہ کو فروخت کرنا جائز ہے تا کہ اس کے ذریعہ بقیہ جائیداد کو آباد کیا جا سکے:

"فلم تمك عمارته ولا عمارة بعضه إلا ببيع بعضه, جاز بيع بعضه لتعمر به بقيته." (المغنی از ابن قدامه: ۵/ ۳۲۸)

لہذا اس بنیاد پر کہا جا سکتا ہے کہ جب بعض وقف کے تحفظ کے لئے اس کے بعض حصے کو بیچنا جائز ہو سکتا ہے تو اس کے کل کی حفاظت کے لئے وہاں مدارس ومکاتب قائم کرنا بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا بشرطیکہ قریبی مدت میں مسجد کی توسیع کی ضرورت نہ ہو اور کرایہ بھی لینا درست ہوگا؛ تا کہ وہ مسجد کے مصالح پر خرچ ہو سکے۔

فقیہ عصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم نے فقہاء کرام کے مقرر کے گئے اصول اور موجودہ زمانے کی مصالح کو ملحوظ رکھتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مسجد پر وقف اراضی اگر کافی وسیع ہو اور بظاہر طویل عرصہ تک مسجد کی توسیع کی ضرورت پڑنے کا امکان نہ ہو، تو فاضل اراضی میں دینی درسگاہ یا مسلمانوں کے مخصوص عصری تعلیمی ادارہ قائم کیا جا سکتا ہے؛ البتہ ادارہ سے مسجد کو کچھ کرایہ بھی دلانا چاہیے؛ تا کہ اس زمین کا نفع مسجد کی طرف لوٹے اور واقف کا منشا بھی پورا ہو'' (جدید فقہی مسائل: ۲

/ ۲۸۲-۲۸۷)۔اگر بظاہر مستقبل میں بھی مسجد یا قبرستان کو وہ زمین مطلوب نہ ہوتو مدرسہ کی تعمیر کی گنجائش ہے؛لیکن مدرسہ پر اس کا کچھ کرایہ بھی عائد کردیا جائے؛ تاکہ یہ کرایہ مسجد اور قبرستان ہی کی ضرورت پر صرف ہو اور اس طرح واقف کے منشا کی بھی تکمیل ہو اور مسلمانوں کے مصالح کی رعایت بھی‘‘(جدید فقہی مسائل:۲/ ۲۹۲)۔

خلاصۂ بحث:

۱-مسجد شرعی کے اندر جس طرح رہائش گاہ بنانا درست نہیں ہے اسی طرح اس کی چھت پر بھی رہائش گاہ تعمیر کرنا صحیح نہیں ہے بلکہ آداب مسجد کے خلاف مکروہ تحریمی عمل ہوگا۔

۲-مسجد کی بعض منزلوں پر بعض شرطوں کے ساتھ دینی تعلیم کا نظم کرنا جائز ہے۔

۳-قدیم مسجد کو منہدم کرکے نیچے کی منزل میں دکانیں بنانا؛ تاکہ آمدنی کا ذریعہ ہو، درست نہیں ہے، ہاں، اوپر کی منزل کو جماعت گاہ بنانا صحیح ہے۔ جماعت گاہ کی منزل سے اوپر امام ومؤذن کے لئے ایسے حجرے بنانا جہاں وہ تنہا یا فیملی کے ساتھ قیام کرسکیں، درست نہیں ہے۔

۴-اگر کسی جگہ پہلے سے مسجد نہ ہوتو ابتداء تعمیر میں نیچے بیسمنٹ میں پارکنگ ہو اور اوپر مسجد ہو، تو ایسا کرنا درست ہے، مسجد شرعی بننے کے بعد اس کو منہدم کرکے ایسا کرنا درست نہیں ہوگا۔

۵-قدیم مسجد کی تعمیر نو میں بیسمنٹ میں پارکنگ بنانا شرعاً درست نہیں ہے؛ البتہ اس کے اوپر جماعت گاہ بنانا صحیح ہے؛لیکن اس کے اوپر مسلم بچوں کی تعلیم وتربیت کے لئے جزء وقتی درسگاہ بنانا اور اس منزل کا کرایہ لینا شرعاً صحیح نہیں ہوگا۔

۶-مسلمان کے باہم مشورہ سے اپارٹمنٹ کے کسی حصہ کو خرید کر نماز کے لئے مختص کرلینے اور اس میں نماز ادا کرنے سے وہ حصہ مسجد شرعی نہیں کہلائے گی؛ بلکہ وہ صرف جماعت گاہ ہے اور اس پر مسجد کے احکام جاری نہیں ہوں گے۔

۷-نئی عمارت میں جو منزل مسجد متعین ہوگی، وہ مسجد شرعی کہلائے گی اور اس پر مسجد کے احکام جاری ہوں گے، بشرطیکہ اس مسجد تک پہنچنے کا راستہ ہو اور آنے کی عام اجازت ہو۔

۸-زائد آمدنی کے پیش نظر مسجد کی اراضی فروخت کرکے دوسری زائد آمدنی والی اراضی یا دکانیں خریدنا درست ہے۔

۹-مسجد پر وقف اراضی اگر کافی وسیع ہو اور بظاہر طویل عرصہ تک مسجد کی توسیع کی ضرورت پڑنے کا امکان نہ ہو، تو فاضل اراضی میں دینی درسگاہ یا مسلمانوں کے لئے مخصوص عصری تعلیمی ادارہ قائم کرنا صحیح ہے اور مسجد کے مصالح لئے ادارہ پر کچھ کرایہ مقرر کرنا بھی درست ہے۔

مساجداوران کے اوقاف سے متعلق چند مسائل

مفتی محمد ذاکر نعمانی

جے پور، راجستھان

جواب: (۱) جوجگہ ایک مرتبہ مسجد کے لئے وقف کردی جائے وہ جگہ تحت الثری سے لے کر آسمان تک مسجد کے حکم میں ہوجاتی ہے، اس جگہ کو مسجد کے علاوہ کسی دوسرے مصرف میں استعمال کرنا اور اس کو کرایہ پر دینا جائز نہیں ہوتا۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں جو حصہ مسجد میں شامل ہے، اس حصہ کی بالائی منزل بھی مسجد کے حکم ہوگی اور اس منزل کو مدرسہ کو کرایہ پر دینا جائز نہیں ہوگا۔

فرع: لو بنى فوقه بيتاً للإمام لا يضر؛ لأنه من المصالح، أما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع ولو قال عنيت ذلك لم يصدق. تاتارخانية فإذا كان هذا في الواقف فكيف بغيره فيجب هدمه ولو على جدار المسجد، فلا يجوز أخذ الأجرة منه ولا أن يجعل شيئاً منه مستغلاً ولا سكنى. [الدر المختار شرح تنوير الأبصار وجامع البحار ص: ۳۷۱]

مسجد کی بالائی منزل بھی بحکم مسجد ہے اس کا بھی وہی حکم ہے، جو مسجد کی پہلی منزل کا حکم ہے، اس کی بے احترامی کرنا وہاں شوروغل اور دنیوی باتیں کرنا جائز نہیں ہے۔

"وكره تحريماً (الوطئ فوقه والبول والتغوط) لأنه مسجد إلى عنان السماء وكذا إلى تحت الثرىٰ" [درمختار مع رد المحتار، ۶۱۴/۱۔ احكام المساجد، مكتبه رحمانيه لاهور]

لہٰذا مسجد کی بالائی منزل میں مستقلاً مدرسہ جاری کرنا صحیح نہیں، البتہ مدرسہ میں تنگی ہو اور اہل مدرسہ دوسری جگہ کے انتظام کی کوشش میں ہوں اور سردست دوسری جگہ کا انتظام نہ ہونے کی وجہ سے بچوں کی تعلیم خراب ہورہی ہو تو ایسے بڑے سمجھ دار بچوں کی کلاس عارضی طور پر محدود اور مختصر وقت کے لئے جاری کی جاسکتی ہے، جو مسجد کا پورا پورا احترام کریں اور جگہ کا انتظام ہوجانے پر فوراً یہ کلاس اس جگہ منتقل کردی جائے۔ [فتاویٰ رحیمیہ ۹/ ۱۹۹-۲۰۰، احکام المساجد، مکتبہ رحمانیہ، لاہور]

مسجد کے جماعت خانہ کے اوپر کا حصہ بھی مسجد کے حکم میں ہے، اس کا ادب وتعظیم ویسی ہی کرنی چاہئے جیسی جماعت خانہ کی کی جاتی ہے، لہٰذا دنیوی کام میں استعمال کرنا جائز نہیں۔

اگر یہ مکان جس میں کہ اس وقت نماز پڑھی جاتی ہے وہ مسجد ہی ہے اور اس میں کسی کا حق ملکیت نہیں ہے تو اب جب کہ از سر نو اس کی تعمیر کا خیال ہے اس وقت اس میں تغیر کرنا بہ ایں ہیئت کہ حصۂ زیریں کو مسافر خانہ وغیرہ کے طور پر استعمال کیا جائے اور اوپر کے حصہ میں نماز پڑھی جائے یہ ناجائز ہے، اس لئے کہ مسجد تحت الثریٰ سے عنان السماء تک مسجد ہی ہے، اس کی تعظیم کا پورے طور پر لحاظ رکھنا ضروری ہے اور ظاہر ہے کہ مسافر خانہ وغیرہ کے طریق پر استعمال کرنے میں اس کی حرمت برقرار نہیں رہ سکے گی، اس لئے ایسا تغیر ناجائز ہے، تعمیر مسجد کے بعد غیر تو کیا واقف و بانی کو بھی امام وغیرہ کے لئے اوپر مکان بنانے کا حق نہیں ہے۔ [فتاویٰ بسم اللہ، ۱۳ / ۲۳۴، جامعۃ القراءات، کفلیتہ]

قدیم مسجد کی تمام منزلیں مسجد ہی کے حکم میں قیامت تک رہیں گی، خواہ اس میں امام رہے یا نہ رہے، وہ ہر حال میں مسجد رہے گی، اور اس کی پہلی منزل [بلکہ کسی بھی منزل] کو مسافر خواتین کے ٹھہرانے کے لئے مختص کرنا جائز نہیں، اسی طرح دوسری منزل کو مدرسہ البنات کے لئے خاص کرنا جائز نہیں ہے۔ نہ جزوقتی کے طور پر نہ ہی کل وقتی کے لئے۔ [دارالافتاء دارالعلوم دیوبند، فتویٰ نمبر: 605751]

مسجد شرعی کی شان یہ ہے کہ وہ تحت الثری سے عنانِ سماء تک مسجد ہوتی ہے، یعنی اس کا تہہ خانہ اور بالائی منزلیں سب مسجد ہیں۔

”وشرط كونه مسجداً أن يكون سفله وعلوه مسجداً لينقطع حق العبد عنه، قال تعالىٰ:”وأن المساجد لله فلا تدعوا مع اللّٰہ أحداً.“[الفقه الحنفي في ثوبه الجديد/ الأوقاف ۲/۳۷۴، دارالایمان، سہارنپور]

لہٰذا مسجد شرعی کے تہ خانے یا اس کے کسی حصہ میں مستقلاً مدرسہ جاری کرنا از روئے شرع ناجائز ہے، بالخصوص ایسی حالت میں جب کہ تعلیم کے لئے مسجد کے علاوہ دوسری جگہ کا انتظام بھی ہے، البتہ اگر سردست کسی دوسری جگہ کا انتظام نہ ہو اور بچوں کی تعلیم فوت ہو رہی ہو تو ایسی مجبوری کی حالت میں بڑے اور سمجھ دار لڑکوں کی کلاس جو مسجد کا پورا احترام کریں، عارضی طور پر مسجد میں جاری کی جاسکتی ہے۔

”ولا يجوز البيع والشراء في المسجد وكذا كره فيه التعليم والكتابة والخياطة بأجر۔۔۔۔ واستثنى البزازي من كراهة التعليم بأجر فيه أن يكون لضرورة الخ۔“[مجمع الأنهر مع الملتقى/كتاب الصوم باب الاعتكاف، ۱/۳۷۹، دارالکتب بیروت][بحواله: دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند، فتویٰ نمبر: 55325]

مسجد کو مستقل مدرسہ بنانے میں کئی خرابیاں پائی جاتی ہیں، مثلاً: (۱) مسجد کو مدرسہ بنانا واقفین کی غرض کے خلاف ہے۔ (۲) اجرت لے کر مسجد میں تعلیم دینا مکروہ ہے، الا یہ کہ شدید ضرورت ہو۔ (۳) بالعموم طلبہ مسجد کے

آداب کی رعایت نہیں کرتے، بایں وجوہ مسجد کو مدرسہ بنانا ممنوع ہے۔[دارالافتاء دارالعلوم دیوبند، فتویٰ نمبر:147813]

مسجد کا بالائی حصہ بھی مسجد کے حکم میں ہے، لہٰذا مسجد کے بالائی حصہ میں مستقلاً مدرسہ قائم کرنا درست نہیں۔ [دارالافتاء جامعہ بنوری ٹاؤن، فتویٰ نمبر:143909202073]

صورت مسئولہ میں مسجد کا بالائی حصہ مسجد ہی ہے، اس کی حیثیت مدرسہ وغیرہ سے تبدیل کرنا جائز نہیں ہے، لہٰذا مسجد کے بالائی حصے میں عارضی طور پر دینی علوم کی تعلیم دینا تو درست ہے، مگر اوپر چھت کو مسجد کے علاوہ کوئی حیثیت دینا یعنی اس حصہ کو مستقل مدرسہ قرار دینا جائز نہیں ہے۔

فتاویٰ شامی میں ہے:

''وجعل المسجد واحدا أوعكسه لصلاة لا لدرس، أوذكر في المسجد عظة وقرآن، فاستماع العظة أولى.''

(قوله لا لدرس أو ذكر) لأنه ما بنى لذلك وإن جاز فيه، كذا في القنية، (فروع أفضل المساجد، ۱/۶۶۳، ایچ ایم، سعید) [دارالافتاء جامعہ بنوری ٹاؤن، فتویٰ نمبر:144311100875]

جواب:(۲) زمین کے جتنے قطعہ کو ایک بار شرعی مسجد قرار دے دیا گیا اس کے اندر اور نیچے اور کوئی دوسری چیز بنانا جائز نہیں، مسجد شرعی قرار دینے سے قبل امام کے لئے مکان یا مصالح مسجد کے لئے اور کچھ بنانا طے کرلیا ہو اور اس کی عام اطلاع بھی کردی ہو تو جائز ہے، مسجد شرعی ہوجانے کے بعد اگر متولی نے شروع ہی سے نیت کا دعویٰ کیا تو یہ قبول نہ ہوگا۔

قال في شرح التنوير: لو بنى فوقه بيتاً للإمام لا يضر لأنه من المصالح، أما لو تمت المسجدية ثم اراد البناء منع، ولو قال عنيت ذلك لم يصدق، تاتارخانية[ردمختار ۳/۳۸۲] [مسائل اوقاف ص:۷۹، المكتبة الأسعدى، سهارنپور]

جب واقف نے ایک جگہ مسجد کے لئے خاص کردی اور حدود قائم کردیں، اور اس جگہ پر نماز شروع کرادی گئی، تو اب اس میں تبدیلی کا حق نہ واقف کو ہے، اور نہ دوسروں کو۔ اور اب اس کا کوئی حصہ خارج نہیں ہوسکتا، اگر کام شروع ہونے سے پہلے پلان میں نیچے کا حصہ خارج مسجد ہوتا اور دوکان بنائی جاتی تو اس صورت میں اس کی گنجائش تھی، اب اس کی گنجائش نہیں۔

لو بنى فوقه بيتاً للامام لا يضر لأنه من المصالح اما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء الخ۔ [در مختار مع الشامى ۳/۵۱۳] (مسائل اوقاف ص:۴۵، المكتبة الاسعدى، سهارنپورى)

جواب:(۲) مسجد کا وہ حصہ جو نماز ادا کرنے کے لئے ہے اس کا احترام زمین کی سطح سے فضا تک واجب ہے، اگر اسی حصہ میں امام کا فیملی کوارٹر بنایا جائے تو ظاہر ہے کہ احترام مسجد کو برقرار رکھنا ممکن نہ ہوگا، اس لئے اس حصہ میں

بالائی منزل پر امام کے لئے فیملی کوارٹر بنانا درست نہیں، ہاں! مسجد کا وہ حصہ جو نماز کے بجائے دوسری ضروریات کے لئے ہے، جیسے بیت الخلاء، حمامات، درسگاہ، مہمان خانہ وغیرہ، ان کا احترام چوں کہ مسجد کی طرح واجب نہیں، اس لئے ایسی عمارتوں کی بالائی منزل پر امام کے لئے فیملی کوارٹر تعمیر کیا جاسکتا ہے۔[کتاب الفتاویٰ ۴/ ۲۲۴]

واضح رہے کہ اگر کوئی جگہ خاص مسجد بنانے کے لئے وقف کردی جائے کہ وہاں نماز پڑھی جائے تو اس جگہ پر[نیچے یا اوپر] مسجد کے علاوہ کوئی اور چیز بنانا شرعاً جائز نہیں ہے، وہ جگہ زمین سے آسمان تک مسجد کے حکم میں ہوتی ہے۔ البتہ اگر کسی جگہ پر دکانیں وغیرہ پہلے سے بنی ہوں اور ان دکانوں کے اوپر والے حصہ میں مسجد بنائی جائے تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر دکانیں مسجد کی مصالح اور آمدنی کے لئے وقف کردی جائیں تو یہ مسجد شرعی کے حکم میں ہوگی، نیز اس صورت میں مذکورہ دکانوں میں کوئی ایسا کام کرنا منع ہوگا جو مسجد کے آداب کے خلاف ہو، اور اگر دکانیں مسجد کی مصالح اور آمدنی کے لئے وقف نہ کی جائیں تو یہ مسجد شرعی مسجد نہیں کہلائے گی، بلکہ مصلیٰ کے حکم میں ہوگی۔

حاصله: أن شرط كونه مسجدا أن يكون سفله وعلوه مسجداً، لينقطع حق العبد عنه؛ لقوله تعالىٰ: (و أن المساجد لله) بخلاف ما إذا كان السرداب أو العلو موقوفا لمصالح المسجد، فإنه يجوز، إذ لا ملك فيه لأحد، بل هو من تتميم مصالح المسجد، فهو كسرداب مسجد بيت المقدس، هذا هو ظاهر المذهب الخ۔[البحر الرائق ۵/۲۷۱، كتاب الوقف، دار الكتاب الاسلامي، بيروت]

إذا اراد انسان أن يتخذ تحت المسجد حوانيت غلة لمرمة المسجد أو فوقه ليس له ذلك. (المحيط البرهاني ۶/۲۰۷، دار الكتب العلمية بيروت] (دار الافتاء جامعه بنوری ٹاؤن، فتویٰ نمبر:144506101308]

صورت مسئولہ میں اگر مسجد کی بنائے اول کے وقت تحتانی حصہ مسجد شرعی سے مستثنیٰ نہیں کیا گیا تھا تو نئی تعمیر کے موقع پر مسجد شرعی کے تحتانی حصہ میں دکانیں بنانا جائز نہیں، یہ مسجد میں دکانیں بنانا ہے، اور یہ مسجد مسجد شرعی ہی ہے، محض مصلی[جماعت خانہ] نہیں ہے؛ کیوں کہ جب کسی زمین کو مسجد بناتے وقت اس کا تحتانی یا فوقانی حصہ مسجد شرعی سے مستثنیٰ نہ کیا جائے تو تحت الثری سے ظاہر آسمان تک سارا کا سارا حصہ تا قیامت ہمیشہ ہمیش کے لئے مسجد شرعی ہوتا ہے۔

"وكره تحريما (البول والتغوط): لأنه مسجد إلى عنان السماء."[الدر المختار مع رد المحتار ۲/۴۲۸، زكريا][دار الافتاء دار العلوم دیوبند، فتویٰ نمبر:609327]

واضح رہے کہ اگر وقف زمین پر مسجد کی تعمیر سے پہلے سے نیچے والے حصے میں مسجد کے تقدس واحترام اور احکام کو ملحوظ رکھتے ہوئے مسجد کے مصالح اور آمدنی کے لئے دکانیں بنائی جائیں تو اس کی گنجائش ہے، اور ایسی صورت میں اوپر والی جگہ شرعی مسجد کے حکم میں ہوگی، اور اگر نیچے اور اوپر مسجد کی تعمیر مکمل ہوجائے تو بعد میں دوبارہ جدید تعمیر یا کسی

اورصورت کے تحت نچلے حصہ میں [جومسجد بن چکا تھا وہاں] دکانیں نہیں بنائی جاسکتی ہیں اور نہ ہی وضوخانہ بنایا جاسکتا ہے، مسجد میں جوجگہ نماز پڑھنے کے لئے مختص کی جائے وہ ہمیشہ کے لئے ''تحت الثری'' [زمین کی تہہ] سے آسمان تک سب مسجد کے حکم میں ہوتی ہے، اس میں کوئی اور چیز تعمیر نہیں کی جاسکتی۔ [دارالافتاء جامعہ بنوری ٹاؤن، فتوی نمبر:144012201000]

وہ جگہ جس کو مسجد کے لئے وقف کردیا جائے وہ ہمیشہ مسجد ہی کی رہتی ہے، اس کو مسجد یا مصالح مسجد [بیت الخلاء، وضوخانہ اور امام مسجد کا گھر] کے علاوہ کسی دوسرے استعمال میں لانا جائز نہیں ہے، اور یاد رہے کہ مسجد مکمل ہوجانے کے بعد اس میں امام مسجد کے لئے رہائش وغیرہ بنانا بھی جائز نہیں ہے، صورت مسئولہ میں اگر مسجد مکمل ہونے سے پہلے تیسری منزل پر امام مسجد کے لئے رہائش تعمیر کرنے کا منصوبہ تھا تب تو امام مسجد کی رہائش کے طور پر اس کو استعمال کرنا جائز ہے، اور اگر مسجد مکمل ہونے کے بعد متولی نے تیسری منزل پر رہائش بنانے کا ارادہ کیا تو تیسری منزل کو امام کی رہائش کے طور پر استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

مفتی محمود حسن گنگوہیؒ سے ایک سوال کیا گیا کہ مسجد سے ملا ہوا امام صاحب کا کمرہ ہے جو اس وقت خارج مسجد ہے، لیکن اب مسجد کی توسیع کا ارادہ ہے تو کیا امام صاحب کے کمرہ کو نیچے سے مسجد میں شامل کرلیں اور اوپر کے حصہ میں رہیں تو کیسا ہے؟

اس کا جواب تحریر فرمایا کہ: اگر اس کمرہ کو نماز کے لئے مسجد میں داخل کرکے مسجد قرار دیا جائے تو بالائی حصہ پر بھی ایسا کمرہ بنانا درست نہیں، جس میں امام صاحب قیام کریں۔ اگر اس کو مسجد بنانا مقصود نہیں، صرف یہ مقصود ہے کہ وقت ضرورت وہاں بھی نمازی کھڑے ہوجایا کریں اور اوپر والے حصہ میں امام صاحب رہیں تو درست ہے۔ [فتاویٰ محمودیہ محشی میرٹھ ۲۱ / ۴۲۲ [شامی کراچی ۴ / ۳۵۸، البحر الرائق کوئٹہ ۵ / ۲۵۱، النہر الفائق ۳ / ۳۳۰، بیروت]

مسجد کے اوپر امام کے لئے کمرہ بنانا کے جواب میں مفتی اعظم ہند مولانا کفایت اللہ دہلویؒ تحریر فرماتے ہیں: مسجد کی چھت پر رہائش کرنا یا رہائش کے لئے کمرہ بنانا درست نہیں ہے، مزید حاشیہ میں ہے کہ اگر مسجد بنانے سے پہلے طے پایا ہو تو درست ہے، ورنہ نہیں۔

''مسجد کی چھت پر امام کا کمرہ بنانا جائز ہے یا نہیں''؟ کے جواب میں مفتی نظام الدین اعظمیؒ تحریر فرماتے ہیں: کہ مسجد کی چھت پر امام صاحب کے لئے کمرہ بنانا جائز نہیں ہے۔ درمختار وردالمحتار وغیرہ میں اس کی تصریح موجود ہے، ہاں! غسل خانہ، وضوخانہ، استنجاخانہ وغیرہ جو فناء مسجد کے درجہ کی عمارت ہو اس کی چھت پر امام صاحب کے لئے کمرہ بنایا جاسکتا ہے، اس لئے کہ جوجگہ ایک مرتبہ عین مسجد ہوجاتی ہے، یعنی محض نماز وذکر وغیرہ عبادات خالصہ محضہ کے لئے

وہ قیامت تک کے لئے تحت الثری سے لے کر عنانِ سماء تک مسجد ہوجاتی ہے۔[نظام الفتاویٰ ۴، جزء ۲، ۶۸/، زکریا]

جواب: (۳) اگر شروع ہی سے مسجد کے تہہ خانہ کو پارکنگ کے مقصد کے لئے بنایا گیا تھا، اور اس کی چھت پر مسجد شرعی بنالی گئی تھی، تو ایسی صورت میں یہ تہہ خانہ مسجد شرعی نہ بنے گا؛ بلکہ مصالح مسجد میں شمار ہوگا، اور وہاں نمازیوں کی گاڑی وغیرہ کھڑی کرنے میں کوئی حرج نہ ہوگا۔

"إذا كان تحته شيء ينتفع به عامة المسلمين يجوز؛ لأنه إذا انتفع به عامة المسلمين، صار ذلك لله تعالىٰ أيضاً... لو جعل تحته حانوتاً وجعله وقفاً على المسجد، قيل: لا يستحب ذلك، ولكنه لو جعل في الا بتداء هكذا صار مسجداً، وما تحته صار وقفا عليه، ويجوز المسجد والوقف الذي تحته.[حاشية الشلبي على تبيين الحقائق/كتاب الوقف ۴/۲۷۱، دار الكتب العلمية، بيروت] (كتاب النوازل ۱۳/۴۸۰، مراد آباد)

اگر نئی مسجد تعمیر ہورہی ہے، تو مسجد کے نچلے حصے میں مصلیوں کی گاڑیوں کی پارکنگ کے لئے تہہ خانہ بنانا شرعاً جائز ہے، اگر کسی جگہ مسجد تھی، اب اسی جگہ پر ازسرنو مسجد تعمیر کی جارہی ہے، تو پھر مسجد کے نیچے تہہ خانہ بنانا شرعاً جائز نہیں ہے؛ ہاں اگر کچھ زائد جگہ [جو مسجد پر وقف ہو] شامل مسجد کی جارہی ہو تو پھر اس حصے کے نیچے مصلیوں کی گاڑیوں کی پارکنگ کے مقصد سے تہہ خانہ بنانے کی شرعاً گنجائش ہے۔۔۔۔

محل عدم كونه مسجداً فيما إذا لم يكن وقفا على مصالح المسجد وبه صرح في الإسعاف فقال: وإذا كان السرداب أو العلو لمصالح المسجد أو كانا وقفا عليه صار مسجداً اهـ شرنبلالية۔۔۔ (كما لو جعل وسط داره مسجداً أو أذن للصلاة فيه) حيث لا يكون مسجدا إلا إذا شرط الطريق زيلعي..(الدر المختار وحاشية ابن عابدين (ردالمحتار) ۶/۵۴۷، زكريا) لو بنى فوقه بيتاً للإمام لا يضر؛ لأنه من المصالح، أما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع الخ."[الدر المختار وحاشية ابن عابدين (ردالمحتار) ۶/۵۴۸، زكريا] (دار الافتاء دالعلوم ديوبند، فتویٰ نمبر: 174032)

جواب: (۴) صحن مسجد اور چبوترۂ مسجد میں اسکول یا مدرسہ اسلامیہ قائم کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ نماز پڑھنے کے علاوہ کوئی کام وہاں کرنا جائز نہیں ہے، جو لوگ اسکول وہاں رکھنے پر مصر ہیں وہ گناہ گار ہیں، ان کو لازم ہے کہ اسکول دوسرے مکان میں منتقل کردیں۔

کبیری شرح منیہ میں ہے:

"وههنا أبحاث: الأول فيما تصان عنه المساجد إلى أن قال والمرور فيها لغير ضرورة ورفع الصوت للخصومة وإدخال المجانين والصبيان لغير الصلاة ونحوها، لما روى عمرو بن شعيب عن أبيه عن

جده قال نهى رسول اللّٰہ صلى اللّٰہ عليه وسلم عن الشراء والبيع فى المسجد وأن تنشد فيه الأشعار وأن تنشد فيه الضالة، فليقل لا ردها اللّٰہ عليك فإن المساجد لم تبن لهذا" [صحيح مسلم، باب النهى عن نشد الضالة فى المسجد وما يقوله إذا سمع لناشد- ۱/۲۱۰، قديمى] (مسائل اوقاف، ص: ۱۰۶- المكتبة الأسعدى، سهارنپور)

جو زمین مسجد کے لئے وقف ہو اور وہاں مدرسہ بنانے کی ضرورت ہو تو مسجد کے پیسے سے تعمیر کرلیں اور اس کو مدرسہ کے واسطے کرایہ پر لے لیں، مدرسہ کی جانب سے مسجد کو کرایہ ادا کردیا کریں، یا وہ زمین کرایہ پر لے کر مدرسہ تعمیر کرلیا جائے، کہ زمین مسجد کو جس کا کرایہ مدرسہ کی طرف سے ادا کر یا جایا کرے، اور عمارت مدرسہ کی ہو، مسجد کی توسیع کے لئے آس پاس کی زمین خرید لی جائے۔ [فتاویٰ محمودیہ ۲۲/ ۳۴، میرٹھ]

جس زمین پر ایک مرتبہ شرعی مسجد بن جائے تو وہ تحت الثری سے اوپر آسمان تک قیامت تک کے لئے مسجد رہتی ہے، لہٰذا مسجد کی چھت مسجد کے ہی حکم میں ہے، اور مسجد میں مستقل مدرسہ بنانا یا اسکول بنانا جائز نہیں ہے، البتہ ضرورت اور جگہ کی تنگی کی وجہ سے قرآن اور دین کی ضروریات کی تعلیم مسجد کے آداب کا لحاظ کرتے ہوئے مسجد کے اندر دینا جائز ہے، لہٰذا مسجد کے آداب، اور صفائی کا خیال کرتے ہوئے اور مسجد کے احترام کی رعایت کرتے ہوئے مسجد کی چھت پر قرآن اور دینی ضروریات کے لئے عارضی درسگاہ بنانے کی اجازت ہے، لیکن مسجد کی چھت پر اسکول کھولنا درست نہیں۔ [دارالافتاء جامعہ بنوری ٹاؤن، فتویٰ نمبر 144105200110]

جواب: (۵) صورتِ مسئولہ میں اگر بلڈنگ/ مالک اپارٹمنٹ اور بلڈنگ میں کوئی جگہ مستقل نماز کے لئے ہی مختص کردے اور اس کو وہ عارضی مصلیٰ نہ کہے، اور نہ ہی اس جگہ کو تبدیل کرنے کی کوئی نیت ہو اور اس میں امام اور مؤذن مقرر کرکے جماعت بھی شروع کروادے تو شرعاً یہ جگہ نماز کے لئے وقف ہوجائے گی، لیکن چوں کہ مسجد شرعی کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ تحت الثری [زمین کے نیچے تہہ] سے لے کر آسمان تک مسجد ہو، اس کے اوپر اور نیچے مسجد کے علاوہ کوئی تعمیر نہ ہو، لہٰذا اپارٹمنٹ میں بنی مسجد جن کے اوپر فلیٹ بنے ہوئے ہیں، وہ ''شرعی مسجد'' نہیں ہوں گی، ان جگہوں میں نماز باجماعت ادا کرنا جائز ہے، اس سے جماعت کی نماز کا ثواب بھی ملے گا، لیکن مسجد شرعی میں نماز پڑھنے کا جو ثواب ہے وہ اس میں نہیں ملے گا۔

(ويزول ملكه عن المسجد والمصلى) بالفعل و[بقوله جعلناه مسجداً] عند الثانى [وشرطه محمد] والإمام (الصلاة فيه) بجماعة وقيل: يكفى واحد وجعله فى الخانية ظاهر الرواية۔ [شامى، كتاب الوقف ۴/۳۵۵، سعيد] (دارالافتاء جامعه علوم اسلاميه علامه محمد يوسف بنورى ٹاؤن، فتویٰ نمبر: 144606100445]

شرعی مسجد کے تحقق کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ جگہ ہمیشہ کے لئے مسجد پر وقف ہوا گر وہ جگہ کچھ مدت کے لئے پٹہ پر [کرایہ پر] لی گئی ہے یا (مالک کی اجازت کے بغیر زمین پر غاصبانہ قبضہ کر کے مسجد بنالی ہے) تو وہ شرعی مسجد نہ ہوگی۔

کفایت المفتی میں ہے اگر کوئی مسجد پہلے ہی شرعی قاعدہ سے مسجد نہ ہو مثلاً اس کی زمین موقوفہ نہ ہو، کسی کی ملک ہو اور اس نے وقف نہ کی ہو تو وہ مسجد (شرعی) کا حکم نہیں رکھتی۔ معلوم ہوا کہ مسجد شرعی ہونے کی لئے ضروری ہے کہ وہ جگہ متعین شدہ ہو، وقف علی التابید ہو، نماز باجماعت کی اجازت دی گئی ہو، کسی کے ملک نہ ہو، غصب شدہ نہ ہو، کرایہ کی جگہ نہ ہو، سرکاری زمین نہ ہو۔ [مسائل وقف، ص: ۴۵-۴۶، المکتبۃ الأسعدی، سہارنپور]

جواب: (۶) اگر کسی عمارت میں ایک خاص جگہ نماز پڑھنے کے لئے مختص کر لی جائے جب کہ اس کے اوپر اور نیچے کی منزلوں میں لوگوں کی رہائش گاہیں اور دکانیں وغیرہ ہو تو ایسی صورت میں یہ جگہ مصلیٰ [جائے نماز] کے حکم میں ہوگی مسجد کے نہیں، لہٰذا اس کے اوپر اور نیچے کی منزلوں کو دنیاوی ضروریات اور بشری تقاضوں کے لئے استعمال کرنا جائز نہیں ہے، اور یہ جگہ اگر چہ مسجد شرعی نہ ہوگی لیکن اس میں باجماعت نماز پڑھنے کی صورت میں جماعت کی فضیلت حاصل ہوگی۔ اپارٹمنٹ اور بلڈنگوں میں جو جگہ نماز پڑھنے کے لئے مختص کی جاتی ہے وہ مسجد شرعی کے حکم میں نہیں ہوتی بلکہ مصلیٰ کی حیثیت رکھتی ہے، اگر مسجد دور ہو تو اس بلڈنگ میں مصلیٰ بنانا شرعاً جائز ہے، تاہم اس کے احکام مسجد کے نہ ہوں گے۔

”قال: ومن جعل مسجداً تحته سرداب أو فوقه بيت وجعل باب المسجد إلى الطريق، وعزله عن ملكه فله أن يبيعه، وإن مات يورث عنه لأنه لم يخلص لله تعالىٰ لبقاء حق العبد متعلقا به.“ [الهداية، كتاب الوقف ۲۰/۳]

مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: یہ طریقہ کہ نیچے کا حصہ اپنی ملکیت میں رہے اور اوپر کی منزل میں مسجد بنادی جائے، اس سے اوپر منزل مسجد شرعی نہیں بن سکتی؛ بلکہ وہ جگہ محض جماعت خانہ کے حکم میں ہوگی، جس میں نماز پڑھنا تو جائز ہے لیکن مسجد شرعی کا ثواب نہیں ملے گا، مسجد شرعی اس وقت بنے گی، جب کہ اوپر اور نیچے دونوں حصے مسجد ہی پر وقف ہوں، اور مسجد کے مصالح کیلئے استعمال کیا جائے۔

”بخلاف ما إذا كان السرداب، أو العلو موقوفاً لمصالح المسجد، فإنه يجوز إذ لا ملك فيه لأحد، بل هو من تتميم مصالح المسجد، فهو كسرداب مسجد بيت المقدس هذا هو ظاهر المذهب.“ [البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد ۵/۲۵۱، كوئٹه] (كتاب النوازل ۸۶۱۳/۱، مرادآباد)

مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: اس سلسلے میں حضرت تھانویؒ نے فقہی جزئیات کو سامنے رکھ کر کافی طویل بحثیں کی ہیں، ان سب کا حاصل یہ ہے کہ اگر اس طرح کی متعدد منزلوں والی عمارت میں سے کسی ایک منزل کی عمارت کو مسجد شرعی کے لئے وقف کر دیا جائے تو اوپر اور نیچے کی منزلوں کو بھی مسجد کی ملکیت

کے لئے دینا لازم ہے، اور انسان کی ملکیت کے حق کو پوری طرح ختم کرنا ضروری ہے، بدون اس کے کوئی بھی منزل مسجد شرعی نہیں بن سکتی، صرف دوسری منزل کو مسجد شرعی کے لئے وقف کرکے اوپر اور نیچے کی منزل کو مالک کا اپنی ملکیت میں رکھنا یہ جائز نہیں ہے۔ [فتاویٰ قاسمیہ ۷/ ۶۶۶، اشرفی دیوبند]

اسی طرح فتاویٰ بینات میں مفتی صاحب ایک سوال کے جواب میں رقم طراز ہیں: مسجد ہونے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ جگہ مشاع نہ ہو، بلکہ اپنی ملکیت سے اس کو بالکل جدا کردے اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جدا راستہ کی شرط بھی ہے، تو جو کمرہ مسجد کے لئے وقف کیا جاتا ہے یہ کمرہ اس وقت مسجد بنے گا جب کہ واقف اس کو مفرز اور جدا کردے کہ اس کے ساتھ اس کی ملکیت کا حق بالکل متعلق نہ ہو اور راستہ بھی جدا ہو، اور اگر کسی دو منزلہ مکان میں بالائی منزل کا صرف ایک کمرہ مسجد بنادے اور اس کا نچلا حصہ وقف نہ کرے تو یہ کمرہ اس کی ملکیت سے خارج ہوکر مسجد نہ ہوگا، اسی طرح صرف تحتانی منزل کا کمرہ مسجد بنادینا اور اوپر کا حصہ اپنی ملکیت میں رکھنا یہ بھی درست نہیں۔

”ولا بد من إفرازه أی تمییزه عن ملکه من جمیع الوجوه فلو کان العلو مسجداً او السفل حوانیت او بالعکس لا یزول ملکه لتعلق حق العبد به کمافی الکافی.“ [ردالمحتار علی الدر المختار، کتاب الوقف ۴/۳۵۶]

چونکہ مساجد اللہ کے گھر ہیں، اس لئے مساجد کے لئے ضروری ہے کہ ان پر بندوں کا ہر قسم کے مالکانہ حقوق بالکل منقطع ہوجائیں اور جب تک کسی جگہ کے ساتھ کسی بندہ کا حق متعلق رہے گا وہ جگہ مسجد نہیں ہوسکتی۔

صورتِ مسئولہ میں اگر بلڈر/ مالک، اپارٹمنٹ اور بلڈنگ میں کوئی جگہ مستقل نماز کے لئے ہی مختص کردے اور اس کو وہ عارضی مصلیٰ نہ کہے اور نہ ہی اس جگہ کو تبدیل کرنے کی کوئی نیت ہو اور اس میں امام ومؤذن مقرر کرکے جماعت بھی شروع کرادے تو شرعاً یہ جگہ نماز کے لئے وقف ہوجائے گی، لیکن چونکہ مسجد شرعی کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ تحت الثریٰ [زمین کے نیچے تہہ] سے لے کر آسمان تک مسجد ہو، اس کے اوپر اور نیچے مسجد کے علاوہ کوئی تعمیر نہ ہو، لہٰذا اپارٹمنٹ میں بنی مسجد جن کے اوپر فلیٹ بنے ہوتے ہیں، وہ ”شرعی مسجد“ شمار نہ ہوں گی۔ ان جگہوں میں نماز باجماعت ادا کرنا جائز ہے، اس سے جماعت کی نماز کا ثواب بھی ملے گا، لیکن مسجد شرعی میں نماز پڑھنے کا جو ثواب ہے، وہ اس میں نہیں ملے گا۔

مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: جس جگہ مسجد بنائی جاتی ہے وہ حصۂ زمین تحت الثریٰ سے لے کر ساتویں آسمان تک مسجد ہی کی ملک ہوجاتا ہے، اور اس پر مسجد کے احکام جاری ہوتے ہیں، اس جگہ کے نیچے یا اوپر ضروریات ومصالح مسجد کے علاوہ کوئی دوسری چیز بنانا جس میں آداب مسجد کی خلاف ورزی ہوتی ہو، ناجائز ہے، لہٰذا مذکورہ صورت میں مسجد شرعی بنانے کے لئے ضروری ہے کہ اس جگہ کو خرید کر اوپر نیچے

مکمل طور پر وقف کیا جائے اور جہاں پر نیچے دوکانیں وغیرہ ہوں اور اوپر مسجد ہو وہاں یہ لازم ہے کہ وہ بھی مسجد کی ملکیت ہو اور حق عبد اور ملکیت عبد کا اس سے منقطع ہو جانا لازم ہے۔

مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: جب تک وقف کر کے اس کا راستہ ہی الگ نہ کر دیا جائے، اور اس میں سب کو آنے اور نماز پڑھنے کا پورا اختیار نہ دے دیا جائے، وہ شرعی مسجد نہیں ہوگی، اوپر کے حصہ میں خود مالکانہ حیثیت سے رہیں اور نیچے کے حصہ میں اذان و جماعت ہونے لگے، اتنی بات اس کے مسجد ہونے کے لئے کافی نہیں، وہاں جماعت ثانیہ کی اجازت ہے۔ [فتاویٰ محمودیہ ۲۱ / ۴۲۵، میرٹھ]

مفتی احمد صاحب خانپوری ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ: عمارت کا بیچ کا حصہ جس کو نماز کے لئے خاص کر لیا گیا ہے اور اس کے اوپر نیچے دکانیں اور آفس ہیں جس وقت عمارت کے اس درمیانی حصہ کو نماز کے لئے خاص کر لیا گیا اس وقت شروع ہی سے اس حصہ کے اوپر اور نیچے واقع دکانیں اور دفاتر مسجد کے وقف ہیں تب تو یہ حصہ شرعی مسجد کہلائے گا اور اگر وہ دکانیں اور دفاتر مسجد کے وقف نہیں، بلکہ کسی اور کی ملک ہیں تو یہ جگہ جس کو نماز کے لئے خاص کر لیا گیا ہے شرعی مسجد نہیں کہلائے گی۔

"يؤخذ من التعليل أن محل عدم كونه مسجداً فيما إذا لم يكن وقفا على مصالح المسجد وبه صرح في الإسعاف فقال: وإذا كان السرداب أو العلو لمصالح المسجد أو كانا وقفا عليه صار مسجداً اهـ" شرنبلالية. [شامی ۳/۴۰۶] (محمود الفتاویٰ ۶/۵۷۳، مکتبہ محمودیہ، ڈابھیل، گجرات)

جواب: (۷) مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: مذکورہ آراضی سے مسجد کی آمدنی بالکل ختم ہو رہی ہے، تو اس زمین کو فروخت کر کے مسجد کی آمدنی کے لئے کوئی دوسری اچھی زمین خرید لینا اور مسجد کے نام وقف کر دینا جائز اور درست ہے۔

"والثاني أن لا يشرطه سواء شرط عدمه أو سكت لكن صار بحيث لا ينتفع به بالكلية بأن لا يحصل منه شيء أصلا ولا يفي بمؤنته فهو أيضا جائز وعلى الأصح إذا كان بإذن القاضي." [شامی، کتاب الوقف مطلب فی استدال الوقف وشروطه ۴/۴۲۴، کوئٹہ] (فتاویٰ قاسمیہ ۱۷/۴۳۴، اشرفی دیوبند)

نیز ایک اور سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: مذکورہ زمین سے مسجد کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ رہا ہے تو اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت سے دوسری ایسی زمین خریدنا جائز ہے، جس سے مسجد کو مستقل فائدہ پہنچتا رہے۔

"سئل الحلواني عن أوقاف المسجد إذا تعطلت وتعذر استغلالها هل للمتولي بيعها ويشتري بثمنها أخرى؟ قال: نعم [إلى قوله] وإذا صار الوقف بحيث لا ينتفع به المساكين فللقاضي أن يبيعه ويشتري بثمنه غيره۔ [فتح القدير، كتاب الوقف، فصل وإذا بنى مسجداً لم يزل ملكه عنه، دار الفكر

بیروت ۶/۲۳۷] (فتاویٰ قاسمیہ-۱۷/۴۳۵، اشرفی دیوبند]

مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: محض آمدنی بڑھانے کی غرض سے موقوفہ جائیداد اور عمارت کو بیچنے یا تبدیل کرنے کی شرعاً اجازت نہیں ہے۔

"والثالث: أن لا يشرطه ولكن فيه نفع في الجملة وبدله خير منه ريعا ونفعاً وهذا لا يجوز استبداله على الأصح المختار..بخلاف الدار إذا اضعنت بخراب بعضها ولم تذهب أصلاً فإنه لا يجوز الاستبدال على كل الأقوال." [شامي، كتاب الوقف ۶/۵۸۴، زكريا] (كتاب النوازل-۱۳/۵۶، مرادآباد)

مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: مسجد کے فائدہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے کرایہ کے موقوفہ مکانات کو بیچ کر ان کے ذریعہ زیادہ آمدنی کے قابل زمین یا مکان مسجد کے لئے خریدنا درست ہے۔

"ثم قال: والظاهر عدم اشتراط اتحاد الجنس في الموقوفة للاستغلال؛ لأن المنظور فيها كثرة الريع، وقلة المرمة والمؤنة، فلو استبدل الحانوت بأرض تزرع ويحصل منها غلة قدر أجرة الحانوت كان أحسن" [شامي، كتاب الوقف/مطلب في شروط الاستبدال-۶/۵۸۶، زكريا] (كتاب النوازل ۱۳/۱۳۲، مرادآباد)

مفتی محمود حسن گنگوہی صاحب ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: جو زمین وقف کی جاتی ہے اس کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ بعینہٖ یہ زمین باقی رہے اور اس کے منافع کو اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے، وہ زمین تجارت کے لئے نہیں دی جاتی ہے، لہٰذا اس کا فروخت کرنا اور زیادہ آمدنی کی زمین حاصل کرنا جائز نہیں، الّا یہ کہ موقوفہ زمین سے انتفاع ہی ختم ہو جائے، تو اس کا حکم دوسرا ہے، اس کے عوض دوسری زمین خرید کر اس کی جگہ وقف کرنا درست ہے۔

"قال هشام: سمعت محمداً يقول: الوقف إذا صار بحيث لا ينتفع به المساكين فللقاضي أن يبيعه ويشتري بثمنه غيره. [بحر كوئٹه ۵/۲۰۷، كتاب الوقف] (فتاویٰ محمودیہ ۱۴/۲۱، میرٹھ)

موقوفہ مکان یا زمین کو فروخت کرنا جائز نہیں؛ لیکن اگر مسجد کے لئے موقوفہ مکان سے انتفاع نہیں ہو رہا ہے، اور آئندہ بھی انتفاع کی امید نہیں ہے، تو اس کو فروخت کر کے حاصل شدہ رقم سے مسجد کی آمدنی کے لئے دوسرا مناسب مکان خریدنے کی گنجائش ہے۔

"وشرط في البحر خروجه عن الانتفاع بالكلّية، وكون البدل عقاراً والمستبدل قاضي الجنّة المفسّر بذي العلم والعمل." [الدر المختار، كتاب الوقف، ۴/۳۸۶، دار الفكر، بيروت]

"والمعتمد أنه يجوز للقاضي بشرط أن يخرج عن الانتفاع بالكلّية، وأن لا يكون هناك ربح للوقف يعمر به". [الفتاوىٰ الهندية، الباب الرابع من كتاب الوقف ۲/۴۰۱، زكريا] (منتخب فتاویٰ

دار العلوم دیوبند، ص: ۴۳۷-۴۳۶، مکتبہ دار العلوم دیوبند)

مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ موقوفہ زمین سے فی الحال کوئی نفع نہیں ہے، بلکہ اس پر سرکاری محصول ادا کرنے کی وجہ سے مزید نقصان ہی برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے کمیٹی اور ذمہ دار حضرات سے مشورہ کر کے اس جگہ کو فروخت کر دیا جائے اور اس کے بدلے میں دوسری نفع بخش جگہ لے لی جائے؛ تاکہ وقف کی آمدنی زیادہ سے زیادہ حاصل ہو سکے تو شرعاً اس کی گنجائش ہے۔

"وكذلك سائر الوقوف عنده إلا أنها إذا اخرجت عند انتفاع الموقوف عليهم به جاز استبدالها بإذن الحاكم بأرض أو دور أخر تكون وقفا مكانها." [اعلاء السنن/كتاب الوقف ۱۲/۳]

وحكى أنه وقع مثله في زمن سيدنا الإمام الأجل في رباط بعض الطرق خرب ولا ينتفع المادة به، وله أوقاف عامرة فسئل، هل يجوز نقلها إلى رباط آخر ينتفع الناس به، قال نعم؛ لأن الواقف غرضه انتفاع المادة ويحصل ذلك بالثاني۔ [شامي، مطلب أنقاض المسجد ونحوه ۵۵/۶ ۵۵-۱۰، زكريا] (كتاب النوازل ۱۵۴-۱۳/۵۳، لال باغ مراد آباد)

ایک صورت یہ ہے کہ استبدال کے بغیر وقف سے فائدہ اٹھانا ناممکن نہ ہو ایسی صورت میں دیانت دار قاضی [قاضی الجنۃ] کی اجازت سے استبدال جائز ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ وقف تو اب بھی قابل انتفاع ہو لیکن استبدال کے ذریعہ اس کو زیادہ نفع بخش بنایا جا سکتا ہو، علامہ شامیؒ کے بقول زیادہ صحیح قول یہی ہے کہ اس صورت میں استبدال جائز نہیں، یہی رائے علامہ ابن ہمامؒ کی بھی ہے۔ [البحر الرائق ۵/ ۲۲، رد المحتار ۳/ ۳۸۷] لیکن علامہ شامیؒ ہی نے ایک موقع پر اس کو جائز لکھا ہے، اور فتاویٰ قاریٔ ہدایہ سے نقل کیا ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے، گو خود اس میں بھی اختلاف ہے کہ فتویٰ اس پر ہے، یا اس کے برعکس رائے پر۔ [بزازیہ علی ہامش الہندیۃ ۶/ ۲۶۴] تاہم علامہ شامیؒ وغیرہ نے استبدال کی اجازت کے لئے جو شرطیں عائد کی ہیں ان کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے، اور ان میں تین شرطیں فی زمانہ بڑی اہمیت کی حامل ہیں، ایک یہ کہ اراضیٔ وقف معمولی قیمت پر فروخت نہ کی جائیں، بلکہ ان کی مناسب اور مروجہ قیمت حاصل کی جائے، أن لا يكون البيع بغبن فاحش، دوسرے بیع کی اجازت دیانت دار قاضی اور ذمہ دار ادارہ کو حاصل ہوگی، فقہاء نے اس کے لئے "قاضیٔ جنۃ" کی شرط لگائی ہے اور قاضیٔ جنۃ سے ایسا قاضی مراد لیا ہے، جو علم اور عمل صالح دونوں کا حامل ہو "أن يكون المستبدل قاضي الجنة"، تیسرے موقوفہ اراضی اور مکانات کے بدلے مکانات اور اراضی ہی حاصل کی جائیں، روپیہ پیسہ سے تبادلہ نہ ہو، یا اگر ہو تو فوراً ہی اس سے غیر منقولہ جائیداد خرید کر لی جائے: أن يستبدل بعقار لا بدارهم ودنانير. (رد المحتار ۳/۳۸۹) (بحواله: قاموس الفقه ۲۵/۳۰، نعيميه)

موقوفہ زمین کو بہ خیال زیادتی منافع تبدیل کرنا یا فروخت کرکے دوسری زمین خریدنا بحکم واجازت قاضی جائز ہے، بغیر اجازت وحکم جائز نہیں ہے، اس جواب کے حاشیہ میں تحریر کیا ہے کہ اراضی وقف کے تبادلہ کا مسئلہ ان چند اہم مسائل میں سے ہے، جن کی اہمیت ہر دور میں رہی ہے، مسئلہ کی تین صورتوں میں سے ایک صورت یہ بیان کی ہے: اگر بالکلیۃ اراضی وقف آمدنی سے محروم ہے یا خرچ آمد سے زائد ہے تو اگر چہ واقف نے اس کے تبادلہ کی اجازت نہیں دی ہو یا تبادلہ پر روک لگائی ہو لیکن قاضی مصلحت وقف کو دیکھتے ہوئے، تبادلہ کی اجازت دے سکتا ہے۔ اور قاضی کے حکم سے تبادلہ کے لئے ضروری ہے کہ:

(۱) اراضی بالکلیہ بے مصرف ہو جائیں اور وقف کے آس پاس ایسی آمدنی نہیں جس سے ان اراضی کو دوبارہ آبادی کے قابل بنایا جاسکے۔

(۲) اراضی کے بدلہ اراضی ہی حاصل کی جائے کہ روپیہ پیسہ اگر لیا گیا تو اس کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہو۔

(۳) اس کی بھی رعایت رکھنا چاہئے کہ یہ تبادلہ غبن فاحش کے ساتھ نہ ہو۔

(۴) قاضی یا متولی وقف کسی ایسے شخص کے ساتھ اراضی وقف کا تبادلہ نہ کرے جو اس کا ایسا قریبی رشتہ دار ہو جس کی شہادت اس کے حق میں مقبول نہ ہو، جیسے باپ بیٹا، بیوی وغیرہ، اسی طرح ایسے شخص کے ساتھ بھی تبادلہ نہیں کیا جائے، جس کا کوئی دین قاضی یا اس متولی وقف پر واجب ہو، فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ اسی قاضی کو یہ اختیار حاصل ہوگا جو علم عمل اور عدل میں ممتاز ہو۔

یہ مسئلہ کہ اگر اراضیٔ وقف سے آمدنی تو حاصل ہوتی ہو لیکن اگر اس کا تبادلہ دوسری اراضی سے کرلیا جائے یا اسے فروخت کرکے دوسری اراضی حاصل کرلی جائے تو وقف کی آمدنی میں اضافہ ہوگا، کیا اضافۂ آمدنی کے خیال سے اراضیٔ وقف کا تبادلہ یا بیع درست ہوگی؟ اس بارے میں امام ابو یوسف جواز کی طرف گئے ہیں اور اسی قول پر مذکور الصدر فتویٰ مبنی ہے۔

لیکن عام طور پر علماء محققین بدلے ہوئے حالات میں اموال وقف میں بے جا تصرف اور اس کی بربادی کو دیکھتے ہوئے اس کی اجازت نہیں دیتے اور ان کا کہنا ہے کہ یہ جواز مبنی بر ضرورت ہے، اور اضافۂ آمدنی ضرورت نہیں، اس سے بڑی ضرورت وقف کی حفاظت اور اس کو اہل ہوس کی دست برد سے بچانا ہے۔ [فتاویٰ امارت شرعیہ ۱/ ۲۱۵ تا ۲۱۷، پھلواری شریف، پٹنہ]

جواب: (۸) مسجد پر وقف اراضی اگر کافی وسیع ہو اور بظاہر طویل عرصہ تک مسجد کی توسیع کی ضرورت پڑنے کا امکان نہ ہو، تو فاضل اراضی میں دینی درسگاہ یا مسلمانوں کے لئے مخصوص عصری تعلیمی ادارہ قائم کیا جاسکتا ہے، البتہ ادارہ سے مسجد کو کچھ کرایہ بھی دلانا چاہئے تاکہ اس زمین کا نفع مسجد کی طرف بھی لوٹے۔ [جدید فقہی مسائل ۲/ ۲۸۶، نعیمیہ]

مفتیٔ اعظم مولانا کفایت اللہ صاحبؒ سے ''مسجد کا روپیہ دینی تعلیم میں خرچ کرنا'' کے سلسلہ میں ایک سوال کیا گیا: مسجد کا روپیہ یا ایسے مکانات کا کرایہ جن کو مسجد کے روپیہ سے تعمیر کیا گیا ہے۔ دینی تعلیم کے مدارس میں صرف کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

اس کا جواب انہوں نے تحریر کیا کہ: اگر دینی تعلیم اسی مسجد میں ہوتی ہو جس کا روپیہ ہے تو دینی تعلیم میں خرچ کرنا جائز ہے، اور اگر دینی تعلیم کا مدرسہ اس مسجد سے علیحدہ جگہ میں ہے تو اگر مسجد کے وقف میں اس کی اجازت واقف نے دی ہو، یا یہ مسجد مستغنی ہو کہ اس روپے کی اسے فی الحال یا فی المال حاجت نہ ہو تو خرچ کرنے کی گنجائش ہے۔ [کفایت المفتی ۷ / ۲۸۲، جامع الفتاوی ۳ / ۶۶۲، ربانی بک ڈپو، دہلی]

صورت مسؤلہ میں اگر مدرسہ مسجد کے تابع ہے اور مسجد ہی کے خرچہ سے مدرسہ قائم کیا گیا ہے، اور مسجد و مدرسہ کا ذمہ دار ایک ہی شخص ہے یا مسجد و مدرسہ کے ذمہ دار مسجد کی کمیٹی ہی ہے اور مسجد ہی کی رسید سے سب کے لئے چندہ کیا جاتا ہے، اور الگ رسید کے ذریعہ سے الگ الگ چندہ کا نظام نہیں ہے، اور مدرسہ کا الگ ذمہ دار نہیں ہے، اور چندہ بھی مسجد کے نام سے ہوتا ہے، اور اسی سے اخراجات پورے ہوتے ہیں تو ایسی صورت میں مدرسہ مسجد سے الگ نہیں سب چیزوں کی آمدنی اور خرچہ مشترک طور پر جائز اور درست ہے، ہاں البتہ اگر مدرسہ کے ذمہ دار مسجد سے الگ ہیں، یا مدرسہ چلانے کی انتظامیہ مسجد سے الگ ہے، تو ایسی صورت میں مسجد کی آمدنی سے مدرسہ چلانا درست نہیں۔ [دارالافتاء بنوری ٹاؤن، فتوی نمبر 144309100429]

جواب نمبر (۸) ''مساجد اور قبرستان کی فاضل اراضی کا تعلیمی اور رفاہی مقاصد کے لئے استعمال'' کے متعلق سوالات کئے گئے تھے، ان کے جوابات درج ذیل ہیں:۔

مولانا عبید اللہ اسعدی نے جواب تحریر فرمایا کہ: مسجد کی ضرورت ومصارف سے زائد وفاضل زمین دینی مدارس وادارو ں کے قیام میں استعمال کی جاسکتی ہے، دینی مدارس سے مقصد وقف وواقف کی جو تکمیل ہوگی وہ عصری اداروں سے نہیں ہوسکتی۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے جواب تحریر فرمایا: مسجد پر وقف اراضی اگر کافی وسیع ہو اور بظاہر طویل عرصہ تک مسجد کی توسیع کی ضرورت پڑنے کا امکان نہ ہو تو فاضل اراضی میں دینی درسگاہ یا مسلمانوں کے لئے مخصوص عصری تعلیمی ادارہ قائم کیا جاسکتا ہے، البتہ ادارہ سے مسجد کو کچھ کرایہ بھی دلانا چاہئے تاکہ اس زمین کا نفع مسجد کی طرف بھی لوٹے، اور واقف کا منشاء بھی پورا ہو۔

مولانا عتیق احمد قاسمی نے جواب تحریر فرمایا: مسجد پر موقوفہ اراضی میں دینی یا عصری تعلیم کا ادارہ قائم کرنا جائز نہیں ہے، الا یہ مسجد کو آباد رکھنے کے لئے ایسے اداروں کے قیام کی شدید ضرورت ہو۔

مفتی جنید عالم قاسمی ندوی نے جواب تحریر فرمایا: مسجد کی موقوفہ اراضی میں اگر چہ اس کی ضروریات سے فاضل کیوں نہ ہو، کوئی بھی ادارہ قائم نہیں کر سکتے ہیں، خواہ وہ دینی ادارہ ہو یا عصری، شرعاً اس کی اجازت نہیں ہوگی، اس لئے کہ یہ منشاء واقف اور مقاصد وقف کے خلاف ہے، جبکہ منشاء واقف کی رعایت ضروری ہے۔

مولانا زبیر احمد قاسمیؒ نے جواب تحریر فرمایا: سوال یہ ہیکہ مسجد پر وقف اراضی اگر فی الحال مسجد کی ہر قسم کی ضروریات سے زائد ہیں تو کیا اس زمین پر مسلمانوں کے لئے دینی یا عصری تعلیم کا کوئی ادارہ قائم کیا جاسکتا ہے؟ اس کا جواب متقدمین فقہاء اور ماضی قریب کے معروف اکابر مفتیان کرام کی تصریحات وفتاوی سے نفی ہی میں نکلتا ہے، لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ عمارت مسجد اور مصالح مسجد دونوں ایک ہی درجہ کے مساوی مصارف ہیں۔

"والأصح ما قال الإمام ظهير الدين أن الوقف على عمارة المسجد ومصالح المسجد سواء كذا في فتح القدير" (ایضاً).

اب اگر مصالح مسجد کے مصداق ومفہوم میں کچھ مزید عموم کر دیا جائے اور کہا جائے کہ ہر وہ کام جس سے مسجد کی حفاظت اس کی موقوفہ اراضی کو دوسروں کی دست برد سے بچانا اور مسجد کی آبادی میں آج یا کل اضافہ ہونا متوقع ہو، سب ہی مصالح مسجد میں داخل ہیں تو پھر ہمارے خیال میں مسجد کی موجودہ ضروریات سے زائد زمین پر دینی مدرسہ کے قیام کی اجازت دی جاسکتی ہے۔

مفتی شبیر احمد قاسمی نے جواب تحریر فرمایا: مسجد پر وقف شدہ اراضی جو فی الحال مسجد کی ضروریات سے زائد ہیں ان میں عصری تعلیم گاہ مثلاً جونیئر ہائی اسکول، یا رفاہی امور کے لئے مناسب کرایہ لے کر یہ ادارے چلائے جائیں اور جائیداد مسجد ہی ملک میں قائم رہے تو ایسی صورت میں جائز ہوسکتا ہے اور اسی طرح کرایہ پر لے کر اپنی تعلیم گاہ بھی قائم کی جاسکتی ہے مگر بلا معاوضہ جائز نہیں ہوگا۔ [جدید فقہی مباحث ۱۲/ ۲۳۴ تا ۲۴۰۔ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی]

جو جگہ مسجد کی ہے اس میں اگر طلباء کے رہنے یا تعلیم کے لئے عمارت بنائیں تو اس جگہ کا کرایہ مناسب تجویز کرلیا جائے، اور مدرسہ کی طرف سے وہ مسجد کو ادا کر دیا کریں۔

"كما لو سكن بلاإذن أو اسكنه المتولي بلاأجر كان على الساكن أجر المثل ودخل ما لو كان الوقف مسجداً أو مدرسةً سكن فيه فتجب فيه أجرة المثل". [شامی ۴/ ۴۰۸، کراچی، هنديه ۲/ ۴۲۰، کوئٹہ مجمع الأنهر ۲/ ۶۰۱] (فتاوی محمودیہ ۲۱/ ۴۴۲، میرٹھ)

مسجد پر وقف شدہ اراضی جو فی الحال مسجد کی ضروریات سے زائد ہیں ان میں عصری تعلیم گاہ مثلاً جونیئر ہائی اسکول یا رفاہی ادارے مثلاً ہسپتال وغیرہ قائم کرنا جائز نہیں ہے، ہاں البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ اگر مسجد کو آمدنی اور پیسوں کی

ضرورت ہوتو کمیٹی کی اجازت سے ان رفاہی امور کے لئے مناسب کرایہ لے کر یہ ادارے چلائے جائیں اور جائیداد مسجد ہی کی ملکیت میں قائم رہے تو ایسی صورت میں جائز ہوسکتا ہے، اسی طرح کرایہ پر لیکر دینی تعلیم گاہ بھی قائم کی جاسکتی ہے مگر بلا معاوضہ جائز نہیں ہوگا، یہ مسئلہ فقہاء کی اس قسم کی عبارت سے واضح ہوتا ہے۔

مال موقوف علی المسجد الجامع واجتمعت من غلاتها ثم نابت الاسلام نائبة مثل حادثة روم واحتیج إلی النفقة فی تلک الحادثة أما المال الموقوف علی المسجد الجامع إن لم تکن للمسجد حاجة للحال فللقاضی أن یصرف فی ذلک لکن علی وجه القرض فیکون دیناًفی مال الفئی، [هندیه ۴۶۴/۲، معناه تاتارخانیه ۸۸۰/۵۔اعلاء السنن بیروتی ۲۳۲/۱۳] (انوار رحمت ص ۱۳۸/ ۱۳۹ مرادآباد)

مسجد کی ملکیت یا وقف کی زمین میں اس شرط پر مدرسہ بنانا جائز ودرست ہے کہ مدرسہ اس زمین کی مناسب قیمت ادا کردے یا مناسب کرایہ دیا کرے بغیر معاوضہ کے جائز نہ ہوگا۔

"لیس للقیم أن یسکن فیها احد بغیر أجر الخ". [تاتارخانیه ۷۴۹/۵]

مگر فتاوی محمودیہ میں مفتی سعید احمد اجراڑوی، مولانا عبد اللطیف اور مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی کا ایک مشترکہ فتوی مسجد کی فاضل زمین پر مدرسہ بنانے کے جواز پر موجود ہے کہ اگر فاضل زمین پر دینی مدرسہ بنانے میں مسجد کی آبادی زیادہ ہوسکتی ہے تو شرعاً جائز اور درست ہے اس لئے کہ یہ بھی مصالح مسجد میں سے ہیں۔ مدرسہ پر مسجد کو قیمت یا کرایہ بھی ادا کرنا لازم نہ ہوگا، مگر دنیوی تعلیم کے لئے مدرسہ یا اسکول قائم کرنا جائز نہیں اس لئے کہ یہ مصالح مسجد میں سے نہیں اور ان حضرات نے البحر الرائق کی اس طرح کی عبارت سے مفہوم حاصل فرمایا ہے:

"الثامنة فی وقف المسجد أیجوز أن یبنی من غلته منارة؟ قال فی الخانیة معزیاالی ابی بکر البلخی ان کان ذلک من مصلحة المسجد بأن کان أسمع لهم فلا بأس به۔الخ [البحر الرائق ۲۲۵/۵]

ضروری شرائط اس میں یہ ہیں کہ مسجد اور مدرسہ دونوں کا ذمہ دار ایک ہی ہونا، ناظم ومتولی یا مہتمم بھی ایک ہی ہو اور اگر کمیٹی کے تحت ہوتو کمیٹی بھی صرف ایک ہی ہو۔ دوسری اہم شرط یہ بھی ہے کہ مدرسہ خالص دینی مدرسہ ہو جس میں صرف قرآن کریم، فقہ، حدیث کی تعلیم ہوتی ہو جیسا کہ مدرسہ شاہی مرادآباد مدرسہ امینیہ دہلی اور مدرسہ عبد الرب اور مدرسہ حسین بخش اور مدرسہ کاشف العلوم مرکز نظام الدین وغیرہ سب مسجد کی زمین پر احاطہ مسجد میں واقع ہیں۔

ہاں البتہ اسکول ودنیوی تعلیم جائز نہ ہوگی۔ (انوارِ رحمت ص: ۱۴۸/ ۱۴۹، مرادآباد)

احاطۂ مسجد کی وہ جگہ مسجد کے مصالح کے لئے وقف ہے، اس جگہ مدرسہ بنانے کی اجازت دینا درست نہیں ہے۔ البتہ یہ ہوسکتا ہے وہ جگہ دینی مدرسہ چلانے کے لئے کرایہ پر دی جائے اور کرایہ مسجد کے مفاد میں صرف ہوتا رہے۔ [جامع الفتاویٰ ۵۳۲/۳، ربانی بک ڈپو، دہلی]

خلاصۂ جوابات

(۱) مساجد میں مکاتب تو ہوں، لیکن مستقل مدرسہ نہ ہو، اور کسی منزل میں رہائش گاہ تو قطعاً نہیں ہونی چاہئے، یہ مسجد کی بے ادبی و بے حرمتی ہے، مسجد کے مقاصد و اساس کے بھی خلاف ہے۔ بہ ظاہر پوری منزل تدریس و تعلیم و مطالعہ کے لئے خاص کر لینے میں کراہت تنزیہی اور دارالاقامہ بنانے میں کراہت تحریمی معلوم ہوتی ہے۔

(۲) اول تو جو مسجد نماز باجماعت کے لئے نماز انفرادی نوافل تلاوت و ذکر الٰہی کے لئے کافی ہو، تو اس کو اتار کر [منہدم] دوسری تعمیر کرنا اسراف و منع ہے، چونکہ یہ کام بے ضرورت ہے، اور ایک بار مسجد بن جانے کے بعد اس میں ایسا تصرف کہ دوکانات بنائیں منع ہے، نیز امام و مؤذن کے فیملی کمرے حجرے بنانا بھی سخت منع ہے، اور امام و مؤذن کے حجرے بھی مسجد کی شرعی حدود میں بنانا اچھا نہیں ہے، اجتناب بہتر ہے۔

(۳) پارکنگ وغیرہ جدید بنائی جانے والی مسجد میں ابتدائی تعمیر میں درست ہے، لیکن قدیم مسجد میں درست نہیں ہے۔

(۴) مسجد شرعی کی حدود میں عصری درسگاہوں کے بچوں و بچیوں کے لئے جب کہ وہ باشعور ہوں جزء وقتی مکاتب مناسب بلکہ ضروری ہیں، اور سوالنامہ کی تفصیل کے پیش نظر مناسب ہے کہ شرعی مسجد کو جوں کا توں باقی رکھا جائے، اور اس سے ملحق قطعہ زمین کو مسجد شرعی میں شامل کئے بغیر تعمیر کر لیا جائے، جس میں پارکنگ کا نظم ہو، اور فوقانی منازل میں ان کے لئے تعلیم و تعلّم کا نظم ہو۔ دینی مجالس کا انعقاد ہو، بہ وقت ضرورت مناسب مواقع پر خواتین کی تربیتی و اصلاحی مجالس ہوں، اور جمعہ و ماہ رمضان المبارک میں مسجد نمازیوں سے بھر جانے کے بعد مردوں کی صفوف بھی لگ جائیں۔

(۵) یہ اپارٹمنٹ کا حصہ عام عبادت گاہ ہے، جماعت درست ہے، مسجد شرعی کے احکام مرتب نہ ہوں گے، مثلاً اعتکاف نہ ہوگا، حائض و نفساء و جنب کا داخلہ ممنوع نہ ہوگا۔

(۶) بڑے شہروں میں جہاں آبادی گھنی ہوتی ہے، مساجد یا تو دور ہوتی ہیں یا وہ نمازیوں سے بھر جاتی ہیں، یا بہت سے کاروباری لوگ یا خریداران اس کمرشیل کمپلیکس میں بہ وقت نماز ہوتے ہیں اور اندرون جماعت خانہ ہونے پر نماز ادائیگی کر لیں گے تو وہاں اس طرح عبادت گاہ بنانا درست ہے، البتہ وہ مسجد شرعی کے حکم میں نہیں ہوگی۔

(۷) مسجد کی مملوکہ اراضی سے منفعت ختم ہو جائے تو درست ہے، اور اگر منفعت کم ہو جائے تو علماء کی رائے مختلف ہے، آج کے دور میں عموماً شخص واحد متولی نہ ہو کر پوری ایک کمیٹی/ٹرسٹ/انجمن منتظم ہوتی ہے، وہ باہمی مشاورت و اتفاق رائے سے مسجد کے مفادات کا تحفظ کرتے ہوئے ایسا کر سکتے ہیں۔ وقف بورڈ کو بھی اس اقدام سے باخبر رکھیں۔

(۸) ایسا کیا جا سکتا ہے، گنجائش ہے، کرایہ نامہ باضابطہ و باقاعدہ بنایا جائے۔

مساجد اوران کے اوقاف سے متعلق چند مسائل

ڈاکٹر صفدر زبیر ندوی
انچارج شعبہ علمی، اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا)، نئی دہلی

تمہید:

مسجد صرف عبادت گاہ ہی نہیں ہوتی ہے بلکہ اس کی سماجی، سیاسی اور تعلیمی اہمیت بھی ہے، روحانیت کا مرکز اور پاکیزگی کا مظہر بھی ہے۔ مسجد نبوی کی مثال ہمارے سامنے ہے، جو کہ ایک سماجی مرکز، عدالت اور مذہبی درسگاہ کے طور پر کام کرتی تھی۔ آیات و احادیث سے مسجد کی اہمیت وفضیلت واضح ہے، اور وہ یہ بتاتی ہیں کہ مساجد توحید خداوندی اور اسلام کی دعوت کے مراکز ہیں، اور دین میں اخلاص پیدا کرنے کا سرچشمہ ہیں، نیز ان کی آبادی اللہ کے ذکر، نماز اور عبادت سے ہوتی ہے، چند آیات مندرجہ ذیل ہیں:

إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللهِ مَنْ آمَنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ وَأَقَامَ الصَّلاَةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَلَمْ يَخْشَ إِلاَّ اللهَ فَعَسَى أُوْلَئِكَ أَنْ يَكُونُوا مِنَ الْمُهْتَدِينَ. (سورہ التوبۃ/۱۸)۔

''اللہ کی مسجدوں کو وہی لوگ آباد کریں جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائیں، جو نماز قائم کریں، زکوۃ ادا کریں اور صرف اللہ ہی سے ڈریں، تو امید ہے کہ وہ ہدایت پانے والوں میں شامل ہو جائیں گے''۔

''وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّهِ فَلاَ تَدْعُوا مَعَ اللّهِ أَحَداً''. (سورۃ الجن/۱۸)

''اور یہ کہ مسجدیں اللہ ہی کے لئے ہیں تو اللہ کے ساتھ کسی اور کی عبادت نہ کرو''۔

یہ آیت مسجد میں توحید کا پرچار کرنے اور مساجد کو ہر نوع کے شرک سے دور رکھنے کی ہدایت کرتی ہے۔

اسی طرح مسجد کی اہمیت پر کئی احادیث موجود ہیں، جن میں سے ایک حدیث یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

عن عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ رضی اللہ عنہ إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ -صلى الله عليه وسلم- يَقُولُ: ''مَنْ بَنَى مَسْجِدًا لِلّهِ تَعَالَى - قَالَ بُكَيْرٌ حَسِبْتُ أَنَّهُ قَالَ - يَبْتَغِي بِهِ وَجْهَ اللهِ - بَنَى اللهُ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ''. (صحیح مسلم ۲/۶۸، حدیث نمبر: ۱۲۱۷)۔

''جس نے اللہ کی رضا کے لیے مسجد بنائی، اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں گھر بنائے گا''۔

عَنْ عُمَرَ رضی اللہ عنہ بْنِ الْخَطَّابِ, قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى الله عَلَيْهِ وسَلَّمَ يَقُولُ: "مَنْ بَنَى مَسْجِدًا يُذْكَرُ فِيهِ اسْمُ اللَّهِ، بَنَى اللَّهُ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ" (سنن ابن ماجه ۱/۴۷۳، حدیث نمبر: ۷۳۵).

"کسی نے مسجد اس لئے بنائی کہ اس میں اللہ کا ذکر کیا جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں گھر بنائے گا"۔

اور ایک روایت میں یہ بھی ہے:

"عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى الله عَلَيْهِ وسَلَّمَ قَالَ: مَنْ بَنَى مَسْجِدًا لِلَّهِ, كَمَفْحَصِ قَطَاةٍ, أَوْ أَصْغَرَ، بَنَى اللَّهُ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ". (سنن ابن ماجه ۱/۴۷۵، حدیث نمبر: ۷۳۸)

کہ جس شخص نے پرندے کے گھونسلے کے برابر یا اس سے بھی چھوٹی مسجد اللہ کے لیے بنوائی، تو اللہ اس کے لیے جنت میں ایک گھر بنائے گا۔

ایک حدیث کے مطابق مسجد اللہ کے ہاں سب سے پسندیدہ جگہ ہے، ایک اور حدیث میں اس میں باجماعت نماز پڑھنے کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ مسجد مسلمانوں کے لیے عبادت، اجتماع اور تعلیم کا مرکز ہوتی ہے۔ اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے کہ مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے جانے والے شخص کو ہر قدم پر ثواب ملتا ہے۔ ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ مسجد کی تعمیر میں حصہ لینے والے شخص کو بھی اللہ تعالیٰ اجر عطا فرماتا ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ مسجد کو آباد کرنے والے لوگ اللہ کے ہاں پسندیدہ ہیں۔ ایک اور حدیث کے مطابق مسجد میں نماز پڑھنے سے گناہ معاف ہوتے ہیں۔

اسی طرح مساجد کی تقدیس و تعظیم، اسلام میں مساجد کی بلند شان اور مسجد میں داخل ہونے والے شخص کے لیے ثواب اور اجرِ عظیم کی بشارتوں کے سلسلے میں کئی روایات منقول ہیں۔

اس تمہید کے بعد سوالوں کے جوابات پیش خدمت ہیں:

۱۔ مسجد کی بعض منزلوں کو درسگاہ اور طلبہ کی رہائش گاہ بنانا:

جواب ۱۔ مسجد کو طلباء کی رہائش گاہ اور تعلیم گاہ بنانا درست نہیں ہے۔ مسجد ایک عبادت گاہ ہے اور اس کا بنیادی مقصد عبادت ہے؛ البتہ مسجد میں ضرورت کے تحت دینی تعلیم دی جاسکتی ہے، طلباء کی رہائش یا تعلیم کے لیے استعمال کرنا مسجد کی حرمت اور تقدس کے منافی ہے؛ چونکہ مسجد کا بنیادی مقصد مسلمانوں کے لیے نماز ادا کرنا اور اللہ کی عبادت کرنا ہے۔ مسجد ایک مقدس مقام ہے اور اس کی حرمت کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ شریعت کی رو سے مسجد کو اس کے اصل مقصد کے علاوہ کسی اور مقصد کے لیے استعمال کرنا درست نہیں ہے؛ اس لیے مسجد کو طلباء کی رہائش گاہ اور تعلیم گاہ بنانا درست نہیں ہے۔

دارالعلوم دیوبند کے فتاوی میں ہے:

جواب نمبر: 607185

جب مدرسے کے لیے وضوخانے کے اوپر دوفلور مختص ہیں تو مدرسے کے بچوں کے سونے کا انتظام وہیں کرنا ضروری ہے؛ اس لیے کہ مسجد میں مسافر یا معتکف کے علاوہ کسی اور کا سونا مکروہ ہے، اسی طرح تعلیم وتدریس کے لیے بھی حتی الامکان مدرسے کے لیے مختص جگہ کو استعمال کرنا چاہئے؛ البتہ اگر کوئی ضرورت ہو تو تعلیم وتدریس کے لیے مسجد کو استعمال کرنے کی گنجائش ہے۔

فی الدر: ونوم إلا لمعتكف أو غريب (ردالمحتار 435/2، ط: زكريا)۔

في الهندية: وَأَمَّا الْمُعَلِّمُ الَّذِي يُعَلِّمُ الصِّبْيَانَ بِأَجْرٍ إذَا جَلَسَ فِي الْمَسْجِدِ يُعَلِّمُ الصِّبْيَانَ لِضَرُورَةِ الْحَرِّ أَوْ غَيْرِهِ لَا يُكْرَهُ. (110/1، قديم، الباب السابع من كتاب الصلاة)۔

واللہ تعالیٰ اعلم

دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند

اس سے متعلق دارالعلوم دیوبند کا ایک اور فتوی ہے:

جواب نمبر: 176834

مسجد شرعی تحت الثری سے لے کر ثریا یعنی آسمان کی فضا تک مسجد ہی کے حکم میں ہوتی ہے؛ لہٰذا مسجد شرعی کے تمام حصوں خواہ نچلا حصہ ہو یا اوپر والا حصہ مسجد کے علاوہ کسی دوسرے استعمال میں لانا صحیح نہیں ہے۔

وحاصله أنّ شرط كونه مسجدا أن يكون سفله وعلوه مسجدا لينقطع حق العبد عنه لقوله تعالى: وأنّ المساجد لله (الجن: ١٨) بخلاف ما إذا كان السرداب والعلوّ موقوفا لمصالح المسجد فهو كسرداب بيت المقدس، هذا هو ظاهر الرواية (ردالمحتار، مطلب في أحكام المسجد، ٦/٥٤٧، ط: زكريا)؛

البتہ اگر ابتداء بناء کے وقت ہی مسجد کے نیچے مصالح مسجد مثلاً امام صاحب ومؤذن کی رہائش کے لیے کسی جگہ کو خاص کرلیا جائے تو بعض علماء کے نزدیک اس کی گنجائش ہے؛ لیکن استنجاخانہ بنانا وہاں جائز نہیں ہے۔

لو بنى فوقه بيتا للإمام لا يضرّ؛ لأنّه من المصالح أمّا لو تمّت المسجديّة ثمّ أراد البناء منع ولو قال: عنيت ذلك لم يصدّق۔ (الدر المختار، الوقف، ٦/٥٤٨، ط: زكريا ديوبند)

بقي لو جعل الواقف تحته بيتا للخلاء هل يجوز كما في مسجد محلّة الشحم في دمشق؟ لم أره صريحا۔ قال الرافعي: الظاهر عدم الجواز وما يأتي متنا لايفيد الجواز؛ لأنّ بيت الخلاء ليس من مصالحه على أنّ الظاهر عدم صحّته جعله مسجدا بجعل بيت الخلاء تحته كما يأتي أنّه لو جعل

السقاية أسفله لا يكون مسجدا فكذا بيت الخلاء ؛ لأنهما ليسا من المصالح (رد المحتار مع تقريرات الرافعي ۲/۴۲۸).

پس صورت مسئولہ میں امام ومؤذن صاحب کی رہائش میں تو کوئی حرج نہیں ہے؛ البتہ استنجا خانہ وہاں سے ختم کردیا جائے اور فیملی کا رہنا جس میں کبھی ناپاکی کی حالت ہوگی اور کبھی بچے گندگی کریں گے، مناسب نہیں ہے۔

اسی طرح مسجد شرعی میں مستقل طور پر مدرسہ قائم کرنا صحیح نہیں ہے؛ البتہ عارضی طور پر یا مسجد کے تابع مکتب جاری کریں تو اس کی گنجائش ہے، بشرطیکہ آنے والے بچے مسجد کے آداب کو ملحوظ رکھیں اور مسجد میں گندگی وغیرہ نہ ہونے دیں۔

دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند

دارالافتاء بنوری ٹاؤن کے ایک فتوی میں ہے:

سوال: مسجد میں مقامی طلبہ کی کلاسیں لگتی ہیں ان سے فیس لی جاتی ہے، ان طلبہ کی کلاس مسجد میں لگانے کا شرعی حکم کیا ہے؟

جواب: مسجد میں مستقل بنیادوں پر مدرسہ یا مکتب قائم کرنا شرعاً جائز نہیں، تاہم جگہ کی تنگی کے باعث مدرسہ کے اساتذہ عارضی طور پر مسجد میں تعلیم دیں، مسجد کے آداب کی مکمل رعایت رکھیں اور طلبہ سے فیس نہ لیں تو اس کی گنجائش ہے اور جب مسجد سے باہر مدرسہ کے پاس جگہ کا انتظام ہوجائے تو کلاس کو مسجد سے باہر لے جائیں، لیکن مسجد میں تعلیم دینے کے عوض فیس نہ لی جائے۔

فتاوی شامی میں ہے:

"(اتحد الواقف والجهة وقل مرسوم بعض الموقوف عليه) بسبب خراب وقف أحدهما (جاز للحاكم أن يصرف من فاضل الوقف الآخر عليه) لأنهما حينئذ كشيء واحد.(وإن اختلف أحدهما) بأن بنى رجلان مسجدين أو رجل مسجدا ومدرسة ووقف عليهما أوقافا (لا) يجوز له ذلك." (كتاب الوقف، ج4، ص360، ط:سعيد)

فتح القدیر میں ہے:

"ومعلم الصبيان القرآن كالكاتب إن كان لأجر لا وحسبة لا بأس به. ومنهم من فضل هذا إن كان لضرورة الحر وغيره لا يكره وإلا فيكره، وسكت عن كونه بأجر أو غيره، وينبغي حمله على ما إذا كان حسبة، فأما إن كان بأجر فلا شك في الكراهة، وعلى هذا فإذا كان حسبة ولا ضرورة يكره لأن نفس التعليم ومراجعة الأطفال لا تخلو عما يكره في المسجد، والجلوس في المسجد بغير صلاة

جائز لا للمصيبة." (كتاب الصلاة، فصل ويكره استقبال القبلة بالفرج في الخلاء، ج1، ص422، ط:دار الفكر لبنان)

فقط واللہ اعلم

دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیۃ بنوری ٹاؤن

فتوی نمبر: 144402100342

تاریخ اجراء: 01-09-2022

۲۔مسجد کی نیچے کی منزل میں دکانیں بنانا اور مسجد کے اوپر کی منزل میں امام اور مؤذن کے لئے فیملی قیام گاہ بنانا:

جواب ۲۔ اگر مسجد پہلے سے موجود ہے اور اس کے نیچے تہہ خانہ بنا کر دکانیں بنائی جائیں تو یہ ناجائز ہے؛ تاہم اگر دکانیں پہلے بنائی جائیں اور پھر ان کے اوپر مسجد تعمیر کی جائے تو یہ جائز ہے؛ بشرطیکہ دکانیں مسجد کے فائدے کے لیے ہوں اور مسجد کے ساتھ وقف ہوں، اس کا مطلب ہے کہ دکانوں سے حاصل ہونے والی آمدنی مسجد کے اخراجات اور دیکھ بھال کے لیے استعمال ہوگی۔

قال في الشامية: يؤخذ من التعليل ان محل عدم كونه مسجداً فيما اذا لم يكن وقفاً على مصالح المسجد وبه صرح في الإسعاف فقال: واذا كان السرداب او العلو لمصالح المسجد او كانا وقفاً عليه صار مسجداً۔ وفي الدر: امّا لو تمّت المسجدية ثم اراد البناء منع۔ (4/357، كتاب الوقف، ط:سعيد)

دارالعلوم دیوبند کے فتاوی میں ہے:

سوال: میرا سوال یہ ہے کہ پرانی مسجد کو شہید کر کے اُسی جگہ پر مسجد اِس طور پر تعمیر کرنا کہ پہلے نیچے دکانیں مسجد کے نام پر مسجد کی آمدنی کے لئے اور دکانوں کے اوپر مسجد تعمیر کرنا کیسا ہے؟ اور خاص کر جماعت خانہ بھی دکان کے اوپر آرہا ہو تعمیر میں، تب کیا اِس طرح مسجد کی تعمیر کرنا صحیح ہے؟ اور اگر مسجد بن چکی ہو اسی طرز پر تب وہ مسجد شمار ہوگی یا عبادت خانہ؟

جواب نمبر: 609327

(۱، ۲): صورت مسئولہ میں اگر مسجد کی بنائے اول کے وقت تحتانی حصہ مسجد شرعی سے مستثنیٰ نہیں کیا گیا تھا (جیسا کہ ظاہر یہی ہے) تو نئی تعمیر کے موقعہ پر مسجد شرعی کے تحتانی حصہ میں دکانیں بنانا جائز نہیں، یہ مسجد میں دکانیں بنانا ہے، اور یہ مسجد مسجد شرعی ہی ہے، محض مصلی (جماعت خانہ) نہیں ہے؛ کیوں کہ جب کسی زمین کو مسجد بناتے وقت اس کا تحتانی یا فوقانی حصہ مسجد شرعی سے مستثنیٰ نہ کیا جائے تو تحت الثری سے ظاہر آسمان تک سارا کا سارا حصہ تا قیامت

ہمیشہ ہمیش کے لیے مسجد شرعی ہوتا ہے۔

(و) كره تحريماً(...البول والتغوط)؛ لأنه مسجد إلى عنان السماء.(الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها. (۴۲۸/۲، ط: مكتبة زكريا ديوبند، ۱۹۴/۴۔ ۱۹۵، ت: الفرفور، ط: دمشق)۔

قوله: "إلى عنان السماء": بفتح العين، وكذا إلى تحت الثرى كما في البيري عن الإسبيجابي (رد المحتار).

لو بنى فوقه بيتاً للإمام لا يضر؛ لأنه من المصالح، أما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع إلخ تتار خانية،..يجب هدمه ولو على جدار المسجد إلخ (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الوقف، ۶/ ۵۴۸، ط: مكتبة زكريا ديوبند، ۴۳۴/۱۳، ت: الفرفور، ط: دمشق)۔واللہ تعالیٰ اعلم دار الافتاء، دار العلوم دیوبند

اس سلسلہ میں دار الافتاء بنوری ٹاؤن کا فتوی ہے:

واضح رہے کہ اگر وقف زمین پر مسجد کی تعمیر سے پہلے نیچے والے حصے میں دکانیں بنائی جائیں، اور یہ دکانیں مسجد کے مصالح اور آمدنی کے لیے ہوں، تو اس کی گنجائش ہے، اور ایسی صورت میں اوپر والی جگہ شرعی مسجد کے حکم میں ہوگی؛ تاہم بہتر یہی ہے کہ ابتدائی تعمیر کے وقت بھی دکانیں فناءِ مسجد اور مسجد کے احاطہ یعنی نماز پڑھنے کے لیے مختص کی گئی جگہ کے اردگرد بنائی جائیں، عین اس کے نیچے نہ بنائی جائیں؛ لیکن مسجد کی تعمیر مکمل ہونے کے بعد مسجد کے نیچے دکانیں بنانے کی شرعاً اجازت نہیں ہے، نیز اگر پہلے سے بنائی گئی دکانیں مسجد کے مصالح کے لیے وقف نہیں ہیں، بلکہ شخصی ملکیت ہیں تو ایسی صورت میں اس کے اوپر والی جگہ شرعی مسجد نہیں بنے گی، بلکہ یہ عرفی مسجد ہے، اس میں نماز باجماعت پڑھنا درست ہے، البتہ اس کا ثواب شرعی مسجد کا نہیں ہوگا اور اس میں اعتکاف بھی درست نہیں ہوگا۔

فتاوی شامی میں ہے:

"(وإذا جعل تحته سرداباً لمصالحه) أي المسجد (جاز) كمسجد القدس (ولو جعل لغيرها أو) جعل (فوقه بيتاً وجعل باب المسجد إلى طريق وعزله عن ملكه لا) يكون مسجداً.

وإذا كان السرداب أو العلو لمصالح المسجد أو كانا وقفاً عليه صار مسجداً. اهـ. شرنبلالية". (4/ 357، كتاب الوقف، ط: سعيد) فقط واللہ اعلم

فتوی نمبر: 144107200331

دار الافتاء: جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

بنوری ٹاؤن کا ہی ایک دوسرا فتوی ہے:

سوال: اگر کسی مسجد کے نیچے پہلے سے دکانیں بنائیں جائیں اور دوسری منزل پر مسجد ہو، دکانیں مسجد کی ہیں، کیا یہ مسجد شرعی مسجد ہوگی؟

جواب: واضح رہے کہ اگر کوئی جگہ خاص مسجد بنانے کے لیے وقف کردی جائے کہ وہاں نماز پڑھی جائے تو اس جگہ پر (نیچے یا اوراوپر) مسجد کے علاوہ کوئی اور چیز بنانا شرعًا جائز نہیں ہے، وہ جگہ زمین سے آسمان تک مسجد کے حکم میں ہوتی ہے۔

البتہ اگر کسی جگہ پر دکانیں وغیرہ پہلے سے بنی ہوں اور ان دکانوں کے اوپر والے حصہ میں مسجد بنائی جائے تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر دکانیں مسجد کے مصالح اور آمدنی کے لیے وقف کردی جائیں تو یہ مسجد شرعی مسجد کے حکم میں ہوگی، نیز اس صورت میں مذکورہ دکانوں میں کوئی ایسا کام کرنا منع ہوگا جو مسجد کے آداب کے خلاف ہو۔ اور اگر دکانیں مسجد کی مصالح اور آمدنی کے لیے وقف نہ کی جائیں تو یہ مسجد شرعی مسجد نہیں کہلائی گی؛ بلکہ مصلّے کے حکم میں ہوگی۔

فتاوی شامی میں ہے:

"[فرع] لو بنى فوقه بيتا للإمام لا يضر لأنه من المصالح، أما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع..

(358/4، كتاب الوقف، ط: سعيد) وفي المحيط البرهاني:

"إذا أراد إنسان أن يتخذ تحت المسجد حوانيت غلة لمرمة المسجد أو فوقه ليس له ذلك."

(كتاب الوقف، الفصل الحادي والعشرون: في المساجد وهو أنواع، 6/ 207، ط: دار الكتب العلمية، بيروت) فقط واللہ اعلم دار الافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیۃ بنوری ٹاؤن

فتوی نمبر: 144506101308

تاریخ اجراء: 27-12-2023

۳۔ موجودہ حالات میں مسجد کے بیسمنٹ میں پارکنگ بنانا:

جواب ۳۔ یہ بات ذہن نشیں رہے کہ جو جگہ مسجد کے لیے وقف ہوچکی ہو اور اس جگہ میں کم از کم ایک بار جماعت کے ساتھ نماز ادا کی جاچکی ہو تو وہ جگہ مسجد شرعی بن جاتی ہے اور مسجد شرعی حقیقت میں زمین سے لے کر آسمان تک مسجد ہوتی ہے، لہذا ایسی جگہ میں مسجد شرعی بننے کے بعد اس کے کسی بھی حصے کو چاہے نیچے کا حصہ ہو یا اوپر کا، مسجد کے علاوہ دوسرے مقاصد کے طور پر استعمال کرنا شرعاً جائز نہیں؛ کیوں کہ اس سے مسجد کا بنیادی مقصد متاثر ہوجاتا ہے اور وقف میں تغییر لازم آتی ہے جو کہ شرعا جائز نہیں۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں آپ کے یہاں کی مسجد جب پہلے سے سطح زمین پر بنی ہوئی ہے اور اس کے نیچے

پارکنگ نہیں ہے تو اب از سر نو تعمیر کی صورت میں وہاں گاڑیوں کے لیے پارکنگ بنانا جائز نہیں ہوگا۔ ورنہ جو لوگ ایسا کریں گے وہ مسجد کی جگہ کو غلط استعمال کرنے کی وجہ سے سخت گناہ گار ہوں گے۔ اب رہ گئی بات پارکنگ نہ ہونے کی وجہ سے فتنے کے اندیشہ کی تو اس کے لیے کسی دوسری جگہ کا انتخاب کرے۔

"لو تمت المسجدية ثم اراد البناء منع۔۔۔ (ولو خرب ما حوله واستغني عنه يبقى مسجدا عند الامام والثاني) أبدا الى قيام الساعة (وبه يفتى)"۔ (الدر المختار مع رد المحتار ۶/۵۴۸)

علامہ شہاب الدین احمد چلپی تحریر فرماتے ہیں:

"و قد ذكر المصنف فى علامة النون من كتاب التجنيس قيم المسجد اذا اراد ان يبنى حوانيت فى المسجد او فى فنائه فلا يجوز له ان يفعل لانه اذا جعل المسجد مسكنا تسقط حرمته". (حاشية تبيين الحقائق ۴/۲۷۴)

قيم المسجد لا يجوز له ان يبني حوانيت فى حد المسجد أو فى فنائه؛ لان المسجد اذا جعل حانوتا ومسكنا تسقط حرمته وهذا لا يجوز، والفناء تبع المسجد فيكون حكمه حكم المسجد، كذا في محيط السرخسى"۔ (الفتاوى الهندية ۲/۴۱۳)

دار العلوم دیوبند کے فتاوی میں ہے:

سوال: مسجد کے نیچے پارکنگ کے لئے تہہ خانہ بنانا کیسا ہے؟

جواب نمبر: 174032

اگر نئی مسجد تعمیر ہو رہی ہے تو مسجد کے نچلے حصے میں مصلیوں کی گاڑیوں کی پارکنگ کے لیے تہ خانہ بنانا شرعا جائز ہے، اگر کسی جگہ مسجد تھی، اب اسی جگہ پر از سر نو مسجد تعمیر کی جارہی ہے تو پھر مسجد کے نیچے تہ خانہ بنانا شرعا جائز نہیں ہے؛ ہاں اگر کچھ زائد جگہ (جو مسجد پر وقف ہو) شاملِ مسجد کی جارہی ہو تو پھر اس حصے کے نیچے مصلیوں کی گاڑیوں کی پارکنگ کے مقصد سے تہ خانہ بنانے کی شرعا گنجائش ہے۔

محل عدم كونه مسجدا فيما إذا لم يكن وقفا على مصالح المسجد وبه صرح فى الإسعاف فقال: وإذا كان السرداب أو العلو لمصالح المسجد أو كانا وقفا عليه صار مسجدا. اه. شرنبلالية.. (كما لو جعل وسط داره مسجدا وأذن للصلاة فيه) حيث لا يكون مسجدا إلا إذا شرط الطريق زيلعى. لو بنى فوقه بيتا للإمام لايضر؛ لأنه من المصالح، أما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع إلخ (الدر المختار مع رد المحتار 6/547-548، ط: زكريا) واللہ تعالیٰ اعلم دار الافتاء، دار العلوم دیوبند

۴۔مصالح مسجد کے لئے مسجد کے اوپر والے حصہ میں جز وقتی دینی تعلیم کا فیس کے ساتھ نظم کرنا:

جواب ۴۔ایسی صورت میں مسجد کے نیچے پارکنگ اور اوپر درسگاہ بنانا جائز ہے۔مسجد کے نیچے پارکنگ اور اوپر درسگاہ بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ مسجد کی حرمت اور تقدس کا خیال رکھا جائے۔ پارکنگ اور درسگاہ کو مسجد سے الگ اور محفوظ جگہ پر بنایا جائے اور ان کا مسجد کے ساتھ کوئی براہ راست تعلق نہ ہو۔

وحاصله ان شرط كونه مسجدا ان يكون سفله وعلوه مسجدا لينقطع حق العبد عنه لقوله تعالى (وان المساجد لله) (الجن: ۱۸) بخلاف ما اذا كان السرداب او العلو موقوفا لمصالح المسجد فانه يجوز اذ لا ملك فيه لاحد...ولا يجوز للقيم ان يجعل شيئا من المسجد مستغلا ولا مسكنا"۔ (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل فى احكام المساجد ۵/۴۲۱)

شرائط:

۱۔ مسجد کی حرمت کا خیال رکھا جائے۔

۲۔ مسجد اور دیگر سہولیات کے درمیان مناسب فاصلہ رکھا جائے۔

۳۔ کوئی ایسا کام نہ کیا جائے جو مسجد کی حرمت کے منافی ہو۔

۴۔ درسگاہ مسجد کے عملے کے لیے رہائش گاہ کے طور پر استعمال نہ ہو۔

۵۔ مسجد کے نیچے وضوخانہ یا استنجاء خانہ نہیں بنایا جاسکتا۔

۶۔ اس سے مسجد کے نمازیوں کو کوئی تکلیف نہ ہو۔

۷۔ وہ جگہ کسی بھی قسم کی عبادت یا مذہبی عمل کے لیے استعمال نہ ہو۔

۸۔ اس جگہ کا استعمال صرف ضرورت کے تحت کیا جائے۔

۵۔ بلڈنگ یا اپارٹمنٹ میں کسی حصہ کو خرید کر مسجد بنانے کا مسئلہ:

جواب ۵۔موجودہ دور میں آبادی کے اضافے اور زمین کے مہنگے ہونے کی وجہ سے کثیر منزلہ رہائشی عمارات اور خریداری کے مراکز کا رجحان بڑھتا جارہا ہے، ان کثیر منزلہ عمارات میں عام طور پر نماز کے لئے مناسب جگہ مخصوص تو کی جاتی ہے لیکن یہ ممکن نہیں ہوتا کہ کسی جگہ کو اس طرح وقف کر کے مسجد بنا دیا جائے کہ اس کے اوپر اور نیچے بھی یا تو مسجد ہو یا مصالح مسجد کے لئے وقف ہو یا مسلمانوں کی اجتماعی ضرورت کے لئے وقف ہو۔ایسی تنگی کی صورت میں ضرورت کے پیش نظر درج ذیل شرائط کا لحاظ کرتے ہوئے حضرات صاحبین سے منقول روایات کے مطابق یہ گنجائش معلوم ہوتی ہے کہ اگر کثیر منزلہ عمارت میں ایک منزل یا مخصوص حصہ مسجد کے لئے وقف کر دیا جائے، اس مسجد کا بالائی ا

ورنچلا حصہ یا ان میں سے کوئی ایک وقف نہ ہوتو اسے مسجد شرعی قرار دیا جاسکتا ہے، اور یہ گنجائش بوقت ضرورت ہی استعمال کی جائے کہ جہاں قریب میں مستقل مسجد موجود نہ ہو، یا کثیر منزلہ عمارت سے اترنے چڑھنے میں دشواری ہو وہاں اس طرح کی مسجد قائم کی جاسکتی ہے۔ اور جہاں مستقل مساجد بہت کم اور کافی فاصلے پر ہوتی ہیں، وہاں اس گنجائش سے بسہولت استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

شرائط مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ کثیر منزلہ عمارت میں جو جگہ مخصوص کی جارہی ہے وہ مسجد کے لئے وقف کی جائے۔

2۔ یہ گنجائش ایسے مقامات میں ہوگی جہاں اوپر اور نیچے کی منزل کو وقف کرنے میں دشواری ہو جیسے کثیر منزلہ عمارت وغیرہ۔

3۔ سب سے پہلے یہ کوشش کی جائے کہ کسی بھی کثیر منزلہ عمارت کے ساتھ، جیسے پارکنگ بنائی جاتی ہے، اسی طرح اس کی سطح زمین پر مسجد شرعی بنائی جائے، اور متعلقہ محکمے سے اسے پاس کرایا جائے۔

4۔ جو حصہ مسجد کے لئے وقف کیا جارہا ہے اس کی مسجدیت کو قانونی تحفظ دیا جائے، تاکہ مستقبل میں کوئی اس جگہ کو مسجد کے علاوہ کام اور مقصد میں استعمال نہ کرسکے۔

5۔ قانونی کاغذات میں اس کی وضاحت ہونی چاہئے کہ اس کی خرید وفروخت ممکن نہیں ہوگی، آئندہ اگر پوری بلڈنگ بیچی جائے تو بیع میں مسجد شامل نہیں ہوگی، اور نہ اس کا کوئی معاوضہ لیا جائے گا، بلکہ وہ حسب سابق مسجد ہی رہے گی، مالک یہ صراحت کرکے بلڈنگ بیچے کہ مسجد کے لئے وقف جگہ بیع میں شامل نہیں ہے۔

6۔ اگر کبھی عمارت منہدم ہوجائے، تو جو حق زمین میں دیگر فلیٹس اور دکانوں کے مالکان کو ملے گا وہ مسجد کو بھی ملے گا اور دوبارہ تعمیر کی صورت میں مسجد کی جگہ حسب سابق مسجد رہے گی، یا اگر حکومت کسی جائز وجہ سے عمارت کو منہدم کردے تو جس طرح دیگر مالکان کو معاوضہ دے گی اسی طرح اس مسجد کو بھی معاوضہ ملے گا۔ اور جو معاوضہ ملے گا اس سے اگر کہیں اور مسجد بنائی جاسکتی ہو تو مسجد بنائی جائے گی ورنہ امام ابو یوسفؒ کے قول ثانی کے مطابق کسی قریب ترین مسجد میں رقم لگائی جائے گی۔ (مستفاد از فتوی احسان اللہ شائق، دارالافتاء، جامعۃ الرشید کراچی)

وعن محمد قال: إن جعل السفل مسجدا: جاز، وإن جعل العلو مسجدا دون السفل: لا يجوز؛ لأن المسجد ما له قرار، وتأبيد في السفل دون العلو. وعن الحسن بن زياد - رحمه الله - أنه إذا دخل العلو مسجدا، والسفل مستغلا للمسجد فهذا يجوز - استحسانا -. وعن أبي يوسف أن ذلك كله جائز، رجع إليه حين قدم بغداد، ورأى ضيق المنازل بأهلها فجوز أن يجعل العلو مسجدا دون السفل والسفل دون العلو، وهو مستقيم على أصله، وقد بينا أنه يوسع في الوقف فكذلك في المسجد۔

(المبسوط للسرخسی ۱۲/۹۴، نیز دیکھئے: الهدایه فی شرح بدایة المبتدی ۳/۲۰، المحیط البرهاني في الفقه النعماني ۶/۲۰۷)

سوال: ایک دو مسائل کی طرف مدلل ومفصل اکابر رحمہم اللہ کے فتاوی جات کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں:

(الف) مسجد پر "مسجد شرعی" کا اطلاق کب ہوگا؟ آیا صرف نیتِ وقف مسجد کرنے سے یا تعمیر مسجد کے بعد سے یا پھر نماز پڑھنے کے بعد سے، چاہے نماز باجماعت ہو یا انفرادی ہو؟

جواب: (الف) صورتِ مسئولہ میں کسی جگہ کو محض زبانی طور پر مسجد کے لیے وقف کرنے سے ہی وہ جگہ مسجد کے لیے وقف ہوجائے گی، اس کے بعد واقف کے لیے اس سے رجوع کرنا جائز نہیں ہے، جہاں تک مسجدِ شرعی بننے کی بات ہے تو لوگوں کو وہاں اذان، نماز اور باجماعت نماز کی اجازت دینے سے ہی اس جگہ پر مسجدِ شرعی کا اطلاق ہوجاتا ہے، مسجدِ شرعی ہونے کے لیے تعمیرات کا ہونا یا بنیاد پڑنا ضروری نہیں ہے۔

''ردالمحتار علی الدر المختار'' میں ہے:

"مطلب في أحكام المسجد... إنه إذا بنى مسجدا وأذن للناس بالصلاة فيه جماعة فإنه يصير مسجدا ... جعل وسط داره مسجدا وأذن للناس بالدخول والصلاة فيه إن شرط معه الطريق صار مسجدا في قولهم جميعا" (۴/۳۵۶، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المساجد، ط: ایچ ایم سعید)

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

سوال: مسجد کو پوری عمارت تعمیر ہونے کے بعد مسجد کہا جائے گا یا صرف بنیاد کا پڑنا ہی کافی ہے؟

جواب: جس کی وہ زمین ہے، اگر اس نے مسجد بنانے سے پہلے لوگوں کو وہاں اذان، نماز، جماعت کی اجازت دے دی، اور یہ نیت کرلی کہ یہاں ہمیشہ اذان، نماز، جماعت ہوا کرے گی، اور اس کو مسجد قرار دے دیا تو وہ مسجد بن گئی، اب جو چیز مسجد میں منع ہے، وہاں بھی منع ہے، مسجد کا پورا احترام کرنا لازم ہے''۔ (۱۴/۳۸۸، کتاب الوقف، باب احکام المساجد)

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

سوال: ایک شخص کہہ رہا ہے کہ مسجد کے لیے اس پر عمارت کا ہونا شرط ہے، بغیر عمارت کے کھلی جگہ صحن وغیرہ مسجد نہیں ہے، لہذا اس پر احکام مسجد ثابت نہ ہوں گے کہ عمارت کے بغیر کھلی جگہ ہے، کیا یہ دلیل صحیح ہے؟

جواب: مسجد ایسی جگہ، ایسی زمین اور ایسے مکان کا نام ہے جس کو کسی مسلمان نے اللہ تعالیٰ کی خاص عبادت، فرض نماز ادا کرنے کے لیے وقف کردیا ہو، اس پر عمارت اور تعمیرِ درودیوار اور چھت کا، چھپر کا ہونا شرط نہیں۔ (۹/۶۹، کتاب الوقف، احکام المساجد والمدارس، ط: دارالاشاعت)

۶۔ عمارت بناتے وقت کسی ایک منزل کو مسجد کے لئے وقف کرنا:

جواب ۶۔ فقہ حنفی کی ظاہر الروایہ کے مطابق شرعی مسجد ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ جگہ مسجد کے لئے وقف ہو، زمین کے نیچے سے لیکر آسمان تک، خالص اللہ کے لئے کردی جائے، اوپر نیچے اس پوری زمین میں کسی اور کی ملکیت باقی نہ رہے، البتہ علامہ رافعی رحمہ اللہ نے اس میں مزید تعمیم فرمائی کہ اگر علو یا سفل مصالح مسجد کے لئے وقف نہیں لیکن مسلمانوں کے عام مصالح کے لئے مختص ہیں، کسی کی ذاتی ملکیت نہیں تو بھی یہ مسجد شرعی ہونے سے مانع نہیں۔

امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ جن مقامات پر کثیر المنزلہ عمارتیں ہیں جن میں مسجد کے لئے مستقل جگہ ملنا مشکل ہوتا ہے، ان میں اگر کوئی منزل مسجد کے لئے وقف ہو اور اوپر اور نیچے دونوں مسکن یعنی رہائشی ہیں، تو بھی وقف شدہ منزل کے مسجد ہونے سے مانع نہیں۔

نیز ائمہ ثلاثہ حضرت امام مالک، امام شافعی اور امام حمد بن حنبل رحمہم اللہ کے نزدیک مسجد شرعی ہونے کے لئے ضروری نہیں کہ اوپر اور نیچے کی منزلیں مسجد ہوں یا مصالح مسجد میں مشغول ہوں بلکہ اگر درمیانی منزل مسجد کے لئے وقف ہو اوپر اور نیچے دونوں منزلیں یا ان میں سے کوئی ایک ذاتی ملکیت میں مشغول ہے تو یہ مسجد شرعی ہونے سے مانع نہیں۔

جواب نمبر ۵ میں مذکور شرائط کے مطابق کسی ایک منزل کو وقف کر کے شرعی مسجد بنالیا جائے۔ اس طرح شرائط کے ساتھ باقاعدہ وقف ہونے کے بعد اس پر مسجد کے تمام احکام جاری ہونگے کہ اس میں پانچوں وقت کی نماز باجماعت ادا کرنے اور جمعہ پڑھنے سے دیگر شرعی مساجد کی طرح پورا اجر بھی ملے گا، اسی طرح اس میں اعتکاف مسنون بھی جائز ہوگا۔ (مستفاد از فتوی احسان اللہ شائق، دار الافتاء، جامعۃ الرشید کراچی)

وإذا جعل تحته سردابا لمصالحه) أي المسجد (جاز) كمسجد القدس (ولو جعل لغيرها أو) جعل (فوقه بيتا وجعل باب المسجد إلى طريق وعزله عن ملكه لا) يكون مسجدا (وله بيعه ويورث عنه) خلافا لهما (كما لو جعل وسط داره مسجدا وأذن للصلاة فيه) حيث لا يكون مسجدا إلا إذا شرط الطريق زيلعي۔ (رد المحتار ۴/۳۵۷، نیز دیکھئے: المبسوط للسرخسي ۱۲/۹۴)

ضرورت کے پیش نظر جواب نمبر ۵ میں مندرجہ شرائط کا لحاظ کرتے ہوئے حضرات صاحبین سے منقول روایات کے مطابق یہ گنجائش معلوم ہوتی ہے کہ اگر کثیر المنزلہ عمارت میں ایک منزل یا مخصوص حصہ مسجد کے لئے وقف کر دیا جائے، اس مسجد کا بالائی اور نچلا حصہ یا ان میں سے کوئی ایک وقف نہ ہو تو اسے مسجد شرعی قرار دیا جا سکتا ہے۔

۷۔ مسجد کی زراعتی اراضی کو بیچ کر زیادہ فائدہ کے لئے دکانیں خریدنا:

جواب ۷۔ اگر کسی نے زمین مسجد پر وقف کر دی تو جب تک کہ اس زمین سے آمدنی ہو اور آمدنی کی صلاحیت رکھتی ہو تو متولی مسجد کے لیے اس زمین کا فروخت کرنا جائز نہیں، اس زمین سے جو نفع ہو اس کو مسجد میں صرف کرے۔

ہدایہ میں ہے:

وإذا صح الوقف لم يجز بيعه ولا تمليكه۔ اور اسی میں ہے: إن له ولاية التصرف فيه بصرف غلاته إلى مصارفها۔

اور اگر وہ زمین موقوفہ بالکل کم زور اور خراب ہو جس میں غلہ وغیرہ بہت کمی کے ساتھ پیدا ہو اور دوسری زمین اس قیمت کی اچھی مل رہی ہو تو ایسی صورت میں متولی کے لیے جائز ہے کہ اس زمین کو فروخت کرے اور اس زمین کو خریدے جو کہ زیادہ نافع ہے اور اس کی آمدنی کو مسجد پر صرف کرے۔

خانیہ میں ہے: وإذا ضعفت الأرض الموقوفة عن الإستغلال والقيم يجد بثمنها أرضا أخرىٰ هي أنفع للفقراء وأكثر ربحا كان له أن يبيع هذه الأرض ويشتري بثمنها أرضا أخرىٰ. جوز رحمه الله تعالىٰ استبدال الأرض بالأرض۔

دارالافتاء جامعۃ الرشید کراچی کے ایک فتوی میں ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں مفتیانِ کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہماری مسجد کی زمین اور قبرستان کی زمین ایک ساتھ ہیں۔ ہم مسجد کی زمین کی قیمت دے کر قبرستان کی زمین میں شامل کرنا چاہتے ہیں۔ کیا ایسا کرنا ٹھیک ہے؟ اگر نہیں تو کوئی اور طریقہ بتادیں۔

جواب: جو زمین مسجد کے لیے وقف کر دی گئی ہو، تو وقف تام ہونے کے بعد اس کی خرید وفروخت جائز نہیں؛ چاہے اصل نماز کی جگہ ہو یا وضو خانے وغیرہ کی اضافی جگہ ہو۔ قبرستان کے لیے کہیں اور زمین خرید سکتے ہیں۔ البتہ اگر کسی نے زمین مسجد کو ہبہ کی، یا مسجد کی ضروریات کے لیے زمین خریدی گئی ہو، تو وہ زمین مسجد کے وقف کی مملوکہ کہلاتی ہے، ایسی زمین کی خرید وفروخت جائز ہے۔

قال العلامة علاؤ الدين الكاساني رحمه الله تعالى: الوقف... لا يباع، ولا يوهب، ولا يورث. (بدائع الصنائع 218/6، نیز دیکھئے: الدر المختار مع رد المحتار 337/4-338)

قال الشيخ نظام الدين رحمه الله تعالى: القيم إذا اشترى من غلة المسجد حانوتا أو دارا، وأراد أن يستغل، ويباع عند الحاجة، جاز إن كان له ولاية الشراء، وإذا جاز له أن يبيعه. كذا في السراجية. (الفتاوى الهندية 431/2) دار الافتاء جامعة الرشيد كراچی

فتوی نمبر: 72060 تاریخ اجراء: 22-02-2021

۸۔ مسجد کی زیر ملکیت متعلقہ اراضی میں آمدنی میں اضافہ کے لئے مکاتب یا مدارس قائم کرنا:

جواب ۸۔ اراضی کی حفاظت اور مسجد کی آمدنی کی خاطر مسجد پر وقف متعلقہ اراضی میں مدارس و مکاتب قائم کرنا درست ہے۔ اس سلسلہ میں دار العلوم دیوبند کا فتوی درج ذیل ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ: (۱) ایک جگہ پر شرعی مسجد ہو اور وہاں کے لوگ اس عمارت پر مدرسہ بنانا چاہتے ہوں یا امام کا گھر تو کیا یہ شرعاً ٹھیک ہے یا نہیں؟ (۲) اگر نیچے مدرسہ ہو اور وقف بھی ہو تو کیا اس پر مسجد بنائی جاسکتی ہے جو کہ شرعی مسجد ہو اور وقف ہو۔

جواب نمبر: 169602

(1،2) جو جگہ مسجد شرعی کے لئے وقف ہو اس میں مدرسہ بنانا، اسی طرح جو جگہ مدرسہ کے لئے وقف ہو اس میں مسجد بنانا جائز نہیں ہے؛ ہاں اگر طلبہ اور اساتذہ کی ضرورت کے تحت مدرسہ کے تابع بنا کر مسجد بنالی جائے تو شرعاً اس کی گنجائش ہوگی۔ اسی طرح مسجد کے تابع بنا کر اگر خارج مسجد حصہ میں کوئی مکتب (مدرسہ) بنالیا جائے تو شرعاً اس کی بھی گنجائش ہوگی۔

البقعة الموقوفة على جهة إذا بنى رجل فيها بناء ووقفها على تلك الجهة يجوز بلا خلاف تبعا لها، فإن وقفها على جهة أخرى اختلفوا في جوازه والأصح أنه لا يجوز كذا في الغياثية. (الفتاوى الهندية 2/ 362، ط: زكريا). قالوا: مراعاة غرض الواقفين واجبة. (رد المحتار على الدر المختار 6/ 665، ط: زكريا)۔ واللہ تعالیٰ اعلم. دار الافتاء، دار العلوم دیوبند

خلاصہ مقالہ:

جواب ۱۔ مسجد کو طلباء کی رہائش گاہ بنانا درست نہیں ہے۔ مسجد ایک عبادت گاہ ہے اور اس کا بنیادی مقصد عبادت ہے؛ البتہ ضرورت کے تحت مسجد میں دینی تعلیم کا نظم کیا جاسکتا ہے۔

جواب ۲۔ اگر دکانیں پہلے بنائی جائیں اور پھر ان کے اوپر مسجد تعمیر کی جائے، تو یہ جائز ہے بشرطیکہ دکانوں سے حاصل ہونے والی آمدنی مسجد کے اخراجات اور دیکھ بھال کے لیے استعمال ہوگی۔

جواب ۳۔ اگر نئی مسجد تعمیر ہو رہی ہے تو مسجد کے نچلے حصے میں مصلیوں کی گاڑیوں کی پارکنگ کے لیے تہہ خانہ بنانا شرعاً جائز ہے، اور اگر کسی جگہ مسجد تھی، اب اسی جگہ پر از سر نو مسجد تعمیر کی جارہی ہے تو پھر مسجد کے نیچے تہ خانہ بنانا شرعاً جائز نہیں ہے؛ البتہ اگر مسجد پر وقف زائد اراضی کو مسجد میں شامل کیا جارہا ہو تو پھر اس حصے کے نیچے مصلیوں کی گاڑیوں کی پارکنگ کے مقصد سے تہ خانہ بنانے کی شرعاً گنجائش ہے۔

جواب ۴۔موجودہ حالات میں مسجد کے نیچے پارکنگ اور اوپر درسگاہ بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ مسجد کی حرمت اور تقدس کا خیال رکھا جائے۔ پارکنگ اور درسگاہ کو مسجد سے الگ اور محفوظ جگہ پر بنایا جائے اور ان کا مسجد کے ساتھ کوئی براہ راست تعلق نہ ہو۔

جواب ۵۔امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کے مطابق جن مقامات پر کثیر المنز لہ عمارتیں ہیں جن میں مسجد کے لئے مستقل جگہ ملنا مشکل ہوتا ہے، ان میں اگر کوئی منزل مسجد کے لئے وقف ہو اور اوپر اور نیچے دونوں مسکن یعنی رہائشی ہیں، تو اس وقف شدہ منزل کو مسجد شرعی کے حکم میں مانا جائے گا۔

جواب ۶۔حضرات صاحبین سے منقول روایات کے مطابق یہ گنجائش معلوم ہوتی ہے کہ اگر کثیر المنز لہ عمارت میں ایک منزل یا مخصوص حصہ مسجد کے لئے وقف کر دیا جائے، اور اس مسجد کا بالائی اور نچلا حصہ یا ان میں سے کوئی ایک وقف نہ ہو تو بھی اسے مسجد شرعی قرار دیا جا سکتا ہے۔

جواب ۷۔اگر کسی نے زمین مسجد کو ہبہ کی، یا مسجد کی ضروریات کے لیے زمین خریدی گئی ہو، تو وہ زمین مسجد کے وقف کی مملوکہ کہلاتی ہے، ایسی زمین کی خرید و فروخت جائز ہے، مسجد کے فائدہ کے لئے ایسی اراضی کو بیچ کر زائد آمدنی والی دکانیں یا جائیداد خریدی جا سکتی ہیں، اور یہ دکانیں بھی مسجد کے لئے وقف ہوں گی۔

جواب ۸۔مسجد کے لئے موقوفہ زائد اراضی میں کوئی مکتب (مدرسہ) بنا لیا جائے تو شرعاً اس کی گنجائش ہوگی۔

مساجد اور ان کے اوقاف سے متعلق کچھ اہم مسائل

مولانا قاضی محمد حسن ندوی
استاذ حدیث وفقہ دار العلوم ماٹلی والا، بھروچ، گجرات

یوں تو پوری روئے زمین مسجد کے حکم میں ہے، اس لیے مسلمان جس حصہ پر پاکی اور طہارت کی حالت میں نماز ادا کرے نماز ادا ہو جاتی ہے، فریضہ کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ اس کا ثواب بھی حاصل ہوتا ہے نیز اس کے ذریعے تقرب الٰہی بھی حاصل ہوتا ہے۔ لیکن اگر مسجد کی تعمیر کی نیت سے کوئی مسلمان اپنی زمین کے ایک حصہ کو وقف کر دیتا ہے یا کسی سے خرید کر مسجد کے لیے وقف کر دیتا ہے تو وہ حصہ نیچے سے اوپر تک مسجد کے حکم میں ہو جاتا ہے اور اس میں نماز ادا کرنا کثرت ثواب کا باعث ہوتا ہے، اور وہ حصہ انسانوں کی ملکیت سے نکل کر اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں منتقل ہو جاتا ہے اس کا نہ فروخت کرنا درست ہوتا ہے اور نہ ھبہ اور تبادلہ کرنا۔

چنانچہ مساجد کی عظمت وتقدس اور حرمت کے پہلو کو اللہ تعالی نے قران مجید میں کئی جگہوں پر واضح کیا ہے، سورۂ جن میں ایک جگہ پر ارشاد ربانی ہے:

وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا. (جن:۱۸)

اور یہ کہ مسجدیں تو اللہ ہی کے حق ہیں، اس لیے اللہ کے ساتھ اور کی عبادت مت کرو اسی طرح سورہ توبہ میں مسجد کی تعمیر کے مقصد اور غرض کو عیاں کیا ہے:

إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا اللَّهَ فَعَسَى أُولَئِكَ أَنْ يَكُونُوا مِنَ الْمُهْتَدِينَ. (توبہ:۱۸)

ہاں اللہ کی مسجدوں کو آباد کرنا ان لوگوں کا کام ہے، جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لاوے، اور نماز کی پابندی کریں اور زکوۃ دیں اور بجز اللہ کے کسی سے نہ ڈریں سو ایسے کی نسبت سے توقع ہے کہ آپ مقصد تک پہنچ جائیں گے۔

سورہ بقرہ کی ایک آیت میں اللہ تعالی نے ان لوگوں کو بڑے ظالم میں شمار کیا ہے جو مساجد میں عبادت سے روکتے ہیں۔

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَى فِي خَرَابِهَا.

اوراس شخص سے زیادہ اورکوئی ظالم ہوگا جوخدا تعالی کی مسجدوں میں ان کا ذکر کیے جانے سے بندش کرے اور ان کے ویران ہونے میں کوشش کریں۔

اس آیت کے تحت امام رازیؒ نے تخریب کے معنی کو دوشکلوں میں پیش کیا ہے:

السَّعْيُ فِي تَخْرِيبِ الْمَسْجِدِ قَدْ يَكُونُ لِوَجْهَيْنِ. أَحَدُهُمَا: مَنْعُ الْمُصَلِّينَ وَالْمُتَعَبِّدِينَ وَالْمُتَعَهِّدِينَ لَهُ مِنْ دُخُولِهِ فَيَكُونُ ذَلِكَ تَخْرِيبًا. وَالثَّانِي: بِالْهَدْمِ وَالتَّخْرِيبِ. (التفسير الكبير: ۴/۱۳)

تخریب کا معنی کبھی مصلیان کو نماز سے روکنے میں اور کبھی مساجد کی تخریب سے ظاہر ہوتا ہے۔

بہرحال ان آیات سے یہ بات عیاں ہوگئی اوراس پر جمہورامت کا اتفاق ہے کہ جس مقام پر ایک بار مسجد بنادی گئی وہ قیامت تک کے لیے مسجد ہے، اب نہ اس کی خرید وفروخت ہوسکتی ہے اور نہ اس خطہ ارض کو کوئی ھبہ کرسکتا ہے اور نہ اس کی حیثیت کو کوئی شخص یا حکومت تبدیل کرسکتی ہے، کیونکہ مسجد دراصل وہ حصہ ہے جسے ایک دفعہ مسجد کے لیے وقف کر دیا، چونکہ مسجد صرف درودیواروں اور مسجد میں استعمال ہونے والے تعمیری سامان کا نام نہیں، اس لیے اگر مسجد کی عمارت منہدم ہوجائے یا اس سے ظلماً منہدم کردیا جائے یا کسی وجہ سے طویل عرصہ تک وہاں نماز نہ پڑھی جائے، تب بھی وہ مسجد باقی رہتی ہے اور مسلمانوں پر اس کو دوبارہ آباد کرنا شرعاً ضروری ہوتا ہے، جیسا کہ صاحب الموسوعۃ الفقہیہ نے لکھا ہے:

جُمْهُورُ الْفُقَهَاءِ عَلَى أَنَّ الْمَسْجِدَ لاَ يُبَاعُ، وَفِي هَذَا يَقُولُ الْحَنَفِيَّةُ: مَنِ اتَّخَذَ أَرْضَهُ مَسْجِدًا وَاسْتَوْفَى شُرُوطَ صِحَّةِ وَقْفِهِ لَمْ يَكُنْ لَهُ أَنْ يَرْجِعَ فِيهِ وَلاَ يَبِيعَهُ وَلاَ يُورَثُ عَنْهُ، لأَنَّهُ تَجَرَّدَ عَنْ حَقِّ الْعِبَادِ وَصَارَ خَالِصًا لِلَّهِ تَعَالَى. (۳۷/۲۲۵)

اس تمہیدی گفتگو کے بعد ذیل میں سوالات کے شقوں کے اعتبار سے جواب تحریر کیے جارہے ہیں، پہلے سوال کی تین شقیں ہوتی ہیں۔

سوال نمبر:۱ کا جواب: (۱) پہلی شق یہ ہے کہ پرانی مسجد زمین کے جس حصہ پر تعمیر ہوئی تھی اور واقف نے پوری زمین مسجد ہی کی نیت سے وقف کی تھی اب اگر بعد میں اس کی توسیع کے وقت کئی منزلہ عمارت بنائے زیریں یا بالائی حصے پر تعلیم گاہ یا دکان اور رہائش بنانا چاہے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

چوں کہ یہ مسئلہ مسجد سے متعلق ہے، اس لیے یہاں پہلے مسجد کا لغوی اور اصطلاحی معنی اور مسجد سے متعلق شرطیں ذکر کی جارہی ہیں:

مسجد کا لغوی اور اصطلاحی معنی:

لفظ مسجد اسم ظرف ہے اس کا معنی سجدہ کرنے کی جگہ ہے، چنانچہ یہ لفظ اسی معنی میں قرآن وحدیث میں استعمال ہوا ہے۔

إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللهِ مَنْ آمَنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا اللهَ فَعَسَى أُولَئِكَ أَنْ يَكُونُوا مِنَ الْمُهْتَدِينَ. (توبہ:۱۸)

جعلت لی الارض مسجدا طھورا. (ترمذی شریف)

میرے لیے پوری زمین مسجد اور پاک بنادی گئی ہے۔

اسی طرح صاحب موسوعۃ الفقہیہ نے لکھا ہے:

الْمَسْجِدُ فِي اللُّغَةِ: بَيْتُ الصَّلَاةِ، وَمَوْضِعُ السُّجُودِ مِنْ بَدَنِ الإِنْسَانِ وَالْجَمْعُ مَسَاجِدُ (الموسوعة الفقهية: ۳۷/۱۹۴)

لغت میں نماز کی جگہ اور مصلی جس جگہ پر جسم رکھتے ہیں اس کو مسجد کہتے ہیں اور مسجد کی جمع مساجد ہے۔

الغرض علماء نے مختلف تعبیرات میں مسجد کی تعریف کی ہے ایک تعریف یہ ہے کہ مسجد وہ گھر ہے جو صرف اللہ کی عبادت کے لیے بنائی گئی ہو۔

أَنَّهَا الْبُيُوتُ الْمَبْنِيَّةُ لِلصَّلَاةِ فِيهَا لِلَّهِ فَهِيَ خَالِصَةٌ لَهُ سُبْحَانَهُ وَلِعِبَادَتِهِ. (حوالہ سابقہ)

دوسری تعریف یہ ہے کہ ہر وہ جگہ جہاں عبادت کرنا اور سجدہ کرنا ممکن ہو وہ اصطلاح شرع میں مسجد ہے۔

وَكُلُّ مَوْضِعٍ يُمْكِنُ أَنْ يُعْبَدَ اللهُ فِيهِ وَيُسْجَدَ لَهُ. (حوالہ سابقہ)

مذکورہ بالا مسجد سے متعلق بحث وگفتگو سے چند باتیں ثابت ہوئیں:

(۱) ایک بات یہ کہ جس جگہ پر ایک مرتبہ مسجد بن گئی وہ نیچے تحت الثریٰ تک اور اوپر آسمان تک مسجد رہتی ہے، اس لیے مسجد کے ادب واحترام کا تقاضا یہ ہے کہ مسجد کے نیچے یا اس کے اوپر کوئی عمارت نہ بنائی جائے۔

(۲) دوسری بات یہ کہ مسجد کے لیے کوئی عمارت کی ضرورت نہیں، لہذا جو حصہ یا زمین مسجد کے لیے موقوفہ ہے، لیکن اس پر عمارت نہیں بن سکتی ہے یا عمارت منہدم ہوگئی ہے، گرچہ اس کی حیثیت افتادہ زمین کی ہے، تب بھی وہ مسجد ہی رہے گی، جیسا کہ ڈاکٹر وھبہ زحیلی نے قلم بند کیا ہے:

والأصح أن قوله: جعلت البقعة مسجداً، تصير به مسجداً، وإن لم يقل (لله) لأن المسجد لا يكون إلا وقفاً، ولو بنى مسجداً في موات، ونوى جعله مسجداً، فإنه يصير مسجداً.

صحیح قول یہ ہے کہ جس خطہ کو مسجد کے لیے وقف کر دیا گیا ہے وہ مسجد ہوگئی اگرچہ واقف نے للہ کا لفظ نہ کہا ہو، اس لیے کہ مسجد کی جگہ موقوفہ ہوتی ہے، یہاں تک کہ اگر مسجد افتادہ زمین میں بھی بنائی گئی اور مسجد کی نیت سے بنائی گئی ہے وہ مسجد ہی رہے گی۔

مسجد ہونے کی شرطیں:

یوں تو فقہاء نے قرآن وحدیث کی روشنی میں اس کی کئی شرطیں تحریر کی ہیں، تاہم یہاں دو اہم شرطیں ذکر کی جارہی ہیں:

(۱) پہلی شرط یہ ہے کہ مسجد کے سفل اور علو (یعنی زیریں اور بالائی) دونوں حصوں سے حق العبد کا منقطع ہونا ہے، چنانچہ علامہ ابنِ نجیم قلم بند کرتے ہیں:

بخلاف ما اذا کان السرداب والعلو موقوفا لمصالح المسجد فهو کسرداب مسجد بیت المقدس هذا هو ظاهر الروایة (شامی: ج ۳/ ۲۷۰)

اسی طرح دوسری جگہ پر علّامہ ابنِ نجیم نے لکھا ہے:

"قال فی البحر: وحاصله أن شرط کونه مسجد أن یکون سفله وعلوه مسجدا لینقطع حق العبد عنه لقوله تعالی (وان المساجد لله: الجن: ۱۸)

اس کی شرط یہ ہے کہ مسجد اس کے تحتانی اور فوقانی دونوں مسجد کے لیے ہوں، تاکہ اس سے بندوں کا حق منقطع ہوجائے۔

نیز فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

اذا اراد انسان ان یتخذ تحت المسجد حوانیت غلة لمرمة المسجد او فوقه لیس له ذلك. (۲/ ۴۵)

اگر انسان مسجد کے نیچے یا اس کے اوپر کچھ دکانیں بنائیں کہ وہ مسجد کی اصلاح ومرمت کے لیے ذریعہ آمدنی ہو تو اس کے لیے یہ جائز نہیں۔

اسی طرح فتاوی عالمگیری میں دوسری جگہ پر ہے:

قیم المسجد لا یجوز له أن یبنی حوانیت فی حل المسجد أو فی فنائه لان المسجد اذا جعل حانوتا ومسکنا تسقط حرمته،

متولی مسجد یا فنائے مسجد میں دکانیں نہیں بنا سکتا کیونکہ جب مسجد بازار اور مسکن بنادی جائے تو اس کی حرمت فنا ہوگئی۔

اس بات کی تائید وتوثیق حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی رحمۃ اللہ علیہ کی اس توجیہ سے ہوتی ہے، جو انھوں نے اپنی کتاب "مباحث فقہیہ" میں رقم کی ہے کہ اگر مسجد مکمل ہونے کے بعد کسی قسم کی تبدیلی کی جائے جس سے عین مسجد کسی مصرف میں استعمال ہو تو ایسا کرنا صحیح نہیں ہوگا۔ اور اگر مسجد بوقت بنائے مسجد تحتانی یا فوقانی منزل کو قرار دیا جائے اور فوقانی یا تحتانی منزل کو مصالح مسجد کے لیے خاص کیا جائے یا اس کی آمدنی کو مسجد کے اوپر وقف کردیا جائے تو جس حصہ کو عین مسجد قرار دیا گیا ہے وہ مسجد ہوجائے گی۔ (مباحث فقہیہ: ۲۵۸)

الغرض علامہ شامی، ابن نجیم، فتاوی عالمگیری اور قاضی مجاہد الاسلام صاحب کی توجیہ سے یہ بات عیاں ہوئی کہ جب مسجد کی پوری زمین مسجد ہی کے لیے وقف تھی، ابتدا میں زیریں یا بالائی حصے کو اس سے مستثنیٰ نہیں کیا تھا تو بعد میں توسیع کے موقع پر کئی منزلہ عمارت بنانے کے بعد اس کے زیریں یا بالائی حصے کو طلباء کی رہائش گاہ یا مصالح مسجد کے

پیش نظر دکان بنا کر کرائے پر دینا درست نہیں ہوگا۔

(۲) دوسری شق یہ کہ مسجد توسیع کے وقت کئی منزلہ عمارت تعمیر کر کے اس کے ایک منزل کو تعلیم گاہ بنانا درست ہوگا یا نہیں؟

جیسا کہ اوپر مسجد کی تعریف کے ذیل میں یہ بات آچکی ہے کہ جب کوئی اپنی زمین وقف کرتا ہے تو اس سے حق العبد منقطع ہوجاتا ہے، اس لیے اس کی بیع اور تبادلہ درست نہیں ہوتا، ہاں البتہ مسجد اور مصالح مسجد کی بازیابی کے لیے اس کا استعمال درست ہوجاتا ہے، بشرطیکہ تعمیر مسجد کے وقت ہی اس کی نیت ہو چنانچہ علامہ کاسانیؒ لکھتے ہیں:

وَأَجْمَعُوا عَلَى أَنَّ مَنْ جَعَلَ دَارَه أَوْ أَرْضَهُ مَسْجِدًا يَجُوزُ، وَتَزُولُ الرَّقَبَةُ عَنْ مِلْكِهِ.(بدائع الصنائع:۵/۳۲۶)

چنانچہ ھدایہ میں ہے:

من جعل مسجدا تحته سرداب او فوقه بيت و جعل باب المسجد الى الطريق و عزله عن ملكه فله أن ببيعة.(هدايه مع فتح القدير:۶/۲۳۴)

جس نے ایسی مسجد بنائی کہ اس کے نیچے تہ خانہ یا اس کے اوپر گھر ہو اور مسجد کا دروازہ راستے کی طرف رکھا اور اس کے لیے (اس تہ خانہ یا گھر) کو فروخت کرنا جائز ہے۔

وَلِأَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ لَمَّا جَعَلَهُ مَسْجِدًا فَقَدْ حَرَّرَهُ وَجَعَلَهُ خَالِصًا لِلَّهِ تَعَالَى عَلَى الْإِطْلَاقِ، وَصَحَّ ذَلِكَ فَلَا يَحْتَمِلُ الْعَوْدَ إلَى مِلْكِهِ كَالْإِعْتَاقِ.(بدائع:۵/۳۳)

اسی طرح امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت ہے:

وَرُوِيَ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ إذَا جَعَلَ السُّفْلَ مَسْجِدًا دُونَ الْعُلُوِّ جَازَ لِأَنَّهُ يَتَأَبَّدُ بِخِلَافِ الْعُلُوِّ (الموسوعة الفقهيه:۳۷/۲۲۲)

حضرت امام ابوحنیفہ سے ایک روایت ہے کہ جب کوئی زمین کے زیرین حصہ کو مسجد بنائے اور بالائی حصے کو اس سے مستثنی کرے تو یہ جائز ہے۔

اس کی تائید صاحب موسوعہ کی اس عبارت سے بھی ہوتی ہے:

وَيَقُول الْحَنَفِيَّةُ: إذَا جَعَلَ السُّفْلَ مَسْجِدًا وَعَلَى ظَهْرِهِ مَسْكَنٌ فَهُوَ مَسْجِدٌ لِأَنَّ الْمَسْجِدَ مِمَّا يَتَأَبَّدُ وَذَلِكَ يَتَحَقَّقُ فِي السُّفْلِ دُونَ الْعُلْوِ.((الموسوعة الفقهيه:۳۷/۲۰۱)

حنفیہ کہتے ہیں جب تحتانی کو مسجد قرار دیا اور فوقانی پر رہائش تو وہ مسجد رہے گی، چوں کہ مسجد ہمیشگی کے قبیل سے ہے اور یہ زیریں حصہ میں متحقق ہے۔

علامہ ابن ھمامؒ نے لکھا ہے:

اگر عمارت کی نچلی اور اوپر کی منزل دونوں مسجد کے لیے موقوف ہو تو یہ جائز ہے، اس لیے کہ اس میں کسی کی ملکیت نہیں بلکہ وہ حصہ مصالح مسجد کی تکمیل کے لیے ہے پس وہ مسجد بیت المقدس کے تہ خانہ کی طرح ہے۔ (مباحث فقہیہ: ۲۶۴)

(۳) رہا یہ مسئلہ مسجد کے کسی منزل کو طلبہ کی رہائش گاہ بنا سکتے ہیں یا نہیں؟

اس سلسلے میں کوئی حکم لکھنے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مقصد مسجد اور مصالح مسجد کو پیش نظر رکھا جائے، آداب مسجد میں سے ایک بڑا ادب یہ ہے کہ مسجد یا اس کے زیریں اور بالائی حصے میں صرف اللہ کی عبادت ہو یا کوئی دینی عمل ہو یا ایسا عمل ہو جو مسجد کے احترام و تقدس کے موافق ہو، ظاہر ہے کہ جب مسجد کے بالائی حصے کو طلبہ کی رہائش گاہ بنائیں گے تو بڑے طلبہ کے ساتھ چھوٹے طلبہ بھی قیام کریں گے اور یہ طلبہ فطری عادات کے اعتبار سے شور و شغف بھی کریں گے، یہ اعمال مسجد کے تقدس و احترام کے خلاف ہیں، اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو ہدایت دی ہے کہ بچوں اور بیع و شرا سے مساجد کو بچاؤ۔ **جنبوا مساجدکم صبیانکم و شراءکم و بیعکم** (اخرجہ ابن ماجہ: ۱/ ۲۴۷) کیوں کہ ان بچوں کے شور و شغف کی وجہ سے مصلیان کو نماز میں بھی خلل ہوگا، یہ تخریب کے قبیل سے ہیں اور امام رازیؒ نے سورہ بقرہ آیت ۱۱۴/ کے تحت تخریب کی قسموں میں سے ایک قسم اس عمل کو قرار دیا ہے جو مصلیان کو مساجد میں نماز و عبادات سے روکے۔ (التفسیر الکبیر: ۱۳/ ۴)

دوسری بڑی وجہ یہ ہے کہ چھوٹے طلبہ شریعت کے مکلف نہیں ہیں، یہ طلبہ پاکی اور طہارت کا لحاظ نہیں رکھیں گے اور ناپاکی کی حالت میں مسجد میں طلبہ کا قیام مسجد کے ادب و احترام کے خلاف ہے، اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام مسجد کا لحاظ کرتے ہوئے کسی حائضہ اور جنبی کو مسجد سے گزرنے کی اجازت نہیں دی ہے۔

لَا أُحِلُّ الْمَسْجِدَ لِحَائِضٍ وَلَا جُنُبٍ. (ابو داؤد شریف: ۱/ ۳۰)

میں نے جنبی اور حائضہ کے لیے مسجد کو حلال نہیں رکھا۔

اور قرآن کریم میں بھی اللہ تعالیٰ نے معتکف اور مسافر کے علاوہ کسی مسلمان کو حدود مسجد سے گزرنے کی اجازت نہیں دی ہے:

الا عابر سبیل حتی تغتسلوا (نساء: ۴۳) (سوائے مسافر کے یہاں تک کہ تم غسل کر لیتے)

مذکورہ دونوں اعمال مسجد کے کسی حصے پر ہونا نہ صرف مسجد کے تقدس و احترام کے خلاف ہے، بلکہ تعمیر مسجد کے مقصد کے بھی خلاف ہے اس لیے کہ اگر مسجد کے علاوہ قیام گاہ کے لیے کوئی متبادل جگہ ہے تو اس کو طلبہ کے لیے رہائش گاہ بنائے لیکن اگر اس کے علاوہ کوئی متبادل جگہ نہیں ہے تو کراہت کے ساتھ مسجد کے بالائی حصے کو رہائش گاہ بنانا درست ہوگا۔

حرمت وکراہت:

مسجد کے بالائی حصے کوطلبہ کی رہائش گاہ بنانا حرمت کے قبیل سے ہے یا کراہت کے قبیل سے؟اس لیے اس کی تحقیق کے لیے یہاں ذیل میں دونوں کی تعریف تحریر کی جارہی ہے۔

حرمت:

تمام اصولیین کا اتفاق ہے کہ قرآن وسنت میں یا تو مکلف انسان سے کسی کام کرنے کوطلب کیا گیا ہوگا یا اس کے چھوڑنے کا مطالبہ ہوگا یا کرنے اور نہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہوگا، اختیار دینے کی صورت اباحت کہلاتی ہے، اگر کسی کام کا کرنا مطلوب ہوتو اس کی دوصورتیں ہوسکتی ہیں کیونکہ یا تو طلب جازم ہوگا یا غیر جازم اگر طلب ہواور جازم بھی ہوتو اس کو واجب کہا جاتا ہے اور جازم نہ ہوتو اس کو سنت یا مندوب کہا جاتا ہے۔

اسی طرح اگر کسی کام سے روکنا مقصود ومطلوب ہوتو بھی دوصورتیں ممکن ہیں کہ ممانعت جازم، ہوگی یا غیر جازم، اگر جازم ہوتو وہ حرام کہلائے گا اور اگر غیر جازم ہوتو وہ مکروہ قرار پائے گا۔

توضیح میں ہے:

لأن مایاتی به المکلف إن تساوی فعله و ترکه فمباح والا، فان کان فعله اولیٰ، فمع المنع عن الترك واجب و بدونه مستحب، وان کان ترکه اولیٰ فمع المنع عن الفعل بدلیل قطعی حرام و بدلیل ظنی مکروه کراهة التحریم و بدون المنع عن الفعل مکروه کراهة التنزیه.(اصول الفقه والقواعد الفقهیه ج: ۱۱/ص: ۲۰/(شرح التلویح علی التوضیح لمتن التنقیح فی اصول الفقه)

مکلف جوعمل کرتا ہے اگر اس کا کرنا نہ کرنا برابر ہوتو وہ مباح ہوگا اور اگر کرنا بہتر ہواور اس کے ساتھ ساتھ ترک کرنے پر وعید بھی ذکر ہوتو وہ واجب ہوگا ورنہ مستحب، اور اگر اس عمل کا ترک کرنا بہتر ہو، پھر اگر اس سے دلیل قطعی کے ساتھ منع آئی ہوتو حرام ہوگا اور اگر دلیل ظنی کے ذریعے ممانعت وارد ہوتو مکروہ تحریمی، اگر اس کام سے منع نہ کیا گیا ہوتو اس سے مکروہ تنزیہی کہا جاتا ہے۔

تعریف المحرم: المحرم هو ماطلب الشارع الکف عن فعله طلبا حتما، بأن تکون صیغة طلب الکف نفسها دالة علی انه حتم کقوله تعالیٰ "حرمت علیکم المیتة والدم ولحم الخنزیر" (علم اصول الفقه: ۱۰۶) اتحاد دیوبند.

المکروه: المکروه هو طلب الشارع من المکلف الکف عن فعله طلبا غیر حتم بأن تکون الصیغة نفسها دالة علی ذلك، کما اذا ورد أن الله کره لکم کذا، او کان منهیا عنه واقترن النهی بما یدل علی أن

النهی للکراهة لالتحریم مثل: لا تسألوا عن اشیاء إن تبدلکم تسؤکم، او کان مامورا باجتنابه و دلت القرینة علی ذلك مثل: "وذروا البیع" (علم اصول الخلاف: ۱/۹۰۸)

اسی طرح علامہ شامیؒ نے مکروہ تحریمی وتنزیہی کی تعریف اس طرح کی ہے:

ومکروهه هو ضد المندوب، قد یطلق علی الحرام .....وعلی المکروه تحریما وهو ما کان ترکه اولی من فعله ویرادف خلاف الأولی. (رد المحتار علی الدر المحتار: ۱/۲۵۷، ۲۵۸)

مکروہ مندوب کی ضد ہے۔ کبھی اس کا اطلاق حرام پر ہوتا ہے تو کبھی مکروہ تحریمی پر اور وہ حرام سے زیادہ قریب ہوتا ہے، اور مکروہ تنزیہی وہ عمل ہے جس کو ترک کرنا بجالانے سے بہتر ہے اور یہ خلاف اولی کے مترادف ہے، شرح التلویح علم اصول الخلاف کی روشنی میں اوپر حرمت وکراہت کے جو اصول وقواعد پیش کیے گئے ہیں اس کی روشنی میں دو باتیں ثابت ہوئیں۔

(۱) اگر شریعت میں کسی کام سے روکنا جازم کی صورت میں اور دلیل قطعی کے ذریعے ہو تو وہ مکروہ تحریمی ہوگا۔

(۲) اور اگر اس کی ممانعت دلیل ظنی کے ذریعے آئی ہو تو وہ مکروہ تنزیہی کے حکم میں ہوگا۔

اب غور طلب بات یہ ہے کہ مسجد کے بالائی حصے پر رہائش گاہ کی حرمت قرآن وحدیث میں کس درجہ میں ہے؟ حرمت یا کراہت، ظاہر ہے کہ قرآن وحدیث میں حرمت کے تعلق سے کوئی ہدایت نہیں ہے البتہ آداب مسجد اور تقدس مسجد کی خاطر جس طرح مسجد میں شور وشغف سے روکا گیا ہے، اس لیے اس کی حیثیت مکروہ تنزیہی کی ہوگی نہ کہ مکروہ ہے تحریمی کی۔

سوال نمبر: ۲، ۳، ۴، ۵، ۶/ کا جواب:

مصالح مسجد:

مصالح مسجد میں (ضروریات مسجد) میں وہ تمام چیزیں شامل ہوتی ہیں، جو مسجد کے قیام، تعمیر، حفاظت، تزئین اور دینی وعبادتی مقاصد کے لیے ضروری ہوں، ان امور میں اخراجات جائز ہی نہیں بلکہ بعض اوقات واجب ہوتے ہیں۔

یہاں فقہاء کی عبارت کے حوالے سے مصالح مسجد درج کیے جارہے ہیں:

چنانچہ علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ نے، بجلی، پنکھے، لائٹ، قمقمے، جنریٹر کو مصالح مسجد میں شمار کیا ہے۔

(ویصرف فی مصالح المسجد کالسراج والماء والتنظیف والفرس. (الدر المختار: ۳/۳۷۱)

فتاوی عالمگیری میں وضوخانے اور غسل خانے کو مصالح مسجد میں شامل کیا ہے۔

"یجوز أن یبنی للوضوء والاغتسال فی المسجد"

مسجد کی تعمیر وتوسیع، نئی تعمیر، مرمت، رنگ وروغن، کفالت خادم مسجد ومؤذن، اسی طرح ہر وہ چیز جو نماز اور عبادت میں آسانی اور مسجد کے وقار و پاکیزگی میں معاون ہو، وہ مصالح مسجد میں شامل ہے۔

جیسا کہ درمختار میں ہے:

ویجوز صرف الربح علی خادم المسجد والمؤذن والامام اذا شرط الواقف او تعینت الحاجة(۳/۳۷۱)

علامہ ابن عابدین شامی نے مسجد کی صفائی اور ضروریات کی چیزوں کو مصالح مسجد میں شامل کیا ہے۔

ویجوز صرف الوقف لتنظیف المسجد وشراء مایحتاج الیه.(الدر المختار:۳/۳۷۱)

شرائط مسجد:

قرآن وحدیث اور فقہاء کی توجیہات کی روشنی میں مسجد اور تحفظ مسجد کی خاطر درج ذیل شرائط کا لحاظ ضروری ہے۔ وہ درج ذیل ہیں:

(۱) پہلی شرط یہ ہے کہ بانی مسجد بنائے مسجد کے وقت یہ نیت کرے، اور لوگوں میں ظاہر کردے یا تحریر لکھ دے کہ میں نے اتنے حصے کو مسجد کے نیچے دکانیں بنانے کے لیے خاص کر دیا ہے۔

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ دکانیں خاص طور پر مسجد کے مصارف کے لیے وقف کی جائیں۔

(۳) تیسری شرط یہ کہ مسجد سے حق العبد منقطع ہو جائے۔

(۴) چوتھی شرط یہ کہ وہ چیز خالصتاً اللہ تعالیٰ کے لیے ہو۔

(۵) پانچویں شرط یہ کہ مسجد ہونے کے لیے تابید اور پائیداری وہمیشگی ضروری ہے۔ جیسا کہ فقہاء نے شرائط بالا کو اپنی کتابوں میں تحریر کیا ہے۔

ولو انه بنی المسجد او لا ثم اراد أن یجعل تحته حانوتا لمسجد فهو مردود باطل، فینبغی ان یراد الیٰ حاله.(حاشیة الشلبی علی التبیین:۴/۳۰۰)

اور اگر اولاً (نیچے یا اوپر) مسجد بنانے کی نیت سے مکان تعمیر کیا، پھر اس کے نیچے مسجد کے لیے تہہ خانہ بنایا تو یہ باطل ہے، اور اس کو اپنی پہلی حالت پر لوٹانا چاہیے۔

ہدایہ میں ہے:

ولو کان السرداب لمصالح المسجد جاز کما فی بیت المقدس.(هدایه مع فتح القدیر:۶/۲۳۴)

اگر تہ خانہ مسجد کے مصالح کے لیے بنایا ہے تو یہ جائز ہے، جیسے بیت المقدس میں۔ (ہدایہ مع فتح القدیر:

(۲۳۴/۶)

وروى الحسن عنه أنه قال: إذا جعل السفل مسجدا وعلى ظهره مسكن فهو مسجد؛ لأن المسجد مما يتأبد، وذلك يتحقق في السفل دون العلو. (حواله سابقه)

جب مسجد کے زیریں حصہ مسجد ہو اور بالائی حصہ پر مسکن ہو تو وہ بھی مسجد کے حکم میں ہوگا، اس لیے کہ مسجد کا پائیدار ہونا ضروری ہے اور یہ معنی زیریں حصہ میں پایا جاتا ہے نا کہ بالائی حصہ پر۔

علامہ ابن نجیم نے ایک جگہ پر ذکر کیا ہے:

وحاصله أن شرط كونه مسجدا أن يكون سفله وعلوه مسجدا ينقطع حق العبد عنه. (شامی: ۴۴/۴)

اور اس کا حاصل یہ ہے کہ مسجد زیریں اور بالائی حصہ مسجد ہوتا کہ اس سے حق العبد منقطع ہو جائے۔

چوں کہ مصالح مسجد میں دکانیں بھی شامل ہیں، دکانوں سے نہ صرف آمدنی آئے گی بلکہ اس آمدنی سے مسجد کی ضرورت یعنی تعمیر وتوسیع اور مرمت میں سہولت ہوگی، اس لیے اگر مسجد کی کمیٹی نے مسجد کی تعمیر کے وقت اس نیت کے ساتھ تعمیر کی کہ مسجد کی عمارت کئی منزلہ ہوگی نیچے کی منزل میں دکانیں ہوں گی اور اوپر کی منزل جماعت خانہ، تو یہ صورت بلا کراہت درست ہوگی بشرطیکہ اس میں مسجد کے علاوہ کسی کی ملک نہ ہو اور اس سے حق العبد بالکلیہ منقطع ہو جائے۔

لیکن اگر مسجد بننے کے بعد دوبارہ شہید کر کے زیریں حصہ کو دکانیں اور بالائی حصہ کو جماعت خانہ بنانا اور تبدیل کرنا درست نہیں ہوگا۔

(۲) جہاں تک یہ مسئلہ کے جماعت گاہ منزل سے اوپر امام اور مؤذن کے لیے حجرے یا فیملی روم بنا سکتے ہیں یا نہیں؟ تو ظاہر ہے کہ مصالح مسجد میں امام ومؤذن کے حجرے بھی شامل ہیں، اس بنا پر اگر جگہ کی تنگی کی خاطر ابتدا ہی میں یعنی تعمیر مسجد کے وقت ہی ذمہ داروں نے اس نیت کے ساتھ تعمیر کی کہ بالائی حصہ امام ومؤذن کی رہائش گاہ ہوگی تو شرعا اس کی اجازت ہے، جیسا کہ زیلعی کے کنز کی شرح میں لکھا ہے:

لَوْ بَنَى فَوْقَهُ بَيْتًا لِلْإِمَامِ لَا يَضُرُّ لِأَنَّهُ مِنْ الْمَصَالِحِ، أَمَّا لَوْ تَمَّتْ الْمَسْجِدِيَّةُ ثُمَّ أَرَادَ الْبِنَاءَ مُنِعَ وَلَوْ قَالَ عَنَيْت ذَلِكَ لَمْ يُصَدَّقْ. (الدر المختار، كتاب الوقف: ۵۴۸/۶)

آداب مسجد کا تقاضا:

تاہم آداب مسجد کی خاطر مسجد کے بالائی حصہ میں امام کا فیملی کے ساتھ رہائش اختیار کرنا خلاف اولیٰ ہوگا اور اس کی چند وجوہات ہیں:

(۱)اس سے مسجد کی تعظیم وتقدس میں کمی آئے گی چنانچہ امام محمد سے ذکر ہے:

لأن المسجد معظم، وإذا كان فوقه مسكن أو مستغل يتعذر تعظيمه.(هدايه مع فتح القدير: ۲۳۴/۶)

چوں کہ مسجد قابل تعظیم جگہ ہے، جب اس کے اوپر کسی کی رہائش ہوگی تو مسجد کی تعظیم متعذر ہوجائے گی۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ جب مسجد کے بالائی حصے پر امام ومؤذن کی رہائش ہوگی تو خواتین کی آمد ورفت مسجد کے راستہ سے ہوگا پھر دونوں سے اختلاط ہوگا یہ اختلاط فتنوں سے خالی نہیں ہوگا، اسی وجہ سے خواتین کا مسجد کے بجائے اپنے گھروں میں پنجوقتہ نماز ادا کرنا اولیٰ قرار دیا گیا ہے۔

(۳) تیسری وجہ یہ ہے کہ جب مسجد کے اوپری حصے میں فیملی اور امام ومؤذن ہوگا تو مسجد کے اوپر بشری تقاضے بول وبراز اور جماع جیسے اعمال پورے کیے جائیں گے اور یہ عمل بعض فقہاء کے نقطۂ نظر کے مطابق مکروہ تحریمی ہے۔ صاحب موسوعۃ الفقہیہ رقم طراز ہیں:

ونقل الزركشي عن مالك انه كره أن يبنى مسجدا ويتخذ فوقه مسكنا يسكن فيه باهله. (الموسوعة الفقهيه: ۲۰۲/۳۷)

امام زرکشی نے حضرت امام مالک سے نقل کیا ہے کہ مسجد کے بالائی حصہ پر رہائش بنا کر فیملی کے ساتھ رہنا مکروہ ہے۔

مانع اور مقتضی کا اجتماع اور مانع کو مقتضی پر ترجیح حاصل ہونا:

علامہ ابن نجیم نے ایک قاعدہ تحریر کیا ہے:

اذا تعارض المانع والمقتضى فانه يقدم المانع (الاشباه النظائر: ۳۹۵/۱)

جب مانع اور مقتضی کا کسی مسئلہ میں تعارض ہوتا ہے تو مانع کو تقدم حاصل ہوتا ہے، اس بنا پر مذکورہ مسئلہ میں دونوں کا اجتماع ہو رہا ہے، مانع کا پہلو یہ ہے کہ مساجد شعائر اللہ میں سے ہیں اس کی تعظیم کی خاطر مساجد کے اوپر یا نیچے نہ دکان بنائی جائے اور نہ بالائی حصہ میں، جب کہ مقتضی کا تقاضا یہ ہے کہ امام ومؤذن کی رہائش گاہ کا انتظام مصالح مسجد میں شامل ہے، اس بنا پر اس کی تعمیر کی گنجائش ہونی چاہیے، لیکن چوں کہ مانع کو مقتضی پر ترجیح حاصل ہوتی ہے، اس لیے مسجد کی تعمیر کے وقت ہی بانی کی نیت زیریں یا بالائی حصہ پر رہائش گاہ بنانے کی تھی پھر اس کی تعمیر ہوئی تو اس کی اجازت ہوگی لیکن یہ عمل خلاف اولیٰ ہوگا۔

بہر حال اوپر کی بحث کی روشنی میں یہ بات عیاں ہوئی کہ اگر کئی منزلہ عمارت ہو تو ایک منزل میں پارکنگ اور

مسجد کے زیریں یا بالائی حصے پر دکانیں بنا کر کرائے پر دینا اور اس کی آمدنی سے مسجد کے مصالح میں استعمال کرنا مصالح مسجد میں شامل ہے، لیکن اس کی اجازت مطلقا نہیں بلکہ ایک خاص صورت میں ہے، وہ یہ ہے کہ بانی مسجد تعمیر مسجد کے وقت ہی اس کی نیت سے چار منزلہ عمارت کی تعمیر کرایا ہو تو ایسی صورت میں نیچے کی منزل کو پارکنگ دوسری منزل کو جماعت خانہ، تیسری منزل کو درسگاہ بنا سکتے ہیں، ورنہ نہیں۔

سوال نمبر: ۷/ کا جواب:

اس وقت زمین بہت ہی قیمتی سرمایہ ہے، خاص طور پر بڑے شہروں میں اس کی اہمیت اور قیمت اور زیادہ ہوگئی ہے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کے تعلق سے بڑی اچھی رہنمائی فرمائی ہے:

عَن سعيد بن حُرَيْثٍ ﷺ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: مَنْ بَاعَ مِنْكُمْ دَارًا أَوْ عَقَارًا فَمِنْ أَنْ لَا يُبَارَكَ لَهُ إِلَّا أَنْ يَجْعَلَهُ فِي مِثْلِهِ. رَوَاهُ ابْنُ مَاجَة والدارمي (مشكوة شريف: ۲/ ۲۵۶)

حضرت ابوسعید بن حریثؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ تم میں جو شخص اپنی زمین وجائیداد فروخت کرے تو اس کے لیے اس میں برکت اس وقت ہوگی جب اس کے مثل متبادل زمین خرید لے۔

یہ حکم تو عام زمین وجائیداد کے سلسلے میں ہے، رہا مسئلہ مسجد کی اراضی اور پراپرٹی کا تو کیا اس کی فروخت کی جاسکتی ہے یا نہیں، تو اس سلسلہ میں یہ بات یاد رہے کہ مسجد کے تمام اراضی عام طور پر موقوفہ ہوتی ہیں اور موقوفہ چیز قیامت تک کے لیے واقف کی ملکیت سے نکل کر اللہ کی ملکیت میں داخل ہوجاتی ہے، اس لیے اس کی خرید وفروخت کرنا، ہبہ کرنا، کسی کو مالک بنانا، درست نہیں جیسا کہ صاحب مجمع الانھر نے ذکر کیا ہے:

وَإِذَا صَحَّ الْوَقْفُ فَلَا يُمْلَك وَلَا يُمَلَّك وَلَا يُعَارُ وَلَا يُرْهَنُ. (مجمع الانهرفی شرح ملتقی الابحر: ۱/ ۷۴۰)

اسی طرح ڈاکٹر وھبہ زحیلیؒ نے لکھا ہے:

يقصد بالوقف دوام الانتفاع به، وتحصيل الثواب والأجر بنفعه، فإذا آل إلى الخراب، فماذا يكون مصيره؟ أجاز الفقهاء وبيعه للضرورة بشروط وقيود وتفصيلات. (موسوعة الفقه الاسلامی والقضايا المعاصرة: ۹/ ۲۱۶)

وقف سے انتفاع کا دوام، ثواب اور اجر کا حاصل کرنا ہی اصل مقصد ہے، جب مال موقوفہ نا قابل انتفاع ہو تو فقہاء نے ضرورۃً کچھ شرائط وقیود کے ساتھ اس کی بیع کی اجازت دی ہے۔

اسی بنا پر ڈاکٹر وھبہ زحیلیؒ نے بھی چھ شرطوں کے ساتھ مال موقوفہ کی فرخنگی کی اجازت دی ہے: (۱) موقوفہ سے

انتفاع ختم ہو جانا (۲) اس کے ناظر اور دیکھ بھال کرنے والوں کا مفقود ہونا (۳) بیع غبن فاحش کے ساتھ نہ ہونا (۴) اس کا ولی قاضی کا ہونا (۵) موقوفہ کا عقار کے قبیل سے ہونا۔ (۶) اس کی فروختگی وہ شخص کرے جس کی شہادت قبول کی جاتی ہو۔ (موسوعۃ الفقہ الاسلامی: ۹/ ۲۲)

اور اسلامک فقہ اکیڈمی کا دسواں فقہی سیمینار ممبئی میں ۱۹۹۷ء میں اوقاف سے متعلق منعقد ہوا، اس موقع پر جو تجاویزم متفقہ طور پر پاس ہوئیں اس میں سے دو تین تجاویز یہاں ملاحظہ فرمائیں:

(۱) اوقاف کے بارے میں اسلام کا نقطہ نظر یہ ہے کہ اوقاف دائمی ہوتے ہیں اس لیے عام حالات میں ان کو فروخت کرنا یا منتقل کرنا جائز نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وقف کے بارے میں ارشاد ہے:

"لاتباع ولا توھب ولا تورث."

نہ فروخت کیا جا سکتا ہے نہ ہبہ کیا جا سکتا ہے اور نہ اس میں وراثت جاری ہوسکتی ہے۔ (نئے مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے: ۶۲)

(۲) البتہ اگر موقوفہ جائیداد کی آمدنی اتنی قلیل ہو کہ وقف پراپرٹی کے ضروری اخراجات اس سے پورے نہ ہوتے ہوں بلکہ اس کے لیے قرض لینا پڑتا ہو، اور اس موقوفہ جائیداد کی آمدنی بڑھانے کی کوئی شکل نہ ہو، ایسی صورت میں ذکر کردہ شرائط کی پابندی کے ساتھ موقوفہ جائیداد کو فروخت کر کے زیادہ منفعت بخش جائیداد خریدنا درست ہوگا۔ (حوالہ سابقہ: ۶۳)

اسی طرح وقف کے تبادلہ اور فروختگی کی اجازت شرائط استبدال کی تحقیق کر کے شرعی قاضی یا اوقاف کی ایسی شرعی کمیٹی دے جس میں مسائل اوقاف سے واقف متقی وخدا ترس علماء اور مسلمان متدین ماہرین قانون ضرور شامل ہوں، موقوفہ جائیداد کی فروختگی اور تبادلہ کے لیے کم سے کم تین مستند مفتیان کرام سے مشورہ طلب کرنے کے بعد کوئی فیصلہ کرے۔ (حوالہ سابقہ)

بہر حال اس بحث سے یہ بات عیاں ہوئی کہ خاص حالات میں مذکورہ بالا شرطوں کا لحاظ کرتے ہوئے مسجد کی اراضی فروخت کر کے دوسری زائد آمدنی والی آراضی یا دکانیں خریدنا درست ہوگا۔

سوال نمبر: ۸ کا جواب:

جیسا کہ سوال نمبر: ۷/ کے جواب میں عرض کیا گیا کہ اسلام کا نقطہ نظر یہ ہے کہ اوقاف دائمی ہوتے ہیں اس لیے عام حالات میں اس کو فروخت کرنا یا منتقل کرنا جائز نہیں، ہاں البتہ مسجد پر وقف اراضی کی مقدار اتنی ہے کہ جن کی نہ مسجد کو فی الحال ضرورت ہے اور نہ آئندہ ضرورت پیش آنے کی امید ہے، ان اراضی پر دینی تعلیم کے لیے مکاتب کا

قیام درج ذیل صورتوں میں جائز ہوگا، جیسا کہ دسواں فقہی سیمینار کے موقع پر اوقاف کے متعلق تجاویز کے ضمن میں لکھی گئی ہیں:

(الف) مسجد آباد نہ ہو اور مدرسہ یا مکتب قائم ہونے میں مسجد کے آباد ہونے کی امید ہو۔

(ب) مسجد پر موقوفہ زائد اراضی پر قبضہ غاصبانہ کا شدید خطرہ ہے اور دینی مدرسہ یا مکتب قائم ہونے کی صورت میں قبضہ کا خطرہ ٹل جائے گا۔

(ج) جس آبادی یا محلہ میں مسجد واقع ہے وہاں مسلمان بچوں کے لیے کوئی دینی مدرسہ یا مکتب قائم کرنے کے لیے کوئی مستقل بندوبست بھی نہ ہو، تو مسجد پر وقف زائد اراضی میں دینی مدرسہ یا مکتب قائم کیا جا سکتا ہے، لیکن اس کے لیے مسجد کے متولی یا منتظمہ کمیٹی سے اجازت لے لی جائے۔ بہتر یہ ہے کہ خود مسجد کی کمیٹی ہی اس مکتب یا مدرسہ کا بندوبست کرے۔ (نئے مسائل اور فقہی اکیڈمی کے فیصلے: ۶۲)

موقوفہ اراضی پر مکاتب کے قیام سے مقاصد وقف میں خلل نہیں:

ڈاکٹر وھبہ زحیلیؒ نے لکھا ہے کہ موقوفہ جائداد کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد اس سے انتفاع کا دوام ہونا اور واقف کو اس کا ثواب صدقہ جاریہ کے طور پر حاصل ہونا ہے۔ مگر یہ ان دونوں چیزوں کا حصول اس وقت ممکن ہوگا جبکہ وہ زمین ذی زرع اور قابل انتفاع ہو، لیکن بعض اراضی موقوفہ سے دونوں چیزیں مفقود ہو جاتی ہیں، تو ایسی صورت میں اس پر مکاتب و مدارس کا قیام نہ صرف جائز ہوگا بلکہ اولیٰ ہوگا۔ اور اس سے تین طرح کے فوائد حاصل ہوں گے:

(الف) مقاصد وقف یعنی انتفاع کا دوام جاری رہے گا، وقف کا مقصد حاصل ہوگا اور واقف کو ثواب ملتا رہے گا۔

(ب) موقوفہ اراضی کی حفاظت ہوگی۔

(ج) تیسرا فائدہ یہ ہوگا کہ مکاتب و مدارس کے ذمہ داروں سے کرایہ لے کر مسجد کے مصالح میں صرف کیا جائے گا اور یہ درست ہے۔

خلاصۂ بحث

مذکورہ بالا بحث و تحقیق کی روشنی میں سوالات کے جوابات درج ذیل ہیں:

(۱) (الف) جس جگہ پر ایک مرتبہ مسجد بن گئی، وہ نیچے تحت الثریٰ تک اور اوپر آسمان تک مسجد رہتی ہے، اس لیے مسجد کے ادب و احترام کا تقاضا یہ ہے کہ مسجد کے نیچے یا اس کے اوپر کوئی عمارت نہ بنائی جائے۔

(ب) اگر پرانی مسجدیں بوقت تعمیر اس کے تحتانی یا فوقانی منزل مسجد کی نیت سے بنائی گئی تھی، بعد میں آبادی بڑھنے کی وجہ سے توسیع کے وقت مسجد شہید کر کے کئی منزلہ تعمیر کرنا پھر کسی منزل میں طلبہ کی رہائش گاہ نظم کرنا یا کسی منزل

کو درسگاہ بنانا مسجد کے ادب واحترام کے خلاف ہونے کی وجہ سے درست نہیں اور مذکورہ صورت میں یہ آداب مسجد کے خلاف عمل ہوگا، نیز یہ حرمت کراہت تنزیہی کے درجہ میں ہوگی۔

(ج) لیکن اگر بوقت بنائے مسجد، مسجد کی کمیٹی نے اس نیت کے ساتھ مسجد کی عمارت کی تعمیر کی کہ کئی منزلہ ہوگی، ایک منزل کو درسگاہ اور دوسری منزل کو بچوں کے لیے رہائش گاہ بنانا ہے تو تعمیر کے وقت نیت کی وجہ سے مسجد کی تمام منزلوں سے حق العبد منقطع ہوجاتا ہے، اس لیے مسجد کی ایک منزل کو درسگاہ اور دوسری منزل کو رہائش کا بنانے کی گنجائش ہوگی۔

(۲) چونکہ دکانیں اور امام ومؤذن کے لیے حجرے مصالح مسجد میں شامل ہیں، اس لیے اگر مسجد کی کمیٹی نے مسجد کی تعمیر کے وقت اس نیت کے ساتھ تعمیر کی کہ مسجد کی عمارت کئی منزلہ ہوگی، تو کسی منزل میں دکانیں بنانا اور اوپر کی منزل میں جماعت گاہ اور اس کے اوپر امام اور مؤذن کے لیے حجرے بنانا شرعاً درست ہے۔

(۳، ۴) اسی طرح مصلیوں کی گاڑیاں ٹھہرانے کے لیے پارکنگ، بچوں کی تعلیم کے لیے تعلیم گاہ اور درسگاہ، اپارٹمنٹ کے کسی حصے کو جماعت گاہ بنانا، اور اہل ثروت کی کئی منزلہ عمارت میں سے ایک منزل کو مسجد بنانا مصالح مسجد میں شامل ہیں، اس لیے بوقت تعمیر مسجد کمیٹی مسجد کا اس نیت کے ساتھ کئی منزلہ مسجد بنانے کے بعد ایک منزل کو پارکنگ، دوسری منزل کو درسگاہ بنانا درست ہے۔

(۵) اگر کسی جگہ پر مسجد کی تعمیر متعذر ہو تو اپارٹمنٹ کے کسی حصے کو حضرت امام یوسفؒ کی رائے کے تحت جماعت گاہ کے لیے خاص کرنا درست ہے۔

(۶) اسی طرح اہل ثروت نے کئی منزلہ عمارت میں سے ایک منزل کو مسجد کے لیے خاص کرلیا تو حضرت امام یوسف علیہ الرحمہ کے نقطہ نظر کے مطابق وہ ضرورۃً مسجد شرعی کے حکم میں ہوگی۔

(۷) اگر موقوفہ جائیداد کی آمدنی قلیل ہو، مسجد کے اخراجات کے لیے قرض لینا پڑتا ہو تو شرعی قاضی یا شرعی کمیٹی کے مشورے اور اوپر کی شرطوں کا لحاظ کرتے ہوئے موقوفہ آراضی فروخت کرکے بازار میں دکانیں خریدنا جائز ہوگا۔

(۸) مصالح مسجد میں سے اوقاف کا ہمیشہ باقی رہنا ہے، اس غرض سے موقوفہ آراضی پر مکاتب یا مدارس کے قیام کی خاطر عمارت تعمیر کرکے کرایہ پر دینا اور کرایہ وصول کرکے مصالح مسجد میں استعمال کرنا جائز ہوگا۔

مسجد اور اس کے اوقاف سے متعلق چند مسائل

مفتی رحمت اللہ ندوی

استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

اسلام کے کار خیر کے شعبوں میں ایک اہم شعبہ اوقاف کا ہے، جس کے متعدد شعبے ہیں، جن میں سے ایک اہم حصہ مساجد اور ان پر وقف اراضی و دیگر ذرائع آمدنی کا ہے، وقف کو اسلام کے امتیازات اور خصائص میں شمار کیا گیا ہے، اور اس کی بڑی اہمیت اور فضیلت ہے، اسی لیے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں وقف کا بڑا ذوق پایا جاتا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب خیبر میں کچھ اراضی حاصل ہوئیں، تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورے کے بعد اسے فقراء اہل قرابت، غلام، مسافر اور مہمانوں پر وقف فرما دیا، اس وقت کو اسلامی عہد کا پہلا وقف مانا جاتا ہے، مسجد کے لیے وقف کی گئی زمینیں براہ راست اللہ تعالی کی طرف سے منسوب ہیں اور جب کوئی جگہ ایک بار مسجد بن گئی تو قیامت تک وہ مسجد ہی رہے گی، اس سے رجوع نہیں ہوسکتا ہے۔

مسجد، عیدگاہ اور جنازہ گاہ کے لیے جو زمین وقف کی گئی ہو، اس سے بہر حال واقف کی ملکیت ختم ہوجاتی ہے، البتہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک قول یا فعل کافی ہے، قول سے مراد یہ ہے کہ ''میں نے اسے مسجد بنا دیا'' اور فعل سے مراد یہ ہے کہ کم از کم جماعت کے ساتھ وہ خود نماز پڑھ لے یا اس کی اجازت سے پڑھی جائے، امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے بعد ہی وقف مکمل ہوگا اور واقف کی ملکیت اس سے ختم ہو سکے گی۔ (ملاحظہ ہو قاموس الفقہ ۵ / ۲۹۹-۳۰۰)

واقف کی شرائط کو بڑی اہمیت حاصل ہے اسی لیے فقہاء نے وقف کے سلسلے میں یہ قاعدہ مقرر کیا ہے: ''شرط الواقف کنص الشارع''. (واقف کی شرط شارع کے نص کی طرح ہے،) اور اسی بنیاد پر علامہ ابن نجیم مصری نے لکھا ہے:

''القضا بخلاف شرط الواقف کالقضاء بخلاف النص لاینفذ.'' (واقف کی شرط کے خلاف قاضی کا فیصلہ ایسا ہی ہے جیسے نص کے خلاف فیصلہ لہذا نافذ نہیں ہوگا)۔

واقف کی جو شرطیں شریعت اور وقف کے مفاد کے خلاف نہ ہوں، ان کی رعایت کرنا واجب ہے، ''فان

شرائط الواقف معتبرۃ اذا لم تخالف الشرع''، چنانچہ وقف کو جس جائز مصرف میں خرچ کرنے کی شرط لگائے اس کو اسی مصرف میں خرچ کرنا ضروری ہے۔

واقف نے جس مقصد کے لیے کوئی جائیداد وقف کی ہو اگر وقف کا وہ مصرف فوت ہو جائے تو اولاً حتی المقدور اسی مصرف پر کہیں اور اس آمدنی کو استعمال کیا جائے گا، مسجد کی مسجد پر، مسافر خانہ کی مسافر خانہ نیز کنویں اور حوض کی کنویں اور حوض پر، اور جب وہ مصرف ہی ناپید ہو جائے تو پھر آخری مصرف فقرا ہوں گے۔ (قاموس الفقہ ۵ / ۳۰۱۔ ۳۰۲ بحوالہ درمختار ۱: / ۵۴۹)

مسجد ایک دفعہ مسجد بننے کے بعد ہمیشہ کے لیے مسجد ہو جاتی ہیں، خواہ وہ ویرانا اور باقل استعمال ہو گئی ہو، اس پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے۔ (قاموس الفقہ ۳ / ۵۔ اسلام کا نظام وقف: ۷۷)

جمہور فقہاء کا مذہب ہے کہ مسجد کو بدلنا جائز نہ ہوگا۔ (موسوعہ فقہیہ 37)

وقف کا استبدال

وقف کا استبدال یعنی وقف کی چیز کو بیچ کر دوسری چیز خریدنا یا خود موقوفہ شئ کا دوسری شئ سے تبادلہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ یہ نہایت اہم مسئلہ ہے اور فی زمانہ خاص طور پر اس مسئلہ کو بڑی اہمیت حاصل ہو گئی ہے۔

۱ اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر واقف نے اپنے لیے یا کسی اور کے لیے حق استبدال کی شرط لگا دی تھی تو بالا اتفاق متعلق شخص کو اس کا حق حاصل ہوگا کیونکہ یہ ایک جائز اور معتبر شرط ہے اور استبدال کا عمل واقف کی شرائط کے دائرے میں رہتے ہوئے کیا جا رہا ہے لیکن دوبارہ استبدال کا حق حاصل نہ ہوگا۔

۲ اگر اپنے لیے یا کسی اور کے لیے استبدال کی شرط نہیں لگائی گئی، وقف نامہ میں استبدال کا کوئی ذکر ہی نہیں کیا گیا یا یہ صراحت کر دی گئی کہ کسی کو اس وقف میں استبدال کا حق نہیں ہوگا، ایسی صورت میں دو طرح کے حالات پیش آ سکتے ہیں:

۱۔ ایک صورت یہ ہے کہ استبدال کے بغیر وقف سے فائدہ اٹھانا ممکن نہ ہو، ایسی صورت میں دیانت دار قاضی کی اجازت سے استبدال جائز ہے۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ وقف تو اب بھی قابل انتفاع ہو لیکن استبدال کے ذریعے اس کو زیادہ نفع بخش بنایا جا سکتا ہو، علامہ شامیؒ کے بقول زیادہ صحیح قول یہی ہے کہ اس صورت میں استبدال جائز نہیں، یہی رائے علامہ ابن ہمام کی بھی ہے، لیکن علامہ شامی نے ایک اور موقع پر اس کو جائز لکھا ہے، تاہم علامہ شامی وغیرہ نے جو شرط استبدال کی اجازت کے لیے عائد کی ہے ان کو ملحوظ رکھنا ضروری ہیں، اور ان میں تین شرطیں فی زمانہ بڑی اہمیت کی حامل ہیں:

۱۔اراضی وقف معمولی قیمت پر فروخت نہ کی جائے بلکہ ان کی مناسب اور مروجہ قیمت حاصل کی جائے۔

۲۔بیع کی اجازت دیانت دار اور ذمہ دار اداروں کو حاصل ہوگی،فقہاء نے اس کے لیے قاضی جنت کی شرط لگائی ہے اور قاضی جنت سے ایسا قاضی مراد لیا ہے جو علم اور عمل صالح دونوں کا حامل ہو۔

۳۔موقوفہ اراضی اور مکانات کے بدلے مکانات اور اراضی ہی حاصل کیے جائیں،روپیہ پیسہ سے تبادلہ نہ ہو،یا اگر ہو تو فوراً ہی اس سے غیر منقولہ جائیداد خرید کر لی جائے،کیونکہ تجربہ ہے کہ جہاں کہیں موقوفہ راضی کے بدلے نقد رقم ملتی ہے،نقد رقم ناجائز تصرف اور تغلب میں آجاتی ہے۔(قاموس الفقہ 302/5 ملخصا)

استبدال کے سلسلے میں یہ بات قابل ذکر ہے،کہ وہ استبدال جو عین موقوف کا ہو جائز ہے،خواہ وہ شئ موقوف آباد اور قابل انتفاع ہو یا غیر آباد اور نہ قابل انتفاع ہو،یا کچھ ہی حصہ قابل انتفاع ہو(اسلام کا نظام وقف ص 73).

چند تجاویز: فقہ اکیڈمی انڈیا

اسلامی فقہ اکیڈمی انڈیا نے ۱۹۹۷ء میں ممبئی کے اپنے دسویں فقہی سمینار کا ایک موضوع اوقاف سے متعلق مسائل،،بھی رکھا تھا،یہاں پر اس کے کچھ فیصلے اور تجاویز نقل کیے جاتے ہیں:

۲۔اوقاف کے بارے میں اسلام کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اوقاف دائمی ہوتے ہیں،اس لیے عام حالات میں ان کو فروخت کرنا یا منتقل کرنا جائز نہیں ہے،رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وقف کے بارے میں ارشاد ہے،، **لا تباع ولا توھب ولا تورث**،، (نہ فروخت کیا جاسکتا ہے،نہ ہبہ کیا جاسکتا ہے،اور نہ اس میں وراثت جاری ہوسکتی ہے)

لہذا اوقاف کی جائیدادوں کو حسب سابق باقی رکھتے ہوئے انہیں نفع آور اور مفید بنانے کی ہر ممکن کوشش کی جانی چاہیے اور اس سلسلے میں ایسے قانون بننے چاہیں جن سے اوقاف کی جائیداد کا پورا تحفظ ہو اور وقف کرنے والوں کے مقاصد کی رعایت کے ساتھ اوقاف کی افادیت اور نافعیت میں اضافہ ہو۔

دوسرے اوقاف کے مقابلے میں مساجد کو زیادہ تقدس واحترام حاصل ہے،مساجد کی فروخت اور منتقلی کسی حال میں درست نہیں حتی کہ اگر مسجد ویران ہو جائے اور وہاں نماز کو ادا کرنے کا سلسلہ موقوف ہو جائے تو بھی وہ زمین جہاں مسجد کی عمارت تھی مسجد ہی رہتی ہے اور اسے مسجد کا تقدس واحترام حاصل ہوتا ہے،وہاں مسجد بنانے اور آباد کرنے کی کوشش کی جانی چاہیے۔

۷۔مساجد کے علاوہ دوسرے اوقاف جو ان مقامات میں واقع ہیں جہاں پر دور دور تک مسلمانوں کی آبادی نہ ہونے کی وجہ سے ان اوقاف کو آباد کرنا اور واقف کے مقاصد کے مطابق انہیں بروئے کار لانا ناقابل عمل ہو گیا ہے اور ان اوقاف پر قبضۂ غاصبانہ کا پورا خطرہ ہے ایسے اوقاف کو فروخت کر کے دوسرے مقامات پر ایسی نوع کے اوقاف

قائم کرنا درج ذیل شرطوں کے ساتھ درست ہے:

الف: اس بات کی تحقیق کر لی گئی ہو کہ مسلمانوں کی آبادی ان مقامات سے کلیتاً ختم ہو چکی ہے اور مستقبل قریب میں وہاں مسلمانوں کے آباد ہونے کی کوئی توقع نہیں ہے۔

ب: وقف جائیداد کی فروختگی مناسب قیمت پر مارکیٹ ویلو کا لحاظ کرتے ہوئے کی جائے، اتنی کم قیمت پر اسے فروخت نہ کی جائے جتنی کم قیمت قیمت ان کے ماہرین نہیں لگا سکتے۔

ج: وقف کو فروخت کرنے والے متولی یا وقف افسر اس کی فروخت اپنے کسی قریبی رشتہ دار یا کسی ایسے شخص کے ہاتھ نہ کرے جس سے اس کا مفاد وابستہ ہو، اسی طرح کسی ایسے شخص کے ہاتھ فروخت نہ کرے جس کا قرض یا مالی دین فروخت کرنے والے کے ذمہ لازم ہے۔

د: وقف جائیداد کی فروخت روپیہ پیسے کے بجائے جائیداد سے کی جائے اور اگر کسی قانونی یا عملی دشواری کی وجہ سے نقد روپیوں سے فروختگی کی جائے تو جلد سے جلد اس کے ذریعے جائیداد خرید کر متبادل وقف قائم کر دیا جائے

ھ: وقف کے تبادلہ اور فروختگی کی اجازت شرائط استبدال کی تحقیق کر کے شرعی قاضی یا اوقاف کی ایسی شرعی کمیٹی دے جس میں مسائل اوقاف سے واقف متقی وخدا ترس علماء اور مسلمان متدین ماہرین قانون ضرور شامل ہوں موقوفہ جائیداد کی فروختگی اور تبادلے کے لیے وقف بورڈ یا وقف آفیسر کی اجازت شرعا کافی نہیں ہے، اس سلسلے میں وقف ٹریبونل (tribunal) کی اجازت شرعا اس وقت معتبر ہوگی جب اس نے کم سے کم تین مستند مفتیان کرام کی رائے لینے اور مشورہ طلب کرنے کے بعد ان کے مشورے کے مطابق فیصلہ کیا ہو۔

۸- الف: ویران غیر آباد اوقاف کی آمدنی مقاصد واقف کی رعایت کرتے ہوئے وقف نامہ میں مذکور مدات پر صرف کی جائے، اور اگر یہ مدات موجود نہ ہوں تو ان سے قریب ترین مدات پر صرف کیا جائے، منشاء واقف کا لحاظ کیے بغیر دیگر مصارف پر صرف کرنا درست نہ ہوگا۔

ب: اگر ویران غیر آباد اوقاف فروخت کرنے پڑیں تو ان کا متبادل وقف قائم کرنا ضروری ہوگا۔

۹- مسجد پر وقف زائد اراضی جن کی نہ مسجد کو فی الحال ضرورت ہیں اور نہ آئندہ ضرورت پیش آنے کی امید ہے ان اراضی پر دینی تعلیم کا مدرسہ یا مکتب قائم کرنا درجہ ذیل صورتوں میں درست ہوگا:

الف: مسجد آباد نہ ہو اور مدرسہ یا مکتب قائم ہونے میں مسجد کے آباد ہونے کی امید ہو۔

ب: مسجد پر موقوف زائد اراضی پر قبضۂ غاصبانہ کا شدید خطرہ ہے اور دینی مدرسہ یا مکتب قائم ہونے کی صورت میں قبضہ کا خطرہ ٹل جائے گا۔

ج: جس آبادی یا محلہ میں مسجد واقع ہے وہاں مسلمان بچوں کے لیے کوئی دینی مدرسہ یا مکتب قائم کرنے کے لیے

کوئی مستقل بندوبست بھی نہ ہوتو مسجد پر وقف زائد اراضی میں دینی مدرسہ یا مکتب قائم کیا جا سکتا ہے، لیکن اس کے لیے مسجد کے متولی یا منتظمہ کمیٹی سے اجازت لے لی جائے بہتر یہ ہے کہ خود مسجد کی کمیٹی ہی اس مکتب یا مدرسے کا بندوبست کرے۔

۱۰۔ مساجد پر وقف اراضی جن کا مقصد مساجد کے لیے آمدنی فراہم کرنا ہے، ان کو مناسب کرایہ پر مسلمانوں کی دینی عصری یا ٹیکنیکل تعلیم کے ادارے قائم کرنے کے لیے دیا جا سکتا ہے لیکن معاملات اس طرح طے کئے جائیں کہ مساجد کی مالکانہ حیثیت مجروح نہ ہو۔

۱۱۔ دیگر اوقاف کی زائد آمدنی جن کی اوقاف کو نہ فی الحال ضرورت ہے اور نہ آئندہ ضرورت پیش آنے کی امید ہے اور اس کی حفاظت متولیان کے لیے بہت مشکل ہے، حکومت یا بددیانت افراد کی طرف سے دست اندازی یا قبضہ غاصبانہ کا خطرہ ہے، اوقاف کی ایسی زائد آمدنی کو اسی نوع کی مد میں صرف کیا جائے مثلاً: مدارس کی زائد آمدنی کو مدارس میں، مسافر خانوں کی زائد آمدنی کو مسافر خانوں میں صرف کیا جائے۔

۱۲۔ اگر کسی وقف کی آمدنی معقول ہو تو محض زیادہ سے زیادہ آمدنی حاصل کرنے کے لئے اس کی فروختگی درست نہیں کہ اصل وقف کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے، البتہ اگر موقوفہ جائداد کی آمدنی اتنی قلیل ہو کہ وقف پر اپرٹی کے ضروری اخراجات اس سے پورے نہ ہوتے ہوں بلکہ اس کے لیے قرض لینا پڑتا ہو اور اس موقوفہ جائداد کی آمدنی بڑھانے کی کوئی شکل نہ ہو، ایسی صورت میں تجویز 7 میں ذکر کردہ شرائط (ب، ج، د، ھ) کی پابندی کے ساتھ موقوفہ جائداد کو فروخت کر کے زیادہ منفعت بخش جائداد خریدنا درست ہوگا، اگر واقف زندہ ہو تو اس سے اجازت لینا ضروری ہوگا۔ (جدید مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے 162-167)۔

استبدال کی شرطیں

وقف جب مسجد نہ ہو تو مفتی بہ قول یہ ہے کہ قاضی کو حق ہے کہ وہ واقف کی شرط کے بغیر بھی بوقت ضرورت موقوف (وقف شدہ جائداد) کو بدل دے لیکن اس اجازت کے لئے کچھ شرائط بھی ہیں، جو درج ذیل ہیں:

۱۔ موقوف (وقف شدہ جائداد) بالکلیہ انتفاع کے لائق نہ رہا ہو۔

۲۔ موقوف کی کوئی ایسی آمد آنی نہ ہو جس سے موقوف (وقف شدہ جائداد) کی تعمیر کی جائے۔

۳: اس کی فروختگی غبن فاحش کے ساتھ نہ ہو۔

۴: استبدال کرنے والا صاحب علم عمل ہو۔

۵: استبدال غیر منقول جائیداد کے ذریعے نہ ہو کہ درہم و دینار اور روپے پیسے کے ذریعے تاکہ متولی اسے

کھانا نہ بیٹھے۔

۶: قاضی اس وقف شدہ مال کو ایسے شخص کے ہاتھ نہ فروخت کرے جس کی شہادت قبول نہیں کی جاتی ہو اور نہ ایسے شخص کے ہاتھ جس پر دین ہو۔ (اسلام کا نظام وقف 76 بحوالہ الفقہ الاسلامی وادلتہ 222221)

مسجد کی شرعی حیثیت

کوئی جگہ کب مسجد شرعی بنے گی؟ اس میں اختلاف ہے، امام ابو یوسفؒ کے نزدیک وقف کرنے والے کا یہ کہہ دینا کہ میں نے اسے مسجد بنا دیا، کافی ہے، اب وہ مسجد شرعی ہوگئی، مسجد شرعی ہونے کے لیے اس میں نماز کی ادائیگی ضروری نہیں۔

امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک مسجد کو اس مقصد کے لیے سپرد کرنا (تسلیم) بھی ضروری ہے، جیسا کہ دوسرے اوقاف میں ہوتا ہے۔

البتہ یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ مسجد ہونے کے لیے عمارت ضروری نہیں، زمین ہے لیکن اس پر عمارت کی تعمیر نہ ہوسکی یا عمارت منہدم ہوگئی اور اب اس کی حیثیت افتادہ زمین کی ہے، جب بھی وہ مسجد ہی رہے گی۔

مسجد کے سلسلے میں اصل قاعدہ تو یہ ہے کہ جو جگہ مسجد بن گئی وہ نیچے تحت الثری تک اور اوپر آسمان تک مسجد ہے، اس لیے مسجد کا حقیقی اہتمام اور ادب یہی ہے کہ مسجد کے نیچے یا اس کے اوپر ایسی عمارت نہ بنائی جائے جس کا مقصد مسجد سے مختلف ہو، تاہم اگر تعمیر مسجد کے وقت ہی مسجد کی زیریں منزل کو مسجد سے مستثنیٰ کرلیا جائے یعنی شروع ہی سے یہ نیت کرلی جائے کہ پہلی منزل دوسرے کاموں مثلاً دکانات وغیرہ کے لیے ہوگی اور اس کی چھت سے مسجد کا شمار ہوگا تو ایسا کرنا درست ہوگا، اور نیچے دکان کی تعمیر جائز ہوگی۔

اسی طرح کسی شخص نے دو منزل تعمیر کیں اور شروع سے مسجد کی نیت نہ کی اور تعمیر مکمل ہونے کے بعد اس طرح نیت کی کہ پہلی منزل مسجد کے لیے ہوگی اور دوسری منزل کسی اور کام کے لیے، اور دونوں کی آمد و رفت کے راستے بھی الگ کردیئے تو اس صورت میں صرف پہلی منزل پر مسجد کا حکم لگے گا، اوپر کی منزل کا شمار مسجد میں نہ ہوگا: صاحب ہدایہ کہتے ہیں:

"من جعل مسجدا تحته سرداب أو فوقه بيت وجعل باب المسجد الى الطريق وعزله عن ملكه فله أن يبيعه، وان مات يورث عنه، لانه لم يخلص لله تعالى لبقاء حق العبد متعلقا به"

(هدايه 6/234)

(جس نے ایسی مسجد بنائی کہ اس کے نیچے تہہ خانہ دیا، اس کے اوپر گھر ہو اور مسجد کا دروازہ راستے کی طرف

رکھا اور اس کو اپنی ملکیت سے علیحدہ رکھا تو اس کے لیے اس تہہ خانے یا گھر کو فروخت کرنا جائز ہے اور اگر اس کا انتقال ہو جائے، تو اس میں میراث بھی جاری ہوگی، کیونکہ بندے کا حق اس سے متعلق ہونے کی وجہ سے وہ اللہ کے لیے خالص نہیں رہا)۔

اور اگر شروع میں ایسی نیت نہیں کی گئی، بلکہ تعمیر کے بعد زیریں یا بالائی منزل کو مستثنیٰ کیا گیا، تو یہ استثنا درست نہ ہوگا، غالباً یہی منشاء ہے فقہاء کے اس ارشاد کا کہ: ''**إذا أراد انسان أن يتخذ تحت المسجد حوانيت غلة لمرمة المسجد أو فوقه ليس له ذلك، كذا في الذخيرة**'' (هندية ۲/ ۴۵۵)

(اگر انسان مسجد کے نیچے یا اس کے اوپر کچھ دکانیں بنائے کہ وہ مسجد کی اصلاح و مرمت کے لیے ذریعہ آمدنی ہو تو اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے)۔

تاہم احتیاط بہر حال عین مسجد کے حصے کو اوپر اور نیچے مسجد رکھنے میں ہے، خاص کر اگر اوپر کا حصہ مسجد نہ ہو، تو مسجد کی بے احترامی کا بہت کچھ اندیشہ ہے، اسی لیے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے ایک قول کے مطابق مسجد کے اوپر گھر یا دکان بنانا درست نہیں ہے، گو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے بغداد اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے آنے ری کے بعد وہاں جگہ کی تنگی اور لوگوں کی ضرورت دیکھتے ہوئے، دونوں ہی صورتوں کو جائز قرار دیا ہے۔ (مزید تفصیل کے لیے قاموس الفقہ ۵/ ۹۰-۹۱ ملاحظہ ہو)

مسجدوں میں مکاتب کا قیام

موجودہ زمانے میں جبکہ بچوں کی بنیادی دینی تعلیم کے لیے غیر مسلم ممالک تو کیا مسلم ممالک میں بھی کوئی انتظام نہیں، اور ہر جگہ مسلمان اس موقف میں نہیں ہیں کہ مکاتب کی الگ عمارت تعمیر کریں، مساجد میں مکاتب کا قیام ایک بہت بڑی ضرورت ہے، اور اس سے محض گرمی اور ٹھنڈک سے بچاؤ ہی متعلق نہیں، بلکہ دین کا بقا اور اسلام کے ساتھ ان کے رشتے کو استوار رکھنے کا بھی مسئلہ ہے، اس لیے جہاں ایسی درسگاہوں کے لیے کوئی اور جگہ میسر نہ ہو، مساجد میں بھی مکاتب کے قیام میں کوئی حرج نہیں بلکہ اس کی کوشش کرنی چاہیے۔ (قاموس الفقہ ۵/ ۹۷-۹۸)

توسیع جدید کے وقت تبدیلی

یہ بات آچکی ہے کہ جو جگہ ایک مرتبہ مسجد ہو جاتی ہے وہ ہمیشہ کے لیے مسجد ہی رہتی ہے، اس جگہ سے مسجد کے علاوہ کوئی دوسرا کام نہیں لیا جائے گا۔ واقف کی وفات کے بعد نہ وہ ورثہ کی وراثت میں جائے گی۔

اور نہ اس کی خرید و فروخت ہوگی اور نہ ہی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کی جائے گی، علامہ ابن نجیم نے امام ابو یوسفؒ کا یہ قول نقل فرمانے کے بعد اس کے مفتی بہ ہونے کی صراحت بھی کر دی ہے:

"قال أبو یوسف هو مسجد أبداً إلی قیام الساعة لا یعود میراثا و لا یجوز نقله، و نقل ماله إلی مسجد آخر، سواء کانوا یصلون فیه أو لا، وهو الفتویٰ" (البحر الرائق ۵/ ۲۵۱)

اس صراحت سے موجودہ دور کے مسائل کا حل بھی نکل آتا ہے کہ مسجد کی جگہ کسی حال میں تبدیل نہیں کی جا سکتی ہے جیسا کہ آج کل بڑے بڑے شہروں میں رواج ہو گیا ہے کہ مسجد کی کمیٹی عام طور پر توسیع جدید میں اصل جگہ کو وضو خانہ یا امام کے حجرے یا مہمان خانہ یا دیگر مصارف میں تبدیل کر دیتی ہے، امام ابو یوسف کے مذکورہ مفتی بہ قول سے اس مسئلے میں مکمل رہنمائی مل جاتی ہے کہ جو جگہ ایک بار مسجد بن گئی اب توسیع جدید میں اس کو نماز کے علاوہ کسی دوسرے مصرف میں استعمال کرنا جائز نہیں ہے (اسلام کا نظام وقف صفحہ نمبر 153)

مسجد کے نیچے دکانوں کی تعمیر

جس جگہ مسجد بن جاتی ہے اس کے نیچے سے آسمان تک تا قیامت مسجد ہی کا حکم سمجھا جائے گا، اس سے بندوں کا حق ختم ہو جاتا ہے اور خدا کی ملکیت قائم ہو جاتی ہے، اس لیے اس کے نیچے یا اوپر مسجد کے مصالح کے علاوہ کسی دوسرے مصرف میں استعمال درست نہیں ہے، ہاں اگر ابتداء تعمیر ہی میں مسجد کے مصالح کے لیے مکان بنائے جائیں تو درست ہے، لہذا یہی حکم مسجد کے نیچے کی دکانوں اور ان کو کرایہ پر لگانے کا ہے کہ اگر ابتداء اس عمارت کی تعمیر جائز ہے لیکن بعد میں اس طرح کے اقدام کی گنجائش نہیں ہوگی، **"أما لو تمت المسجد یه ثم أراد البناء منع... (الدر المختار ۳/ ۲۷۱)**

اس مسئلے میں ہندوستانی علماء کی رائے یہی ہے، مفتی کفایت اللہ صاحب نے کئی فتوے اسی رائے پر دیے ہیں۔ (ملاحظہ ہو: اسلام کا نظام وقف صفحہ نمبر ۱۵۹۔ کفایت المفتی ۹/ ۱۸)

قاضی مجاہد الاسلام قاسمی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک فتوی کا جواب اس طرح تحریر فرمایا ہے:

"مسجد کی تعمیر اور بنا کے وقت اگر بانیان مسجد نے یہ طے کر لیا کہ منصوبے کے مطابق نیچے کی منزل ضرورت مسجد، بیت الخلا، وضو خانہ، امام و مؤذن کی رہائش یا مسجد کے انتظامی اخراجات کے لیے دکانیں جو ذریعہ آمدنی ہوں، بنائی جائیں گی اور اوپر کی منزل پر مسجد ہوگی تو ایسا کرنا جائز ہوگا، اعتبار بوقت بناء مسجد کے بانیوں کی نیت کا ہوگا، البتہ جب مسجد بن چکی، اس کے بعد مسجد کی کسی منزل میں اس کی حیثیت کو بدلنا درست نہیں ہوگا۔" (فتاوی قاضی صفحہ ۱۷۸)

(وإذا جعل تحته سردابا لمصالحه) أی المسجد (جاز)... ولو بنی فوقه بیتاً للإمام لا یضر لأنه من المصالح، أما لو تمت المسجدیة ثم أراد البناء منع". (رد المحتار ۶/ ۵۴۷-۵۴۸، بیروت)

جس جگہ پر مسجد بنائی جائے وہ نیچے اوپر سب مسجد ہی ہوتی ہے، وہاں کوئی ایسا کام جو مسجد کے احترام کے

خلاف ہو وہ ممنوع ہے، مسجد کے بالائی حصے یا نیچے کے حصے، کسی جگہ سے بھی حق العبد متعلق نہیں ہونا چاہیے۔

ہال تقریبات کے لیے بنانے کا مطلب یہ ہے کہ تمام اہل تقریبات کو اس کے استعمال کا حق ہو اور اس میں وہ کام بھی ہوں جن سے مسجد کو بچانا لازم ہے، اس لیے اس کی اجازت نہیں، تہہ خانہ مسجد کا سامان، چٹائی وغیرہ رکھنے کے لیے ہو تو کوئی حرج نہیں ہے، یہ احترام مسجد کے خلاف نہیں ہے۔ (فتاوی محمودیہ ۱۷/ ۲۲۹)

مسجد کے اوپر مدرسے کی تعمیر کرنا بوقت ضرورت شدیدہ گنجائش معلوم ہوتی ہے مگر یہ اجازت اس صورت میں ہے کہ ابتداء ہی سے مسجد کے اوپر یا نیچے مدرسہ بنانے کا ارادہ ہو، اگر ابتداء ارادہ نہ تھا بلکہ مسجد کی حدود متعین کر کے اس رقبے کے بارے میں زبان سے کہہ دیا کہ یہ مسجد ہے، اس کے بعد اوپر مدرسہ بنانے کا ارادہ ہو تو جائز نہیں۔

(احسن المسائل ٦/ ٤٤٣ - عالمگیری ٢/ ٤٥٥)

نیچے اوپر رہائش گاہ

جب تک وقف کر کے اس سے ملکیت کے حق کو ختم کر کے اس کا راستہ ہی الگ نہ کر دیا جائے اور اس میں سب لوگوں کو آنے اور نماز پڑھنے کا پورا اختیار نہ دے دیا جائے وہ شرعی مسجد نہیں ہوگی۔

اوپر کے حصے میں خود مالکانہ حیثیت سے رہیں اور نیچے کے حصے میں اذان و جماعت ہونے لگے اتنی بات اس کے مسجد ہونے کے لیے کافی نہیں، وہاں جماعت ثانیہ کی اجازت ہے۔ (فتاوی محمودیہ ۱۸/ ۲٤۸)

یہی حکم اس صورت کا بھی ہے کہ نیچے دکان اور اوپر مسجد ہو، بلڈنگ میں جو کمرہ نماز کے لیے مخصوص کر دیا گیا ہو اس کا حکم مسجد کا نہیں اور نہ اس میں مسجد کا ثواب ملے گا جماعت کا ثواب تو ملے گا، اگر جماعت کی جائے۔ (آپ کے مسائل ۳/ ۱۳۸)

مسجد کی چھت پر امام کے لیے کمرہ بنانے کی اجازت نہیں ہے، اور نہ مسافر خانہ بنانا جائز ہے۔

خلاصہ بحث

اب ہر سوال کا خلاصہ اور واضح جواب تحریر کیا جا رہا ہے:

۱- ضرورت پر مسجد کی توسیع اور تعمیر نو جائز ہے، لیکن مسجد کی حیثیت تبدیل کرنا جائز نہیں ہے، مسجد نیچے سے اوپر تک اور تحت الثریٰ سے آسمان تک مسجد ہی رہتی ہے، اس لیے اس کے تہہ خانے یا بالائی حصہ کو ہاسٹل، یا ہوٹل، یہ رہائش گاہ یا تقریبات ہال، یا مسافر خانہ وغیرہ نہیں بنایا جا سکتا ہے، ہاں ابتداء تعمیر میں اگر واقف یہ نیت کر لے کے نیچے کا حصہ کسی اور مصرف میں ہوگا اور اوپر مسجد رہے گی تو اس کی اجازت اور گنجائش ہے لیکن قدیم مسجد کی تعمیر جدید میں نہیں ہے۔

۲۔ضرورت پر قدیم مسجد شہید کر کے چند منزلہ تعمیر کرنا درست ہے لیکن نیچے کے حصے کو دکان یا اوپر کی منزل میں امام ومؤذن کے حجرے بنانا جائز نہیں کیونکہ اس سے مسجد کی شرعی حیثیت متاثر ہوتی ہے۔

۳۔قدیم مسجد کی تعمیر جدید کے وقت نیچے کے حصے کو پارکنگ اور اوپر مسجد بنانا جائز نہیں ہے، جدید مسجد میں ہوسکتا ہے۔

۴۔مسجد میں مکاتب کا قیام درست ہے، لیکن بلا ضرورت مسجد شہید کر کے چند منزلہ بنا کر بیسمنٹ میں پارکنگ اور اوپر مسجد اور اس میں جز وقتی درسگاہ یا قیامگاہ کا نظم کرنا درست نہیں ہے، البتہ مسجد کے اردگرد حصہ جو مسجد کے لیے وقف ہے اس کو مسجد میں شامل کرنا یا وہاں مکتب اور مدرسہ قائم کرنا، واقف یا مسجد کی انتظامیہ کمیٹی کی اجازت اور مشورے سے درست ہے، اور حاصل ہونے والی فیس کو مصالح مسجد پر صرف کرنا جائز ہے لیکن معاملہ بالکل واضح ہو، تاکہ آگے چل کر مسجد کے لیے خطرہ نہ ہو کہ مکتب اور اسکول چلانے والے حاوی ہوجائیں اور مالک بن بیٹھیں۔

۵۔بلڈنگوں اور اپارٹمنٹ کے کسی حصے کو خرید کر نماز کے لیے مختص کرنے سے وہ حصہ یا منزل شرعی مسجد نہیں کہلائے گی، وہ جماعت گاہ یا عبادت گاہ ہے، اس پر مسجد کے احکام جاری نہ ہوں گے۔

۶۔اگر کئی منزلہ عمارت تعمیر کرتے ہوئے شروع ہی سے اس کے کسی حصے یا منزل کو مسجد اور بقیہ کو کسی اور مصرف میں استعمال کرنے کی نیت ہو تو وہ حصہ یا منزل شرعی مسجد ہوگی، بشرط یہ کہ اس کا راستہ الگ ہو اور اذن عام ہو، کیونکہ فلیٹ کی ہر منزل مستقل عمارت کے درجہ میں ہے۔

۷۔مقالہ میں ذکر کردہ استبدال کی شرطوں کے ساتھ استبدال درست ہے، اور بعض حالات میں وقف کو فروخت کر کے اسی نوع کا وقف خریدنا بھی جائز ہے، اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے دفعہ ۷ کے تحت درج شرائط کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

۸۔مسجد سے متعلق اراضی کو تحفظ یا مسجد کی آمدنی کے پیش نظر مکاتب ومدارس کے قیام میں شدید ضرورت پر استعمال کیا جاسکتا ہے، اور اس کی آمدنی کو مسجد کے مصالح میں استعمال کیا جائے گا، لیکن یہ ضروری ہے کہ مکاتب و مدارس کے قیام سے مقصد وقف میں خلل نہ آئے اور مسجد کے نظام پر اثر نہ پڑے، تحفظ کی غرض سے مسجد کی زائد اراضی کو مذکورہ مصرف میں لایا جاسکتا ہے جبکہ ایسا نہ کرنے سے غاصبانہ قبضے کا خطرہ ہو۔

واللہ اعلم

اوقاف مساجد: شرعی اصول، معاصر چیلنجز اور فقہی رہنمائی

مفتی شکیل منصور القاسمی

الحمد لله رب العالمين و الصلاة و السلام على سيدنا محمد خاتم النبيين و على آله و صحبه أجمعين،

أما بعد!

وقف شریعتِ اسلامیہ کا ایسا مستقل اور ابدی مال کا تصرف ہے جس کا مقصد محض تملیک سے ہٹ کر، اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول اور مصالحِ عامہ کی دائمی کفالت ہے۔ فقہاءِ اسلام نے اسے "حبسُ الأصل و تسبيلُ المنفعة" قرار دے کر مال کو موقوف کر دینے اور اس کے نفع کو ہمیشگی کے ساتھ فلاحی مقاصد کے لیے جاری رکھنے کا شرعی اصول وضع فرمایا۔

چونکہ وقف کا تعلق مصلحت، نفعِ عام اور دوام سے ہے، اس لیے جب کبھی زمان و مکان یا حالات و ظروف کی تبدیلی سے اصل مصلحت کو نقصان لاحق ہونے لگے، یا وقف کے وسائل و منافع غیر مؤثر ہو جائیں، تو فقہاء نے ''مصلحتِ وقف، حاجتِ شرعیہ اور وقف کی بقاء و ارتقاء'' کے اصولوں کی روشنی میں "استبدال"، "نقل" اور "تصرفِ مصلحتی" کو جائز بلکہ بعض اوقات ضروری قرار دیا ہے، تاکہ وقف کا حقیقی مقصد یعنی بقاء النفع فی سبیل اللہ متحقق رہے۔ یہی فقہی اصول عصرِ حاضر میں ارتقاء وقف (Development of Waqf) کے فکری اور عملی دائرے کو جواز فراہم کرتے ہیں، جو اسلامی قانون کی لچکدار اور مصلحت آشنا روح کی دلیل ہے۔

پھر اوقاف میں بھی وقف مسجد کی اہمیت اس لئے دو چند ہے کہ مساجد کی حیثیت صرف عبادت گاہ کی نہیں؛ بلکہ وہ اسلامی تہذیب و تمدن میں علمی و تربیتی مراکز کا مقام رکھتی ہیں۔ قرآن و سنت اور سیرتِ نبویؐ کی روشنی میں مسجد کو "دار العلم" اور "مرکزِ تربیت" کی حیثیت حاصل ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے لے کر قرونِ وسطیٰ تک، مسجد ہی اسلامی معاشروں کی علمی زندگی کا محور رہی ہے، جہاں حلقات قرآنیہ کا قیام، تدریسِ علوم، حلقاتِ وعظ، اور علمی مناظرات منعقد ہوتے تھے۔ فقہائے امت، محدثین اور مفسرین کے بقول مسجد میں تعلیم و تعلم، نہ صرف جائز بلکہ دیگر جگہوں کی بہ نسبت افضل عمل ہے۔ چنانچہ مسجد کا تعلیمی کردار، نصوصِ شرعیہ، اقوالِ سلف، اور تعاملِ امت سے مؤید و ثابت ہے۔

پھر جب اسلامی فتوحات کے بعد سلطنتوں میں استقرار و استحکام پیدا ہوا، اور معاشرتی و اقتصادی سرگرمیوں (زراعت، صنعت، تجارت و تعمیر) کو فروغ ملا، تو علمی ذوق میں بھی وسعت آئی اور طلبۂ علم کی تعداد میں نمایاں اضافہ

ہوا۔ چونکہ مسجدیں ان تمام علمی تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے ناکافی ہونے لگیں، اور علومِ شرعیہ کے ساتھ دیگر شعبہ ہائے علم بھی وجود میں آئے، اس لیے تعلیم کے لیے الگ اداروں کی شدید ضرورت محسوس کی گئی۔ چنانچہ مساجد سے ہٹ کر باقاعدہ تعلیمی مدارس اور جامعات کا قیام عمل میں آیا جن کی داخلی ساخت، نظامِ تدریس، اساتذہ، طلبہ، کتب و آلات، حتیٰ کہ اخراجات کا نظام بھی علیحدہ طور پر منظم کیا گیا۔ یہ ادارے بعد ازاں علمی ترقی، تمدنی وجاہت اور ریاستی سرپرستی کی علامت سمجھے جانے لگے۔

سوال ۱: موقوفہ مسجد کی تعمیر وتوسیع جدید، بالائی منزلوں میں تعلیم گاہوں ورہائشی حصوں کا باقاعدہ نظم؟

وقف کا اصل تقاضا تو یہ ہے کہ موقوفہ چیز (مثلاً مسجد) ہمیشہ کے لیے اللہ کے لیے مخصوص ہوجائے، اور واقف کا اس پر کوئی دنیوی حق باقی نہ رہے۔ اگر واقف مسجد کی زمین کو اپنی ملکیت سے نکال کر وقف نہ کرے، یا اس پر کسی قسم کا شخصی تصرف باقی رکھے (جیسے اوپر مکان، نیچے دکان وغیرہ)، تو وہ شرعاً مکمل مسجد نہیں کہلائے گی، اور بیچی جاسکتی ہے یا ورثاء میں منتقل ہوسکتی ہے۔

وقف کردہ مسجد شرعی کی تعریف وحدود کی رو سے تو ثری تا ثریا یعنی زمین تا آسمان مسجد قابل احترام ہے اور اس میں نماز وغیرہ کے علاوہ دوسرے امور کی انجام دہی کی گنجائش نہیں ہے:

وحاصله أن شرط كونه مسجدا أن يكون سفله وعلوه مسجدا؛ لينقطع حق العبد عنه (فتاوى شامي 4/358)

(لو بني فوقه بيتا للإمام لا يضر؛ لأنه من المصالح، أما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع، ولو قال: عنيت ذلك لم يصدق. [الدر المختار 4/358].

لیکن تاریخ اسلام میں مسجد کی علمی وتربیتی کردار کے پیش نظر، مسلمانوں کی علمی ضرورت (مصالح مسلمین) اور مصلحتِ مسجد کے تحت، فقہائے حنفیہ میں حضرات صاحبین اور دیگر ائمہ نے "تمامیتِ مسجد" کے بعد بھی مصالحِ مسجد اور مسلمانوں کی تعلیمی ضرورتوں کی وجہ سے مسجد کی تعمیر وتوسیع جدید، اس کے بالائی منازل میں دینی تعلیم گاہوں اور رہائشی حصوں کے قیام وانتظام کی "ضرورتاً اور مصلحتاً" اجازت دی ہے، اور یہ اجازت مطلق نہیں؛ بلکہ درج ذیل چند شرائط وقیود کے ساتھ مشروط ہے:

1: اصل مسجد کی حیثیت باقی رہے (بیع یا تبدیل نہ ہو)

2. تعمیر سے مسجد کی شان، پاکیزگی اور عبادت میں خلل نہ آئے۔

3. بلڈنگ وقف کے نام پر ہی رہے۔

4. تمام تعمیرات شرعی نگرانی میں ہوں۔

5. موقوفہ زمین کے استعمال میں تجاوز یا تفریط نہ ہو۔

اگر ان شرطوں کی رعایت ولحاظ ہوتو بڑھتی ہوئی آبادی، تنگ پڑتی مساجد، مہنگی ہوتی نئی اراضی کی خریداری جیسے حالات وحاجات کے پیشِ نظر، پرانی یا تنگ مسجد پر کئی منزلہ عمارت تعمیر کرنا جس میں: نیچے کی منزل مسجد ہو، اوپر کی منزلیں دینی تعلیم ورہائش کے لیے ہوں فقہی اصولوں، نصوصِ شریعت، تعاملِ امت اور مصلحتِ وقف کے لحاظ سے جائز ہے، بشرطیکہ شرائطِ وقف اور حرمتِ مسجد کا مکمل لحاظ رکھا جائے۔ اگر ان شرطوں کا لحاظ ملحوظ نہ ہوتب حرمت مسجد متاثر ہوگی اور یہ عمل حرام ہوگا؛ ورنہ نہیں۔

حاصله: أن شرط كونه مسجداً أن يكون سفله وعلوه مسجداً، لينقطع حق العبد عنه، لقوله تعالى: {وأن المساجد لله} [الجن: 18] بخلاف ما إذا كان السرداب أو العلو موقوفاً لمصالح المسجد، فإنه يجوز؛ إذ لا ملك فيه لأحد، بل هو من تتميم مصالح المسجد، فهو كسرداب مسجد بيت المقدس، هذا هو ظاهر المذهب، وهناك روايات ضعيفة مذكورة في الهداية، وبما ذكرناه علم أنه لو بنى بيتاً على سطح المسجد لسكنى الإمام فإنه لا يضر في كونه مسجداً؛ لأنه من المصالح.

فإن قلت: لو جعل مسجداً ثم أراد أن يبني فوقه بيتاً للإمام أو غيره هل له ذلك قلت: قال في التتارخانية إذا بنى مسجداً وبنى غرفة وهو في يده فله ذلك، وإن كان حين بناه خلى بينه وبين الناس ثم جاء بعد ذلك يبني لا يتركه. وفي جامع الفتوى: إذا قال: عنيت ذلك، فإنه لا يصدق. اهـ." (كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، ج:5، ص:271، طبع: دار الكتاب الإسلامي، بيروت.

خلاصہ یہ ہے کہ مسجد ہونے کی شرط یہ ہے کہ اس کی نچلی اور اوپری منزل دونوں مسجد ہوں؛ تاکہ بندے کا حق اس سے مکمل طور پر منقطع ہوجائے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

{وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ} [الجن:18] یعنی: "مساجد اللہ کے لیے ہیں۔"

لیکن اگر مسجد کے نیچے کا تہہ خانہ یا اوپر کی منزل مسجد کی مصلحت کے لیے وقف ہو، تو اس میں کوئی حرج نہیں؛ کیونکہ اس میں کسی کی ملکیت نہیں ہوتی، بلکہ وہ مسجد کی ضروریات کا حصہ ہوتا ہے، جیسے مسجدِ بیت المقدس کا تہہ خانہ۔ یہی فقہائے احناف کا ظاہر مذہب ہے، اگرچہ اس کے خلاف بعض ضعیف روایات "ہدایہ" میں موجود ہیں۔

اسی اصول سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ اگر کوئی امام کی رہائش کے لیے مسجد کی چھت پر کوئی کمرہ بناتا ہے، تو اس سے مسجد ہونے پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، کیونکہ یہ بھی مسجد کی مصلحت میں شامل ہے۔

اب اگر سوال کیا جائے کہ:

"اگر کسی نے پہلے مسجد بنائی، پھر بعد میں امام یا کسی اور کے لیے اوپر کمرہ بنانا چاہا، تو کیا اسے ایسا کرنے کا حق حاصل ہے؟"

تو اس کا جواب یہ ہے کہ "تتارخانیہ" میں لکھا ہے:

(اگر کسی نے مسجد بنائی اور ساتھ ہی کمرہ بھی بنالیا، جبکہ وہ جگہ اس کے قبضے میں تھی، تو یہ جائز ہے۔
لیکن اگر اس نے مسجد بنانے کے وقت اسے لوگوں کے لیے عام کر دیا تھا، پھر بعد میں آ کر اوپر کمرہ بنانا چاہا، تو اُسے ایسا کرنے نہیں دیا جائے گا۔ اور" جامع الفتاویٰ" میں ہے:
اگر وہ دعویٰ کرے کہ" میں نے پہلے ہی نیت کی تھی کہ اوپر کمرہ بناؤں گا" تو اس کا یہ دعویٰ قابلِ قبول نہیں ہوگا)

سوال ۲: موقوفہ مسجد کے نیچے دکانیں اور اوپر رہائشی مکانات: فقہی اصول اور مصلحتِ وقف کی رعایت

فقہائے احناف کی معتمد تصریحات کے مطابق جب کوئی زمین مسجد کے لیے وقف کر دی جائے اور اس پر مسجد کی تعمیر مکمل ہو جائے، تو وہ زمین" تحت الثریٰ" (زمین کی تہہ) سے" عَنان السماء" (آسمان کی بلندی) تک شرعاً مسجد بن جاتی ہے۔ اس کے بعد اس وقف شدہ زمین کے کسی حصے میں دکانیں، دفاتر، یا دیگر تعمیرات کرنا شرعاً جائز نہیں، اگرچہ وہ مسجد ہی کے مفاد میں کیوں نہ ہوں، کیونکہ یہ وقف کی ہیئت میں غیر شرعی تبدیلی سمجھی جاتی ہے۔

فتاویٰ شامی میں ہے:

"إذا جعل تحته سرداباً لمصالحه جاز، ولو جعل لغيرها أو جعله فوقه بيتاً وجعل باب المسجد إلى الطريق وعزله عن ملكه لا يكون مسجداً" (رد المحتار، 357/4)

البحر الرائق میں ہے:

(حاصله أن شرط كونه مسجداً أن يكون سفله وعلوه مسجداً لينقطع حق العبد عنه" (البحر الرائق، 271/5)

اور خلاصہ یہ ہے کہ کسی جگہ کے مسجد ہونے کی شرط یہ ہے کہ اس کی نچلی اور اوپری سطح (دونوں) مسجد ہوں، تاکہ بندے (واقف) کا اس پر حق بالکل ختم ہو جائے۔

تاہم، بعض متأخر فقہاء، عرب اہلِ علم اور فتاویٰ کمیٹیوں نے بعض شرائط کے ساتھ اس بات کی اجازت دی ہے کہ اگر:

1. دکانیں مسجد کی تعمیر سے قبل بنائی جائیں،
2. وہ مکمل وقف کی ملکیت ہوں،
3. ان کی آمدنی مسجد کے مصالح میں خرچ ہو،
4. اور ان سے نماز و حرمتِ مسجد میں کوئی خلل واقع نہ ہو؛

تو ایسی صورت میں مسجد کی تعمیرِ جدید یا توسیع کے وقت نیچے دکانیں یا اوپر رہائشی مکانات بنانے کی گنجائش ہو سکتی ہے۔

تبیین الحقائق میں ہے:

"وعن محمد مثله حين قدم الري، وعن أبي يوسف ومحمد أنه لو اتخذ وسط داره مسجداً صار

مسجداً وإن لم يعزل بابه إلى الطريق؛ لأن الطريق دخل ضرورة." (تبين الحقائق، 330/3)

نهاية السغناقي میں ہے:

"إن كان العلو مسجدًا والسفل حوانيت موقوفة على المسجد أو على القلب لا بأس به؛ لأن الكل منقطع عن حقوق العباد." (النهاية للسغناقي، 214/12)

فتاویٰ شامی میں ہے:

"إذا كان السرداب أو العلو لمصالح المسجد أو كانا وقفاً عليه صار مسجداً." (رد المحتار، 357/4؛ ودرر الاحكام، 135/2)

تہ خانہ یا بالائی حصہ اگر مصالح مسجد کے لئے ہو یا اس پر وقف ہو تو یہ بھی شامل مسجد ہوگا۔

ملتقی الأبحر (حلبی) میں ہے:

"ولا يضر جعله تحته سرداباً لمصالحه." (ملتقى الأبحر، ص: 594)

مصالح مسجد کے لئے تہہ خانہ بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

مصالح مسجد کے تحت ائمہ ومؤذنین وخدام مسجد کی رہائش کا نظم بھی مسجد کے بالائی حصوں میں کرنا جائز ہے، البتہ اس بات کا خیال لازمی رکھا جائے کہ طہارت خانے کا نظم احاطہ مسجد کے لئے مختص جگہوں کے علاوہ حصے میں رہے، بنائے اول کے وقت نماز کے لئے مختص احاطے میں طہارت خانے کا نظم جائز نہیں ہے۔

فتاویٰ شامی میں ہے:

"لو بنى فوقه بيتاً للإمام لا يضر لأنه من المصالح." (رد المحتار، 358/4)

اگر تہہ خانہ (سرداب) یا اوپر کی منزل مسجد کی مصلحتوں کے لیے ہو، یا وہ دونوں مسجد پر وقف کیے گئے ہوں، تو وہ (جگہ) مسجد بن جاتی ہے۔

وَبِهَذَا عُلِمَ أَيْضًا حُرْمَةُ إحْدَاثِ الْخَلَوَاتِ فِي الْمَسَاجِدِ كَالَّتِي فِي رِوَاقِ الْمَسْجِدِ الْأُمَوِيِّ، وَلَا سِيَّمَا مَا يَتَرَتَّبُ عَلَى ذَلِكَ مِنْ تَقْذِيرِ الْمَسْجِدِ بِسَبَبِ الطَّبْخِ وَالْغَسْلِ وَنَحْوِهِ وَرَأَيْت تَأْلِيفًا مُسْتَقِلًّا فِي الْمَنْعِ مِنْ ذَلِك. (ایضاً)

سوال ۳: قدیم مسجد کی توسیع میں بیسمنٹ میں پارکنگ بنانا؟

فقہ حنفی کے اصول وقف کے مطابق وقف کی تعیین شدہ ہیئت میں تبدیلی عام طور پر جائز نہیں ہے:

لیکن اگر مسجد کی تعمیر مکمل ہو چکی ہو، تو اس کے بعد نیچے بیسمنٹ میں پارکنگ یا دیگر تعمیرات کرنا شرعاً جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ وقف کی ہیئت میں غیر شرعی تبدیلی سمجھی جاتی ہے۔ ہاں اگر کچھ زائد جگہ (جو مسجد پر وقف ہو) شاملِ مسجد

کی جارہی ہوتو پھراس حصے کے نیچے مصلیوں کی گاڑیوں کی پارکنگ کے مقصد سے تہ خانہ بنانے کی شرعاً گنجائش ہے۔

مصلحت عامہ کے پیش نظر تغییر وقف؟

لیکن اگر کوئی موقوفہ زمین یا جگہ ہو اور وہاں مسلمانوں کی عام ضرورت وفائدے کے لئے تبدیلی ناگزیر ہوجائے، (جیسے مسجد کا بڑھانا، راستہ نکالنا، پارکنگ نکالنا یا اسکول یا قبرستان بنانا) اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہ ہو، تو ایسی حالت میں بعض فقہاء نے موقوفہ زمین کی ہیئت میں تبدیلی کی مشروط اجازت دی ہے۔ خواہ واقف نے اس کی صراحت نہ بھی کی ہو۔ کیونکہ عام طور پر واقفین کی نیت یہ ہوتی ہے کہ ان کے وقف سے زیادہ سے زیادہ نفع حاصل ہو، اجر وثواب میں زیادتی ہو، اور مستحقین کو زیادہ فائدہ پہنچے، (تسبیل المنفعہ) پس ایسی مصلحتوں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے تکثیر فائدہ، مصلحت وقت، یا عام مسلمانوں کی ناگزیر ضرورتوں کے باعث ہیئت وقف میں تبدیلی کی گنجائش نکل سکتی ہے؛ لیکن یہ گنجائش اس شرط کے ساتھ ہوگی کہ تبدیلی سے وقف کے اصل مقاصد میں خلل نہ آئے اور واقف کی نیت کا احترام برقرار رہے۔

صحیحین کی درج ذیل حدیث سے مصلحت عامہ کے پیش نظر تغییر ہیئت وقف کی گنجائش نکلتی ہے:

لَوْلَا حَدَاثَةُ قَوْمِكِ بِالْكُفْرِ لَنَقَضْتُ الْبَيْتَ ، ثُمَّ لَبَنَيْتُهُ عَلَى أَسَاسِ إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَام ، فَإِنَّ قُرَيْشًا اسْتَقْصَرَتْ بِنَاءَهُ وَجَعَلْتُ لَهُ خَلْفًا (بخاری 1585، مسلم 1333)

وَالثَّانِي: أَنْ لَا يَشْرُطَهُ سَوَاءٌ شَرَطَ عَدَمَهُ أَوْ سَكَتَ لَكِنْ صَارَ بِحَيْثُ لَا يُنْتَفَعُ بِهِ بِالْكُلِّيَّةِ بِأَنْ لَا يَحْصُلَ مِنْهُ شَيْءٌ أَصْلًا، أَوْ لَا يَفِي بِمُؤْنَتِهِ فَهُوَ أَيْضًا جَائِزٌ عَلَى الْأَصَحِّ إذَا كَانَ بِإِذْنِ الْقَاضِي وَرَأْيِهِ الْمَصْلَحَةَ فِيهِ. (رد المحتار 4/384)

وَفِي زِيَادَاتِ أَبِي بَكْرِ بْنِ حَامِدٍ: أَجْمَعَ الْعُلَمَاءُ عَلَى جَوَازِ بَيْعِ بِنَاءِ الْوَقْفِ وَحَصِيرِهِ إذَا اسْتَغْنَوْا عَنْهُ. (فتح القدير لابن الهمام 6/221)

الحاجة تُنزَّل منزلة الضرورة، عامة كانت أو خاصة. (م/32، غمز عيون البصائر (۱/۲۹۳).

فيجوز تغيير بناء الوقف من صورة إلى صورة، لاجل المصلحة الراجحة. (فقه السنة 3/531)

ارض موقوفہ کے ناقابل انتفاع ہوجانے کی صورت میں حضرات صاحبین کے یہاں استبدال وقف کی اجازت ہے۔

(الاستبدال إذا تعين بأن كان الموقوف عليه لا ينتفع فيه وثمة من يرغب فيه ويعطي بدله أرضا أو دارا لها ريع يعود نفعه على جهة الوقف، فالاستبدال في هذه الصورة قول أبي يوسف ومحمد رحمهما الله تعالى، وإن كان للوقف ريع ولكن يرغب شخص باستبداله إن أعطي بدله أكثر ريعا منه في سقع أحسن من سقع الوقف جاز عند القاضي أبي يوسف والعمل عليه، وإلا فلا يجوز. (البحر الرائق شرح

کنز الدقائق ۵/۲۴۴.)

استبدال وقف بھی دراصل وقف کی ہیئت کی تبدیلی ہی تو ہے، جب ارتقاء وقف کے لئے استبدال کی گنجائش ہے تو ناگزیر مصلحت عامہ کے لئے توسیع وقف و ہیئت کی تبدیلی کی بھی گنجائش ہوسکتی ہے۔

لہٰذا فقہ حنفی کے اصولِ وقف کی روشنی میں عمومی قاعدہ تو یہی ہے کہ وقف کی تعیین شدہ ہیئت میں بلاضرورت و مصلحتِ شرعی تغیر وتبدل جائز نہیں، کیونکہ وقف کا مقصد تحبیس العین وتسبیل المنفعت ہوتا ہے، اور ہیئتِ وقف میں تبدیلی اس اصل کے منافی سمجھی جاتی ہے۔

تاہم فقہاء نے مصلحتِ راجحہ، ارتقاءِ وقف، یا عامۃ المسلمین کی ناگزیر ضرورتوں کی بنا پر ہیئتِ وقف میں محدود اور مشروط تبدیلی کی گنجائش بھی تسلیم کی ہے، بشرطیکہ:

1. تبدیلی سے مسجد یا وقف کے اصل مقاصد اور حرمت میں خلل نہ آئے۔
2. واقِف کی نیت کا احترام باقی رہے۔
3. تبدیلی مکمل طور پر موقوفہ ملکیت کے اندر ہو، اور اس کا نفع مسجد یا متعلقہ وقف ہی کی طرف راجع ہو،
4. اس کا متبادل حل شرعاً یا عرفاً موجود نہ ہو، اور
5. معتمد مفتیان یا شرعی قاضی کی نگرانی میں ہو۔

لہٰذا موجودہ دور میں اگر کسی قدیم مسجد کی توسیع یا تعمیرِ جدید کے موقع پر مسجد کے نیچے بیسمنٹ میں ایسی پارکنگ تعمیر کی جائے جو صرف مصلین کی سہولت یا مسجد کے مفاد میں ہو، اور وقف کی مصلحت ونفع اس سے وابستہ ہو، تو شرائطِ مذکورہ کی رعایت کے ساتھ فقہی اصولوں کے دائرے میں اس کی گنجائش نکلتی ہے۔

لیکن خوب اچھی طرح واضح رہے کہ یہ رخصت عمومِ بلویٰ، ضرورتِ عامہ اور فقہی قاعدے: "الحاجة تنزل منزلة الضرورة" کی رو سے مبنی بر مصلحت واقع ہے، نہ کہ مطلق جواز کے بطور!

سوال ۴: مسجد کی توسیع کر کے اوپر دینی تعلیم کے لیے درسگاہ بنانا اور اس پر کرایہ لینا جو مصالح مسجد میں صرف ہو؟

وقف میں تبدیلی اصولی طور پر شرعاً ممنوع ہے، اسے اصل ہیئت پر باقی رکھنا مطلوب ہے، اگر اس پر اصرار سے اصل مقصود وقف ہی فوت ہو جا رہا ہو تو تبدیلی کی گنجائش فقہ حنفی میں موجود ہے۔

مساجد کا اصل مقصد عبادت اور ذکر و تلاوت وغیرہ ہے، مسجد کو دنیاوی کاروبار یا کسبِ معاش کا مستقل مرکز بنانا مکروہ عمل ہے، لیکن اگر کوئی شرعی یا عرفی ضرورت پیش آجائے، جیسے:

معلم یا کاتب کے پاس اور کوئی جگہ نہ ہو۔

تعلیمی خدمات دینی نوعیت کی ہوں (مثلاً قرآن و دینیات پڑھانا)۔

قلت جگہ کے باعث مسجد ہی مدرسہ ومکتب کا مقام ہو۔

طلبہ مسجد کے بالائی حصوں میں مقیم ہوں اور وہاں ہی پڑھنا پڑھانا ممکن ہو۔

تو ایسی ناگزیر ضروریات کی بنا پر اجرت پر تعلیم وغیرہ کی گنجائش نکلتی ہے، اور کراہت ختم ہو جاتی ہے۔ شامی میں ہے:

جَلَسَ مُعَلِّمٌ أَوْ وَرَّاقٌ فِي الْمَسْجِدِ، فَإِنْ كَانَ يُعَلِّمُ أَوْ يَكْتُبُ بِأَجْرٍ يُكْرَهُ إِلَّا لِضَرُورَةٍ۔۔۔

اگر کوئی معلم (استاد) یا وراق (نقل نویس یا کاتب) مسجد میں بیٹھے، تو اگر وہ اجرت لے کر پڑھاتا یا لکھتا ہو، تو یہ مکروہ (ناپسندیدہ) ہے، الا یہ کہ کوئی ضرورت درپیش ہو (شامی 6/428)

اس عبارت سے مفہوم ہوتا ہے کہ اگر مسجد کے اندر اجرت پر تعلیم دینا سخت ناپسندیدہ (مکروہ) ہے، تو ضرورت کے تحت اس میں بھی گنجائش نکلتی ہے؛ تو مسجد کے اوپر ایک جز وقتی درسگاہ (جو مسجد سے منفصل ہو) بنانے کی گنجائش بدرجہ اولیٰ ہوگی، بشرطیکہ مسجد کی حرمت وسکون متاثر نہ ہو اور نیت خالص دینی ہو اور اس سے حاصل شدہ آمدنی مسجد ومتعلقات مسجد پر صرف ہو۔

درج ذیل فقہی نصوص سے بھی یہ گنجائش نکلتی ہے کہ عوامی ناگزیر تعلیمی ضرورت کے تحت مسجد کے اردگرد وقف اراضی کو شامل کر کے مسجد کی توسیع جدید عمل میں لائی جائے اور اوپر جز وقتی مکتب اور نیچے بیسمنٹ میں پارکنگ کا نظم ہو:

"لَوْ بَنَى فَوْقَهُ بَيْتًا لِلْإِمَامِ لَا يَضُرُّ لِأَنَّهُ مِنَ الْمَصَالِحِ"

یعنی اگر مسجد کے اوپر امام کے لیے رہائش بنائی جائے تو یہ جائز ہے کیونکہ یہ مسجد کے مصالح (ضروریات) میں داخل ہے۔ (فتاوی شامی (4/358)

"و لا يضر جعله تحته سردابا لمصالحه"

یعنی مسجد کے نیچے مصالح مسجد کے لیے سرداب (تہ خانہ) بنانا نقصان دہ نہیں (ملتقی الابحر (594)

"وإذا كان السرداب أو العلوّ لمصالح المسجد أو كانا وقفًا عليه صار مسجدًا"

یعنی اگر اوپر یا نیچے کا حصہ مسجد کی مصلحت کے لیے وقف ہو تو وہ بھی مسجد کے حکم میں ہوگا۔ (شامی 4/357)

لو "بنى بيتا على سطح المسجد لسكنى الإمام فإنه لا يضر في كونه مسجدا لأنه من المصالح .. فإن قلت: لو جعل مسجدا ثم أراد أن يبني فوقه بيتا للإمام أو غيره هل له ذلك؟ قلت: قال في التتارخانية: إذا بنى مسجدا وبنى غرفة وهو في يده فله ذلك، وإن كان حين بناه خلى بينه وبين الناس ثم جاء بعد ذلك يبني لا يتركه، وفي جامع الفتوى إذا قال عنيت ذلك فإنه لا يصدق." (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل اختص المسجد بأحكام تخالف أحكام مطلق الوقف، ج: 5، ص: 271، ط: دار الكتاب الإسلامي)

(اگر کسی نے مسجد کی چھت پر امام کی رہائش کے لیے کوئی مکان بنایا، تو اس سے مسجد ہونے پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، کیونکہ یہ مسجد کی ضروریات میں سے ہے۔)

اگر تو یہ پوچھے کہ: اگر کسی نے (زمین کو) مسجد بنایا، پھر وہ چاہے کہ اس کے اوپر امام یا کسی اور کے لیے مکان بنائے، تو کیا اسے یہ حق حاصل ہے؟" تو میں کہوں گا" تتارخانیہ میں کہا گیا ہے: اگر کسی نے مسجد بنائی اور ایک بالاخانہ (اوپر کمرہ) بھی بنایا، اور وہ (زمین یا مسجد) ابھی تک اس کے قبضے میں ہے، تو اسے یہ (کمرہ بنانے) کا حق حاصل ہے۔ اور اگر اس نے مسجد بناتے وقت (اسے) عام لوگوں کے لیے چھوڑ دیا تھا، پھر بعد میں آ کر (کمرہ) بنانا چاہا، تو پھر اسے (ایسا کرنے) نہیں دیا جائے گا۔ اور' جامع الفتاویٰ' میں ہے: اگر وہ کہے کہ' میری نیت یہی تھی' (یعنی اوپر کمرہ بنانے کی)، تو اس کی بات تسلیم نہیں کی جائے گی)

لہٰذا مسجد کی توسیع کر کے اوپر جز وقتی دینی تعلیم کے لیے درسگاہ بنانا اور اس پر کرایہ لینا جو مصالح مسجد میں صرف ہو، فقہ حنفی کے اصولوں اور تصریحات کے مطابق درج ذیل شرائط کے ساتھ جائز ہے:

1: اوپر کا حصہ مسجد سے منفصل ہو (یعنی دروازہ، صوتی اثرات وغیرہ الگ ہوں)؛

2: وہ حصہ مسجد کی مصلحت میں استعمال ہو یا آمدنی مسجد کی ضروریات پر خرچ ہو؛

3: وہ حصہ وقف کی ملکیت میں ہی رہے۔

سوال 5-6: کثیر المنزلہ عمارت میں مسجد کے وقف کی شرعی حیثیت

موجودہ دور میں شہروں کی گنجان آبادی، زمین کی قلت اور مہنگائی کے باعث کثیر المنزلہ رہائشی و تجارتی عمارات کا رجحان عام ہو چکا ہے۔ ان عمارات میں مستقل مسجد بنانا بعض اوقات مشکل ہو جاتا ہے، لہٰذا کسی مخصوص منزل یا حصے کو مسجد کے طور پر مخصوص کیا جاتا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسی صورت میں وقف کی شرعی حیثیت کیا ہوگی؟ آیا یہ مخصوص منزل "مسجد شرعی" بن سکتی ہے یا نہیں؟

فقہ حنفی کی "ظاہر الروایۃ" کے مطابق مسجد شرعی ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ مسجد کے لیے وقف کی جانے والی جگہ زمین کے نیچے سے لے کر آسمان تک مکمل اللہ تعالیٰ کے لیے وقف ہو جائے اور اس میں کسی انسان کی ملکیت باقی نہ رہے:

"وحاصله أن شرط كونه مسجدا أن يكون سفله وعلوه مسجدا لينقطع حق العبد عنه لقوله تعالى: {وأن المساجد لله} [الجن: 18] – بخلاف ما إذا كان السرداب والعلو موقوفا لمصالح المسجد، فهو كسرداب بيت المقدس، هذا هو ظاهر الرواية" (البحر الرائق 5/271،)

"خلاصہ یہ ہے کہ کسی جگہ کے مسجد بننے کی شرط یہ ہے کہ اس کی زمین و آسمان دونوں حصے مسجد ہوں تاکہ بندے کا حق ختم ہو جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: 'اور مسجدیں اللہ ہی کے لیے ہیں'۔ البتہ اگر نیچے یا اوپر کا حصہ مصالحِ مسجد کے لیے وقف ہو تو وہ بیت المقدس کے سرداب کی طرح ہے، یہی ظاہر الروایۃ ہے۔"

حضرت امام محمد اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ نے بعض مخصوص حالات میں اس حکم میں نرمی اختیار کی ہے، مثلاً:

1. اگر کسی جگہ کے نیچے یا اوپر کا حصہ غیر مسجد ہو، اور درمیانی حصہ وقف کیا جائے، تو وہ مسجد ہو سکتی ہے۔

2. کثیر المنزلہ عمارات میں ضرورت کے پیشِ نظر اگر ایک منزل مسجد کے لیے وقف کی جائے تو وہ شرعی مسجد ہو سکتی ہے، بشرطیکہ وہ حصہ قانونی وشرعی طور پر وقف ہو:

"عن محمد أنه حين دخل الري ورأى ضيق الأمكنة جوز ذلك كله لما قلنا. وعن أبي يوسف أنه جوز في الوجهين حين قدم بغداد ورأى ضيق المنازل فكأنه اعتبر الضرورة." (المحيط البرهاني، ج6، ص207)

امام محمد رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ جب وہ ری شہر گئے اور جگہ کی تنگی دیکھی تو انہوں نے (اس طرح کی وقف) کی اجازت دے دی، اور امام ابو یوسف نے بھی بغداد میں یہی کیا، گویا انہوں نے بھی ضرورت کو ملحوظ رکھا۔

(الهداية في شرح بداية المبتدي (3/ 20)، المبسوط للسرخسي (12/ 94)، الدر المختار وحاشية ابن عابدين (رد المحتار) (4/357)

الغرض موجودہ دور کی شہری صورتِ حال اور زمین کی قلت جیسی ضرورت کے وقت حضرات صاحبین کی رائے پر عمل کرتے ہوئے کثیر المنزلہ عمارت کی کسی ایک منزل کو شرعی شرائط کے ساتھ شرعی مسجد قرار دینے کی گنجائش ہے۔ لیکن اس جواز کے لیے درج ذیل شرائط کا لحاظ ضروری ہے:

1. مسجد کے لیے مخصوص جگہ شرعی اور قانونی طور پر وقف کی جائے۔

2. وہ حصہ آزاد ہو، یعنی بیع وشراء، رہائش، یا دیگر استعمالات سے مبرا ہو۔

3. وقف شدہ حصہ واضح طور پر مسجد کے لیے مخصوص ہو اور قانونی دستاویزات میں اس کی وضاحت موجود ہو۔

4. اگر پوری عمارت فروخت ہو، تو مسجد والا حصہ فروخت سے مستثنیٰ ہو، اور اس کا کوئی مالی معاوضہ نہ لیا جائے۔

5. اگر عمارت کسی وجہ سے منہدم ہو جائے، تو مسجد کے حصے کو بھی وہی معاوضہ یا دوبارہ تعمیر میں حصہ ملے گا جو دیگر مالکان کو ملتا ہے، اور اسی مقام پر مسجد کی حیثیت بحال کی جائے گی۔

(دار الافتاء جامعۃ الرشید، المفتی آن لائن)

مصلحت راجحہ کے تحت وقف کی تبدیلی

ہمارے یہاں اصولی طور پر موقوفہ شئ کو بیچنا یا اس میں تغییر وتصرف کرنا ممنوع ہے، کیونکہ وقف کو ہمیشہ اس کی اصل ہیئت اور مقصود پر باقی رکھنا شرعاً مطلوب ہے۔ تاہم اگر موقوفہ زمین یا مال سے مطلوبہ نفع حاصل نہ ہو رہا ہو، یا اس کی آمدنی بہت کم ہو گئی ہو، اور ناظرِ وقف کو یقین ہو کہ اس کو بیچ کر یا اس میں تبدیلی کر کے اس کی قیمت سے ایسی متبادل چیز حاصل کی جا سکتی ہے جو زیادہ منفعت بخش ہو، تو ایسی صورت میں امام محمد رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ایسے وقف کا

استبدال جائز ہے۔

یہ رخصت مصلحتِ راجحہ اور وقف کے اصل مقصود (یعنی نفع رسانی) کے تحفظ کے اصول پر مبنی ہے۔ علامہ ابن الہمام نے "فتح القدیر" میں امام محمد سے یہ روایت نقل کی ہے کہ:

وَرُوِيَ عَنْ مُحَمَّدٍ: إذَا ضَعُفَتْ الْأَرْضُ عَنْ الِاسْتِغْلَالِ وَيَجِدُ الْقَيِّمُ بِثَمَنِهَا أُخْرَى هِيَ أَكْثَرُ رِيعًا كَانَ لَهُ أَنْ يَبِيعَهَا وَيَشْتَرِيَ بِثَمَنِهَا مَا هُوَ أَكْثَرُ رِيعًا. (فتح القدير 6/221)

(جب وقف شدہ زمین سے آمدنی حاصل نہ ہو رہی ہو، اور متولی اسے بیچ کر اس کی قیمت سے ایسی زمین حاصل کر سکتا ہو جو زیادہ منافع بخش ہو، تو اس کے لیے ایسا کرنا جائز ہے۔)

اس سے واضح ہوتا ہے کہ جب وقف کی بقاء پر اصرار سے اصل مقصد فوت ہو رہا ہو اور اس کے بدلے میں بہتر نفع کی صورت متحقق ہو، تو تبدیلی کی گنجائش فقہ حنفی میں موجود ہے۔

اسی اصول پہ اوقاف سے متعلق بیشتر معاصر چیلنجز وجدید سوالات کی رہنمائی مبنی ہے۔

سوال 7: مسجد کی موقوفہ زرعی زمین فروخت کر کے زائد آمدنی کے لیے دکانیں خریدنے کا شرعی حکم

وقف کا بنیادی مقصد مصالحِ وقف کی تکمیل اور اس سے زیادہ سے زیادہ نفع حاصل کرنا ہے، بشرطیکہ وہ نفع شرعی اصولوں کے مطابق ہو۔ اگر موقوفہ زمین، جیسے کہ زرعی زمین، اپنی موجودہ حالت میں وقف کے مقاصد مثلاً مسجد کے اخراجات پورے کرنے کے لیے ناکافی ہو، تو فقہائے کرام نے ایسی زمین کے أكمل وأنفع مصرف کی طرف منتقل ہونے کی گنجائش دی ہے۔

اس اصول کی بنیاد درج ذیل مستند فقہی عبارت پر ہے:

"وإن أراد قيم الوقف أن يبني في الأرض الموقوفة بيوتا يستغلها بالإجارة لا يكون له ذلك؛ لأن استغلال أرض الوقف يكون بالزرع. ولو كانت الأرض متصلة ببيوت المصر يرغب الناس في استئجار بيوتها وتكون غلتها فوق غلة الزرع والنخل، كان للقيم أن يبني فيها بيوتا فيؤجرها؛ لأن الإستغلال بهذا الوجه يكون أنفع للفقراء." (العقود الدرية في تنقيح الفتاوى الحامدية 2/267، ط: دار المعرفة.)

اگر متولی موقوفہ زمین پر کرائے پر دینے کے لیے مکانات بنانا چاہے، تو محض نفع کی نیت سے ایسا کرنا جائز نہیں، کیونکہ زمین سے نفع حاصل کرنے کا عمومی طریقہ زراعت ہے۔ ہاں، اگر زمین شہر سے متصل ہو اور وہاں مکانات کرائے پر لینے کی عوامی رغبت ہو، اور اس کا کرایہ زراعت سے کہیں زیادہ ہو، تو ایسی صورت میں مکانات بنانا اور انہیں کرائے پر دینا جائز ہوگا، کیونکہ اس طریقے سے حاصل ہونے والا نفع فقراء کے لیے زیادہ مفید ہے)۔

اس اصول پر قیاس کرتے ہوئے، اگر مسجد کی موقوفہ زرعی زمین ایسی ہو جس سے مسجد کے اخراجات پورے نہ ہوتے ہوں، اور اگر وہ زمین فروخت کر کے اس کی قیمت سے شہر و بازار میں ایسی دکانیں خریدی جا سکتی ہوں جو مسجد کو زیادہ، مستقل اور یقینی آمدنی فراہم کریں، تو ایسی صورت میں:

''زرعی زمین کو فروخت کرنا، اس کی قیمت سے دکانیں خریدنا، اور ان دکانوں کو مسجد کے لیے مستقل وقف کر دینا'' یہ سب شرعاً جائز اور مباح ہیں، بشرطیکہ درج ذیل شرائط کا خیال رکھا جائے:

1. خالص نیت: متولی یا منتظم کی نیت خالصتاً مصالحِ مسجد اور اس کے اخراجات کی تکمیل ہو، نہ کہ ذاتی نفع یا اقرباء کی اعانت۔

2. مجاز اتھارٹی کی نگرانی: زمین کی فروخت اور دکانوں کی خریداری کا سارا عمل کسی معتبر شرعی اتھارٹی، مثلاً اوقاف بورڈ، مقامی علمائے کرام، یا شرعی عدالت کی نگرانی میں انجام دیا جائے۔

3. نئی خریدی گئی دکانوں کا وقف: دکانیں واضح طور پر مسجد کے لیے مستقل وقف کی جائیں، ان پر کسی فرد یا گروہ کا ذاتی تصرف یا ملکیت کا دعویٰ نہ ہو۔

4. شفافیت اور عوامی مفاد: تمام معاملات شفاف ہوں، اور مسجد کے لیے واقعی فائدہ مند اور مستحکم مالی سہارا ثابت ہوں۔

لہٰذا، اگر مسجد کی موقوفہ زرعی زمین سے حاصل ہونے والی آمدنی، مسجد کے موجودہ یا مستقبل کے مصارف کے لیے ناکافی ہو، اور اس کے بدلے میں دکانیں خرید کر مسجد کے لیے ایک مستقل، محفوظ، اور زیادہ آمدن کا ذریعہ میسر آ سکتا ہو، تو فقہی اصولوں اور معتبر فتاویٰ کی روشنی میں ایسی زرعی زمین کو فروخت کرنا اور اس کی قیمت سے دکانیں خرید کر انہیں وقف کرنا جائز اور مستحسن قرار پائے گا۔

سوال 8: مسجد کی زائد موقوفہ اراضی کا استعمال: مکاتب، مدارس یا کرایہ پر عمارات کی تعمیر کا شرعی حکم

وقف ایک مستقل عبادت ہے جس کا بنیادی مقصد مخصوص مد میں مسلسل نفع رسانی ہے۔ مسجد کی موقوفہ اراضی کا اصل مقصد مسجد کی تعمیر و ضروریات کی تکمیل ہوتا ہے۔ تاہم، اگر کسی جگہ کو مسجد کے لیے وقف تو کیا گیا ہو، مگر ابھی اسے حدودِ مسجد میں داخل کر کے نماز کے لیے باقاعدہ مخصوص نہ کیا گیا ہو، تو اس وقت تک فقہی اصولوں کی روشنی میں اس اراضی کا استعمال مسجد کے مصالح یا دیگر دینی مقاصد (جیسے مکاتب، مدارس یا کرایہ پر عمارات کی تعمیر) کے لیے جائز ہے بشرطیکہ وہ تصرف وقف کی مصلحت کے تحت ہو۔ تبیین الحقائق میں ہے:

''وَلَوْ ضَاقَ الْمَسْجِدُ عَلَى النَّاسِ وَبِجَنْبِهِ أَرْضٌ لِرَجُلٍ تُؤْخَذُ أَرْضُهُ بِالْقِيمَةِ كُرْهًا، وَلَوْ كَانَ بِجَنْبِ الْمَسْجِدِ أَرْضٌ وَقْفٍ عَلَى الْمَسْجِدِ فَأَرَادُوا أَنْ يَزِيدُوا شَيْئًا فِي الْمَسْجِدِ مِنَ الْأَرْضِ جَازَ ذَلِكَ بِأَمْرِ

الْقَاضِي" (تبیین الحقائق، جلد3، صفحہ331)

اور اگر مسجد لوگوں کے لیے تنگ ہو جائے اور اس کے پہلو میں کسی شخص کی زمین ہو، تو اس کی زمین اس سے قیمت دے کر زبردستی لی جا سکتی ہے۔ اور اگر مسجد کے پہلو میں ایسی زمین ہو جو مسجد کے لیے وقف ہو، اور لوگ اس زمین سے مسجد میں کچھ اضافہ کرنا چاہیں، تو قاضی کے حکم سے ایسا کرنا جائز ہے۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

"مسجد له مستغلات وأوقاف أراد المتولي أن يشتري من غلة الوقف للمسجد دهنا أو حصيرا أو حشيشا أو آجرا أو جصا لفرش المسجد أو حصى قالوا: إن وسع الواقف ذلك للقيم وقال: تفعل ما ترى من مصلحة المسجد كان له أن يشتري للمسجد ما شاء، وإن لم يوسع ولكنه وقف لبناء المسجد وعمارة المسجد، ليس للقيم أن يشتري ما ذكرنا، وإن لم يعرف شرط الواقف في ذلك ينظر هذا القيم إلى من كان قبله، فإن كانوا يشترون من أوقاف المسجد الدهن والحصير والحشيش والآجر وما ذكرنا، كان للقيم أن يفعل وإلا فلا." (الفتاوى الهندية، ج:2، ص:461، ط: دار الفكر.

مصلحت وقف کی رعایت اصل بنیاد ہے، اگر اراضی پر عملاً ابھی مسجد تعمیر نہ ہوئی ہو یا نماز کی جگہ متعین نہ ہوئی ہو، تو وہ جگہ عین مسجد کے حکم میں داخل نہیں ہوتی، اس لیے وہاں مصالحِ مسجد کے تحت دیگر مفید دینی سرگرمیاں انجام دی جا سکتی ہیں، اگر واقف نے صراحتاً مصالح مسجد کے لیے متولی کو عام اختیارات دیے ہوں، یا سابقہ متولیین کا تعامل اس بات پر ہو، تو متولی کے لیے مکاتب، مدارس یا کرایہ پر مکانات کی تعمیر جائز ہوگی، ایسی تعمیرات کا اصل مقصد یہ ہونا چاہیے کہ ان سے حاصل شدہ آمدنی مسجد کی ضروریات، جیسے روشنی، صفائی، تنخواہیں، یا مرمت وغیرہ پر صرف ہو، لیکن اگر کوئی جگہ مسجد کے لیے وقف ہو جائے اور عملاً حدودِ مسجد میں داخل ہو جائے، تو پھر وہ عین مسجد بن جاتی ہے اور اس میں کسی دنیاوی مقصد (حتیٰ کہ دینی مدرسہ بھی) کی تعمیر جائز نہیں ہوتی۔

لہٰذا اگر مسجد کے لیے وقف کی گئی جگہ کو ابھی حدودِ مسجد میں داخل کر کے نماز کے لیے متعین نہ کیا گیا ہو، اور وہ زمین ضرورت سے زائد ہو، تو شرعاً اس پر مکاتب، مدارس یا کرایہ پر دینے کے لیے مکانات کی تعمیر جائز ہے، بشرطیکہ اس کا مقصد مسجد کی آمدنی میں اضافہ ہو، متولی کی نیت خالصتاً مصالح مسجد ہو، واقف کی اجازت، سابقہ تعامل یا شرعی اتھارٹی کی تائید حاصل ہو، اور آمدنی شفاف طریقے سے مسجد کی ضروریات پر صرف کی جائے۔

مساجد اوران کے اوقاف سے متعلق چند مسائل

مفتی محمد اشرف قاسمی

خادم التدریس مدرسہ احیاء العلوم، اُجین، ایم پی

قدیم مسجد کی کئی منزلیں بنا کر تعلیم گاہ کے طور پر کسی منزل کو مقرر کرنا

جواب نمبر (۱)

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں مسجد نبوی کی بنیاد رکھی تو وہ صرف ایک عبادت گاہ اور جائے نماز نہیں تھی۔ بلکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوری زندگی، تمام دینی سرگرمیوں، تعلیم وتربیت، ہدایت وارشاد اور دعوت وجہاد کا مرکز بنی رہیں۔

تعلیم وتدریس کے سلسلے میں مسجد نبوی کے ایک گوشہ میں صفہ (چبوترے) کی مستقل تاریخ ہے۔ لیکن صرف صفہ پر ہی تعلیم نہیں ہوتی تھی بلکہ پوری مسجد تعلیم گاہ تھی۔ اس سلسلے میں دورِ نبوی میں مسجد نبوی کی پوری تاریخ گواہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنفس نفیس مسجد نبوی میں علمی مجلس قائم فرمائی۔

عَنْ أَبِي أَمَامَةَ رضی الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی الله علیه وآله وسلم: مَنْ غَدَا إِلَى الْمَسْجِدِ لَا يُرِيْدُ إِلَّا لِيَتَعَلَّمَ خَيْرًا أَوْ يُعَلِّمَهُ، كَانَ لَهُ أَجْرُ مُعْتَمِرٍ تَامِّ الْعُمْرَةِ. فَمَنْ رَاحَ إِلَى الْمَسْجِدِ لَا يُرِيْدُ إِلَّا لِيَتَعَلَّمَ خَيْرًا أَوْ يُعَلِّمَهُ، فَلَهُ أَجْرُ حَاجٍّ تَامِّ الْحَجَّةِ. رَوَاهُ الْحَاكِمُ. (الحاكم في المستدرک، ج ۱/ص ۱۶۹/، برقم الحديث ۳۱۱/)

''حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول للہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص صبح کے وقت مسجد میں کوئی نیکی کی بات سیکھنے یا معلوم کرنے کے لئے گیا تو اسے ایک کامل عمرہ کرنے والے کا ثواب عطا ہوگا اور جو شخص شام کے وقت اسی مقصد کے لئے گیا تو اسے کامل حج کرنے والے کا ثواب عطا ہوگا۔''

حضرت ابوہریرہؓ مسجد نبوی میں درسِ دیا کرتے تھے:

(مسلم، باب من فضائل ابی هريرة رضی اللہ عنہ۔ معارف الحديث ج۸/ص ۳۹۱/)

حضرت ابوہریرہؓ کی دوسری ایک روایت اس طرح ہے۔

عن أبي هريرة رضی الله عنه انه مر بسوق المدينة فوقف عليها وقال: يا اهل السوق ما اعجزكم؟ قالوا

و ما ذاك يا أبا هريرة ؟قال ذاک ميراث رسول الله ﷺ يقسم وانتم ههنا ،ألا تذهبون فتأخذون نصيبكم منه؟ قالوا و أين هو ؟قال:في المسجد!فخرجو اسراعاً، ووقف ابو هريرة لهم حتى رجعوا فقال لهم مالكم ؟ قالوا:يا أبا هريرة فقد اتينا المسجد فدخلنا فلم نرفيه شيئاً يقسم !فقال لهم أبو هريرة وما رأيتم في المسجد احداً؟قالوا :بلىٰ رأينا قوماً يصلون ،قوما يقرءون القرآن، وقوماً يتذاكرون الحلال والحرام، فقال لهم أبو هريرة ويحكم! فذاك ميراث محمد .(رواه الطبراني في الأوسط واسناده حسن، مجمع الزوائد ج ۱/ص ۱۳۳/)

''ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہؓ بازار میں گذرے تو وہاں کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ مسجد میں نبی ﷺ کی وراثت تقسیم ہو رہی ہے، اور تم لوگ یہاں بازار میں بیٹھے ہو۔ لوگ دوڑے دوڑے مسجد میں پہنچے اور حضرت ابو ہریرہؓ وہیں کھڑے رہے۔ پھر جب وہ لوگ واپس آئے اور پوچھا کہ وہاں تو کچھ نہیں تقسیم ہو رہا ہے؟ حضرت ابو ہریرہؓ نے پوچھا کہ وہاں تم نے کیا دیکھا؟ لوگوں نے بتایا کہ ہم نے وہاں کچھ لوگوں کو نماز پڑھتے دیکھا اور کچھ لوگوں کو قرآن پڑھتے ہوئے دیکھا اور کچھ لوگوں کو حلال وحرام کے بارے میں مذاکرہ کرتے ہوئے پایا۔ حضرت ابو ہریرہ نے کہا وہی تو نبی ﷺ کی وراثت ہے۔''

غزوہ بدر کے موقع پر غیر مسلم قیدیوں سے مسجد نبوی میں مسلمان بچوں کو تعلیم دلوائی گئی۔ جو کہ قرآن وحدیث کی تعلیم نہیں تھی۔ کیوں کہ مہتابِ نبوت ﷺ کی موجودگی میں کافروں سے ایسی تعلیم کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ مسجد نبوی میں غیر مسلم قیدیوں کے ذریعہ مسلم بچوں کو تعلیم والی روایت کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

''اہلِ مکہ لکھنا پڑھنا جانتے تھے جب کہ اہل مدینہ لکھنے پڑھنے سے واقف نہ تھے اس لیے یہ بھی طے کیا گیا کہ جس کے پاس فدیہ نہ ہو وہ مدینہ کے دس دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دے۔ حضرت زید بن ثابتؓ نے اسی طرح پڑھنا لکھنا سیکھا تھا۔'' (الرحیق المختوم ص ۳۷۸/ رحمۃ للعٰلمین)

دوسری مسجدوں میں تعلیمی سلسلہ

حکیم مولانا عبدالحیؒ صاحب ''تاریخ گجرات و یادِ ایام'' میں مسجد نبوی میں تعلیمی مرکزیت کی ہمہ جہتی کو انتہائی جامعیت کے ساتھ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''ہمارے پیرومرشد روحی فداہ نے خاک پاک مدینہ میں جو پہلی عمارت بنائی تھی اور جس کو مسجد نبوی کہتے ہیں وہ ہمارا پہلا مدرسہ تھا۔ اس کے بعد جتنی مسجدیں دنیا میں تیار ہوئیں، انھیں کو آپ مدارس سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ تعلیم کا پُرانہ طریقہ یہ تھا کہ اُستاذ مسجد میں آ کر بیٹھ جاتا اور اس کے گرد و پیش شاگردوں کا حلقہ بن جاتا۔ خالصا لوجہ اللہ تعلیم دیتے.....یہی طریقہ چوتھی صدی تک علی العموم جاری رہا۔ اس کے بعد سب سے پہلے نیشاپور میں مدرسہ کے لیے

شاندار عمارت بنائی گئی۔‘‘

(یادِ ایام ص ۳۴۴ حکیم مولانا عبدالحیؒ صاحب، بحوالہ: اسلام کا نظام مساجد ص ۲۱۱ و ۲۱۰)

مقامی طلباء کے لیے غیر اقامتی مدرسے یا مکاتب

ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحبؒ کا بیان ہے کہ:

’’یہ بھی روایت ملتی ہے کہ صفہ کے بعد جلد ہی اور مدرسے قائم ہوئے تھے۔ بلاذریؒ نے لکھا ہے کہ مدینے میں عہد نبوی ﷺ میں نو مساجد تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو حکم دیا کہ اپنے محلے کی مسجدوں میں اپنے ہمسایہ سے تعلیم حاصل کرو۔ سب کے سب مرکزی مسجد میں نہ آیا کریں کیوں کہ اس طرح طالب علموں کی تعداد بڑھ جانے کا اندیشہ تھا۔ جس سے سب کی تعلیم متاثر ہوتی اور ناکافی اساتذہ کے باعث بچوں کو تعلیم پانے کا موقع نہ مل سکتا۔ شاید مسافت اور حمل ونقل کا مسئلہ بھی تھا۔ اسی طرح ہمیں اس کا بھی پتہ چلتا ہے کہ تعلیم دینے کے لیے رسول اللہ ﷺ لوگوں کو باہر بھی بھیجا کرتے تھے۔‘‘

(ڈاکٹر محمد حمید اللہ، خطباتِ بہاول پور، ص ۳۱۴ موضوع: عہد نبوی میں نظام تعلیم)

نو مساجد میں بچوں کی تعلیم کے ساتھ ہی لکھائی بھی سکھائی جاتی تھی۔ (السنۃ قبل التدوین، ص ۲۹۹)

مرکزِ تعلیم کے طور پر حضرت ابودرداءؓ نے مسجد کو ہی اختیار فرمایا۔ علامہ ذہبیؒ نے ’’طبقات القراء‘‘ میں لکھا ہے کہ حضرت ابودرداءؓ کی تعلیم کا طریقہ یہ تھا کہ نماز صبح کے بعد جامع مسجد میں بیٹھ جاتے تھے۔ قرآن پڑھنے والے کثرت سے جمع ہو جاتے تھے، دس دس آدمیوں کی ٹکڑیاں کر دی جاتی تھیں اور ہر ٹکڑی پر ایک قاری مقرر کیا جاتا تھا۔ جو شخص پورے قرآن کا حافظ ہو جاتا تھا، حضرت ابودرداءؓ اس کو اپنا شاگردِ خاص بنا لیتے تھے۔ ایک دن شمار کرایا تو معلوم ہوا کہ سولہ سو (۱۶۰۰) طالب علم اس وقت حلقہ درس میں حاضر ہیں۔

(مقالاتِ شبلی جلد اول ص ۲۰ و ۲۱ مطبوعہ معارف پریس ۱۹۵۶ء)

امام بخاریؒ کی درسگاہِ فیض کو اس طرح بیان کیا جاتا ہے۔

’’بصرہ کی جامع مسجد میں امام بخاریؒ نے جب مجلس املاء منعقد کی تو ہزار کے قریب محدثین، فقہا، حفاظ، اہل مناظرہ شامل ہوئے۔ خود امام بخاریؒ سے جن لوگوں نے صحیح بخاری کی سند حاصل کی ان کی تعداد تقریباً نوے ہزار ہے۔‘‘

(مقالاتِ شبلی جلد سوم ص ۸۳ بحوالہ مقدمہ قسطلانیؒ)

چار سو سال تک مسجدیں ہی تعلیم گاہ بنی رہیں، خیر القرون اور اس سے متصل زمانوں میں تعلیم کے لیے کالج اور اسکول کے بجائے مسجدوں کی تعلیمی مرکزیت کو بیان کرتے ہوئے علامہ شبلی نعمانیؒ رقمطراز ہیں:

’’غرض مذاہب سے متعلق جس قدر ضروری اور مہتم بالشان علوم تھے گویا مذہب کے ساتھ پیدا ہوئے اور

مسجدوں کے صحن یا عام مجلسوں میں ان کے مسائل رواج پائے گئے۔''

(مقالاتِ شبلی جلد سوم، ص ۷ ر بحوالہ فتح المغیث، مطبوعہ لکھنو، ص ۳۸ ر)

آگے مزید لکھتے ہیں:

''اگرچہ ۱۴۳ھ کے متصل ہی تمام ممالکِ اسلامیہ میں درس وتدریس کا ایک عظیم الشان سلسلہ قائم ہو گیا تھا اور انھیں دو تین صدیوں میں جس درجے کے سیکڑوں ہزاروں مجتہد، فقیہ، ادیب، شاعر، فلاسفر، مورخ پیدا ہو گئے۔ زمانے کو نو سو برس کی وسیع مدت میں بھی اس پایہ کے لوگ نصیب نہیں ہوئے۔ لیکن تعجب ہے کہ تاریخ کے صفحوں میں چوتھی صدی کے اخیر تک کسی کالج یا اسکول کا نشان نہیں ملتا، مسجدوں کے صحن، خانقاہوں کے حجرے، علماء کے معمولی مکانات، یہی اس وقت کے مدرسے یا دارالعلوم تھے۔'' (مقالاتِ شبلی، جلد سوم ص ۴۲ ر)

اسلامی اندلس میں تعلیمی کیفیات کو سپردِ قرطاس کرتے ہوئے فرمایا کہ:

''(اسلام آگے بڑھتے ہوئے)..... مفتوح اندلس کا ایک ایک شہر بلکہ ایک ایک گاؤں علمی صدا اس سے گونج اٹھا ہے۔ عام تعلیم کے لیے ہزاروں مکاتب قائم ہیں جن میں سلطنت کا کچھ بھی حصہ نہیں ہے اور جو آج کل سے تحصیلی مدارس سے زیادہ مفید اور فیاض ہیں۔ اوسط اور اعلیٰ تعلیم کے لیے مسجدوں کے صحن، خانقاہوں کے حجرے، علماء کے ذاتی مکانات ہیں۔ لیکن ان سادہ اور بے تکلف عمارتوں میں جس وسعت اور فیاضی کے ساتھ علم کی ترتیب ہو رہی ہے، بڑے بڑے عالیشان قصر وایوان میں بھی، جو پانچویں صدی کے آغاز میں اسی غرض سے تعمیر ہوئے، اس سے کچھ زیادہ نہ ہو سکی۔ (مقالاتِ شبلی جلد سوم ص ۸۷)

اسلامی یورپ میں تعلیمی سرگرمی کے لیے مسجدوں کی مرکزیت کا تذکرہ اس طرح کرتے ہیں۔

''تمام اسپین میں ایک بھی مدرسہ نہ تھا۔ صرف مسجدوں کے صحن تھے۔ جن میں تمام علوم وفنون پڑھائے جاتے تھے۔'' (مقالاتِ شبلی، جلد سوم ص ۸۱ ر بحوالہ: نفح الطیب، تاریخ اندلس مطبوعہ فرانس جلد اول، ص ۱۳۶ ر)

سطورِ بالا سے معلوم ہوا کہ مدارس اسلامیہ کا سلسلہ تعلیم، مرکزی حیثیت سے مسجدوں سے شروع ہوتا ہے۔ اس لیے مسجدوں میں جہاں بہت سارے دینی کام کئے جاتے ہیں وہیں بنیادی طور پر دینی تعلیم کے لیے انتظام ہونا چاہئے۔ کیونکہ یہ سلسلہ عہدِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لے کر کم از کم چار سو سال تک امت میں جاری رہا ہے۔ آخر میں حمویؒ کی ایک عبارت نقل کی جاتی ہے:

لأن المسجد مابنی الا لصلوۃ او اعتکاف وذکر شرعی وتعلیم علم وتعلمه وقرأۃ قرآن. (شرح حموی علی الاشباہ والنظائر، ج ۴ ر ص ۶۳ ر کراچی)

مسجدوں میں جوازِ تعلیم کے سلسلے میں مزید فقہی عبارات سوال نمبر ۴ ر کے جواب میں نقل کی جائیں گی۔ ان شاء اللہ

مسجد میں قیام کرنا

مسجدوں میں اعتکاف کی نیت سے ٹھہرنے میں کسی کے نزدیک کوئی کراہت نہیں ہے۔اس طرح قیدیوں کو مسجد نبوی میں رکھنا خاص طور پر حضرت ثمامہ بن اُثال ؓ کو مسجد نبوی کے ایک ستون سے تین دنوں تک باندھے رہنے کی روایت صحیحین میں مروی ہے۔

عن ابی ہریرۃ ؓ قال: بعث رسول اللہ ﷺ خیلا قِبَل نجد، فجاءت برجل من بنی حنیفۃ یقال لہ ثمامۃ بن اُثال سیدُ اھل الیمامۃ، فربطوہ بسایۃ من سواری المسجد، فخرج الیہ رسول اللہ ﷺ فقال ماذا عندک یا ثمامۃ؟ فقال: عندی یا محمد! خیر ان تقتل تقتل ذا دم وان تنعم تنعم علی شاکر.''

(روام مسلم واختصرہ البخاری، مشکوۃ برقم الحدیث ۳۹۶۴/ فتح الباری ج ۱/ص ۳۴۹/)

حضرت عبداللہ بن عمرو ؓ کا جوانی کے عالم میں مسجد میں سونا ثابت ہے:

انہ کان ینام وھو شاب اعزب لا اھل لہ، فی المسجد النبوی ﷺ

(بخاری برقم الحدیث ۴۲۵/ باب نوم الرجل فی المساجد)

حضرت فاطمہ ؓ سے کچھ ناراض ہوکر حضرت علی ؓ کا مسجد نبوی میں سونا بھی بخاری میں مروی ہے۔

''فقال رسول ﷺ لإنسان (انظر أین ھو؟) فجاء فقال یا رسول اللہ ﷺ ھو فی المسجدا راقدا فجاء رسول اللہ ﷺ وھو مضطجع قد سقط ردائہ عن شقہ واصابہ تراب، فجعل رسول اللہ ﷺ یمسحہ ویقول قم یا اباتراب قم یا اباتراب'' (بخاری برقم الحدیث ۴۴۱/)

بعض مخصوص حالات میں عورتوں کے بھی مسجد میں سونے کی روایت ملتی ہے۔امام بخاری ؓ نے ایک باب اسی عنوان سے قائم فرمایا ہے۔ ''باب نوم المرأۃ فی المسجد'' کے تحت ایک خاتون کے لیے مسجد میں خیمہ لگا کی روایت نقل فرمائی ہے۔

عن عائشۃ ؓ.... فکان لھا خباء فی المسجد وحِفش (بخاری برقم الحدیث ۴۳۹/)

اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ مسجد میں تعلیمی وتربیتی مقاصد سے قیام کرنے کی گنجائش ہے۔لیکن پہلے متعین قدیم مسجدوں کی نئی تعمیرات میں جتنی بھی منزلیں بنائی جائیں گی وہ تمام منزلیں مسجد ہی کے حکم میں ہوں گی۔اس لیے کسی منزل کو خواہ درسگاہ کے لیے مختص کیا جائے یا کسی منزل کو رہائش گاہ کے لیے،سب منزلوں میں مسجد کے آداب کی رعایت ضروری ہوگی۔

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجدوں میں امت کے لیے علم نافع (اگرچہ وہ بظاہر دینی تعلیم نہ ہو) کی تعلیم و تدریس جائز بلکہ بعض حالات میں ضروری ہے۔اس لیے ترجیحی طور پر مسجدوں میں دینی اور ملت کے لیے مفید تعلیم کا سلسلہ قائم کرنا چاہئے۔اسی طرح کسی منزل کو قیام گاہ کے لیے بھی مختص کیا جاسکتا ہے۔البتہ اس منزل کا بھی حکم مسجد ہی کا ہوگا۔

قدیم مسجد کو شہید کر کے منزلہ عمارت بنا کر دوکان ومکان نکالنا

جواب ۲۔سب سے پہلے تحقیق طلب امر یہ ہے کہ من تحت الثری الی عنان السماء پر مسجد کا حکم کیوں لگایا گیا ہے؟ کیا اس پر کوئی نصِ شرعی ہے؟ راقم الحروف کو من تحت الثری الی عنان السماء مسجد ہونے پر کوئی نص شرعی نہیں مل سکی۔ بلکہ اس کے خلاف ایسی صریح روایت ملتی ہے جس میں زمین میں مسجد کو بتایا گیا ہے، نہ کہ آسمان میں؟

"ان بیو ت اللہ تعالی فی الارض مساجد، وان حقا علی اللہ ان یکرم من زارہ فیھا". (طبرانی برقم الحدیث ۱۰۳۲۴/)

"بے شک زمین میں اللہ تعالیٰ کے گھر مساجد ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے کہ جو شخص ان میں اللہ تعالیٰ کی زیارت کو جائے اس کا اکرام فرمائیں۔"

الی عنان السماء مسجد ہونے کا حکم اگر کسی نص پر مبنی نہیں ہے تو دیکھا جائے گا کہ کیا کسی علت یا حکمت پر یہ حکم مبنی ہے؟ لیکن اس کی بھی کوئی صراحت نہیں ملتی ہے۔

الی عنان السماء مسجد ہونے پر فقہی جزئیات بکثرت ہیں۔ اگر کسی علت کی بنیاد پر یہ حکم لگایا گیا ہے تو کیا وہ علت دائمہ ہے کہ کبھی ختم نہیں ہوسکتی ہے؟ اگر علتِ دائمہ ہے تب تو یہ حکم باقی رہ سکتا ہے ورنہ حکم میں تبدیلی ہوسکتی ہے۔ اگر کوئی علت نہیں ہے، بلکہ مسجد کی تعظیم وغیرہ حکمت کی بنیاد پر یہ حکم ہے، تو موجودہ دور میں اس سے بڑی دوسری حکمتیں پائی جاتی ہیں جن پر عمل کر کے مسجد کی تعظیم واحترام اور مصالحِ مسجد کو بہتر طور پر حاصل کیا جاسکتا ہے۔ اس سے بڑی حکمت یعنی تحتانی وفوقانی حصوں کو مسجد کے مصالح کے لیے دیگر کاموں میں استعمال کرنا جائز بلکہ بہتر ہوگا۔ جس طرح مسجد کے لیے مختص دیگر آراضی موقوفہ کو کرایہ وغیرہ پر دے کر مسجد کی ضروریات کے لیے آمدنی کی جاتی ہے اسی طرح فوقانی وتحتانی حصوں اور مختلف منزلوں کو دکان یا رہائش گاہ وغیرہ بنا کر فائدہ اٹھانا جائز ہونا چاہئے۔

غیر اسلامی ممالک میں بوقت ضرورت، عمارتِ مسجد کی تحتانی وفوقانی حصوں کو دیگر امور میں استعمال کرنے کے لیے حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر بھی عمل کیا جاسکتا ہے۔ حضرت امام محمدؒ کے نزدیک اگر مسجد ویران ہوجائے تو ایسی صورت میں اس کی ملکیت واقف کی طرف عود کر آتی ہے، اسے فروخت کرنا جائز ہوجاتا ہے۔ یہ جزئیہ تقریباً تمام مطولات میں موجود ہے۔ اعلاء السنن میں حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانویؒ اس سلسلے میں پوری تقریر نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں:

"وظني أن الإفتاء بقول أبي يوسف في دار الإسلام أولى لكون المساجد مصونة فيها عن انتهاك حرماتها بعد خرابها، وبقول محمد في دار الحرب أحسن لفقدان الصيانة فيها، كما هو مشاهد، فكم من مساجد في دار الحرب قد تسلط عليها الكفار وجعلوها مزابل، أو معابد للشيطان والاصنام

فالی اللہ المشتکی.“

(اعلاء السنن ج13ص 214. تحت رقم الحدیث 4573. علامہ ظفر احمد التھانوی،مکتبہ اشرفیہ2000ء)

حضرت امام محمدؒ کے نزدیک مسجد کی ویرانی کی صورت میں واقف کی طرف اس کی ملکیت عود آنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے عنایہ کے حوالے سے حضرت مولانا ظفر احمد تھانویؒ نے فرمایا کہ ہے:

”حضرت امام محمدؒ کے نزدیک مسجد کی مسجدیت اس وقت مکمل ہوتی ہے جب اس میں نماز ادا کر لی جائے۔اسی بنا پر جب اس میں نماز کی ادائیگی موقوف ہوگئی تو پھر اس کی مسجدیت بھی ختم ہوجائے گی۔“

”وفی العنایة:هذه المسألة مبنية على أن أبا يوسف رحمه الله لا يشترط في الابتدا إقاءمة الصلاة فيه بالجماعة ليصير مسجدا بل يزول ملكه بقوله:جعلته مسجدا، لأن التسليم عنده ليس بشرط فيصير خالصاً لله تعالىٰ بسقوط حق العبد، وصار كالإعتاق (هداية)، فكذلك في الانتهاء إذا ترك الناس الصلاة فيه لا يخرج من أن يكون مسجدًا، وعند محمد يشترط في الابتداء إقامة الصلاة فيه بالجماعة ليصير مسجدًا.فكذلك في الانتهاء إذا ترك الناس الصلاة فيه بالجماعة يخرج من أن يكون مسجدا.“(اعلاء السنن ج13ص212/و113.مکتبہ اشرفیہ2000ء)

حضرت امام محمدؒ کے نزدیک مسجد کی مسجدیت ادائیگیِ نماز کے ساتھ مربوط ومشروط ہے۔اور چونکہ اس کے اوپر جہاں کچھ تعمیر نہیں ہے، وہاں نماز بھی نہیں ہوتی ہے،اسی طرح مسجد کی عمارت کے نیچے بھی نماز نہیں ہوتی ہے۔اس لیے مسجد کی موجودہ قدیم عمارت کے علاوہ مسجد کے فوق وتحت (جہاں نماز نہیں ہوتی ہے) پر امام محمدؒ کے نزدیک مسجد کا اطلاق نہیں ہونا چاہئے،اور وہاں بوقتِ ضرورت دیگر ضروریات کے لیے تعمیرات درست ہونی چاہئے۔کیونکہ جب وہ عمارت مسجد کے نام سے تعمیر ہونے کے بعد نماز موقوف ہوجانے کی وجہ سے مسجدیت سے خارج ہوکر اس لائق ہوجاتی ہے کہ اس کی خرید وفروخت بھی درست ہوجائے،تو وہ حصے کیسے مسجد کے حکم میں باقی رہ سکتے ہیں،جن میں کبھی نماز نہیں ہوئی۔اس لیے موجودہ دور میں خاص طور پر غیر اسلامی ممالک میں مساجد کو آباد کرنے اور آباد رکھنے کے لیے اس پہلو سے ضرور غور کرنا چاہئے۔(نوٹ: اس جواب کی اصابت کی صورت میں جواب نمبر ۱/و ۳/اور ۴/ کے حکم میں کافی سہولت ہوگی۔)

مسجد کے تحتانی حصے میں گاڑیوں کی پارکنگ

الجواب ۳۔ ہمارے عرف میں گاڑیوں کو مسجد میں داخل کرنا اگرچہ معیوب اور خلافِ ادب سمجھا جاتا ہے،لیکن

نص سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی سواری پر سوار ہو کر طواف فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ سواریوں کا مسجد میں داخل کرنا معیوب یا خلافِ ادب نہیں ہے۔ اسی طرح جوتا بھی ایک طرح سے سواری کا کام دیتا ہے۔ جوتے کے ساتھ نماز ادا کرنے کی روایات صحیح احادیث میں موجود ہیں:

عَنْ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: طَافَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى رَاحِلَتِهِ فَإِذَا انْتَهَى إِلَى الرُّكْنِ أَشَارَ إِلَيْهِ. قَالَ: وَفِي الْبَاب عَنْ جَابِرٍ، وَأَبِي الطُّفَيْلِ، وَأُمِّ سَلَمَةَ. قَالَ أَبُو عِيسَى: حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. (ترمذی برقم الحدیث 865)

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سواری پر بیت اللہ کا طواف کیا جب آپ حجر اسود کے پاس پہنچتے تو اس کی طرف اشارہ کرتے۔

(عَنْ يَعْلَى بْنِ شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: خَالِفُوا الْيَهُودَ فَإِنَّهُمْ لَا يُصَلُّونَ فِي نِعَالِهِمْ وَلَا خِفَافِهِمْ. ابو داؤد برقم الحدیث 652)

''حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہود کی مخالفت کرو۔ یہ لوگ اپنے جوتوں یا موزوں میں نماز نہیں پڑھتے ہیں۔''

سَأَلْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ، أَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِي نَعْلَيْهِ؟ قَالَ: نَعَمْ.

(بخاری برقم الحدیث 386)

''کیا نبی کریم ﷺ اپنی جوتیاں پہن کر نماز پڑھتے تھے؟ تو انہوں نے فرمایا، کہ ہاں''

حدیث مذکور کے علاوہ اعلاء السنن میں مسجد میں راستہ اور میدان بنانے کی روایت بھی موجود ہے۔

''وقد بنى سعد في الذى خطوا للقصر قصرا بحيال محراب مسجد الكوفة اليوم فشيده وجعل فيه بيت المال وسكن ناحيته، ثم ان بيت المال نقب عليه نقبا وأخذ من المال، وكتب سعد بذلك إلى عمر وصف له موضع الدار، وبيوت الأموال من الصحن۔ مما يلي ودعة الدار، فكتب إليه عمر أن أنقل المسجد، حتى تضعه إلى جنب الدار، واجعل الدار قبلته فإن للمسجد أهلا بالنهار وبالليل، وفيه حصن لمالهم، فنقل المسجد وأراغ بنيانه.''

اعلاء السنن ج13 ص2016. برقم الحدیث 4574. اشرفیہ 2000ء

وفي الكنز: وإن جعل شيء من الطريق مسجداً صح كعكسه، وفي البحر: ومعنى قوله: كعكسه أنه إذا جعل في المسجد ممراً فإنه يجوز لتعارف أهل الأمصار في الجوامع، وجاز لكل أحد أن يمر فيه حتى الكافر إلا الجنب والحائض والنفساء لما عرف في موضعه، وليس لهم أن يدخلوا فيه الدواب، كذا

ذكره الشارح رحمه الله. وفي "الخانية" : طريق للعامة وهي واسع فبنى فيه أهل المحلة مسجداً للعامة، ولا يضر ذلك بالطريق. قالوا:لا بأس به، وهكذا روى عن أبي حنيفة ومحمد لأن الطريق للمسلمين والمسجد لهم أيضاً. قال:ولو ضاق المسجد على الناس وبجنبه أرض وقف على المسجد فأرادوا أن يزيدوا شيئا في المسجد من الأرض جاز ذلك بأمر القاضي اهـ(خانية، ج5 ص255و256)قلت: وكذلك لو زادوا فيه شيئًا من الطريق، أو جعلوا شيئا من المسجد طريقا للعامة، أو جعلوا الرحبة مسجداً وعلى القلب ينبغي تقييد جواز كل ذلك بأمر الإمام أو القاضي، فإن ذلك أهون من زيادة أرض وقف على المسجد فيه، كما لا يخفى، والأثر المذكور في المتن يدل على ذلك أيضاً فإن سعداً ومن معه من الصحابة لم يقدموا على ذلك إلا بأمر الإمام أمير المؤمنين عمر بن الخطاب رضي الله عنه وعنهم.(اعلاء السنن ج13ص217، تحت رقم الحديث 4574/اشرفيه 2000ء)

سواری پر سوار ہوکر طواف کرنے اور جوتے پہن نماز ادا کرنے اور حضرت عمرؓ کے حکم سے مسجد کے حصے کو میدان بنانے، نیز مسجد کے حصے میں راستہ بنانے والی روایات کو سامنے رکھتے ہوئے موجودہ حالات کے تناظر میں اگر قدیم مسجدوں کو شہید کر کے بیسمینٹ میں پارکنگ کا نظام بنالیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ البتہ یہ مقام مسجد ہی کے حکم میں ہوگا، اس لیے اس پر مسجد کے سارے احکام جاری ہوں گے، یعنی معتکف یہاں آسکتا ہے، اس میں جنبی وغیرہ کے داخلہ کی ممانعت رہے گی۔

مسجد کی کسی منزل کو تعلیم گاہ بنانا

الجواب:۴۔ پارکنگ کے سلسلے جواب نمبر ۳/میں وضاحت آگئی ہے۔ کہ موجودہ دور میں اس طرح پارکنگ کا قیام درست ہے، البتہ مسجد قدیم کے حصے کی اصل زمین مسجد ہی کے حکم میں رہے گی۔ اِردگرد خالی پڑی زمین مسجد کے حکم سے خارج ہوگی، اس میں جنبی، حائضہ وغیرہ آسکتے ہیں۔ تعلیم کے تعلق سے سوال نمبر ۱/میں تفصیل آچکی ہے۔ یہاں مزید وضاحت تائید کے لیے کچھ فقہی عبارات نقل کی جاتی ہیں۔

"معلم الصبيان بأجر لو جلس فيه لضرورة الحر لا بأس به، وكذا التعليم ان باجر كره إلا لضرورة وإن حسبة لا." (فتاوى برازية على هامش الهندية، كتاب الصلاة، فصل السادس والعشرون في حكم المسجد ج۴/ص۸۲/زكريا)

جلس معلم أو وزّاق في المسجد فإن كان يعلِّم أو يكتب بأجر يكره الالضرورة، وفي الخلاصة:تعليم الصبيان في المسجد لا بأس به۔

(رد المحتار، کتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغیرہ، ج ۹/ص ۶۱۳/زکریا)

یجوز الدرس في المسجد وإن کان فیه استعمال اللبود والبواري مسبلة لأجل المسجد ویجوز الدرس بسراج المسجد إن کان موضوعًا فیه لا للصلاة بأن فرغ القوم من الصلاة، وذهبوا إلی بیوتهم وبقي السراج فیه، قالوا: لا بأس بأن یدرس بنوره إلی ثلث اللیل؛ لأنهم لو أخروا الصلاة إلی ثلث اللیل لا بأس به..... وفیما زاد علی الثلث لیس لهم تأخیرها، لا یکون لهم حق الدرس۔

(البحر الرائق، کتاب الوقف، ج ۵/ص ۴۱۹ و ۴۲۰/زکریا الفتاوی الهندیة، کتاب الکراهیة، الباب الخامس في آداب المسجد، ج ۵/ص ۳۲۲/رشیدیه)

لا بأس بالجلوس في المسجد لغیر الصلاة، لکن لو تلف به شيء ضمن۔

(فتاویٰ قاضی خان، علی هامش الهندیة، کتاب الطهارة، باب التیمم، فصل فی المسجد، ج ۱/ص ۶۶/رشیدیة)

کمیٹی فیس لے کر مسجد میں خدمات انجام دینے والے اساتذہ وملازمین کو مشاہرہ ادا کرے اور باقی ماندہ روپیہ کو مصالح مسجد میں صرف کرے تو زیادہ بہتر ہے۔ البتہ فیس عملاً طلباء پر لازم ہو لیکن بطور عقدیہ فیس تعاون وغیرہ کی صورت میں حاصل کی جائے تو زیادہ بہتر ہے۔ کیونکہ عام حالات میں مسجد کے کسی جزء سے کرایہ حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔

"ولا یجوز أخذ الاجرة منه، ولا ان یجعل شیئاء منه مستغلا ولا سکنی، بزازیة..وقد رد فی الفتح مابحثه فی الخلاصة من انه لو احتاج المسجد الی نفقته تؤجر قطعة منه بقدر ماینفق علیه، غیر صحیح۔ (الدر المختار مع الرد، ج ۲/ص ۴۰۶/)

الغرض جواب نمبر ۳/ اور جواب نمبر ۱/ کے مطابق اس کا بھی جواب ہے، کہ بیسمنٹ کو پارکنگ اسٹینڈ اور عبادت گاہ کے ساتھ کسی بھی منزل کو برائے تعلیم مقرر کرنا جائز ہے۔ البتہ یہ الی عنان السماء والی فقہی روایت کے مطابق بیسمنٹ کے ساتھ ہی دیگر تمام منزلیں مسجد ہی کے حکم میں ہوں گی۔

کسی بلڈنگ یا کمپارٹمنٹ میں کسی جزء کو بطورِ مسجد خاص کرنا

الجواب ۵: حقِ غیر کے ساتھ مسجد کے متعلق ہونے کی صورت میں استقلال وتابید نہیں پائی جاتی ہے۔ مسجد کی تحتانی یا فوقانی حصے کا مسجد کے علاوہ کسی بندے کی ملکیت سے متعلق ہونے کی صورت میں مقررہ حصے کی مسجدیت کے بارے میں نفی پر فقہی جزئیات وتصریحات موجود ہیں۔ لیکن موجودہ دور میں ایک ہی عمارت کے الگ الگ حصوں کو مستقل تسلیم کیا جارہا ہے۔ اس لیے بیان کردہ صورت میں جس حصے کو بطورِ مسجد خاص کردیا جائے اور اس حصے سے کسی بندے کا کوئی حق متعلق نہ رہے تو اس پر مسجد کا اطلاق ہوگا۔

”وروي عن أبي حنيفة أنه جعل السفل مسجداً دون العلو جاز لأنه يتأبد، بخلاف علو، وهذا تعليل للحكم بوجود الشرط، فإن التأبيد شرط وهو مع المقتضي، وإنما يثبت الحكم معهما مع عدم مانع وهو تعلق حق واحد، وعن محمد عكسه لأن المسجد معظم وهو تعليل بحكم الشيء وهو متوقف على وجوده، وعن أبي يوسف أنه جوز ذلك في الأولين لما دخل بغداد ورأى ضيق الأماكن (و) كذا عن محمد لما دخل الريّ) وهذا تعليل صحيح لأنه تعليل بالضرورة وكذلك إن اتخذ وسط داره مسجداً وأذن للناس فيه إذناً عاماً له أن يبيعه ويورث عنه، لأن المسجد ليس لأحد حق المنع منه، وإذا كان ملكه محيطاً بجوانبه الأربع (كان له حق المنع فلم يصر مسجداً، ولأنه أبقى الطريق لنفسه فلم يخلص الله تعالى وعن كل من أبي حنيفة ومحمد أنه يصير مسجدا. لانه لمارضى ان يكون مسجدا ولم يصر مسجدا الا بالطريق دخل فيه الطريق وصار داخلا بلا ذكر.“

(فتح القدیر ج6ص218/مکتبہ اشرفیہ دیوبند)

کوئی شخص اگر کئی منزلہ عمارت میں تحتانی حصہ کو مسجد کے لیے خاص کردے اور فوقانی حصے کو اپنے ذاتی استعمال کے لیے رکھے تو حضرت امام ابوحنیفہؒ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایسا کرنا درست ہے۔ تحتانی حصے پر مسجد کا اطلاق درست ہوگا۔ اس کے خلاف حضرت امام محمدؒ کہتے ہیں کہ اگر فوقانی حصہ کو مسجد کے لیے خاص کیا اور تحتانی کو اپنے لیے رکھ لیا تو جائز ہے۔ امام محمدؒ کہتے ہیں کہ تحتانی کے بجائے فوقانی حصہ میں مسجد کو رکھنے سے مسجد کی تعظیم ہے۔ امام صاحب کہتے ہیں کہ فوقانی حصے میں رکھنے سے دوسری عمارت سے معلق ومتعلق رہے گی، اور حقِ عبد اس میں باقی رہے گا، وہ مستقل نہیں ہوسکے، جب کہ تحتانی حصہ زمین پر ہونے کی وجہ سے مستقل ہے اس لیے تحتانی کو مسجد بنانا درست ہے۔ امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں کسی ایک حصہ کو مسجد بنانا جائز اور درست ہے۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ موجودہ دور میں اپارٹمنٹ کے کسی حصے کو بطور مسجد خاص کردینے سے وہ مسجد شرعی ہوگی۔ اس میں مسجد کے تمام احکام جاری ہوں گے۔

کسی ایک منزل میں کو بطور مسجد خاص کرنا

جواب نمبر ۶۔ سوال نمبر ۵/ کے جواب میں جو تقریر اور فقہی جزئیات نقل کی گئی ہیں وہی اس صورت میں بھی صادق آتی ہیں۔ چنانچہ اس صورت میں بھی جواب نمبر ۵/ جیسا حکم ہے کہ وہ حصہ بطورِ مسجد خاص ہوگا۔ اس حصہ سے واقف کی ملکیت وغیرہ ختم ہوجائے گی۔ اس کا بطور مسجد احترام وادب ضروری ہوگا۔

آراضیِ مسجد کا استبدال

جواب نمبر ۷۔ مفتی بہ قول یہ ہے کہ وقف کا استبدال یا خرید وفروخت جائز نہیں ہے۔ لیکن تین صورتیں ایسی

ہیں جن کا حکم اس سے مستثنیٰ ہے۔

پہلی صورت یہ ہے کہ واقف نے شرط لگادی ہو کہ اس کا استبدال کیا جاسکتا ہے۔ ایسی صورت میں استبدال جائز ہے۔ خیال رہے استبدال سے مراد شراء بھی ہے جیسا علامہ شامی اسی باب کے ذیل میں تشریح فرمائی ہے۔

"وظاهره انه لا فرق بين ذكره بلفظ الاستبدال او البيع."

دوسری صورت یہ ہے کہ واقف نے کوئی شرط نہیں لگائی لیکن موقوفہ زمین کلی طور پر نفع بخش نہیں بچی ہو، اس سے کچھ بھی آمدنی نہیں ہوتی ہو، اس کے اخراجات پورے نہ ہوتے ہوں، تو ایسی صورت میں اس سے بہتر زمین حاصل کرنے کے لیے قاضی کی اجازت سے واقف کے لیے جائز ہے کہ اس کو فروخت کر کے دوسری زمین حاصل کرلے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ واقف نے استبدال کی شرط نہ لگائی ہو، لیکن استبدال میں نسبتاً زیادہ نفع ہو، اور بدل زیادہ بہتر ہو۔ اس سلسلے میں اختلاف ہے۔ علامہ شامیؒ کہتے ہیں قول مختار کے مطابق زیادہ نفع کی امید میں استبدال جائز نہیں۔

صاحبِ بحر کے حوالہ سے علامہ شامیؒ نقل کرتے ہیں کہ تیسری صورت میں زمین کے سلسلے میں اختلاف ہے، مکانِ موقوفہ کے عدم جواز میں اختلاف نہیں ہے۔ کیونکہ مکان سے اگرچہ کوئی پیداوار نہ ہو، پھر بھی وہ رہائش وغیرہ کے کام آتا ہے، اس لیے مکان وغیرہ کا استبدال یا بیع جائز نہیں ہوگی۔ جب کہ اگر زمین میں پیداوار نہ ہو تو چونکہ اس کی افادیت ختم ہوجاتی ہے اس لیے کرایہ دار اور بائع ملنا مشکل ہوجاتا ہے۔ اس لیے زمین کے سلسلے میں کچھ علماء استبدال وبیع کے جواز کے قائل ہیں، اور کچھ عدم جواز کے۔ قول مختار عدم جواز کا ہے۔ الدر المختار کے ساتھ رد المحتار کی عبارات درج ذیل ہیں۔

في الدر المختار: (و) جاز (شرط الاستبدال به ارضا اخرى) حينئذ۔

وفي رد المحتار: اعلم ان الاستبدال على ثلاثة وجوه: الاول: ان يشترطه الواقف لنفسه ولغيره او لنفسه وغيره، فالاستبدال جائز على الصحيح، وقيل اتفاقا.

والثاني: ان لا يشترط سواء شرط عدمه او سكت لكن صار بحيث لا ينتفع به بالكلية بان لا يحصل منه شيئ اصلا، او لا يفيء بمؤونته فهو ايضا جائز على الا صح، اذا كان باذن القاضي، ورأيه المصلحة فيه۔ والثالث: ان لا يشترطه ايضا ولكن فيه نفع في الجملة، وبدله خير منه ريعا ونفعا۔ وهذا لا يجوز استبداله على الاصح المختار.

وافاد صاحب البحر في رسالته في الاستبدال ان الخلاف في الثالث، انما هو في الارض اذا ضعف عن الاستغلال، بخلاف الدار بخراب بعضها، ولم تذهب اصلا فانه لا يجوز حينئذ الا ستبدال على كل الاقوال. قال: لا يمكن قياسها على الا رض، فان الارض اذا ضعف لا يرغب غالباً في استئجارها بل

فی شرائھا، اما الدار فیرغب فی استئجارھا مدۃ طویلۃ لأجل تعمیرھا للسکنی.(ردالمحتار مع الدرالمختار، ج۶ ص۵۸۳/و ۵۸۴/زکریا)

بیع واستبدال کی مذکورہ بالا تین صورتوں کے اَحکام واقف کے لیے تھے۔لیکن واقف کے بجائے قاضی کو بھی استبدال وبیع کا اختیار چار صورتوں میں ہوتا ہے۔

۱۔واقف کی شرط کے مطابق ہو۔

۲۔کسی نے وقف کی زمین غصب کرلی ہو یا نقصان پہونچادیا ہو کہ اس کی قیمت بطور ضمان یا تاوان قاضی نے حاصل کیا، اس قیمت وتاوان کے بدلے قاضی کے حکم سے متولی دوسری زمین خریدے گا۔

۳۔کسی نے زمین غصب کرلی ہو اس زمین کی کاغذات وشواہد نہ ہوں، وہ غاصب اس کے بدلے میں روپیہ دے رہا ہو، تو متولی کو اختیار ہے، بدلے میں روپیہ لے کر دوسری زمین وقف کے نام سے خرید لے۔

۴۔کوئی خریدار اس زمین کی پیداوار سے زیادہ نفع بخش زمین دے کر اس کو خریدنا چاہے تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس کے بدل میں زیادہ بہتر زمین خریدنا جائز ہے۔علامہؒ شامی کہتے ہیں: وعلیہ الفتوی۔

فی الدر المختار: وفیھا لا یجوز استبدال العامر الا فی الاربع:

وفی رد المحتار: قولہ:(الا فی اربع) الاولی. لو شرطہ الواقف۔ والثانیۃ اذا غصبہ غاصب واجری علیہ الماء حتی صار بحرا فیضمن القیمۃَ یشتری المتولی بھا ارضا بدلا۔ الثالثۃ: ان یجحد الغاصب ولا بینۃ، واراد دفع القیمۃ ،للمتولی اخذھا لیشتری بھا بدلا۔ الرابعۃ: ان یرغب انسان فیہ ببدل اکثر غلۃ واحسن صقعا، فیجوز علی قول ابی یوسف ، وعلیہ الفتوی .(ردا لمحتار علی الدر المختار، ج۶/ص۵۸۸/زکریا)

فتاوی تاتارخانیہ میں ہے کہ اگر آراضی موقوفہ کی آمدنی کمزور ہوگئی ہو تو اس کو فروخت کرکے اس کے بدلے میں اس سے بہتر اور زیادہ نفع بخش زمین حاصل کرنا جائز ہے۔

”اذا ضعفت الارض الموقوفۃ عن الاستغلال والقیم یجد بثمنھا ارضا اخری ھو اکثر ریعا کان لہ أن یبیع ھذہ الارضَ ویشتری بثمنھا ماھو اکثر ریعا.“(تاتارخانیۃ۔ ج۸/ص۶۳/زکریا)

چوتھی صورت میں فقہاء کا اختلاف ہے۔سوالنامہ میں جن خدشات کا اظہار ہے وہ باتیں علامہ شامی کے دور میں بھی پائی جاتی تھیں۔اس صورت میں فقہاء کے اختلاف کی وجہ یہی ہے کہ استبدال کے عنوان سے قضاۃ کی طرف سے اوقاف المسلمین کو خرد برد کرنے کے واقعات پائے جاتے ہیں ۔علامہ شامیؒ کہتے ہیں:

وقد شاھدنا فی الاستبدال مالا یعد ویحصیٰ، فان ظلمۃ القضاۃ جعلوہ حیلۃ لإبطال اوقاف

المسلمین، وعلی تقدیرہ فقد قال فی الاسعاف: المراد بالقاضی ھو قاضی الجنۃ المفسر بذی العلم والعمل. (ردالمحتار علی الدر المختار، ج ۶/ص ۵۸۸/زکریا)

اس لیے جب پوری طرح اطمینان ہو کہ زمین کے بدلے میں مناسب و بہتر زمین، دکان مکان حاصل ہوگا تبھی ایسا اقدام کرنا جائز ہوگا، ورنہ نہیں۔

مساجد سے متعلق آراضی پر مدرسہ قائم کرنا

الجواب ۸: مصالح مسجد کے پیش نظر ایسا کرنا جائز ہے۔ بلکہ یہ مسجد کے مقاصد میں سے ہے، اس لیے بہتر یہی ہے کہ ایسی زمینوں پر مدرسہ وغیرہ قائم کر دیا جائے اور اس کا کرایہ مسجد کو آتا رہے۔

ویتصرف القیم بمافیہ من النفع للوقف۔ (تنقیح الفتاویٰ الحامدیۃ، کتاب اللقیط، الباب الثالث فی احکام النظار واصحاب الوظائف، ج ۱/ص ۲۰۰/بیروت)

وفی الدر المختار: (ویؤجر) بأجر (المثل) ف (لا) یجوز (بالأقل) ولو ھو المستحق قارئ الھدایۃ إلا بنقصان یسیر. (الدر المختار مع ردالمحتار ج ۶/ص ۶۰۸/زکریا)

عمارتِ مسجد کا نظری نقشہ

تعمیر سے قبل ضروریات و مصالح مسجد کی پوری رعایت کرتے ہوئے تمام حصے مثلاً وضوخانہ، طہارت خانہ، امام و مؤذن کے حجرے (Rooms) کتب خانہ (Library) کرایہ پر دینے کے لیے دوکان، و مکان، پارکنگ اسٹینڈ (Parking stand) غیر مسلموں کو اسلام سے متعارف کرانے کے لیے ان کو مسجدوں میں بیٹھے کہ جگہیں (Gallery) اور برآمدہ (Porch) صاف صاف طور پر متعین کر لینا چاہئے۔ اس کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ مسلم انجینئرس (Engineers) مساجد کے مختلف تعمیراتی اجزاء کو سمجھیں اور پھر ایسا نقشہ بنایا کریں جس میں یہ تمام چیزیں آجائیں اور واقف یا متولی حضرات اس نقشہ کے مطابق مسجد کی تعمیر کی نیت کریں۔ اس طرح مساجد کے تہہ خانے یا بالائی حصے کو عبادات کے علاوہ بے شمار کاموں میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔ ذیل میں نظری نقشہ پیش کیا جا رہا ہے جس میں خاص طور پر درج ذیل تعمیری حصے کا خیال رکھنا چاہئے۔ (مختارات النوازل، ج ۱/ص ۲۹۶/، زکریا، ردالمحتار، ج ۳/ص ۴۰۶/، زکریا، آداب المساجد، ص ۳۵/حضرت تھانویؒ)

۱۔ محراب کا ایک حصہ مسقّف (Prayer Hall) بنایا جائے، جس میں منبر اور امام کا مصلیٰ سب سے آگے ہوگا، اس کی اونچائی شرعی دائرے میں رہے گی۔ پھر بالائی حصہ پر اس کے بالکل سیدھ میں سوراخ ہوگا۔ تاکہ بالائی حصے پر موجود مقتدیوں تک بغیر مائک کے امام یا مکبر کی آواز پہنچ سکے۔

۲۔اس حصۂ مسقّف (Prayer Hall) کی پورب جانب ایک برآمدہ (Lawn) ہوگا۔ برآمدہ کی مغربی دیوار میں دروازہ ہوگا۔ اور مشرق میں دیوار کے بجائے ستون (Pillars) ہوں گے اس جگہ پر بالکنی (Balcony) کی شکل میں چھت ہوگی تاکہ یہاں بیٹھ کر عورتیں یا غیر مسلم نماز پڑھتے اور خطبات دیتے ہوئے امام اور مصلین کو دیکھ سکیں۔ یہ بالکنی تبلیغی جماعت اور دوسرے مہمانوں، مسافروں نیز اعتکاف کرنے والوں کے لیے بھی استعمال کی جاسکتی ہے۔

۳۔مساجد میں تالا لگانا جائز نہیں ہے، (ردالمحتار، ج ۴ ص ۴۶۸ ، زکریا، خلاصۃ الفتاویٰ، ج ۱ ص ۲۲۷ ،)۔اس لیے اس برآمدے کے گرؤنڈ فلور (Ground floor) میں مسجد ہی کی نیت کی جائے۔ اگر تالا لگانے کی ضرورت ہو تو اس کی مغربی دیوار (قبلہ جانب کی دیوار) میں دروازوں میں تالا لگایا جائے اور پورب سے یہ برآمدہ کھلا رہے۔اس طرح مجبوری کے وقت تالا لگا کر سامان مسجد کی حفاظت بھی ہوجائے گی۔اور مسجد میں تالا لگانے کے گناہ سے بھی بچا جاسکتا ہے۔

۴۔اس برآمدے کے بعد پورب جانب صحن مسجد (Open land) ہوگا۔ یہ مسجد کے حکم میں نہیں رہے گا۔ اس کی پہلے ہی نیت کرلی جائے۔اس لیے وہاں جنبی وحائضہ اور دوسرلوگ بھی آسکتے ہیں نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ادبی اور فنی صلاحیتوں کے استعمال کے لیے ایک حصہ مخصوص کر دیا تھا۔ اس حصے کو اسی طرح سنت عمری کے طور پر استعمال کرسکتے ہیں۔

۵۔صحنِ مسجد کی پورب جانب برآمدہ (Lawn) بنایا جائے اس پر بالکنی (Balcony) کی شکل میں چھت ڈالی جائے۔اس برآمدے میں گراونڈ فلور (Ground floor) پر وضوخانہ، طہارت خانہ بنایا جائے۔ وضوخانہ، طہارت خانہ اس زمانے میں مسجدوں کی بہت بڑی ضرورت بن چکے ہیں۔ یہاں ان کو بنانے سے اس ضرورت کی تکمیل ہوجائے گی، ساتھ ہی اس روایت کے خلاف عمل کا گناہ بھی نہیں ہوگا جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجدوں کے دروازوں پر وضو خانہ بنانے سے منع کیا ہے۔(ابن ماجہ، برقم الحدیث ۷۵۰ ، مصنف عبدالرزاق، برقم الحدیث ۱۷۲۷ و ۱۷۲۸)

۶۔اس طرح مسجد کے اردگرد امام ومؤذن کے فیملی کوارٹرس بنائے جائیں جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ اور اسمعیلؑ اور حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے تعمیر کرائے تھے۔(بخاری: برقم الحدیث ۶۸۰) نیز مسجد کی آمدنی کے لیے کرایے پر دینے کے لیے دکانیں، مکانات بھی بنائے جاسکتے ہیں۔

شہروں میں نیچے یعنی بیسمنٹ کو مکمل طور پر مسجد سے مستثنیٰ رکھنے کی نیت کی جائے۔تاکہ وہ بیسمنٹ کو پارکنگ، وضوخانہ، طہارت خانہ ودیگر کاموں میں استعمال کیا جاسکے۔

خلاصہ

۱۔مسجدوں میں جہاں بہت سارے دینی کام کئے جاتے ہیں وہی بنیادی طور پر دینی تعلیم کے لیے کسی منزل

میں انتظام کرنا جائز ہے۔ کیونکہ یہ سلسلہ عہدِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لے کر کم ازکم چار سو سال تک امت میں جاری رہا ہے۔ نیز مسجدوں میں طلباء کے قیام کا نظم کیا جاسکتا ہے۔ اس میں کوئی کراہت نہیں ہے۔

۲۔ مسجد کے الی عنان السماء ہونے پر کوئی نص معلوم نہیں ہوسکی۔ شاید مسجدوں کی تعظیم کے پیش نظر ایسا حکم لگایا گیا، اس لیے الی عنان السماء مسجد ہونے پر اگر کوئی نص نہیں ہے تو مصالح مسجد کی رعایت میں مسجد ہی کے انتظام میں مسجد کی کئی منزلوں میں کسی منزل کو دیگر دینی وملی کاموں کے لیے استعمال کی گنجائش ہونی چاہئے۔ خاص طور پر امام محمدؒ کے قول ''مسجد کی ویرانی کی صورت میں مسجدیت کے خاتمہ کے'' پیش نظر ایسا کرنے کی گنجائش ہونی چاہئے۔ کیونکہ مسجد کے فوق وتحت جہاں پہلے سے تعمیر نہ ہونے کی وجہ سے نماز کی ادائیگی نہیں پائی گئی تو وہ مسجدیت کے حکم سے خارج ہوکر دیگر نئی تعمیرات کے ذریعہ دیگر کاموں میں استعمال جائز ہونا چاہئے۔ (اس جواب کی اصابت کی صورت میں جواب نمبر ۱/و ۳/اور ۴/ کے حکم میں کافی سہولت ہوگی۔)

۳۔ موجودہ حالات کے تناظر میں اگر قدیم مسجدوں کو شہید کرکے بیسمنٹ میں پارکنگ کا نظام بنالیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ البتہ یہ مقام مسجد ہی کے حکم میں ہوگا، اس لیے اس پر مسجد کے سارے اَحکام جاری ہوں گے، یعنی معتکف یہاں آسکتا ہے، اس میں جنبی وغیرہ کے داخلہ کی ممانعت رہے گی۔

۴۔ جواب نمبر ۳/اور جواب نمبر ۱/ کے مطابق اس کا بھی جواب ہے، کہ قدیم مسجدوں میں بھی بیسمنٹ کو پارکنگ اسٹینڈ اور عبادت گاہ کے ساتھ ہی کسی بھی منزل کو برائے تعلیم مقرر کرنا جائز ہے۔ البتہ الی عنان السماء والی فقہی روایت کے مطابق بیسمنٹ کے ساتھ ہی دیگر تمام منزلیں مسجد ہی کے حکم میں ہوں گی۔

۵و۶۔ فتح القدیر کے عبارت کے مطابق بلڈنگ یا کمپارٹمنٹ کے اس حصے کو جسے مسجد کے لیے اس طور پر مخصوص کردیا گیا کہ اس حصے سے کسی بندے کا کوئی حق متعلق نہیں رہا تو وہ مسجد شرعی کے حکم میں ہوگا۔ اگرچہ اس کے نیچے یا اوپر کسی دوسری کی ملکیت میں دیگر عمارات ہوں۔

۷۔ غیر نافع اراضی موقوفہ کو فروخت کرکے انفع جائیداد کے حصول میں اگر پہلی زمین کی قیمت وغیرہ ضائع نہ ہونے کا مکمل اطمینان ہو تو دیندار اصحاب الرائے کی مشورہ سے استبدالِ وقف جائز ہے۔

۸۔ مساجد سے متعلق آراضی کی حفاظت اور آمدنی کے لیے وہاں مکاتب ومدارس قائم کرکے ان کا کرایہ مسجد کی ضروریات میں استعمال کرنا جائز ہے۔ یہ مقاصد وقف کے خلاف ہونے کے بجائے مقاصد وقف ہی پر عمل ہوگا۔

واللہ اعلم بالصواب

مساجد اوران کے اوقاف سے متعلق چند مسائل

مفتی محمد سرفراز ندوی

خادم التدریس معہد الشریعۃ لکھنؤ

سوال نمبر ا کا جواب۔فقہ کی کتابوں میں یہ بات صراحت کے ساتھ مذکور ہے کہ اگر ایک مرتبہ مسجد شرعی کی تعمیر ہوگئی تو قیامت تک وہ زمین سے لے کر آسمان تک مسجد ہی رہے گی ، اب اس پر کسی دوسرے مقصد کے لیے کوئی عمارت نہیں بنائی جاسکتی ہے خواہ اس عمارت کا تعلق مصالح مسجد سے ہو جیسے مسجد کی آمدنی کے لئے دوکان وغیرہ کی تعمیر، یا اس تعمیر کا تعلق لوگوں سہولت ومصلحت سے ہو جیسے پارکنگ کے لئے بیسمنٹ وغیرہ، النھر الفائق ،فتاوی ہندیہ، درمختار، ردالمختار وغیرہ میں اس کی صراحت موجود ہے۔

(۱) وکرہ ایضا (الوطئ فوقه والبول والتخلی) ای التغوط ، لأنه مسجد الی عنان السماء، (النهر الفائق شرح کنز الدقائق لسراج الدین ابن نجیم الحنفی، کتاب الصلاة فیما یکرہ خارج الصلاة، ج ا ص ۲۸۸، دار الکتب العلمیة، بیروت)

(۲) وکرہ تحریما (الوطئی فوقه والبول والتغوط) لأنه مسجد الی عنان السماء (الدر مع رد المختار، کتاب الصلاة، باب مایفسد الصلاة ومایکرہ فیها، ج ا ص ۶۵۶، دار الفکر، بیروت، لبنان)

(۳) (قوله إلی عنان السماء) بفتح العین، وکذا إلی تحت الثری کما فی البیری عن الاسبیجابی۔ رد المختار للعلامة الشامی، باب مایفسد الصلاة ومایکرہ فیها، ج ا ص ۶۵۶، دار الفکر بیروت)

(۴)۔أما لو تمت المسجدیة ثم أراد البناء منع، ولو قال: عنیت ذلک لم یصدق، تاتارخانیة، (الدر المختار للعلامة الحصکفی، کتاب الوقف، ج ا ۳۷، دار الکتب العلمیة بیروت)

(۵) إذا اراد إنسان أن یتخذ تحت المسجد حوانیت غلة لمرمة المسجد أوفوقه لیس له ذلک، کذا فی الذخیرة .(الفتاوی الهندیة، ج ۲ ص ۴۵۵ الباب الحادی عشر، المسجد وما یتعلق به، دار الفکر بیروت)

مذکورہ بالا عبارات سے بالکل واضح ہے کہ مسجد شرعی بن جانے کے بعد اس کے حصہ میں تعمیر نو مسجد شرعی کے لئے تو کی جاسکتی ہے لیکن باقاعدہ کسی اور مقصد کے لئے تعمیر درست نہیں ہے۔

البتہ فقہ کی کتابوں میں یہ صراحت ملتی ہے کہ مسجد شرعی کی تعمیر ہونے سے پہلے یا تعمیر کے وقت واقف یا متولیان وقف کسی حصہ کو دینی وعلمی درسگاہ، یتیمخانہ یا قیام گاہ بنانا چاہیں یا ایسی تعمیر جو مسجد کی مصلحت یا مصلیان مسجد کی مصلحت سے متعلق ہو تو اس کی گنجائش ہوگی، چنانچہ محیط برہانی، فتاوی تاتارخانیہ، البحر الرائق اور درمختار میں اس کی اجازت موجود ہے۔

(۱) "فی الحاوی" وفی "المنتقی" "إذا بنی الرجل مسجدا، وبنی فوقه غرفة وهو فی یده فله ذلک."
(المحیط البرهانی فی الفقه النعمانی لبرهان الدین محمود بن احمد بن عبد العزیز ابن مازه صدر الشریعة، کتاب الوقف، الفصل الحادی والعشرون فی المساجد، ج ٦ ص ٢٠٧، دار الکتب العلمیة بیروت).

(۲) ملاحظه هو فتاویٰ تاتارخانیة شیخ امام عالم بن العلاء دهلوی، ترقیم وتعلیق: مفتی شبیر احمد قاسمی، کتاب الوقف، مسائل وقف المساجد، ج ۸ ص ۱۶۲، مسئله ۱۱۵۱۲، زکریا بکڈپو دیوبند.

(۳) کذا فی البحر الرائق نقلا عن التاالتارخانیه، کتاب الوقف، فصل فی احکام المساجد ج ۵ ص ۴۲۱، المکتبة التهانویة دیوبند.

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ایک استفتاء کے جواب میں لکھتے ہیں۔

"البتہ مسجد کی تعمیر کے ساتھ قبل مسجد ہونے کے اوپر یا نیچے عمارات متعلقہ مصالح مسجد بنانے کا فقہاء نے ذکر کیا ہے۔

(۱) ولو جعل تحته حانوتا وجعله وقفا علی المسجد قیل: لا یستحب ذلک ولکنه لو جعل فی الابتداء هکذا صار مسجدا، وما تحته صار وقفا علیه، ویجوز المسجد والوقف الذی تحته، ولو أنه بنی المسجد أولاً هم أراد ان یجعل تحته حانوتا للمسجد فهو مردود باطل۔ (حاشیة، چلپی علی تبیین الحقائق کتاب الوقف، فصل فی احکام المسجد ج ۴ ص ۲۷۱، زکریا بکڈپو، دیوبند)

ملاحظہ ہو امداد الفتاویٰ (فتاویٰ حضرت تھانوی، مرتب مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ) ج ۲ ص ۱۹۸، کتاب احکام المساجد زکریا بکڈپو۔

جہاں تک مساجد میں دینی تعلیم کے نظم کرنے کی بات ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ مسجدوں میں مستقل دینی درسگاہ قائم کرنے کی فقہاء نے اجازت نہیں دی ہے، البتہ ضرورت کی وجہ سے اور ضروریات دین کی تعلیم مسجد کے اندر یا اس کی چھت یا اوپر کی منزل میں اس کے تقدس وآداب اور اس کی صاف صفائی کا خیال رکھتے ہوئے دینا جائز ہے، اور اس مقصد کے لئے عارضی درسگاہ بنانا درست ہے۔

البحر الرائق میں ہے:

”فقد قال اللہ تعالیٰ :وأن المساجد للہ ، وما تلونا من الآیۃ السابقہ ، فلا یجوز لأحد أن یمنع مؤمنا من عبادۃ یأتی بھا فی المسجد ، لأن المسجد ما بنی إلا لھا من صلاۃ واعتکاف وذکر شرع وتعلیم علم وتعلمہ وقرأہ قرآن ، ولا یتعین مکان مخصوص لأحد، (البخر الرائق لابن نجیم، کتاب الصلاۃ ، الوطأفوق المسجد والبول والتغوط۔ ج ۲ ص ۳۶، دار الکتاب الاسلامی بیروت)

یہ بات پہلے آچکی ہے کہ جوجگہ مسجد کے لیے متعین ہوگئی وہ زمین کی تہہ سے لے کر آسمان تک مسجد شرعی کے حکم میں ہوجاتی ہے، لہذا شرعی مسجد کی چھت بھی مسجد کے حکم میں ہوگی جس طرح مسجد کے اندر رہائش گاہ بنانا جائز نہیں اسی طرح مسجد کی چھت یا اس کے اوپر کسی بھی منزل پر رہائش گاہ بنانا درست نہیں۔

نیز اس کو رہائش گاہ بنانے سے مسجد کی حرمت بھی متاثر ہوگی، اور اس پر ہر ایسا کام کرنا جس سے اس کا تقدس پامال ہو، جائز نہیں، قاضی خاں اور علامہ شامی وغیرہ نے صراحتا اس کا عدم جواز نقل کیا ہے۔

(۱) ولو أن قیم المسجد اراد أن یبنی حوانیت فی حریم المسجد وفتائہ قال الفقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ : لا یجوز لہ ان یجعل شیئا من المسجدمسکنا اور مستغلا .(الفتاویٰ الخانیۃ، ج ۲ ص ۲۰۴، زکریا بکڈپو، دیوبند)

(۲) وبھذا علم ایضا حرمۃ احداث الخلوات فی المساجد کالتی فی رواق المسجد الأموی ، ولا سیما مایترتب علی ذلک من تقذیر المسجد بسبب الطبخ و الغسل ونحوہ ، ورأیت تالیفا مستقلا فی المنع من ذلک .

(رد المختار للعلامۃ الشامی ، کتاب الوقف ، فرع بناء بیت للامام فوق المسجد، ج ۴ ص ۳۵۸ دار الفکر بیروت لبنان)

(۳)۔ لأن المسجد اذا جعل حانوتا او مسکنا تسقط حرمتہ ، وھذا لایجوز ،(الفتاویٰ الھندیۃ ، الباب الحادی عشر فی المسجد، الفصل الثانی فی الوقف ج ۲ ص ۴۶۲، دار الفکر بیروت)

مذکورہ بالا عبارت سے بالکل عیاں ہے کہ مسجد کی کسی منزل پر طلباء کے لئے رہائش گاہ بنانا شرعا درست نہیں ہے۔

البتہ اگر وضو خانے یا مسجد کے اسٹور وغیرہ کے اوپر یا مسجد کے لئے وقف شدہ زمین کے اس حصہ پر رہائش گاہ بنائی جائے جس حصہ میں شرعی مسجد تعمیر نہیں کی گئی ہے تو اس کی گنجائش ہے۔

سوال نمبر ۲ کا جواب۔ پہلے سوال کے جواب کے تحت یہ بات آچکی ہے کہ جوجگہ ایک مرتبہ مسجد کے لئے وقف کرکے مسجد تعمیر کردی جائے وہ جگہ قیامت تک مسجد کے لئے مختص ہوجاتی ہے، پھر وہاں مسجد کے علاوہ کچھ اور تعمیر کرنا شرعا درست نہیں، فتاویٰ خانیہ، فتاویٰ ہندیہ وغیرہ میں بالکل واضح عبارت موجود ہے کہ ایک بار مسجد کی تعمیر ہوجانے

کے بعد اس کی جگہ یا اس کے اوپر دوکانیں وغیرہ بنانا درست نہیں ہوگا، اگر چہ مسجد کی مصالح (آمدنی وغیرہ) کے لئے ہو۔

(۱)۔ اذا اراد انسان أن یتخذ تحت المسجد حوانیت غلة لمرمة المسجد أو فوقه لیس له ذلک، کذافی الذخیرة" (الفتاویٰ الهندیة ج ۲ ص ۴۵۵، الباب الحادی عشر فی المسجد.. دار الفکر)

ماضی قریب اور دور حاضر کے مستند مفتیان کرام نے اپنے اپنے فتاوی میں بھی اس نقطۂ نظر کو واضح کیا ہے کہ تعمیر نو میں مسجد کے کسی حصہ میں دوکان و مکان بنانا اسی طرح اس کے بیسمنٹ میں امام و مؤذن کے لئے حجرہ بنانا شرعا درست نہیں ہے۔

(۲) مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''جو جگہ مسجد بن گئی اب قیامت تک وہ مسجد ہی رہے گی، کسی طرح اس جگہ کو دوسرے کام میں لگانا حلال نہیں''

(ملاحظہ ہو امداد المفتین، ج ۲ ص ۶۳۶)

(۳)۔ حضرت مفتی رشید احمد صاحب لکھتے ہیں:

''جو زمین ایک دفعہ مسجد میں داخل ہو چکی ہے وہ قیامت تک مسجد ہی رہے گی، کسی بھی ضرورت کے لئے اسے مسجد سے خارج نہیں کیا جا سکتا ہے''۔ (ملاحظہ ہو احسن الفتاوی ص ۴۳۶)

اسی طرح آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے موجودہ صدر فقیہ العصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتھم العالیہ اپنے ایک فتویٰ میں تحریر فرماتے ہیں:

''(۴) جو زمین مسجد کے لئے خریدی گئی، اور اس میں ایک عرصہ تک نماز پڑھی جاتی رہی خواہ وہ ٹین شیڈ کی ہو یا کسی معمولی چھپر کی، اب وہ جگہ مسجد کے حکم میں ہوگئی، نئی تعمیر میں اس جگہ دوکان یا مدرسہ بنانا اور اس کے اوپر مسجد درست نہیں ہے، وہ جگہ سطح زمین ہی سے مسجد ہے''۔ (کتاب الفتاوی ج ۵ ص ۱۳-۱۳۲)۔

سوال نمبر ۳ کا جواب۔ پہلے سوال کے جواب میں یہ بات تفصیل سے ذکر کی جا چکی ہے کہ جو جگہ مسجد کے لئے متعین کی گئی ہو اور مسجد شرعی بن چکی ہو وہ قیامت تک مسجد ہی رہے گی، اب اگر اسی جگہ پر ازسرنو تعمیر ہو رہی ہے تو پھر مسجد کے نیچے گاڑیوں کی پارکنگ کے لئے تہہ خانہ بنانا شرعا درست نہیں ہے، تاہم مسجد کے احاطے میں کچھ جگہیں ایسی ہوتی ہیں جو وقف علی المسجد تو ہوتی ہیں لیکن مسجد میں شمار نہیں ہوتی ہیں جیسے وضو خانہ، مسجد کا گودام، امام و موذن کے کمرے وغیرہ جن کو مسجد کے حدود سے خارج سمجھا جاتا ہے تو ان میں ان کے نیچے بیسمنٹ بنانا جائز ہے۔

اس سلسلہ میں متقدمین، متاخرین اور معاصر علمائے کرام، مفتیان عظام کا تقریبا اتفاق ہے اس لئے مسجد شرع کی تعمیر کے وقت اس کے نیچے گاڑیوں کی پارکنگ کے لئے بیسمنٹ نکالنا شرعا درست نہیں، دلائل کے لئے ملاحظہ ہو سوال نمبر ا کے جواب میں دئے گئے دلائل۔

البتہ اگر نئی مسجد تعمیر ہو رہی ہے تو مسجد کے نچلے حصے میں مصلیوں کی گاڑیوں کی پارکنگ کے لئے تہہ خانہ بنانا

شرعاً جائز ہے۔

(۱) ولو جعل تحته حانوتا وجعله وقفا له على المسجد قيل: لا يستحب ذلك ولكنه لو جعل في الابتداء هكذا صار مسجدا، وماتحته صار وقفا عليه، ويجوز المسجد والوقف الذي تحته ولو انه بنى المسجد اولا، ثم اراد ان يجعل تحته حانوتا للمسجد فهو مردود باطل۔ (حاشية جلبي على تبيين الحقائق، كتاب الوقف فصل في احكام المسجد، ج ۴، ص ۲۷۱، زكريا بكڈپو ديوبند)

(۲) فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے:

"وفي النوازل: ولو جعل العلو مسجدا والسفل وقفا على المسجد وأخرجه من يده يجوز، وكذلك لو جعل السفل مسجدا للناس أو سردابا وقفا على ذلك واخرجه من يده يصح، لانه لله تعالىٰ" (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الوقف، مسائل وقف المساجد ج ۸ ص ۱۶۲، مسئله ۱۱۱۳، تحقيق وترقيم مفتي شبير احمد قاسمي)

سوال نمبر چار کا جواب مسجد کے کسی مال کو دینی تعلیم کے مخصوص کرنے کی شرعاً گنجائش نہیں ہے البتہ اردگرد کی زمین جو پہلے سے مسجد میں داخل نہیں اس حصے میں عمارت قائم کرکے دینی تعلیم دیے جانے کی گنجائش ہے۔

فقہ کی کتابوں میں مسجد میں بلاضرورت درس وتدریس کے کام انجام دینے کو مکروہ لکھا ہے اور ضرورت کی وجہ سے اس کے اندر تعلیم وتعلم کی بلا کراہت اجازت دی ہے اور اسکول وغیرہ میں پڑھنے والے بچوں کو اسلام کی بنیادی معلومات بہم پہنچانا اور ان کے لیے جزوقتی دینی تعلیم کا نظم کرنا بھی ایک اہم ترین ضرورت ہے۔

لہذا مسجد کے علاوہ کوئی اور جگہ میسر نہیں ہے تو مسجد میں اور مسجد کے اردگرد جگہوں میں بچوں کو دینی تعلیم دینے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں۔

تاہم تعلیم بالاجر اور تعلیم بدون الاجر کے سلسلے میں فقہائے کرام کے مختلف اقوال ہیں لیکن حالات کے پیش نظر اور بعض مصالح کی بنیاد پر تعلیم بالاجر بلا کراہت جائز ہے، ہم ذیل میں فقہائے کرام کے اقوال کو نمبروار پیش کرتے ہیں:

۱- وتعليم الصبيان فيه بلا اجر وبالاجر يجوز (الفتاوى البزازية كتاب الكراهية، الفصل الاول، نوع في المسجد على هامش الهندية جلد6، ص 357.

۲. معلم الصبيان باجر لو جلس فيه لضرورة الحر لا بأس به وكذا التعليم ان باجر كرهه الا لضرورة وان حسبة لا. (الفتاوى البزازية على هامش الهندية ج4 ص 82)

۳. معلم جلس في المسجد اوراق كتب في المسجد فان كان المعلم يعلم بالاجر والوراق يكتب لغيره يكره لهما الا ان يقع لهما الضرورة. (الفتاوى التاتارخانية كتاب الكراهيه، فصل في المسجد

ج 81 ص 66 مسئلہ 2847، تحقیق و ترقیم: مفتی شبیر احمد قاسمی زکریا بکڈبو دیوبند)۔

۴. اما المعلم الذي يعلم الصبيان باجر اذا جلس في المسجد يعلم الصبيان لضرورة الحر او غيره لا يكره. (الفتاوى الهندية)

۵. ارض وقف على المسجد والارض بجنب ذلك المسجد واراد وا ان يزيدوا في المسجد شيئا من الارض جاز. (الفتاوى الهندية)

۶. اور ملاحظہ ہو کتاب النوازل مفتی محمد سلمان منصور پوری کتاب الوقف، احکام مساجد وعیدگاہ۔ ج 13 ص 548-549 المرکز العلمی للنشر والتحقیق مرآد آباد۔

سوال نمبر پانچ و چھ کا جواب: مسجد شرعی بننے کے لیے تعمیر مکمل ہونے کے بعد حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالی علیہ کے نزدیک صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ میں نے یہ جگہ مسجد بنادی۔

لیکن حضرت امام اعظم اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک مسجد شرعی بننے کے لیے تین بنیادی شرطیں ہیں:

پہلی شرط یہ ہے کہ مسجد کی زمین نیچے سے لے کر اسمان تک مسجد ہی کے لیے واقف نے وقف کی ہو دوسری بنیادی شرط یہ ہے کہ وہ جگہ مشاع نہ ہو بلکہ واقف نے اپنی ملکیت سے بالکل جدا کر دیا ہو اور تیسری چیز جو ضروری ہے وہ یہ ہے کہ اس مسجد میں طرفین رحمہم اللہ تعالی کے نزدیک کم از کم ایک نماز جماعت کے ساتھ ادا کی گئی ہو اور امام صاحب کے نزدیک تو مسجد کا بالکل الگ راستہ ہونا بھی شرط ہے۔

چنانچہ فتاوی ہندیہ میں ہے:

۱۔من بنى مسجدا لم يزل ملكه عنده حتى يفرزه بطريقه ويأذن بالصلاة فيه، اما الصلاة فلانه لا بد من التسليم عند بي حنيفه ومحمد رحمها الله تعالى. (الفتاوى الهندية كتاب الوقف الباب الحادي عشر في المسجد وما يتعلق به. ج2. ص 454. دار الفكر بيروت).

2. علامہ زیلعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

والمسجد لا يكون الا خالصا لله تعالى لما تلونا ومع بقاء حق العبد في اسفله او في اعلاه او في جوانبه محيطا به لا يتحقق الخلوص كله، اما اذا كان السفل مسجدا فلان لصاحب العلو حقا في السفل حتى لا يكون لصاحب السفل اني يحدث فيه شيئا من غير رضا صاحب العلو، واما اذا جعل العلو مسجدا فلان ارض العلو ملك لصاحب السفل وليس له من التصرفات شيء من غير رضا صاحب السفلي كالبناء وغيره.

(تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق لفخر الدين عثمان بن علي الزعيلي الحنفي، كتاب الوقف، فصل

من بنی مسجدا لم یزل.. ج3. ص330 دار الفکر بیروت).

3. واذا بنی مسجدا لم یزل ملکه عنه حتی یفرزه عن ملکه بطریقه ویاذن للناس بالصلاه فیه فاذا صلی فیه واحد زال ملکه عنه عند ابي حنیفة ومحمد، وقال ابو یوسف یزول ملکه عنه بقوله جعلته مسجدا. (مختصر القدوري کتاب الوقف ص 138 دار السلام القاهرة).

ذکر کردہ عبارات کی روح سے سوال پانچ اور چھ میں مذکورہ مساجد مساجد شرعیہ کے دائرے میں نہیں آتی ہیں کیونکہ ان دونوں صورتوں میں پورے طور پر زمین مسجد کے لیے وقف نہیں ہوتی اور نہ ہی اوپر اور نیچے کی منزل مصالح مسجد کے لیے ہوتی ہے۔

البتہ امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہا اللہ کی رائے یہ ہے کہ جن مقامات میں کثیر المنزلہ عمارتیں ہیں جن میں مسجد کے لیے مستقل جگہ ملنا مشکل ہوتا ہے ان میں اگر کوئی منزل مسجد کے لیے وقف ہو اور اوپر اور نیچے دونوں رہائشی ہیں تو بھی وقف شدہ منزل کے لیے مسجد بننے کی گنجائش ہے۔

حضرت امام مالک، حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالی کے نزدیک مسجد شرعی ہونے کے لیے ضروری نہیں ہے کہ اوپر اور نیچے کی منزلیں مسجد ہوں یا مصالح مسجد میں مشغول ہوں بلکہ اگر درمیانی منزل مسجد کے لیے وقف ہو اوپر اور نیچے دونوں منزلیں یا ان میں سے کوئی ذاتی ملکیت میں مشغول ہے تو بھی وقف شدہ منزل مسجد شرعی بن سکتی ہے۔

موجودہ دور میں آبادی کے اضافے اور زمین کی مہنگی ہونے کی وجہ سے کثیر المنزلہ رہائشی عمارات کا رجحان بڑھتا جا رہا ہے ان عمارتوں میں عام طور پر نماز کے لیے مناسب جگہ تو مخصوص کی جاتی ہے لیکن یہ ممکن نہیں ہوتا کہ کسی جگہ کو اس طرح وقف کر کے مسجد بنا دیا جائے کہ اس کے اوپر اور نیچے بھی یا تو مسجد ہو یا مصالح مسجد کے لیے وقف ہو ایسی تنگی کی صورت میں ضرورت و حاجت کے پیش نظر ظاہر الروایہ سے ہٹ کر حضرات صاحبین سے منقول روایات کے مطابق یہ گنجائش معلوم ہوتی ہے کہ اس طرح کے فلیٹوں اور اپارٹمنٹوں میں ایک منزلہ مخصوص حصے کو مسجد کے لیے وقف کر دیا جائے تب بھی اسے مسجد شرعی قرار دیا جا سکتا ہے لیکن یہ گنجائش بوقت ضرورت ہی استعمال کی جائے۔

فقہ حنفی میں ضرورت و حاجت کے وقت ضعیف روایات پر عمل کرنے بلکہ دوسرے مسلک کو اپنانے کی نظیریں موجود ہیں لیکن واضح رہے کہ ان فلیٹوں اور اپارٹمنٹوں میں مخصوص حصے یا منزل کے مسجد شرعی ہونے کے لیے درج ذیل شرائط کا لحاظ کرنا ضروری ہے۔

1۔ کثیر المنزلہ عمارت جو جگہ مخصوص کی جا رہی ہے وہ مسجد کے لئے وقف کی جائے۔

۲۔ یہ گنجائش ایسے مقامات میں ہوگی جہاں اوپر اور نیچے کی منزل کو وقف کرنے میں دشواری ہو۔

۳۔ جو حصہ مسجد کے لیے وقف کیا جا رہا ہے اس کی مسجدیت کو قانونی تحفظ دیا جائے تا کہ مستقبل میں کوئی اس جگہ کو مسجد کے علاوہ کام اور مقصد میں استعمال نہ کر سکے۔

۴۔ قانونی کاغذات میں اس کی وضاحت ہونی چاہیے کہ اس کی خرید وفروخت ممکن نہیں ہوگی، آئندہ اگر پوری بلڈنگ بیچی جائے تو بیع میں مسجد شامل نہیں ہوگی۔

۵۔ اگر کبھی عمارت منہدم ہو جائے تو جو حق فلیٹس اور دوکانوں کے مالکان کو ملے گا، وہ مسجد کو بھی ملے گا اور دوبارہ تعمیر کی صورت میں مسجد کی جگہ حسب سابق رہے گی یا اگر حکومت کسی جائز وجہ سے عمارت کو منہدم کر دے تو جس طرح دیگر مالکان کو معاوضہ دیے گی اسی طرح اس مسجد کو بھی معاوضہ لے گا، اس سے اگر کہیں اور مسجد بنائی جا سکتی ہے تو مسجد بنائی جائے گی ورنہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول ثانی کے مطابق کسی قریب ترین مسجد میں رقم لگائی جائے گی۔

حوالہ جات:

(ویزول ملکه عن المسجد والمصلی) بالفعل (بقوله جعلته مسجدا) عند الثانی (وشرط محمد) والامام (الصلاة فیه)، (قوله: والمصلی (شمل مصل الجنازة ومصلی العید، قال بعضهم، یکون مسجدا حتی اذا مات لم یورث عنه وقال بعضهم: هذا فی مصلی الجنازة، اما مصلی العید لا یکون مسجدا مطلقا، وانما یعطی له حکم المسجد فی صحة الاقتداء بالامام، وان کان منفصلا عن الصفوف وفیما سوی ذلک فلیس له حکم المسجد، وقال بعضهم: یکون مسجدا حال اداء الصلاة لا غیره، وهو الجبانة سواء، ویجنب هذا المکان عما یجنب عنه المساجد احتیاطا"۔ (الدر المحتار، مع رد المختار کتاب الوقف، مطلب سکن دار ثم ظهر انها وقف، ج ۴ ص ۳۵۶، دار الفکر بیروت)

مذکورہ بالا عبارات سے معلوم ہوا ہے کہ مواقع ضرورت وحاجت میں ہمارے علمائے کرام نے صاحبین بلکہ بعض مقام میں حضر امام زفر اور حضرت حسن بن زیاد رحمہم اللہ کے قول پر بھی فتویٰ دیا ہے، گویا فتویٰ کا مدار ضرورت وحرج ہے، نہ کہ اتباع ہوائے نفس۔

ضرورت کے موقع پر ضعیف قول پر عمل کرنے اور فتویٰ دینے کے سلسلے میں تشفی بخش گفتگو کرنے کے بعد علامہ شامی شرح عقود رسم المفتی میں تحریر فرماتے ہیں:

"فما مر من انه لیس له العمل بالضعیف ولا الإفتاء به محمول علی غیر موضع الضرورة کما علمت من مجموع ما قررناه، والله تعالیٰ أعلم." (شرح عقود رسم المفتی ص ۱۶)۔

سوال نمبر ۷ کا جواب:

حنفیہ کے یہاں اگر واقف نے اپنے لئے یا کسی دوسرے کے لئے یا اپنے لئے اور دوسرے کے لئے وقف

میں استبدال کی شرط لگائی تھی تو استبدال وقف درست ہوگا، لیکن اگر واقف نے عدم استبدال کی شرط لگائی تھی یا سرے سے استبدال کا ذکر ہی نہیں کیا تھا، لیکن غیر منقول اوقاف سے فائدہ اٹھانا ممکن نہیں تو ایسی صورت میں راجح قول کے مطابق قاضی کی رائے اور اس کی اجازت سے مستبدل اور بیع دونوں صورتیں جائز ہیں، علامہ شامی رقمطراز ہیں:

اعلم ان الاستبدال علی ثلاثة وجوه : الاول ان یشرطه الواقف لنفسه او لغیره او لنفسه وغیره ، فالاستبدال فیه جائز علی الصحیح، وقیل اتفاقا، والثانی ان لا یشرطه سواء شرط عدمه او سکت ، لکن صار بحیث لا ینتفع به الکلیة بان لا یحصل منه شئی اصلا او لا یفی بمونته فهو ایضا جائز علی الاصح إذا کان باذن القاضی.

(ردالمحتار للعلامۃ الشامی، کتاب الوقف، مطلب فی استبدال الوقف وشروطہ، ج ۴، ص ۴۸۴، دارالفکر بیروت)

لیکن اگر زیادہ نفع حاصل کرنا مقصود ہو تو ایسی صورت میں استبدال وقف کی شرعاً اجازت نہیں ہے۔

"والثالث ان لا یشرطه ایضا، ویکن فیه نفع فی الجملة ، وبدله خیر منه ربعا ونفعا، وهذا لا یجوز استبداله علی الأصح المختار"، (ملاحظہ ہو مذکورہ بالا حوالہ)

البتہ علامہ شامی نے اس کے چار صفحات کے بعد لکھا ہے کہ چار صورتوں میں استبدال وقف کی گنجائش ہے، ان چار صورتوں میں سے چوتھی صورت میں حضرت امام یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک استبدال وقف کے جواز کا قول نقل کیا ہے، اور فتاویٰ قاریٔ الھدایۃ کے حوالے سے لکھا ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے۔

علامہ کی عبارت ملاحظہ ہو:

"الرابعة ان یرغب انسان فیه ، ببدل اکثر غلة، وأحسن صقعا ، فیجوز علی قول ابی یوسف، وعلیه الفتوی کما فی فتاوی قاری الهدایة ". (رد المختار کتاب الوقف ، مطلب فی استبدال الوقف وشروطه، ج ۴، ص ۴۸۸)

لہذا فقہائے کرام کے اقوال وعبارات کی روشنی میں اگر صورتحال استبدال وقف کی متقاضی ہو تو اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، اور ماقبل میں یہ بات گزر چکی ہے کہ ضرورت کی وجہ سے مذہب کے ضعیف قول کے مطابق عمل ہی نہیں بلکہ فتویٰ بھی دیا جاسکتا ہے۔

نیز بعض فتاوی سے معلوم ہوتا ہے کہ متولیان وقف کو وقف میں ایسے تصرفات کی اجازت ہے جس میں وقف کے لئے زیادہ نفع ہو۔

لہذا سوالنامے میں پوچھے گئے سوال کا جواب یہ ہے کہ ایسے استبدال کی اجازت ہونی چاہئے جس میں وقف کے لئے زیادہ نفع ہو، اور جس اندیشہ کا اظہار کیا گیا ہے، شرعاً اس کا اعتبار نہیں، اس لئے کہ "اکثر ما یخاف لا یکون"۔

سوال نمبر ۸ کا جواب: فقہائے کرام کی عبارات اور فتاوی میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ مسجد کی آراضی کو کرایہ پر دینا اسی طرح مسجد کی ملکیت میں جو عمارت ہو اسے کرایہ پر دینا شرعا درست ہے لیکن آراضی کی تعمیر کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ آبادی سے قریب ہو کہ اس دوکان ومکان کو کرایہ پر لینے کی لوگوں میں رغبت ودلچسپی ہو تو ایسی صورت میں زمین کی آراضی کو تعمیر کے بغیر اور مکان ودوکان وغیرہ بنا کر کرایہ پر دینا جائز ہے۔

چنانچہ محیط برہانی میں ہے:

(۱) "وان اراد أن يبنى فيها بيوتا يصلها بالاجارة، فهذه المسألة فى الحاصل على وجهين، ان كانت ارض الوقف متصله ببيوت المصر يرغب فى استئجار بيوتها، ويكون غلة ذلك فوق غلة الارض والنخل كان له ذلك، وان كان ارض الوقف بعيدا عن المصر، ولا يرغب فى استئجار بيوتها بأجرة تزيد منفعتها على منفعة الزراعة فليس له ذلك"۔ (المحيط البرهانى لبرهان الدين ابن مازه، كتاب الوقف، الفصل السابع فى تصرف القيم فى الاوقاف، ج ۶ ص ۱۳۷، دار الكتب العلمية بيروت لبنان).

علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں:

(۲) "ولو كانت الارض متصلة ببيوت المصر يرغب الناس فى استئجار بيوتها، وتكون غلة ذلك فوق غلة الزرع والنخل كان للقيم ان يبنى فيها بيوتا فواجرها، لان الاستغلال بهذا الوجه يكون انفع للفقراء".

(۳) ملاحظه هو (الاسعاف فى احكام الاوقاف لإبراهيم بن موسى الشيخ على الطرابلسى الحنفى، باب الولاية على الوقف، فصل فى بيان مايجوز للقيم من التصرف ومالا يجوز ص ۵۸)۔

جہاں تک مساجد کی آراضی میں مدارس ومکاتب کو قائم کرنے اور ان کے ذمہ داروں سے کرایہ وصول کر کے مصالح مسجد میں صرف کرنے کی بات ہے تو شرعا اس میں کوئی قباحت نہیں، مذکورہ بالا عبارات بھی اس کی دلیل بن سکتی ہے، نیز ماضی قریب کے مشہور فقیہ فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فتاوی محمودیہ میں لکھا ہے:

"خالی جگہ میں درسگاہ بنوادیں جو کہ مسجد کی ملک ہوگی، اور پھر اس کو مدرسہ کے لئے کرایہ پر لے لیں، مدرسہ کرایہ مسجد کو ادا کرتا رہے جس سے مسجد کا بھی فائدہ ہو، اور بچوں کی تعلیم کی بھی سہولت ہو جائے"۔

(فتاوی محمودیہ ج ۲۲، ص ۳۳۶ کتاب الوقف)

ان کے علاوہ ہندوستان کے ماضی قریب اور حال کے بہت سے مفتیان کرام کے اردو فتاویٰ میں مساجد کی آراضی میں مدارس ومساجد کو قائم کر کے کرایہ وصول کرنے کی صراحت ملتی ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم!

مساجد اور اوقاف کے چند اہم مسائل

مولانا محمد ممتاز خان ندوی
مدرسہ ضیاء العلوم۔ میدان پور۔ رائے بریلی

جواب:۱۔ اگر پرانی مسجد کو شہید کر کے دوبارہ کئی منزلہ مسجد کی تعمیر کی جارہی ہے، تو اس کی کسی منزل میں جبکہ بچوں کی تعلیم کے لئے الگ سے کوئی جگہ نہیں مل رہی ہے، عارضی طور پر دینی تعلیم کا سلسلہ جاری کھا جا سکتا ہے، لیکن اس کی کسی منزل کو طلبہ کے لئے ہاسٹل بنانا قطعاً جائز نہیں ہے، کیونکہ جب ایک مرتبہ مسجد شرعی بن جاتی ہے، تو حقیقت میں وہ تحت الثری سے لے کر اوج ثریا تک مسجد ہوتی ہے،، اس کی تائید فقہی کتابوں اور مفتیان کرام کے فتاوی سے بھی ہوتی ہے۔

فقہ حنفی کی مشہور و معتمد علیہ کتاب درمختار میں ہے:

"ولو خرب ما حوله واستغنى عنه يبقى مسجداً عند الإمام والثانى أبداً إلى قيام الساعة وبه يفتى"

(اور اگر مسجد ویران ہوجائے، اور مسجد کی ضرورت نہ رہے، تو امام صاحبؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک قیامت تک مسجد ہی باقی رہے گی، اور اسی پر فتوی بھی ہے)

البحر الرائق میں ہے:

"قال ابو يوسف هو مسجد أبداً إلى قيام الساعة، لا يعد ميراثاً، ولا يجوز نقله، نقل ماله إلى مسجد آخر سواء كانوا يصلون فيه أو لا وهو عليه الفتوى"

(امام ابو یوسفؒ نے فرمایا: وہ قیامت تک ہمیشہ مسجد ہی رہے گی، نہ تو اس کا وارث ہوا جائے گا، اور نہ اس کو منتقل کرنا جائز ہے، اس کے مال کو دوسری مسجد میں منتقل کر دیا جائے گا، چاہے لوگ اس میں نماز پڑھتے ہوں یا نہ پڑھتے ہوں، اور اسی پر فتوی ہے)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

"البقعة الموقوفة على جهة إذا بنى رجل فيها بناء ووقفها على تلك الجهة يجوز بلا خلاف تبعاً لها، فإن وقفها على جهة أخرى اختلفوا فى جوازه والأصح أنه لا يجوز كذا فى الغياثية"

(زمین کا کوئی ٹکڑا جو کسی چیز کے لئے وقف ہو، جب کسی شخص نے اس میں کوئی عمارت بنائی، اور اسی چیز کے لئے قف کر دیا، تو یہ چیز بغیر کسی اختلاف کے جائز ہے، اور یہ عمارت اسی کے تابع ہوجائے گی، اگر اس نے عمارت کو کسی دوسری

چیز کے لئے وقف کی، تو اس کے جواز میں اختلاف ہے، صحیح بات یہ ہے کہ یہ جائز نہیں ہے، اسی طرح غیاثیہ میں ہے)

اس کی تائید فتاوی رحیمیہ کے ایک فتوی سے بھی ہوتی ہے، استفتاء اور فتوی دونوں نقل کئے جاتے ہیں، ملاحظہ فرمائیں۔

سوال: ہمارے محلہ میں ایک مسجد بہت پرانی ہے، اس کی حرمت اور حفاظت نہ کرنے کی وجہ سے مسمار ہوگئی ہے، اب صرف زمین باقی ہے، دوسری کوئی علامت باقی نہیں ہے، لوگ اس زمین کی بے حرمتی کرتے ہیں، پیشاب اور پاخانہ کردیتے ہیں، اس جگہ مدرسہ بنادیا جائے، تو کچھ حرج ہے؟

جواب: مسجد کی زمین پر عمارت رہے یا نہ رہے، وہ جگہ تا قیامت مسجد کے حکم میں رہے گی، لہذا اس کا ادب واحترام وتکریم واجب ہے، بے حرمتی حرام ہے، اور جب تک مدرسہ کا انتظام نہ ہو جماعت خانہ چھوڑ کر کسی اور جگہ بچوں کو تعلیم دی جاسکتی ہے، اگر مسجد تعمیر نہ کرسکتے ہوں، تو کم از کم چہار دیواری بنا کر اس کا احاطہ کرلیا جائے، تاکہ مسجد کی بے حرمتی نہ ہو، ورنہ آس پاس کے تمام مسلمان گنہگار رہوں گے، اور اس کی وجہ سے کہیں آفت میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے، مسجد کی جگہ میں مدرسہ بنانے کی شرعاً اجازت نہیں''

جامعۃ العلوم الاسلامیہ کراچی کا فتوی بھی ملاحظہ فرمائیں:

سوال: کیا ضرورت کی وجہ سے (مثلاً جگہ نہیں ہے، اگر ہے تو لوگ دینا نہیں چاہتے ہیں) مسجد کی چھت پر سکول کی ترتیب قائم کی جاسکتی ہے؟ جس میں سکول کے بچوں کے ساتھ ساتھ حفظ کے بچے بھی پڑھیں گے، جبکہ مسجد کی چھت کا راستہ علیحدہ ہوگا؟

جواب: ''جس زمین پر ایک مرتبہ شرعی مسجد بن جائے، تو وہ تحت الثری (زمین کی تہ) سے اوپر آسمان تک قیامت تک مسجد رہتی ہے، لہذا مسجد کی چھت مسجد ہی کے حکم میں ہے، اور مسجد میں مستقل مدرسہ بنانا یا سکول بنانا جائز نہیں ہے''۔

مسجد میں جو عارضی دینی تعلیم کی گنجائش ہے، یہ بھی اس وقت ہے، جبکہ مسجد کا پورا ادب ملحوظ رکھا جائے، کسی قسم کی بے حرمتی نہ ہونے پائے، اور نمازیوں کو خلل نہ ہو، اگر مسجد کی بے حرمتی ہورہی ہو، یا نمازیوں کو خلل ہورہا ہو، تو پھر ایسی صورت میں عارضی طور پر بھی مسجد میں دینی تعلیم مکروہ تحریمی ہوگی۔

سنن ابن ماجہ کی روایت ہے:

'' عَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْأَسْقَعِ ﷺ قَالَ :قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :جَنِّبُوْا مَسَاجِدَكُمْ صِبْيَانَكُمْ وَمَجَانِيْنَكُمْ وَشِرَائَكُمْ وَخُصُوْمَاتِكُمْ وَرَفْعَ أَصْوَاتِكُمْ وَإِقَامَةَ حُدُوْدِكُمْ وَسَلَّ سُيُوْفِكُمْ''.

(حضرت واثلہ بن اسقع ؓ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنی مسجدوں کو بچوں، دیوانوں (پاگلوں) خرید وفروخت کرنے والوں، اور اپنے جھگڑوں (اختلافی مسائل) زور زور بولنے، حدود قائم کرنے اور تلواریں کھینچنے سے محفوظ رکھو)۔

فیض القدیر میں ہے:

”فیکرہ ادخالہ تنزیھاً إن أمن تنجیسھم للمسجد وتحریماً إن لم یؤمن ویحرم ادخال صبیان ومجانین حیث غلب تنجیسھم وإلا فیکرہ“.

(بچہ کو مسجد میں لانا مکروہ تنزیہی ہے، اگر مسجد کی نجاست سے ملوث ہونے سے مامون رہا جائے، اور اگر مامون نہ رہا جائے، تو مکروہ تحریمی ہے، بچوں اور پاگلوں کو مسجد میں لانا جبکہ ان کے مسجد کے ملوث کرنے کا غالب گمان ہو، تو حرام ہے)۔

ردالمحتار میں ہے:

”ویحرم إدخال صبیان ومجانین حیث غلب تنجیسھم وإلا فیکرہ“.

(بچوں اور پاگلوں کو مسجد میں لانا حرام ہے، جبکہ مسجد کا نجاست سے ملوث ہونے کا غالب گمان ہو، اگر ایسا نہیں ہے تو مکروہ تنزیہی ہے)

قدیم مسجد کو شہید کر کے کئی منزلہ مسجد تعمیر کرنا اس طور پر کہ نیچے کی منزل میں دکانیں بنادی جائیں تا کہ مسجد کی آمدنی کا ذریعہ ہو، اور اوپر کی منزل جماعت گاہ ہو، اگر چہ نیچے کی منزل میں دکانیں بنانا مسجد کے مصالح کے پیش نظر ہے، فقہی عبارتوں اور مفتیان کرام کے فتاوی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمل شرعاً جائز نہیں ہے، کیونکہ مسجد کی شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ جس جگہ مسجد بن جاتی ہے، تو وہ تحت الثری سے آسمان تک تا قیامت مسجد ہی رہے گی، اس سے بندوں کا حق ختم ہو جاتا ہے، اور خدا کی ملکیت قائم ہو جاتی ہے، فقہی عبارتیں ملاحظہ فرمائیں:

حنفی کی مشہور و معتمد علیہ کتاب درمختار میں ہے:

”أما لو تمت المسجدیۃ ثم أراد البناء منع ولو قال عنیت ذلک لم یصدق ۰۰۰“

(رہا مسئلہ یہ کہ اگر مسجد مکمل ہو جائے، پھر وہ تعمیر کا ارادہ کرے، تو اس کو روکا جائے گا، اور اگر وہ کہے کہ میں نے اس کی نیت کر رکھی تھی، تو اس کی بات نہیں مانی جائے گی)

درمختار ہی میں ہے:

”ولو خرب ما حولہ واستغنی عنہ یبقی مسجداً عند الإمام والثانی أبداً إلی قیام الساعۃ وبہ یفتی“

(اور اگر مسجد کے ارد گرد کی آبادی ویران ہو جائے، اور مسجد کی ضرورت نہ رہے، تو امام صاحبؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک قیامت تک مسجد ہی باقی رہے گی، اور اسی پر فتوی بھی ہے)

البحر الرائق میں ہے:

”حاصلہ أن شرط کونہ مسجداً أن یکون سفلہ وعلوہ مسجداً لینقطع حق العبد عنہ لقولہ تعالی: وأن المساجد للہ“

حاصل یہ ہے کہ مسجد ہونے کی شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ مسجد کا نچلا حصہ اور اوپری حصہ مسجد ہو، تاکہ بندے کا حق اس سے ختم ہوجائے، اللہ تعالیٰ کے اس قول کی وجہ سے ''بے شک مسجدیں اللہ ہی کے لئے ہیں)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

''إذا أراد انسان أن يتخذ تحت المسجد حوانيت غلة لمرمة المسجد أو فوقه ليس له ذلك كذا في الذخيرة''

اس کی تائید جامعۃ العلوم بنوری ٹاؤن کراچی کے فتوی سے بھی ہوتی ہے۔

''پرانی مسجد کے نیچے دکانیں نہ ہو، تو اب اس کو شہید کرنے کے بعد نئی مسجد بناتے وقت اس کے نیچے دکانیں بنانا جائز نہیں ہونا چاہئے'' (۳)

مذکورہ بحث سے معلوم ہوا کہ قدیم مسجد کو شہید کر کے از سرے نو مسجد تعمیر کرنے کے وقت مسجد کے نیچے دکانیں بنانا جائز نہیں ہے۔

مسجد کے اوپر امام کے لئے حجرہ بنانا:

جیسا کہ تحریر کیا گیا ہے کہ مسجد کی شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ جس جگہ مسجد بن جاتی ہے، اس کے نیچے سے آسمان تک مسجد ہی کا حکم ہوگا، اس سے بندوں کا حق ختم ہوجاتا ہے، اور خدا کی ملکیت قائم ہوجاتی ہے، ردالمحتار میں ہے:

''وكره تحريماً الوطء فوقه والبول والتغوط لأنه مسجد إلى عنان السماء، وكذا إلى تحت الثرى''

فتح القدیر میں ہے:

''تكره المجامعة فوق المسجد والبول والتخلي لأن سطح المسجد له حكم المسجد حتى يصح الاقتداء منه بمن تحته لأن سطح المسجد له حكمه إلى عنان السماء'' (۱)

جب ایک مرتبہ شرعی مسجد بن گئی ہے، تو اب نئی تعمیر کے وقت مسجد کے اوپر امام یا مؤذن کے لئے حجرہ بنانا جائز نہیں ہوگا، درمختار میں ہے:

''لو بنى فوقه بيتاً للإمام لا يضر لأنه من المصالح أما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع ولو قال عنيت ذلك لم يصدق''

اس سلسلہ میں دارالعلوم دیوبند کا فتوی بھی ملاحظہ فرمائیں۔

''صورت مسؤلہ میں اگر مسجد کے لئے زمین کی خریداری کے بعد یا کسی صاحب خیر کے مسجد کے لئے زمین وقف کرنے کے بعد جب ذمہ داران مسجد نے تعمیر کا منصوبہ بنایا تھا، تو اگر اسی وقت باہمی مشورہ سے یہ طے کرلیا تھا کہ

تیسری منزل پر (امام صاحب کا رہائشی حصہ) مسجد سے مستثنیٰ رہے گی، اس میں آداب مسجد کی پابندی ضروری نہیں ہوگی، اگر یہ مسجد قدیم ہے، سابقہ تعمیر کی بوسیدگی اور خستگی کی وجہ سے اس کی نئی تعمیر کی گئی ہے، اور اس نئی تعمیر کے آغاز کے موقع پر تیسری منزل پر امام صاحب کی رہائش تجویز کی گئی ہے، تو یہ تجویز باطل اور غیر معتبر ہے، پہلی مسجد بلا کسی استثناء مسجد ہو کر تحت الثری سے آسمان تک سارا حصہ مسجد ہو چکا ہے، اب اس کے حصہ میں امام صاحب کی رہائش رکھنا جائز نہیں ہوگا''۔

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم کا فتوی بھی ملاحظہ فرمائیں۔

''جو زمین مسجد کے لئے خریدی کی گئی ہے، اور اس میں ایک عرصہ تک نماز پڑھی جاتی رہی، خواہ ٹین شیڈ کی ہو یا کسی معمولی چھپر کی، اب وہ جگہ مسجد کے حکم میں ہوگئی، تو تعمیر میں اس جگہ دوکان یا مدرسہ بنانا اور اسکے اوپر مسجد درست نہیں، وہ جگہ سطح زمین ہی سے مسجد ہے''۔

سوال یہ رہ جاتا ہے کہ اگر مسجد کے تحتانی حصہ میں دوکانیں نہ بنوائی جائیں، تو مسجد کے مصارف یعنی امام ومؤذن کی تنخواہ، بجلی کا بل، اور دیگر ضروریات وہ کیسے پوری کی جاسکتی ہیں؟ مسجد کی آمدنی کا کوئی ذریعہ بھی نہیں ہے، تو ایسی صورت میں راقم کی رائے یہ ہے کہ جمعہ کی نماز میں نمازیوں کو مسجد کے سلسلہ میں زیادہ سے زیادہ امداد کرنے پر ابھارا جائے، اگر اس سے بھی مسجد کے مصارف پورے نہیں ہورہے ہیں، تو جس جگہ مسجد آباد ہے، وہاں کے اہل خیر حضرات کو ہر ماہ اتنی رقم کی ادائیگی کا مکلف بنایا جائے، جس سے مسجد کے مصارف پورے ہوسکیں، اور رہا مسئلہ امام صاحب کے حجرہ کا، تو اگر مسجد کی الگ سے کوئی زمین ہے، جس پر ابھی تعمیر نہ ہوئی ہو، تو اس میں امام اور مؤذن کے لئے حجرہ بنوایا جائے، اگر ایسی کوئی جگہ نہیں ہے، تو امام ومؤذن کے لئے کرایہ پر کوئی کمرہ لے لیا جائے، جس کا کرایہ مسجد کے چندہ سے یا اہل خیر حضرات کو اس کے کرایہ کے ادا کرنے پر راضی کرلیا جائے، انشاء اللہ اس طریقہ سے مسجد کی ضروریات بھی پوری ہوجائیں گی، اور امام صاحب کی رہائش کا مسئلہ بھی حل ہوجائے گا۔

جیسے کہ تحریر کیا جاچکا ہے کہ جب ایک مرتبہ مسجد شرعی بن جائے، اور مسجد شرعی حقیقت میں تحت الثری سے لے کر اوج ثریا تک مسجد ہوتی ہے، لہذا مسجد شرعی بننے کے بعد اس کو شہید کر کے نچلے حصہ میں گاڑیوں کی پارکنگ بنانا، خواہ شدید ضرروت کے تحت ہو جیسا کہ سوال میں ذکر کیا گیا جائز نہیں ہے، اس سلسلہ میں فقہی عبارتیں ملاحظہ فرمائیں۔

علامہ شہاب الدین احمد چلپیؒ حاشیہ تبیین الحقائق میں تحریر فرماتے ہیں:

''وقد ذكر المصنف قيم المسجد أن يبنى حوانيت فى المسجد أو فى فنائه فلا يجوز له أن يفعل لأنه إذا جعل المسجد مسكناً تسقط حرمته''

اسی سے ملتی جلتی عبارت ہندیہ میں ہے:

”قیم المسجد لا یجوز له أن یبنی حوانیت فی حد المسجد أو فی فنائه لان المسجد إذا جعل حانوتاً ومسکناً تسقط حرمته وهذا لایجوز والفناء تبع المسجد فیکون حکمه حکم المسجد کذا فی محیط السرخسی“

(مسجد کے متولی کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ مسجد کی حد یا اس کے صحن میں دکانیں بنائے، کونکہ مسجد کو جب دکان یا رہائش گاہ بنادی جائے گی، تو اس کی حرمت ساقط ہوجائے گی، اور یہ جائز نہیں ہے، اور صحن مسجد کے تابع ہے، تو اس کا حکم مسجد ہی کا حکم ہوگا، اسی طرح محیط السرخسی میں ہے)

اس کی تائید دارالعلوم دیوبند کے درج ذیل فتوی سے بھی ہوتی ہے۔

جواب: ”اگر نئی مسجد تعمیر ہورہی ہے، تو مسجد کے نچلے حصہ میں مصلیوں کی گاڑی کی پارکنگ کے لئے تہ خانہ بنانا شرعاً جائز ہے، اگر کسی جگہ مسجد تھی، اب ایسی جگہ پر ازسرنو مسجد تعمیر کی جارہی ہے، تو پھر مسجد کے نیچے تہ خانہ بنانا شرعاً جائز نہیں ہے، ہاں اگر کچھ زائد جگہ (مسجد پر وقف ہو) شامل کی جارہی ہو، تو پھر اسی حصہ کے نیچے مصلیوں کی گاڑیوں کی پارکنگ کے مقصد سے تہ خانہ بنانے کی شرعاً گنجائش ہے“۔

جامعہ عثمانیہ پشاور کا فتوی بھی ملاحظہ فرمائیں:

جواب: ”لہذا صورت مسؤلہ کے مطابق جب مسجد کی ازسرے نو تعمیر کی جاری ہو، تو اس کے تہ خانہ میں پارکنگ اور اس پر پلازہ بنانا شرعاً نا جائز ہے، اس سے احتراز لازم ہے“۔

فقہی عبارتوں اور مفتیان کرام کے فتاوی سے یہ بات واضح ہوچکی ہے کہ ایک مرتبہ کسی جگہ مسجد تعمیر ہوجاتی ہے، تو وہ تحت الثری سے آسمان تک ہمیشہ کے لئے مسجد ہوجاتی ہے، یعنی اس کے اوپر اور اسکے نیچے پورا حصہ مسجد کے حکم میں ہوجاتا ہے، لہذا پرانی مسجد کو شہید کرکے ازسرے نو اس کی اس طرح تعمیر کرنا کہ مسجد کے نیچے گاڑیوں کے لئے تہ خانہ بنواد یا جائے، اور اس کے اوپر مسجد بنوادی جائے، تو ایسا کرنا شرعی لحاظ سے جائز نہیں ہے، اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ بڑے بڑے شہروں میں گاڑیاں کھڑی کرنے لئے الگ سے کوئی جگہ نہیں ہوتی ہے، اور جوب کرنے والے اور خصوصاً مول وغیرہ میں کام کرنے والے گاڑیوں سے جمعہ کی نماز پڑھنے کے لئے آتے ہیں، ظاہر ہے کہ مسجد کی اپنی پارکنگ نہ ہونے کی وجہ سے گاڑیاں مسجد کے سامنے ہی کھڑی کرتے ہیں، اور ظاہر ہے بڑے بڑے شہروں میں مسجد کے ارد گرد پتلی گلیاں ہوتی ہیں، اگر ان میں گاڑیاں کھڑی ہوں، تو گذرنے والوں کو کتنی تکلیف ہوگی، اور کتنا شور شرابا ہوگا، ایسے تناظر میں راقم کی رائے یہ ہے کہ اگر مسجد دوبارہ تعمیر ہورہی ہے، تب بھی بوجہ ضرورت گاڑیوں کی پارکنگ کی گنجائش ہونی چاہئے، اور یہ ایک حقیقت ہے کہ تغیر زمانہ کے سبب جب لوگ دشواریوں سے دوچار ہوئے، تو فقہ

اسلامی لکیر کی فقیر نہیں رہی، بلکہ دشواریوں کے وقت آسانی اور سہولت کا راستہ دکھایا، اس کی نظیر یہ ہے کہ جنازہ کی نماز مسجد میں پڑھنا مکروہ ہے، لیکن اگر مسجد گنجان شہر میں ہو، اور باہر جنازہ کی نماز پڑھنے کے لئے الگ سے کوئی جگہ نہیں ہے، تو ایسی صورت میں جنازہ کی نماز مسجد میں پڑھی جاسکتی ہے، فتاوی ہندیہ میں ہے:

"ولا یکرہ بعذر المطر ونحوہ ھکذا فی الکافی"

(اور بارش وغیرہ کے عذر کی وجہ سے جنازہ کی نماز مسجد میں مکروہ نہیں ہے)

فقہی قواعد سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے:

(۱)۔"الضرورات تبیح المحظورات"

اسی قاعدے کے تحت ذکر ہے۔

"جاز أکل المیتۃ عند المخمصۃ وإساغۃ اللقمۃ بالخمر"

(یعنی مضطر کے لئے شدید بھوک جبکہ کوئی حلال غذا موجود نہ ہو، بقدر ضرورت جس سے جان بچ سکے، مردار کھانا اور شراب پینا جائز ہے)

(۲)۔"المشقۃ تجلب التیسیر"

(مشقت سہولت پیدا کردیتی ہے)

اسی قاعدے کے تحت ذکر ہے۔

"وإباحۃ النظر للطبیب حتی العورۃ والسوئتین"

(طبیب کے لئے ضرورت کے سبب مریض کے ستر اور شرم گاہ کو دیکھنے کی اجازت ہے)

ضرروت کے پیش نظر صاحبینؒ کی بھی یہی رائے معلوم ہوتی ہے: فقہ حنفی کی معروف درسی کتاب: ہدایہ میں ہے:

"وعن أبی یوسف أنہ جوز فی الوجھین حین قدم بغداد ورأی ضیق المنازل فکأنہ اعتبر الضرورۃ وعن محمد علیہ الرحمۃ حین دخل الری أجازت ذلک کلہ لما قلنا".

(اور امام ابو یوسفؒ سے منقول ہے کہ انہوں نے دونوں صورتوں میں جائز قرار دیا ہے، جب آپ بغداد تشریف لائے، اور گنجان آبادی کو دیکھا، تو گویا کہ انہوں نے ضرورت کا اعتبار کیا، اور امام محمدؒ سے منقول ہے کہ جب آپ رے تشریف لائے، تو ان تمام چیزوں کو جائز قرار دیا، جیسے کہ ہم نے کہا)

راقم کے نزدیک ایسی صورت میں صاحبینؒ کی رائے پر عمل کرلیا جائے تو بہتر ہوگا۔ واللہ أعلم بالصواب

جواب نمبر: ۴۔سوال میں جو صورت ذکر کی گئی ہے، اس میں راقم کی رائے یہ ہے کہ بیسمنٹ میں پارکنگ بنانا جائز نہیں ہے، کیونکہ جب ایک مرتبہ مسجد شرعی بن گئی ہے، تو وہ تحت الثری سے آسمان تک تا قیامت مسجد ہی رہے گی،

ردالمحتار میں ہے:

"وکرہ تحریما الوطء فوقہ والبول والتغوط لأنہ مسجد عنان السماء. وکذا إلی تحت الثری"

اسی سے ملتی جلتی عبارت فتح القدیر میں بھی ہے۔

البتہ اوپر کسی منزل میں مسلم بچوں کی دینی تعلیم بالخصوص اسکولوں میں پڑھنے والے بچوں کے لئے عارضی تعلیم کی گنجائش راقم کے نزدیک ہوگی، بالخصوص اس وقت جبکہ درسگاہ کا کرایہ متعین ہو، اور اس کو مسجد کے مصرف میں استعمال کیا جائے،

جواب نمبر: ۵- اگر مسلمان باہم مشورہ سے اپارٹمنٹ یا بلڈنگ کے کسی حصہ کو خرید لیں، اور نماز کے لئے مختص کرلیں، اور جماعت سے وہاں نماز ادا کریں، تو نماز کے لئے ایسی جگہ کو مختص کرنا، اس کی حیثیت مصلیٰ یعنی جماعت خانہ کی ہوگی، شرعی مسجد کے حکم میں نہیں ہوگی، اس جگہ میں نماز پڑھنے میں جماعت کا ثواب تو ملے گا، لیکن شرعی مسجد کا ثواب نہیں ملے گا، اس کی تائید فقہی عبارتوں سے بھی ہوتی ہے۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:

"مندوب لکل مسلم ان یعد فی بیتہ مکانا یصلی فیہ إلا أن ھذا المکان لا یأخذ حکم المسجد علی الإطلاق، أنہ باق علی حکم ملکہ لہ أن یبیعہ"

البحر الرائق میں ہے:

"لو کان لہ ساحۃ لا بناء فیھا • وإن أمرھم بالصلوۃ شھراً أو سنۃ ثم مات تکون میراثاً عنہ."

فتح القدیر کی عبارت بھی مسجد شرعی کے نہ ہونے پر بڑی واضح اور بے غبار ہے:

"قولہ ومن جعل مسجداً تحتہ سرداب وھو بیت یتخذ تحت الأرض لتبرید الماء وغیرہ أو فوقہ بیت لیس للمسجد واحد منھما ولہ بیعہ ویورث عنہ إذا مات".

(ان کا قول اور جس نے کوئی مسجد بنائی، جس کے نیچے تہ خانہ ہے، اور تہ خانہ وہ جگہ ہے، جو مسجد کے نیچے پانی وغیرہ ٹھنڈا کرنے کے لئے بنایا جاتا ہے، یا مسجد کے اوپر کمرہ بنایا، تو ان دونوں میں سے کوئی بھی مسجد کے حکم میں نہیں ہیں، اور اس کے لئے اس کا بیچنا جائز ہے، اور جب وہ مرجائے، تو اس کا وارث ہوا جائے گا)

اس کی تائید جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کے فتوی سے بھی ہوتی ہے۔

سوال: کیا اپارٹمنٹ میں مسجد قائم ہوسکتی ہے؟

جواب: صورت مسؤلہ میں جس جگہ پر مسجد قائم ہوجاتی ہے، وہ جگہ زمین سے لے کر آسمان تک مسجد کے حکم میں ہوتی ہے، لیکن اس کے علاوہ بلڈنگوں اور دفتروں میں جو نماز پڑھنے کی جگہ بنائی جاتی ہے، اس کی جہت مصلیٰ کی

ہوتی ہے، مسجد کی نہیں ہوتی، لہذا اپارٹمنٹ کے بیسمنٹ میں نماز کی جگہ بنا سکتے ہیں، لیکن وہ شرعی مسجد کے حکم میں نہیں ہوگی، بلکہ مصلیٰ کے حکم میں ہوگی، اور وقف ہی ہوگا، جماعت کا ثواب تو ملے گا، لیکن شرعی مسجد کا ثواب نہیں ملے گا'' (۱)

راقم کی رائے: فقہی عبارتوں اور مفتیان کرام کے فتاوی پر غور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ کہ عبارتوں کا تعلق اس صورت سے ہے، جب کہ ایک شخص اپنے گھر میں کوئی جگہ نماز پڑھنے کے لئے خاص کر لے، جبکہ قریب ہی میں مسجد شرعی موجود ہو، لیکن بڑے بڑے شہروں میں جیسے کہ کلکتہ، بمبئی، دہلی وغیرہ میں آبادی کے پھیلاؤ کی وجہ سے دور دور تک مسجدیں نہیں ہوتی ہیں، اب اگر لوگ باہمی مشورہ سے اپارٹمنٹ اور بلڈنگوں میں نماز پڑھنے کے لئے کوئی جگہ خاص کر لیں، تو راقم کے نزدیک مسجد شرعی کے حکم تو نہیں ہوگی، البتہ جماعت کے ثواب کے ساتھ مسجد شرعی کا بھی ثواب ملے گا، جبکہ جگہ وقف ہو، اور اگر جگہ وقف نہ ہو، تو ایسی جگہ کی حیثیت صرف جماعت خانہ کی ہوگی، مسجد شرعی کی نہیں، ایسی صورت میں ایسی مسجد میں نماز پڑھنے میں جماعت کا ثواب تو ملے گا، لیکن مسجد شرعی کا نہیں، نیز اس کی تائید سورۂ بقرہ کی درج ذیل آیت سے بھی ہوتی ہے:

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْساً اِلاَّ وُسْعَھَا.

اصول فقہ کا مشہور قاعدہ ہے:

''الحرج مدفوع'' (۳)

لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ موجودہ دور میں آبادیوں کے اضافے اور زمین کے تنگ ہونے کی وجہ سے کثیر المنزل رہائشی عمارت اور خریداری کے مراکز کا رجحان بڑھتا جا رہا ہے، ان کثیر المنزل عمارات میں عام طور پر نماز کے لئے مناسب جگہ تو مخصوص کی جاتی ہے، لیکن یہ ممکن نہیں ہوتا کہ کسی جگہ کو اس طرح وقف کر کے مسجد بنا دیا جائے کہ اس کے اوپر اور نیچے بھی یا مصالح مسجد کے لئے وقف ہو، ایسی تنگی کی صورت میں ضرورت کا لحاظ کرتے ہوئے، حضرات صاحبینؒ سے منقول روایات کے مطابق یہ گنجائش معلوم ہوتی ہے کہ اگر کثیر المنزلہ عمارت میں ایک منزل مسجد کے لئے وقف کر دی جائے، اور بقیہ منزلوں کو مصالح مسجد کے علاوہ دیگر کاموں کے لئے استعمال کیا جائے، تو اس کو مسجد شرعی قرار دیا جائے، تاہم اس کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ مسلم ممالک جہاں مستقل مساجد بکثرت پائی جاتی ہیں اور یہ مسلم ممالک کا شعار بھی ہیں، انہیں قائم کرنے اور ان میں باجماعت نماز کا اہتمام کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں ہونی چاہئے، اور یہ گنجائش بوقت ضرورت ہی استعمال کی جائے جہاں قریب میں کوئی مسجد موجود نہ ہو، یا کثیر المنزل عمارت سے اترنے اور چڑھنے میں دشواری ہو، وہاں اس طرح کی مسجد قائم کرنے کی گنجائش ہونی چاہئے۔

فقہ حنفی کی مشہور درسی کتاب: ہدایہ میں صاحبینؒ کی رائے س طرح لکھی ہوئی ہے:

”وعن ابی یوسف رحمہ اللہ أنه جوز فی الوجهین حین قدم بغداد ورأی ضیق المنازل فکانهٔ اعتبر الضرورة وعن محمد حین دخل الری أجاز ذلک کله کما قلنا“.

جواب نمبر:۷-سوال یہ ہوتا ہے کہ کیا زائد آمدنی کے پیش نظر مسجد کی اراضی فروخت کر کے دوسری زائد آمدنی والی اراضی یا دکانیں خریدنا درست ہے؟ اس سوال میں نزاکت یہ ہے کہ عموماً دیکھا جاتا ہے کہ اوقاف کی اراضی فروخت ہونے کے بعد ضائع ہوجاتی ہیں، اور بدل شاذونادر ہی حاصل ہوتا ہے، ایسی صورت میں کیا زائد آمدنی کے لئے موقوفہ آراضی فروخت کر کے دکانیں خریدی جاسکتی ہیں؟

صورت مسؤلہ میں اگر زراعتی زمین میں اخراجات زیادہ ہوتے ہیں، اور آمدنی کم ہوتی ہے، جس کی وجہ سے مسجد کے اخراجات پورے نہیں ہوتے ہیں، تو راقم کے نزدیک ایسی زراعتی اراضی کو فروخت کر کے بازار میں دکانیں اور دوسری زیادہ کارآمد زمین خریدی جاسکتی ہے، تاکہ اس کے ذریعہ مسجد کے اخراجات پورے ہوں، بشرطیکہ زراعتی زمین فروخت کر کے اس سے زیادہ کارآمد بدل خریدنا ممکن ہو، ایسا نہ ہو کہ زراعتی زمین فروخت کرنے کے بعد کارآمد بدل میسر نہ ہو، اور وقف شدہ زمین ضائع ہوجائے، اگر ایسا ہے، تو راقم کے نزدیک وقف شدہ زراعتی زمین کو بیچنا جائز نہیں ہوگا۔

فتاوی خانیہ کی درج ذیل عبارت اس سلسلہ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے:

”وإذا ضعف الأرض الموقوفة عن الاستغلال والقیم یجد بثمنها أرضاً أخری هی أنفع للفقراء وأکثر ربحاً کان له أن یبیع هذه الأرض ویشتری بثمنها أرضاً أخری جوز رحمه الله تعالیٰ استبدال الأرض بالأرض“.

نیز اس کی تائید البحر الرائق کی اس عبارت سے بھی ہوتی ہے:

”ولو کانت الارض متصلة ببیوت المصر یرغب الناس فی استئجار بیوتها وتکون غله ذلک فوق غلة الزرع والنخل کان للقیم أن یبنی فیها بیوتاً فیواجرها لأن الاستغلال بهذا الوجه یکون أنفع للفقراء“.

(اور اگر زمین شہر کے گھروں سے ملی ہوئی ہے، اور لوگ ان گھروں کو کرائے پر لینا چاہتے ہیں، اور اس کا فائدہ کھیتی اور کھجور کے درختوں سے زیادہ ہے، تو متولی کے لئے جائز ہوگا کہ وہ اس پر گھروں کو بنائے، اور ان کو کرایہ پر دے، کیونکہ اس طریقہ سے فائدہ حاصل کرنا یہ فقراء کے لئے زیادہ نفع بخش ہے۔)

خلاصۂ بحث:

خلاصۂ بحث یہ ہے کہ اگر مسجد کے لئے کوئی زراعتی زمین وقف ہے، اگر اس کی پیداوار سے مسجد کے اخراجات

پورے نہیں ہورہے ہیں، تو متولی کے لئے اس زمین کو فروخت کرکے کوئی دوسری اس سے زیادہ کارآمد زمین یا دکانیں خریدی جاسکتی ہیں، لیکن خریدنا اسی وقت جائز ہے، جبکہ زراعتی زمین کے بدل کا خریدنا ممکن ہو، اگر خریدنا ممکن نہ ہو، اور اس کی وجہ سے زراعتی موقوفہ زمین کا ضائع ہوجانے کا اندیشہ ہو، تو پھر ایسی صورت میں زراعتی زمین کا فروخت کرنا راقم کے نزدیک جائز نہیں ہے۔

جواب: جب مسجد کے لئے کوئی زمین وقف ہو، تو وہ مسجد کی ملکیت ہوجاتی ہے، لہذا ووقف شدہ چیزوں میں کسی قسم کی تبدیلی کرنا یا کسی مصرف میں استعمال کرنا جائز نہیں ہے، لہذا مسجد کے لئے وقف شدہ زمین میں کوئی تصرف کرنا یا اس جگہ میں مدرسہ بنانا جائز نہیں ہے۔

ردالمحتار میں ہے؛

"شرط الواقف كنص الشارع أي في المفهوم والدلالة وجوب العمل به".

(واقف کی شرط مفہوم اور دلالت میں شارع کی نص کی طرح ہے، اور اس پر عمل واجب ہوتا ہے)

ردالمحتار میں ہے:

"فإذا تم ولزم لا يملك ولا يملك ولا يعار ولا يرهن".

(جب وقف مکمل اور لازم ہوجائے، تو کوئی نہ اس کا مالک ہوسکتا ہے، اور نہ مالک بنایا جاسکتا ہے، اور نہ کسی کو عاریت پر دیا سکتا ہے، اور نہ اس کو گروی رکھا جاسکتا ہے۔)

الفقہ الاسلامی وأدلتہ میں ہے:

"إذا صح الوقف خرج عن ملك الواقف وصار حبساً على حكم ملك الله تعالىٰ ولم يدخل في ملك الموقوف عليه بدليل انتقاله عنه بشرط الواقف كسائر أملاكه وإذا صح الوقف لم يجز بيعه ولا تمليكه ولا قسمته".

(جب وقف صحیح ہوجاتا ہے، تو وہ واقف کی ملکیت سے نکل جاتا ہے، اور اللہ کی ملکیت میں داخل ہوجاتا ہے، اور موقوف علیہ کی ملکیت میں داخل نہیں ہوتا ہے، اس دلیل کی وجہ سے شئ موقوف واقف کی شرط کی وجہ سے واقف کی ملکیت اس کی تمام املاک کی طرح نکل جاتی ہے، اور جب وقف صحیح ہوجاتا ہے، تو اس کا بیچنا، اور اس کا مالک بنانا، اور اس کا تقسیم کرنا جائز نہیں ہوتا ہے)

اس کی تائید دارالعلوم دیوبند کے فتوی سے بھی ہوتی ہے۔

مسجد کا وقف الگ ہوتا ہے، اور مدرسہ کا وقف الگ، اور جو چیز جس کام میں استعمال کے لئے وقف ہو، اس کا اسی کام میں استعمال ہونا ضروری ہے، لہذا مسجد کے لئے وقف کی زمین پر مدرسہ بنانا جائز نہیں۔

لماتقرر أن مراعاة غرض الواقفين واجبة وشرط الواقف كنص الشارع".

البتہ اگر مسجد کے لئے وقف شدہ زمین ایسی ہے کہ مسجد میں شامل نہیں ہوسکتی ہے، جیسے کہ درمیان میں سڑک حائل ہے، یا اس جگہ میں ایسی کوئی قانونی رکاوٹ ہے کہ حکومت وہاں ہمیشہ کے لئے مسجد نہ بننے کا فیصلہ کردیا ہو، تو پھر ایسی صورت میں راقم کے نزدیک وہ جگہ مدرسہ کے لئے استعمال کی جاسکتی ہے، اور بہتر یہ ہے کہ اس مدرسہ کا ایک کرایہ متعین کردیا جائے، جو مسجد کے مصرف میں استعمال کیا جائے، اس کی تائید فتاوی خانیہ کی اس عبارت سے بھی ہوتی ہے:

"وما فيه مصلحة للمسجد على أن القيم أن يتصرف في ذلك مايرى". (فتوى آن لائن. فتوى نمبر (144404100710))

نیز اس کی تائید: الجامعۃ البنوریہ العالمیہ کے فتوی سے بھی ہوتی ہے، استفادہ کی غرض سے استفتاء وفتوی دونوں نقل کئے جاتے ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں، حضرات علماء کرام اس مسئلہ کے بارے: میں ایک شخص اپنی ایک کنال زمین مسجد کو وقف کی، اور وہ زمین مسجد کو شامل نہیں ہوسکتی، چونکہ درمیان میں سڑک ہے، اس وقف زمین میں اب انتظامیہ بیت الخلاء اور اوپر کی منزل پر مدرسہ بنانا چاہتی ہے، کیا انتظامیہ کا اس طرح کرنا درست ہے؟ یا اس زمین کو فروخت کرکے قیمت مسجد میں لگانا ضروری ہے؟ یاد رہے کہ مسجد کی تعمیرات ابھی جاری ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

"مذکورہ زمین جو مسجد کے لئے وقف کی گئی ہے، اسے اگر مسجد میں شامل کرنا واقعی ناممکن ہو، اور اس میں ابھی تک تعمیر وغیرہ بھی نہ ہوئی ہو، تو اس زمین کو مصالح مسجد (وضوخانہ وغیرہ) کے لئے استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں"۔

☆☆☆

مساجد اوران کے اوقاف سے متعلق چند مسائل

مولوی ایاز ندوی دہلوی

مسجد وہ جگہ ہے جہاں دن میں پانچ دفعہ مسلمان نمازوں کی ادائیگی کے لیے جمع ہوتے ہیں، مسجد مسلمانوں کی پہچان اور اسلام کا شعار ہے مسجد صرف پنج وقتہ نماز ادا کرنے کی جگہ ہی نہیں بلکہ مسلمانوں کی دینی اخلاقی اور روحانی تربیت گاہ ہے، موجودہ زمانہ میں بعض سوالات مسجد کے تعلق سے بکثرت پوچھے جاتے ہیں، جن کا جواب اس مضمون میں پیش نظر ہے:

مسجد بننے کے بعد اوپری منزل میں مدرسہ یا رہائش گاہ کی تعمیر

اگر ایک دفعہ مسجد شرعی بن جائے اور واقف نے اس وقت تحتانی یا فوقانی منزل پر مسجد کے مصالح سے متعلق کوئی اور چیز بنانے کی نیت نہ کی ہو تو ایسی صورت میں وہ تحت الثریٰ سے آسمان تک مسجد ہے اور اس کے کسی حصہ کو مسجد سے خارج کرنا درست نہیں ہے، ہاں البتہ مسجد کے مسجد رہتے ہوئے اس میں طلبہ کی تعلیم کا نظم کیا جاسکتا ہے اور بوقت ضرورت اس میں سونا بھی درست ہے بشرطیکہ رہائش کی کوئی متبادل جگہ فراہم نہ ہو، اور وہ حصہ جو ابھی تک مسجد نہیں ہے اور توسیع میں اس کو شامل کرنے کا ارادہ ہے اس کے کسی حصہ کو اگر رہائش یا مدرسہ یا کسی اور سرگرمی کے لیے مختص کرلیا جائے تو اس کی اجازت ہوگی اور اس میں نمازوں کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ دیگر سرگرمیاں انجام دی جاسکیں گی، مسجد کے بن جانے کے بعد اس میں کسی قسم کی تبدیلی کی گنجائش نہ ہونے کے سلسلہ میں مندرجہ ذیل عبارات صریح اور واضح ہیں چنانچہ درمختار میں ہے:

[فَرْعٌ] لَوْ بَنَى فَوْقَهُ بَيْتًا لِلْإِمَامِ لَا يَضُرُّ لِأَنَّهُ مِنَ الْمَصَالِحِ، أَمَّا لَوْ تَمَّتْ الْمَسْجِدِيَّةُ ثُمَّ أَرَادَ الْبِنَاءَ مُنِعَ.

كتاب الوقف، فرع بناء بيت للإمام فوق المسجد، المجلد: ٤/ الصفحة: ٣٥٨، حاشية ابن عابدين، رد المحتار (الشاملة).

اگر وہ اس کے اوپر امام کے لیے گھر تعمیر کرنا چاہے تو اس میں حرج نہیں ہے اس لیے کہ یہ چیز مسجد کے مصالح سے تعلق رکھتی ہے۔

بہر حال اگر مسجد مکمل ہوجائے پھر اس میں تعمیر کرنا چاہے تو اسے روکا جائے گا۔

الدرر البهية من الفتاوى الكويتيه میں ہے:

"إذا بني المسجد، فلا يجوز بعد ذلك إنشاء بناء فوق بنائه لأي غرض كان، ولو كان ذلك البناء لتحفيظ القرآن الكريم."(البناء فوق المسجد ،أجابت اللجنة ..المجلد الثاني ،الصفحة : ٣٣٦،رقم الحديث:٥٦٤)

(جب مسجد تعمیر ہوجائے تو اس کے اوپر کسی بھی مقصد سے تعمیر کرنا جائز نہیں ہے چاہے وہ تعمیر قرآن کریم کے حفظ کرنے کے لیے ہی کی جائے)۔

فتاوی یسئلونک میں ہے:۔

لا يجوز بناء مدرسة فوق المسجد حيث إن الأرض موقوفة على بناء المسجد فقط، ولا يجوز لأهل الحي أو غيرهم التغيير في الوقف لأن شرط الواقف كنص الشارع (فتاوى يسئلونك، الصلوة ،بناء مدرسة على ظهر المسجد الموقوف ،المجلد:٦،الصفحة:٣٢٤،)

مسجد کے اوپر مدرسہ بنانا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ زمین موقوف ہے صرف مسجد کی تعمیر کے لیے، لہذا اہل محلہ یا کسی اور کے لیے وقف میں تبدیلی کرنا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ واقف کی شرط شارع کی نص کی طرح ہوتی ہے۔

حضرت مفتی نظام الدین صاحب اعظمی ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

مسجد کے نیچے خواہ بہ شکل تہہ خانہ ہو یا کوئی اور جگہ یا مسجد کے اوپر مدرسہ تعمیر کرنا یہ سب درست نہیں ہے۔ جو جگہ مسجد ہوجاتی ہے وہ تحت الثریٰ سے لیکر آسمان تک مسجد ہوجاتی ہے اسکو کسی دوسرے کام میں لانا درست نہیں ہے، اس مسجد کے اردگرد اصل مسجد کی حدود سے الگ مدرسہ تعمیر کر سکتے ہیں اور جب تک مدرسہ کی عمارت نہ ہوگی، عارضی جگہ مدرسہ رکھیں اور مدرسہ کیلئے اپنی عمارت کی کوشش کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

(نظام الفتاوی، جلد:4، حصہ دوم، ص:98)

مسجد میں بوقت ضرورت سونا

مسجد عبادت کی جگہ ہے اس میں عبادت کے علاوہ ایسا کام کرنا جو مسجد کے احترام کے خلاف ہو، وہ نامناسب اور ناپسندیدہ ہے لہذا بغیر کسی ضرورت کے مسجد کو سونے کی جگہ بنالینا نامناسب ہے لیکن بوقت ضرورت مسجد میں اس کا احترام باقی رکھتے ہوئے سونے کی گنجائش ہے۔

امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں مسجد میں سونے کے جواز پر مختلف روایات سے استدلال کیا ہے مثلاً:

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں:

وكُنتُ أنامُ في المَسجِدِ على عَهْدِ رَسولِ اللَّهِ ﷺ، صحيح البخاري (٣٧٣٨) • [صحيح] • أخرجه

مسلم (۲٤۷۹) باختلاف يسير.)

(میں عہد نبوی میں مسجد میں سویا کرتا تھا۔)

اس کے علاوہ اور بھی روایتیں ذکر کی ہیں۔

اور اصحاب صفہ کا مسجد نبوی میں سونا مشہور و معروف ہے لیکن یہ بات بھی ظاہر ہے کہ یہ سونا ضرورت کی بنیاد پر تھا۔

وقد سئل سعيد بن المسيب وسليمان بن يسار عن النوم في المسجد؟ فقالا: كيف تسألون عنه وقد كان أهل الصفة ينامون فيه، وهم قوم كان مسكنهم المسجد؟ واعلم أن النوم في المسجد على قسمين:

أحدهما: أن يكون لحاجة عارضة مثل نوم المعتكف فيه والمريض والمسافر، ومن تدركه القائلة ونحو ذلك، فهذا يجوز عند جمهور العلماء، ومنهم من حكاه إجماعا، ورخص في النوم في المسجد: ابن المسيب، وسليمان بن يسار، والحسن، وعطاء وقال: ينام فيه وإن احتلم كذا وكذا مرة.

وقال عمرو بن دينار: كنا نبيت في المسجد على عهد ابن الزبير.

وممن روي عنه أنه كان يقيل في المسجد: عمر وعثمان - رضي الله عنهما.

(فتح الباري. لإبن رجب الحنبلي، كتاب الصلاة ٥٨- باب نوم الرجال في المسجد رقم الحديث: 442 المجلد: ٣ الصفحة: 263)

سعید بن مسیب اور سلیمان بن یسار سے مسجد میں سونے کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: "تم اس کے بارے میں کیسے پوچھ سکتے ہو جبکہ اہلِ صفہ مسجد میں سوتے تھے، اور وہ ایسے لوگ تھے جن کا مسکن ہی مسجد تھی؟"

اور جان لو کہ مسجد میں سونا دو طرح کا ہوتا ہے:

پہلی قسم: جو پیش آمدہ ضرورت کی بنا پر ہو جیسے اعتکاف کرنے والے کا سونا، بیمار کا، مسافر کا، دوپہر کے وقت نیند کا آجانا اور اس جیسی دیگر صورتیں۔ اس بارے میں جمہور علماء اسے جائز قرار دیتے ہیں، بلکہ بعض نے اسے اجماعی مسئلہ قرار دیا ہے۔

سعید بن مسیب، سلیمان بن یسار، حسن بصری اور عطاء نے مسجد میں سونے کی اجازت دی ہے۔ عطاء نے فرمایا: ''آدمی مسجد میں سو سکتا ہے، چاہے اسے احتلام بار بار ہو۔''

عمرو بن دینار فرماتے ہیں: ''ہم ابن زبیر کے دور میں مسجد میں رات بسر کیا کرتے تھے۔''

اور جن حضرات سے منقول ہے کہ وہ مسجد میں قیلولہ (دوپہر کا آرام) کیا کرتے تھے، ان میں حضرت عمر اور

حضرت عثمان رضی اللہ عنہما بھی شامل ہیں۔

راقم کا خیال ہے کہ اگر مسافر کو ضرورت کی بنا پر مسجد میں سونے کی اجازت دی جاسکتی ہے جیسا کہ کتب حنفیہ میں اس کی تصریح ہے تو طلبہ دین کو تو بدرجہ اولیٰ اس کی اجازت ہونی چاہیے اور اصحاب صفہ کا واقعہ اس کا واضح مستدل ہے۔

ولا بأس للغريب ولصاحب الدار أن ينام في المسجد في الصحيح من المذهب، والأحسن أن يتورع فلا ينام۔ (هندية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد، زكريا قديم ۵/ ۳۲۱، جديد ۵/ ۳۷۱)

صحیح مذہب کے مطابق مسافر اور مقیم (گھر والے) کے لیے مسجد میں سونے میں کوئی حرج نہیں، لیکن بہتر یہی ہے کہ پرہیز کرے اور مسجد میں نہ سوئے۔

مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی قاموس الفقہ میں لکھتے ہیں:

جو لوگ مسافر ہوں یا دینی یا دعوتی مقصد کے تحت مسجد میں قیام پذیر ہوں اور مسجد سے متصل کمرے نہ ہوں جہاں وہ ٹھہر سکیں تو ان کے لیے مسجد میں قیام کرنے کی گنجائش ہے، جیسا کہ اصحاب صفہ مسجد نبوی میں قیام کرتے تھے البتہ اس صورت میں بھی بہتر ہے کہ اعتکاف نفل کی نیت کرلے۔ (قاموس الفقہ جلد: ۵ صفحہ نمبر ۹۶، مسجد میں سونا؛ زمزم پبلیشرز)

اگر بچے ناسمجھ ہوں تو ان کو مسجد میں سلانے سے احتراز کرنا چاہیے کیونکہ اس سے مسجد کے ناپاک ہونے اور اس کے احترام کے متاثر ہونے کا سخت خطرہ ہے۔

مصالح مسجد کے پیش نظر نیچے دکان اور اوپر امام ومؤذن کے لیے حجرے بنانے کا حکم

اگر مسجد تعمیر کرتے وقت واقف نے فوقانی یا تحتانی منزل پر امام یا موذن کے حجرے بنانے کی نیت کرلی ہو تو مصالح مسجد میں سے ہونے کے وجہ سے اس کی گنجائش ہوگی، لیکن مسجد کے بن جانے کے بعد ایسا کوئی بھی تصرف درست نہیں ہوگا

قَالَ فِي الْبَحْرِ: وَحَاصِلُهُ أَنَّ شَرْطَ كَوْنِهِ مَسْجِدًا أَنْ يَكُونَ سِفْلُهُ وَعُلُوُّهُ مَسْجِدًا لِيَنْقَطِعَ حَقُّ الْعَبْدِ عَنْهُ لِقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ﴾ [الجن: 18] - بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ السِّرْدَابُ وَالْعُلُوُّ مَوْقُوفًا لِمَصَالِحِ الْمَسْجِدِ، فَهُوَ كَسِرْدَابِ بَيْتِ الْمَقْدِسِ هَذَا هُوَ ظَاهِرُ الرِّوَايَةِ.

مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی قاموس الفقہ میں فرماتے ہیں:

مسجد کے سلسلے میں اصل قاعدہ تو یہ ہے جو جگہ مسجد بن گئی وہ نیچے تحت الثری تک اور اوپر آسمان تک مسجد

ہے، اس لئے مسجد کا حقیقی اہتمام اور ادب یہی ہے کہ مسجد کے نیچے یا اس کے اوپر ایسی عمارت نہ بنائی جائے، جس کا مقصد مسجد سے مختلف ہو، تاہم اگر تعمیر مسجد کے وقت ہی مسجد کی زیریں منزل کو مسجد سے مستثنیٰ کرلیا جائے، یعنی شروع ہی سے یہ نیت کرلی جائے کہ پہلی منزل دوسرے کاموں مثلاً دوکانات وغیرہ کے لئے ہوگی، اور اس کی چھت سے مسجد کا شمار ہوگا، تو ایسا کرنا درست ہوگا، اور نیچے دوکان کی تعمیر جائز ہوگی، اسی طرح کسی شخص نے دو منزلیں تعمیر کیں، اور شروع سے مسجد کی نیت نہ کی اور تعمیر مکمل ہونے کے بعد اس طرح نیت کی کہ پہلی منزل مسجد کے لئے ہوگی، اور دوسری منزل کسی اور کام کے لئے اور دونوں کی آمد ورفت کے راستے بھی الگ کردیے، تو اس صورت میں پہلی منزل پر مسجد کا حکم لگے گا، اوپر کی منزل کا شمار مسجد میں نہ ہوگا۔

صاحب ہدایہ لکھتے ہیں:

من جعل مسجدا تحته سرداب او فوقه بيت وجعل باب المسجد إلى الطريق وعزله عن ملكه فله ان يبيعه، وإن مات يورث عنه لإنه لم يخلص لله تعالى لبقاء حق العبد متعلقا به. (هداية مع الفتح ۹/۲۳۵)

اور اگر شروع میں ایسی نیت نہیں کی گئی، بلکہ تعمیر کے بعد زیریں یا بالائی منزل کو مستثنیٰ کیا گیا تو یہ استثنیٰ درست نہ ہوگا، غالباً یہی منشا ہے فقہاء کے اس ارشاد کا کہ

اذا أراد إنسان أن يتخذ تحت المسجد حوانيت غلة لمرمة المسجد أو فوقه ليس له ذالك كذا في الذخيرة.

اگر انسان مسجد کے نیچے یا اس کے اوپر کچھ دکانیں بنائیں کہ وہ مسجد کی اصلاح ومرمت کے لیے ذریعہ آمدنی ہو تو یہ اس کے لیے جائز نہیں۔ (قاموس الفقہ ج:5 ص:90)

مسجد کے نیچے بیسمنٹ میں پارکنگ بنانا

مسجد بن جانے کے بعد اس کے کسی حصہ میں پارکنگ بنانا، خواہ یہ پارکنگ مسجد کے نیچے بیسمنٹ میں ہو یا گراؤنڈ فلور پر، ہاں البتہ جو حصہ بیت الخلاء یا وضوخانہ کے لیے مخصوص ہوتا ہے اس حصہ میں ایسی تبدیلی کی جاسکتی ہے جس سے کہ نمازیوں کے لیے پارکنگ کا نظم ہوجائے اس لیے کہ وہ حصہ جو بیت الخلاء وغیرہ کے لیے مخصوص ہوتا ہے شرعاً مسجد نہیں ہے۔

نیچے پارکنگ اوپر جماعت اور اس کے اوپر بچوں کی تعلیم کا نظم کرنا طلبہ کی تعلیم کے لیے بوقت ضرورت مسجد کو کام میں لایا جاسکتا ہے، صرف طلبہ کی تعلیم کے پیش نظر مسجد کو شہید کرکے از سرنو اسے بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔

اگر نمازیوں کی پارکنگ کے لیے مسجد کے اردگرد جگہ خالی ہے تو اسے خرید کر اس میں نمازیوں کی پارکنگ بنادی جائے مسجد میں تعلیم دینے پر بچوں سے فیس وصول کرکے اسے معلمین کی تنخواہ اور مسجد کے مصالح میں خرچ کیا جاسکتا ہے۔

ہاں البتہ اگر بہت چھوٹے بچے ہوں جو اتنے ناسمجھ ہوں کہ ان کے بارے میں یہ اندیشہ ہو کہ کہیں مسجد میں ہی وہ پیشاب پاخانہ نہ کردیں تو ان، کو مسجد میں لانے سے بچنا چاہیے کیونکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

" جَنِّبوا مساجدَكم صِبيانَكم"، ومجانينكم التخريج : أخرجه ابن ماجه (750)، والعقيلي في ((الضعفاء الكبير)) (347/3)، والطبراني (156/8) (7601)

(اپنے بچوں اور دیوانوں کو مسجد سے دور رکھو!)

مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

مسجد میں بچوں کو قرآن پاک کی تعلیم دینا درست ہے، جبکہ مسجد کے علاوہ کوئی جگہ نہ ہو البتہ مسجد کا احترام ملحوظ رہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۰/ ۳۰۰، جدید ڈابھیل ۱۴/ ۶۰۶)

أما المعلم الذى يعلم الصبيان بأجر إذا جلس فى المسجد يعلم الصبيان بضرورة الحر وغيره لايكره.

(عالمگیری، الصلوٰۃ، فصل کرہ غلق باب المسجد، زکریا قدیم ۱/ ۱۱۰، جدید ۱/ ۱۶۹)

لیکن بچے اتنے چھوٹے ہوں جو پاکی ناپاکی کی تمیز نہ کرسکتے ہوں اور پاخانہ پیشاب کرنے کا خطرہ ہو تو ایسے بچوں کو مسجد میں بٹھا کر تعلیم نہیں دینی چاہئے کہ کہیں مسجد ملوث نہ ہوجائے۔

عن واثلة بن الاسقع رضی اللہ عنہ، أن النبى صلى الله عليه وسلم قال: جنبوا مساجدكم صبيانكم ومجانينكم، وشراءكم، وبيعكم، وخصوماتكم (سنن ابن ماجة، باب مايكره فى المساجد، النسخة الهندية/ ۵۴، دار السلام رقم: ۷۵۰، المعجم الكبير للطبرانى، داراحياء التراث العربي ۲۲/ ۸، رقم: ۷۶۰۱، ۱۷۳/ ۲۰، رقم: ۳۶۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ ۲۵/ جمادی الاولی ۱۴۲۰ھ

(الف: فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۱۷۱) ماخذ: فتاوی قاسمیہ جلد 18 صفحہ 427

ایک دوسرے سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

تنخواہ دار شخص کیلئے مسجد میں بچوں کو مکتب قائم کرکے پڑھانا بلا کراہت جائز اور درست ہے جبکہ ان بچوں سے الگ سے کوئی فیس نہ لیتا ہو اس سلسلہ میں فقہاء کے دو طرح کے جزئیات دیکھنے میں آئیں گے، بعض وہ جزئیات ہیں، جن میں بظاہر ممانعت نظر آئیگی، ان جزئیات کا مطلب یہ ہے کہ اسلامی دور حکومت میں مفتی، قاضی اور مدرس کو سرکاری بیت المال سے وظیفہ کے طور پر تنخواہیں ملتی تھیں، پھر ایسے مدرسین مسجد میں بیٹھ کر ٹیوشن پڑھایا کرتے تھے، جن لڑکوں کو مسجد میں بیٹھ کر پڑھایا کرتے تھے، انہیں سے فیس بھی لیا کرتے تھے، اس طرح مسجد میں بیٹھکر ٹیوشن پڑھانا اور انہیں بچوں سے الگ سے فیس لینا آج بھی مکروہ اور ممنوع ہے، اور دوسری قسم کی جزئیات صاف الفاظ کے ساتھ بلا کراہت

جواز کے حق میں ہیں، ان کا مطلب یہی ہے کہ تنخواہ دار مدرس ان لڑکوں سے کسی قسم کی فیس نہ لیتا ہو، یہی مطلب ہے حضرات فقہاء کے دونوں قسم کے جزئیات کا، لھٰذا مساجد یا مدارس کے تنخواہ دار ملازم کیلئے مسجد میں مکتب پڑھانا بلا کراہت جائز اور درست ہے، جبکہ ان بچوں سے الگ سے کوئی فیس وغیرہ نہ لیتا ہو۔ (فتاویٰ قاسمیہ، ج:18 /ص:432)

جامعۃ الرشید کے فتوی میں بھی بوقت ضرورت مسجد میں تعلیم دینے کی اجازت دی گئی ہے۔

چنانچہ اس کا ایک اقتباس یہ ہے:

صورتِ مسئولہ میں واقعتاً مسجد سے متصل باہر، مدرسہ اور مکتب کی کوئی ترتیب نہیں بن سکتی تو اجرت لے کر مسجد میں قرآن کی تعلیم دینے کی گنجائش ہے، بالخصوص اِس دور میں۔ کیونکہ موجودہ زمانے میں نئی نسل کو دین اور قرآن سے جوڑنے کا ایک اہم ذریعہ مکاتبِ قرآنیہ کا قیام ہے۔ لہٰذا جس طرح فقہائے کرام نے ضرورت کی وجہ سے قرآنِ کریم کی تعلیم اور امامت پر اجرت کو جائز قرار دیا تھا، اسی طرح ہمارے زمانے میں جہاں کوئی اور انتظام ناممکن یا مشکل ہو، وہاں اجرت لے کر مسجد میں تعلیمِ قرآن کی بھی گنجائش ہوگی۔ البتہ مسجد کے آداب کا خیال رکھنا ضروری ہوگا کہ مسجد میں شور وغل نہ ہو، نہ ہی اتنے چھوٹے بچوں کو مسجد لایا جائے جن کی وجہ سے مسجد ناپاک ہونے کا اندیشہ ہو۔ اسی طرح بہتر یہ ہے کہ اعتکاف کی نیت کر کے تعلیم کے لیے مسجد میں بیٹھیں۔ البتہ اگر کسی وقت مسجد سے متصل باہر، متبادل جگہ کا انتظام ممکن ہو تو پھر مدرسہ، مسجد سے باہر اس متبادل جگہ پر منتقل کیا جائے۔ واللہ اعلم

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند: 14 /205، وکتاب الفتاوی: 407 /5، و 232 /4)

الافتاء جامعۃ الرشید کراچی فتوی نمبر: 75414)

حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی فرماتے ہیں:

آج کل عام طور پر شہروں میں مساجد میں صباحی اور مسائی تعلیم کا نظم ہے بلکہ بعض مدارس میں مسجدوں ہی کو بطور درس گاہ استعمال کیا جاتا ہے اور ان تمام صورتوں میں معلمین اجرت لے کر تعلیم دیتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟

سو اولاً تو قدیم فقہاء خود دینی تعلیم پر اجرت لینے کو ناجائز سمجھتے تھے اور یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا مسلک ہے۔ مگر فقہاء نے بعد میں دینی تعلیم کی مصلحت کے پیش نظر اس کی اجازت دے دی اور اب اسی پر فتوی ہے۔ اسی طرح مسجدوں میں بھی اجرت لے کر تعلیم دینے کو فقہاء نادرست قرار دیتے ہیں۔ اس لئے کہ مسجد عبادت وتذکیر کی جگہ ہیں نہ کہ کسبِ معاش کی۔ مگر ہمارے زمانہ کے حالات کا تقاضہ ہے کہ اس کی اجازت دی جائے۔ اس لئے کہ عموماً وسائل کے فقدان، دوسرے جگہ کی عدم دستیابی اور مجبوری کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے۔ اب اگر اس معاملہ میں شدت برتی جائے تو یہ سخت نقصان کی بات ہوگی اور شرعی مصلحت کے خلاف بھی کہ عصری درس گاہوں کے طلباء جو اس طرح صبح و

شام تھوڑے وقت میں دین کی بنیادی تعلیم حاصل کر لیتے ہیں وہ اس سے بھی محروم ہو جائیں اور ایسے جز وقتی یا ہمہ وقتی مدارس کا بند ہونا اس علاقہ کے لوگوں کیلئے تعلیم سے محرومی کا سبب بنے گا۔ بعض بزرگ اس معاملے میں زیادہ ہی شدت برتتے ہیں۔ حالانکہ خود کتب فقہ سے مستفاد ہے کہ ضرورۃ مسجد میں تعلیم دی جاسکتی ہے۔

"أما المعلم الذي يعلم الصبيان بأجر إذا جلس في المسجد يعلم الصبيان لضرورة الحر وغيره لا يكره له."

یہاں دیکھیے گرمی کے علاوہ کسی اور ضرورت کے پیش نظر بھی اس کی اجازت دی گئی ہے۔ اب ظاہر ہے کہ اس سے بڑی ضرورت اور کیا ہوگی کہ کوئی دوسری جگہ میسر نہیں ہے اور اگر یہ سلسلہ بھی بند کر دیا جائے تو تعلیمی سلسلہ بھی منقطع ہو جائے گا۔ ہاں اگر دوسری جگہ موجود ہو تو مسجد کے بجائے وہیں تعلیم دینی چاہیے۔

(مسجدوں میں اجرت لے کر تعلیم دینا؛ عبادات، جدید فقہی مسائل، جلد:۱ صفحہ:۱۰۳)

کسی اپارٹمنٹ یا بلڈنگ کی ایک منزل کو مسجد مقرر کرنا

اگر کسی اپارٹمنٹ یا بلڈنگ کی صرف ایک منزل کو نماز کے لیے مقرر کیا جائے باقی دوسری منزلیں دیگر مختلف کاموں کے لیے ہوں تو یہ جماعت کے لیے مقرر کی جانے والی منزل مسجد شرعی کے حکم میں ہوگی یا نہیں؟ اس سلسلہ میں احناف کا اصل مذہب اور ظاہر الروایہ تو یہی ہے کہ یہ منزل شرعی مسجد نہیں ہوگی اور اس میں اعتکاف صحیح نہیں ہوگا اسی طرح شرعی مسجد کے جو دیگر احکام ہیں وہ بھی اس پر نافذ نہیں ہوں گے،

نیز مسجد کے احترام کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ وہ تحت الثری سے آسمان تک مسجد ہی ہو لیکن ظاہر الروایہ کے علاوہ بعض اور بھی روایات ہیں جن سے کسی ایک منزل کو مسجد مقرر کرنے کی اجازت معلوم ہوتی ہے تو بوقت ضرورت ان میں سے کسی روایت پر عمل کرنے کی اجازت ہونی چاہیے۔

الموسوعۃ الفقہیہ میں ہے:

وَيَقُول الْحَنَفِيَّةُ: إِذَا جَعَل السُّفْل مَسْجِدًا وَعَلَى ظَهْرِهِ مَسْكَنٌ فَهُوَ مَسْجِدٌ لأَنَّ الْمَسْجِدَ مِمَّا يَتَأَبَّدُ وَذَلِكَ يَتَحَقَّقُ فِي السُّفْل دُونَ الْعُلْوِ، وَعَنْ مُحَمَّدٍ عَلَى عَكْسِ هَذَا لأَنَّ الْمَسْجِدَ مُعَظَّمٌ، وَإِذَا كَانَ فَوْقَهُ مَسْكَنٌ أَوْ مُسْتَغَلٌّ يَتَعَذَّرُ تَعْظِيمُهُ، وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ جَوَّزَ فِي الْوَجْهَيْنِ حَيْثُ قَدِمَ بَغْدَادَ وَرَأَى ضِيقَ الْمَنَازِل فَكَأَنَّهُ اعْتَبَرَ الضَّرُورَةَ، وَعَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّهُ حِينَ دَخَل الرَّيَّ أَجَازَ ذَلِكَ كُلَّهُ.

ابن عابدینؒ فرماتے ہیں: اگر کسی نے مسجد کے نیچے اپنی ضروریات کے لیے ایک تہہ خانہ (سرداب) بنایا، تو یہ جائز ہے۔ (كتاب الموسوعة الفقهية الكويتية (مسجد) البناء للسكن فوق المسجد وتحته وبناؤه على القبر والدفن فيه: المجلد: ۳۷ الصفحة: ۲۰۱)

علامہ برھان الدین مرغینانی اپنی مشہور کتاب ہدایہ میں دیگر اقوال نقل کرنے کے بعد ایک قول ذکر فرماتے

ہوئے لکھتے ہیں:

وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ جَوَّزَ فِي الْوَجْهَيْنِ حِينَ قَدِمَ بَغْدَادَ وَرَأَى ضِيقَ الْمَنَازِلِ فَكَأَنَّهُ اعْتَبَرَ الضَّرُورَةَ. وَعَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّهُ حِينَ دَخَلَ الرَّيَّ أَجَازَ ذَلِكَ كُلَّهُ. وَرُوِيَ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ إذَا جَعَلَ السُّفْلَ مَسْجِدًا دُونَ الْعُلُوِّ جَازَ لِأَنَّهُ يَتَأَبَّدُ بِخِلَافِ الْعُلُوِّ (1). قَالَ ابْنُ عَابِدِينَ: لَوْ جَعَلَ تَحْتَهُ سِرْدَابًا لِمَصَالِحِهِ جَازَ.

اور امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ جب وہ بغداد آئے اور وہاں گھروں کی تنگی دیکھی تو انہوں نے دونوں صورتوں میں (یعنی جبکہ مسجد کے اوپر یا نیچے کوئی اور چیز ہو) جواز کا حکم دیا، گویا کہ انہوں نے ضرورت کو پیش نظر رکھا۔

اور امام محمد سے مروی ہے کہ جب وہ رَی (ایران کا ایک شہر) میں داخل ہوئے تو انہوں نے بھی اس سب کو جائز قرار دیا، جیسا کہ ہم نے کہا، علامہ کمال الدین ابن ھمام نے فتح القدیر میں اس قول کی بنیاد ضرورت کو قرار دیا ہے اور لکھا ہے۔

وَهَذَا تَعْلِيلٌ صَحِيحٌ؛ لِأَنَّهُ تَعْلِيلٌ بِالضَّرُورَةِ. (كتاب فتح القدير للكمال بن الهمام - ط الحلبي كتاب الوقف،، فصل إذا بنى مسجدا لم يزل ملكه عنه، الصفحة: ٢٣٥، المجلد: ٦)

پس حاصل یہ ہے کہ عام حالات میں:

۱: ظاہر الروایہ یہ ہے کہ اگر بوقت بنائے مسجد کسی ایک منزل کو مسجد اور دوسری منزل کو مسجد کے مصالح، یا اس کی آمدنی کے لئے وقف کر کے واقف اپنی ملک سے خارج کر دے تو یہ مسجد مسجد شرعی ہو جائے گی۔

۲۔ اور اگر ایک منزل کو مسجد بنا کر دوسری منزل کو واقف اپنے ذاتی استعمال کے لئے رکھے تو ظاہر الروایہ یہ ہے کہ یہ مسجد نہیں ہوگی۔

۳۔ حسن بن زیاد کی روایت کے مطابق اگر نچلی منزل مسجد اور اوپر کی منزل اپنے ذاتی استعمال کے لئے رکھی جائے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک درست ہوگا۔ ٤۔ امام محمد بن حسن سے ظاہر الروایہ کے خلاف یہ روایت ملتی ہے کہ اگر اوپر کی منزل مسجد بنائی جائے اور نیچے کی منزل اپنے ذاتی استعمال میں رکھی جائے تو درست ہوگا۔ اور عام حالات میں ظاہر الروایت پر عمل راقم الحروف کے نزدیک اقرب الی الفقہ، اوفق بالزمان اور قابل فتوی ہے جس پر عمل آسان ہے۔

یہ تمام اقوال و روایات عام حالات میں ہیں، مخصوص حالات میں ایک دوسرا قول بھی منقول ہے، یعنی جب حضرت امام ابو یوسف بغداد میں آ کر آباد ہوئے، گھنی آبادی کے اس شہر میں اراضی کی قلت دیکھی، اسی طرح امام محمد بن ''حسن رَی'' میں جا کر قیام پذیر ہوئے اور ان نو آباد شہروں میں کثرت آبادی کی وجہ سے پیدا ہونے والی تنگی کو دیکھا تو ان دونوں حضرات نے رائے دی کہ چاہے اوپر مسجد ہو، یا نیچے اور دوسری منزلوں کو ذاتی استعمال میں لایا جائے تو بھی مسجد، مسجد شرعی ہو جائے گی، اس قول کا تعلق عام اور نارمل حالات سے نہیں ہے، بلکہ ضرورت اور حاجت کی صورت میں اس رائے کو ان دونوں بزرگوں نے اختیار کیا ہے: الی آخرہ (مباحث فقہیہ، قاضی مجاھد الاسلام قاسمی)

(مساجد کے اوپر یا نیچے مکانوں یا دکانوں کی تعمیر مسئلہ صفحہ نمبر ۲۵۶)

زائد آمدنی کے پیش نظر مسجد کی موقوفہ اراضی کی تبدیلی

عام ضابطہ اور قاعدہ تو یہ ہے کہ جب تک موقوفہ اراضی کو باقی رکھتے ہوئے اس سے فائدہ اٹھایا جاسکے خواہ وہ بہت زیادہ نہ ہو تو اس کو فروخت نہ کیا جائے بلکہ جہاں تک ہو سکے وقف اراضی کے عین کو باقی رکھتے ہوئے اس کو نفع آور بنایا جائے لیکن اگر موقوفہ اراضی کی آمدنی بالکل ختم ہو جائے یا اتنی کم رہ جائے کہ آمدنی سے زیادہ اس پر اخراجات آجائیں تو ایسی صورت میں درج ذیل شرائط کی رعایت رکھتے ہوئے موقوفہ اراضی خواہ وہ مسجد کی موقوفہ اراضی ہوں یا دوسرے اوقاف، ان کے تبدیل کرنے کی گنجائش ہے:

۱۔ وقف جائداد کی فروختگی مناسب قیمت پر مارکیٹ ویلیو کا لحاظ کرتے ہوئے کی جائے، اتنی کم قیمت پر اسے فروخت نہ کیا جائے جتنی کم قیمت قیمتوں کے ماہرین نہیں لگا سکتے۔

۱۔ وقف کو فروخت کرنے والے متولی یا وقف افسر اس کی فروختگی اپنے کسی قریبی رشتہ دار یا کسی ایسے شخص کے ہاتھ نہ کرے جس سے اس کا مفاد وابستہ ہو، اسی طرح کسی ایسے شخص کے ہاتھ فروختگی نہ کرے جس کا قرض یا مالی دین فروخت کرنے والے کے ذمہ لازم ہے۔

۳۔ وقف جائداد کی فروختگی روپیہ پیسہ کے بجائے جائداد سے کی جائے، اور اگر کسی قانونی یا عملی دشواری کی وجہ سے نقد روپیوں سے فروختگی کی جائے تو جلد سے جلد اس کے ذریعہ جائداد خرید کر متبادل وقف قائم کر دیا جائے۔

۴۔ وقف کے تبادلہ اور فروختگی کی اجازت شرائط استبدال کی تحقیق کر کے شرعی قاضی یا اوقاف کی ایسی شرعی کمیٹی دے جس میں مسائل اوقاف سے واقف متقی وخدا ترس علماء اور مسلمان متدین ماہرین قانون ضرور شامل ہوں، موقوفہ جائداد کی فروختگی اور تبادلہ کے لئے وقف بورڈ یا وقف آفیسر کی اجازت شرعاً کافی نہیں ہے، اس سلسلہ میں وقف ٹریبونل (Tribunal) کی اجازت شرعاً اس وقت معتبر ہوگی جب اس نے کم سے کم تین مستند مفتیان کرام کی رائے لینے اور مشورہ طلب کرنے کے بعد ان کے مشورہ کے مطابق فیصلہ کیا ہو۔

(نئے مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے؛ دسواں فقہ سیمنار؛ اوقاف سے متعلق مسائل، صفحہ نمبر ۱۶۴)

کم آمدنی کی وجہ سے وقف میں تبدیلی کے سلسلہ میں اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کی تجویز یہ ہے کہ

اگر کسی وقف کی آمدنی معقول ہو تو محض زیادہ سے زیادہ آمدنی حاصل کرنے کے لئے اس کی فروختگی درست نہیں کہ اصل وقف کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے، البتہ اگر موقوفہ جائداد کی آمدنی اتنی قلیل ہو کہ وقف پراپرٹی کے ضروری اخراجات اس سے پورے نہ ہوتے ہوں بلکہ اس کے لئے قرض لینا پڑتا ہو اور اس موقوفہ جائداد کی آمدنی بڑھانے کی کوئی شکل نہ ہو، ایسی صورت میں تجویز (۷) میں ذکر کردہ شرائط (ب، ج، د، ہ)،

(جن کا ذکر اس مقالہ میں بھی ابھی کیا گیا ہے) کی پابندی کے ساتھ موقوفہ جائداد کو فروخت کر کے زیادہ منفعت بخش جائداد خریدنا درست ہوگا، اگر واقف زندہ ہو تو اس سے اجازت لینا ضروری ہوگا۔

مساجد کی اراضی پر دینی درسگاہ کا قیام

جو زمینیں اس مقصد کے لیے وقف کی جائیں کہ ان کی آمدنی کو مساجد پر خرچ کیا جائے گا تو ان زمینوں پر دینی درسگاہ قائم کرنا درست ہے، اس طور پر کہ اس سے حاصل ہونے والی آمدنی کو مسجد پر خرچ کیا جائے اور یہ عمل مقاصد وقف کے خلاف بھی نہیں ہوگا کیونکہ اس سے منشا واقف یعنی وقف سے حاصل ہونے والی آمدنی کا مسجد پر خرچ کرنا فوت نہیں ہو رہا ہے بالخصوص اگر وقف کی اراضی کے تحفظ کے لیے ایسا کرنا ناگزیر ہو جائے تو یہ مستحسن اقدام ہوگا، اس سلسلہ میں اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا نے جو تجویز منظور کی ہے وہ اس طرح ہے:

۹۔ مسجد پر موقوفہ زائد اراضی جن کی نہ مسجد کو فی الحال ضرورت ہے اور نہ آئندہ ضرورت پیش آنے کی امید ہے، ان اراضی پر دینی تعلیم کا مدرسہ یا مکتب قائم کرنا درج ذیل صورتوں میں درست ہوگا:

الف: مسجد آباد نہ ہو اور مدرسہ یا مکتب قائم ہونے میں مسجد کے آباد ہونے کی امید ہو۔

ب۔ مسجد پر وقف زائد اراضی، جن کی نہ مسجد کو فی الحال ضرورت ہے، پر قبضۂ غاصبانہ کا شدید خطرہ ہے اور دینی مدرسہ یا مکتب قائم ہونے کی صورت میں قبضہ کا خطرہ ٹل جائے گا۔

ج۔ جس آبادی یا محلہ میں مسجد واقع ہے وہاں مسلمان بچوں کے لئے کوئی دینی مدرسہ یا مکتب قائم کرنے کے لئے کوئی مستقل بندوبست بھی نہ ہو تو مسجد پر وقف زائد اراضی میں دینی مدرسہ یا مکتب قائم کیا جا سکتا ہے، لیکن اس کے لئے مسجد کے متولی یا منتظمہ کمیٹی سے اجازت لے لی جائے، بہتر یہ ہے کہ خود مسجد کی کمیٹی ہی اس مکتب یا مدرسہ کا بندوبست کرے۔

۱۰۔ مساجد پر وقف اراضی جن کا مقصد مساجد کے لئے آمدنی فراہم کرنا ہے، ان کو مناسب کرایہ پر مسلمانوں کی دینی، عصری یا ٹیکنکل تعلیم کے ادارے قائم کرنے کے لئے دیا جا سکتا ہے، لیکن معاملات اس طرح طے کئے جائیں کہ مساجد کی مالکانہ حیثیت مجروح نہ ہو۔

(مستفاد نئے مسائل اور اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے فیصلے، تجویز نمبر ۹، ۱۰۔ دسواں فقہی سیمینار، اوقاف سے متعلق مسائل، صفحہ: ۱۶۵)

خلاصۂ بحث

۱۔ اگر مسجد بناتے وقت کوئی استثنا نہ کیا جائے تو تحت الثری سے لیکر آسمان تک مسجد ہوگی اور بعد میں اس

جگہ پر ایسا تصرف کرنا جس سے کہ مسجد مسجد باقی نہ رہے مثلاً امام کے لیے حجرہ بنانا یا نیچے بیسمنٹ میں پارکنگ بنانا یا کسی خاص منزل کو مدرسہ کے لیے مقرر کرنا درست نہیں ہوگا۔

ہاں البتہ بوقت ضرورت بچوں کی تعلیم کا نظم مسجد میں کیا جا سکتا ہے اور اگر کوئی متبادل جگہ فراہم نہ ہو تو عارضی طور پر مسجد میں سونے کی بھی گنجائش ہے، ہاں بالکل چھوٹے ناسمجھ بچوں کو مسجد میں تعلیم دینے یا سلانے سے احتراز کیا جائے۔

۲۔ایک منزل مسجد ہو اور دوسری منزل نہ ہی مسجد ہو اور نہ ہی مصالحہ مسجد کے لیے وقف ہو بلکہ ذاتی ملکیت ہو اور شروع ہی سے اس بات کی نیت ہو تو ایسا کرنا درست تو ہے لیکن یہ مسجد ظاہر الروایہ کے مطابق مسجد شرعی نہیں ہوگی بلکہ صرف جماعت گاہ ہوگی اور عام حالات میں یہی قول مختار ہے۔

ضرورت کے مواقع پر دوسری روایات سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے ۳۔اگر مسجد پر وقف شدہ اراضی کی آمدنی نہایت کم ہو تو شرائط کا لحاظ رکھتے ہوئے اسے تبدیل کیا جا سکتا ہے۔

۴۔مسجد کی موقوفہ اراضی پر دینی درسگاہ کا قیام درست ہے جبکہ اس کی آمدنی مسجد پر خرچ کی جائے

ھذا ما عندی واللہ تعالیٰ أعلم وعلمہ أتم۔

مساجد اوران کے اوقاف سے متعلق مسائل

مفتی اختر امام عادل قاسمی
مہتمم جامعہ امام ربانی، منورا شریف، بہار

شریعت اسلامیہ میں وقف کے تحفظ اور ان کو مطلوبہ مقاصد میں استعمال کرنے پر بہت زور دیا گیا ہے، اور وقف کو اس کے مصرحہ اغراض کے خلاف استعمال کرنے کی اجازت نہیں دی گئی ہے، لیکن کبھی ایسے حالات پیش آتے ہیں جن میں وقف کی حفاظت کے لئے ایسے اقدامات کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، جو بظاہر واقف کی تصریحات کے خلاف ہوتی ہیں، اس تناظر میں مجلس تحقیقات شرعیہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے ایک سوالنامہ مرتب کیا ہے، اس کے جوابات پیش خدمت ہیں:

پرانی مسجد شہید کر کے اوپر کی منزلوں میں تعلیم گاہ یا رہائش گاہ تعمیر کرنا

جواب: وقف کا عام اصول یہ ہے کہ جب تک وہ قابل انتفاع ہو بلا وجہ اس میں چھیڑ چھاڑ یا اس کو منہدم کرنا درست نہیں ہے، لیکن اگر خود بانی مسجد یا اہل محلہ مسجد کی توسیع کی ضرورت محسوس کریں، اور مستقل نمازیوں کے لئے مسجد تنگ پڑ رہی ہو تو ان کی رضامندی سے مسجد شہید کر کے از سر نو تعمیر کی جاسکتی ہے، بشرطیکہ تعمیر جدید کے لئے الگ سے مستقل رقم کا انتظام کیا جائے، اور مسجد کی پہلے سے جمع پونجی اس میں صرف نہ کی جائے، الا یہ کہ حکومت اسلامی یا اس کا قاضی اس کی اجازت دے دے۔

في الْكُبرَى مَسْجِدٌ مَبْنِيٌّ أَرَادَ رَجُلٌ أَنْ يَنْقُضَهُ وَيَبْنِيَهُ ثَانِيًا أَحْكَمَ من الْبِنَاءِ الْأَوَّلِ ليس له ذلك لِأَنَّهُ لَا وِلَايَةَ له كَذَا في الْمُضْمَرَاتِ وفي النَّوَازِلِ إلَّا أَنْ يَخَافَ أَنْ يَنْهَدِمَ كَذَا في التَّتَارْخَانِيَّة، وَتَأْوِيلُهُ إذَا لم يَكُنْ الْبَانِي من أَهْلِ تِلْكَ الْمَحَلَّةِ، وَأَمَّا أَهْلُ تِلْكَ الْمَحَلَّةِ فَلَهُمْ أَنْ يَهْدِمُوا وَيُجَدِّدُوا بِنَاءَهُ وَيَفْرِشُوا الْحَصِيرَ وَيُعَلِّقُوا الْقَنَادِيلَ لَكِنْ من مَالِ أَنْفُسِهِمْ، أَمَّا من مَالِ الْمَسْجِدِ فَلَيْسَ لهم ذلك إلَّا بِأَمْرِ الْقَاضِي كَذَا في الْخُلَاصَةِ.

جہاں تک مسجد کے حدود میں تعلیم اور رہائش کے نظم کی بات ہے، تو فقہاء اسلام کی تصریحات کے مطابق موجودہ پیشہ ورانہ طریق پر مسجد میں اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی، رہائش کی تو بالکل اجازت نہیں ہے، اسی طرح دنیوی تعلیم کی بھی اجازت نہیں ہے، بلاشبہ علماء نے دینی تعلیم کی اجازت دی ہے، لیکن اگر باقاعدہ اجرت وتنخواہ

کے ساتھ یہ نظام جاری ہو تو فقہاء نے اس کو بھی ممنوع قرار دیا ہے، اس لئے کہ اس سے مسجد کی حرمت متأثر ہوتی ہے، بچوں کے شور وغل سے نمازیوں کو خلل پیش آسکتا ہے، مسجد میں گندگی پھیلنے کا اندیشہ ہے، اسی لئے چھوٹے بچوں کو مسجد میں لانے سے منع کیا گیا ہے، تعلیم کے لئے علٰحدہ کوئی جگہ ہونی چاہئے جو مسجد کے حدود سے باہر ہو۔

قَوْلُهُ وَمَنْ عَلَّمَ الْأَطْفَالَ إلَخْ) الَّذِي فِي الْقُنْيَةِ: أَنَّهُ يَأْثَمُ وَلَا يَلْزَمُ مِنْهُ الْفِسْقُ، وَلَمْ يُنْقَلْ عَنْ أَحَدٍ الْقَوْلُ بِهِ، وَيُمْكِنُ أَنَّهُ بِنَاءً عَلَى أَنَّهُ بِالْإِصْرَارِ عَلَيْهِ يَفْسُقُ. أَفَادَهُ الشَّارِحُ. قُلْت: بَلْ فِي التَّتَارْخَانِيَّة عَنْ الْعُيُونِ جَلَسَ مُعَلِّمٌ أَوْ وَرَّاقٌ فِي الْمَسْجِدِ، فَإِنْ كَانَ يُعَلِّمُ أَوْ يَكْتُبُ بِأَجْرٍ يُكْرَهُ إلَّا لِضَرُورَةٍ، وَفِي الْخُلَاصَةِ تَعْلِيمُ الصِّبْيَانِ فِي الْمَسْجِدِ لَا بَأْسَ بِهِ اهـ لَكِنْ اسْتَدَلَّ فِي الْقُنْيَةِ بِقَوْلِهِ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ.

"جَنِّبُوا مَسَاجِدَكُمْ صِبْيَانَكُمْ وَمَجَانِينَكُمْ"

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"ويكره كل عمل من عمل الدنيا في المسجد، ولو جلس المعلم في المسجد والوراق يكتب، فإن كان المعلم يعلم للحسبة والوراق يكتب لنفسه فلا بأس به، لأنه قربة، وإن كان بالأجرة يكره إلا أن يقع لهما الضرورة، كذا في محيط السرخسي".

مسجد کے اوپر یا نیچے دکانیں یا رہائشی حجرے تعمیر کرنا

مسجد بن جانے اور اس کے حدود کے متعین ہوجانے کے بعد ان حدود میں نہ نیچے دکانیں بنائی جاسکتی ہے اور نہ امام ومؤذن کے حجرہ کی تعمیر کی جاسکتی ہے، فقہاء کی تصریحات کے مطابق تحت الثریٰ سے عنان سماء تک مسجد ہوتی ہے، اس میں مصالح مسجد کی بھی کوئی چیز بنائی نہیں جاسکتی اور نہ اس کے کسی حصہ کو آمدنی کی غرض سے کرایہ پر دیا جاسکتا ہے۔

★وَلَوْ أَنَّهُ بَنَى الْمَسْجِدَ أَوْ لَا ثُمَّ أَرَادَ أَنْ يَجْعَلَ تَحْتَهُ حَانُوتًا لِلْمَسْجِدِ فَهُوَ مَرْدُودٌ بَاطِلٌ وَيَنْبَغِي أَنْ يُرَدَّ إلَى حَالِهِ.

★والمراد بالمستغل أن يؤجر منه شيء لأجل عمارته وبالسكنى محلها، وعبارة البزازية على ما في البحر ولا مسكنا، وقد رد في الفتح ما بحثه في الخلاصة من أنه لو احتاج المسجد إلى نفقة تؤجر قطعة منه بقدر ما ينفق عليه بأنه غير صحيح، قلت: وبهذا علم أيضا حرمة إحداث الخلوات في المساجد كالتي في رواق المسجد الأموي ولا سيما ما يترتب على ذلك من تقذير المسجد بسبب الطبخ والغسل ونحوه ورأيت تأليفا مستقلا في المنع من ذلك.

★لو بنى فوقه بيتا للإمام لا يضر لأنه من المصالح، أما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع، ولو قال عنيت ذلك لم يصدق، تتارخانية، فإذا كان هذا في الواقف فكيف بغيره فيجب هدمه ولو على جدار المسجد، ولا يجوز أخذ الأجرة منه ولا أن يجعل شيئا منه مستغلا ولا سكنى بزازية.

مسجد کے نیچے گاڑی پارکنگ بنانا

جواب: اس کا جواب بھی سوال نمبر ۲ کے مطابق ہے، قدیم مسجدوں میں حدود مسجد کے اندر گاڑی پارکنگ کی جگہ بنانا درست نہیں ہے، اس میں مسجد کی توہین اور بے حرمتی پائی جاتی ہے، ہاں اگر شروع سے ہی اسی طور پر مسجد کی زمین وقف کی جائے اور نیچے پارکنگ کے ساتھ مسجد کی تعمیر کی جائے تو اس کی اجازت ہوگی، لیکن مسجد بن جانے کے بعد مسجدیت کے خلاف اس میں کسی قسم کی تبدیلی جائز نہیں ہے۔

وَحَاصِلُهُ إن شَرْطَ كَوْنِهِ مَسْجِدًا أَنْ يَكُونَ سُفْلُهُ وَعُلْوُهُ مَسْجِدًا لِيَنْقَطِعَ حَقُّ الْعَبْدِ عنه لِقَوْلِهِ تَعَالَى {وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ} (الجن) بِخِلَافِ ما إذَا كان السِّرْدَابُ أو الْعُلْوُ مَوْقُوفًا لِمَصَالِحِ الْمَسْجِدِ فإنه يَجُوزُ إذْ لَا مِلْكَ فيه لِأَحَدٍ بَلْ هو من تَتْمِيمِ مَصَالِحِ الْمَسْجِدِ فَهُوَ كَسِرْدَابِ مَسْجِدِ بَيْتِ الْمَقْدِسِ، هذا هو ظَاهِرُ الْمَذْهَبِ وَهُنَاكَ رِوَايَاتٌ ضَعِيفَةٌ مَذْكُورَةٌ في الْهِدَايَةِ، وَبِمَا ذَكَرْنَاهُ عُلِمَ أَنَّهُ لو بَنَى بَيْتًا على سَطْحِ الْمَسْجِدِ لِسُكْنَى الْإِمَامِ فإنه لَا يَضُرُّ في كَوْنِهِ مَسْجِدًا لِأَنَّهُ من الْمَصَالِحِ، فَإِنْ قلت: لو جَعَلَ مَسْجِدًا ثُمَّ أَرَادَ أَنْ يَبْنِيَ فَوْقَهُ بَيْتًا لِلْإِمَامِ أو غَيْرِهِ هل له ذلك؟ قلت: قال في التَّتَارْخَانِيَّةِ إذَا بَنَى مَسْجِدًا وَبَنَى غُرْفَةً وهو في يَدِهِ فَلَهُ ذلك وَإِنْ كان حين بَنَاهُ خَلَّى بَيْنَهُ وَبَيْنَ الناس ثُمَّ جاء بَعْدَ ذلك يَبْنِي لَا يَتْرُكُهُ وفي جَامِعِ الفتاوى (((الفتوى))) إذَا قال عَنَيْت ذلك فإنه لَا يُصَدَّقُ اه فإذا كان هذا في الْوَاقِفِ فَكَيْفَ بِغَيْرِهِ فَمَنْ بَنَى بَيْتًا على جِدَارِ الْمَسْجِدِ وَجَبَ هَدْمُهُ وَلَا يَجُوزُ أَخْذُ الْأُجْرَةِ، وفي الْبَزَّازِيَّةِ وَلَا يَجُوزُ لِلْقَيِّمِ أَنْ يَجْعَلَ شيئا من الْمَسْجِدِ مُسْتَغَلًّا وَلَا مَسْكَنًا وَقَدَّمْنَاهُ.

سوال نمبر (۴) بعض شہروں میں جگہ جگہ قدیم مساجد ہیں، اردگرد میں جگہیں بھی خالی ہیں، لیکن کم ہیں، دوسری طرف مسلم بچوں کی دینی تعلیم بالخصوص عصری اسکولوں میں پڑھنے والے بچوں کے لئے جزء وقتی دینی تعلیم کا نظم ضروری ہوتا ہے، کمیٹی کے حضرات چاہتے ہیں کہ پوری مسجد شہید کردی جائے اور اردگرد کی جگہیں بھی لے لی جائیں، اور چند منزلیں بنادی جائیں، جن میں بیسمنٹ میں پارکنگ ہو اس کے اوپر جماعت گاہ ہو اور اس کے اوپر جزء وقتی درسگاہ ہو، یعنی مسلم بچوں کی تعلیم وتربیت کا نظم ہو اور بچوں سے تعلیمی فیس بھی لی جائے، تاکہ اساتذہ کی تنخواہ کے علاوہ مسجد کے مصالح پر صرف ہو یعنی درسگاہ کی منزل کرایہ پر ہو اور یہ آمدنی مصالح مسجد پر صرف ہو، کیا موجودہ حالات کے پیش نظر ایسا کیا جاسکتا ہے؟

جواب ۴: کسی قدیم مسجد کو مذکورہ بالا مقاصد کے لئے شہید کرنا اور اس کے حدود میں پارکنگ یا فیس والی تعلیم گاہ بنانا درست نہیں ہے، اردگرد کی خالی جگہوں کو اس کے لئے استعمال کیا جائے، اور اس کی آمدنی مسجد کو دی جائے، تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔

بڑی بلڈنگوں کی کسی ایک منزل یا اپارٹمنٹ کو مسجد بنانا

سوال نمبر (۵): بعض بڑے شہروں میں مسلمانوں کی خاصی تعداد بڑی بڑی بلڈنگوں اور اپارٹمنٹ میں رہتی ہے، وہاں کوئی مسجد نہیں ہوتی، اگر یہ مسلمان باہم مشورہ سے اپارٹمنٹ کے کسی حصہ کو خرید لیں اور نماز کے لئے مختص کرلیں اور جماعت سے وہاں نماز ادا کریں تو کیا اپارٹمنٹ کا یہ حصہ مسجد شرعی کہلائے گی؟ کیا اس پر مسجد کے احکام جاری ہونگے، یا اسے صرف جماعت گاہ کہیں گے؟

جواب: مسجد کے بارے میں (ظاہر الروایۃ کے مطابق) اصل ضابطہ تو یہی ہے کہ نیچے سے اوپر تک پوری عمارت مسجد کے لئے خاص ہو، اور اس سے کسی بندہ کا حق متعلق نہ ہو، لیکن بڑے شہروں اور گھنی آبادیوں میں جہاں دور دور مسجد نہ ہو، یا ناکافی ہو، اور پوری عمارت کا حصول بھی آسان نہ ہو، مسلمانوں کو مسجد کی محرومی سے بچانے کے لئے ضرورتاً کسی بڑی عمارت کی ایک منزل یا اپارٹمنٹ کو مسجد بنانے کی گنجائش ہوگی، بشرطیکہ مسجد میں آنے جانے کے لئے مستقل راستہ موجود ہو۔

آج کل بڑی بلڈنگیں بمنزلہ زمین کے ہیں، اور ان کے الگ الگ اپارٹمنٹ بمنزلہ پلاٹ کے ہیں، یعنی جس طرح زمینوں کے پلاٹ محض تجارتی بنیادوں پر فروخت ہوتے ہیں، ان کے پیچھے بیچنے والے کی کوئی نیت نہیں ہوتی کہ خریدنے والا کس غرض سے اس کو خرید رہا ہے، اسی طرح آج کل بڑی بلڈنگوں کے اپارٹمنٹ کی فروخت میں بھی بیچنے والے خالی الذہن ہوتے ہیں، ان کے پیچھے تجارت کے علاوہ کوئی نیت نہیں ہوتی، اس لئے خریدنے والا کسی منزل یا اپارٹمنٹ کو مسجد کی نیت سے خریدے تو گویا اس نے ایک بڑی اراضی کا ایک قطعہ مسجد کے لئے خریدا، اس لحاظ سے اگر اس اپارٹمنٹ میں کسی بندے کا حق متعلق نہیں ہے، اور نمازیوں کو آنے جانے کا راستہ بھی میسر ہے تو اس کے مسجد شرعی ہونے میں میرے نزدیک کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

چنانچہ کتب فقہ میں علو اور سفل کی بحث آئی ہے کہ اگر پوری عمارت کے بجائے صرف نچلی یا بالائی منزل کو مسجد کے لئے خاص کیا جائے تو کیا وہ مسجد شرعی ہوگی یا نہیں؟ ائمۂ احناف سے مختلف روایات منقول ہیں، حضرت امام ابوحنیفہؒ کی ایک روایت ہے کہ نچلی منزل وقف کی جائے تو مسجد شرعی ہوگی، ورنہ نہیں، کیونکہ اوپر والی منزل ٹوٹ سکتی ہے، اس لئے اس میں تابید کی شرط مفقود ہے، جب کہ امام محمدؒ سے اس کے برعکس روایت منقول ہے، ان کے پیش نظر مسجد کا احترام ہے، لیکن جب امام ابو یوسفؒ بغداد اور امام محمدؒ رے تشریف لے گئے اور ان بڑے شہروں کی صورت حال دیکھی، وہاں مکانات کی تنگی اور گرانی کا مشاہدہ کیا، تو ان بزرگوں نے ضرورت کی بنیاد پر نیچے یا اوپر ہر طرح کی منزلوں کو جداگانہ مسجد شرعی بنانے کی اجازت دی، بشرطیکہ آمد و رفت کا راستہ موجود ہو، اور وقفنامہ میں اس کی صراحت کی گئی ہو، جب کہ

بعض روایات میں یہ بھی ہے وقف نامہ میں راستہ کی شرط لگانے کی بھی ضرورت نہیں ہے، راستہ خود ہی اس میں شامل رہے گا، خواہ اس نے راستہ دیا ہو یا نہ دیا ہو، آج بڑے شہروں اور گھنی آبادیوں والے مقامات کے لئے اس کو نظیر بنایا جاسکتا ہے، ورنہ مسلمانوں کی کثیر تعداد مسجد کی فضیلت وثواب اور اس سے متعلق اعمال سے محروم رہ جائے گی۔ البتہ عام شہروں اور مقامات پر اس کی ضرورت نہیں ہے اس لئے وہاں وہی قاعدہ جاری ہوگا جو مسجد کے لئے معروف ہے، یعنی نیچے سے اوپر تک پوری عمارت مسجد یا مصالح مسجد کے لئے وقف ہو اور کسی بندہ کا حق اس سے متعلق نہ رہے۔

★(وَكَذَلِكَ إِنْ اتَّخَذَ وَسْطَ دَارِهِ مَسْجِدًا وَأَذِنَ لِلنَّاسِ بِالدُّخُولِ فِيهِ) يَعْنِي لَهُ أَنْ يَبِيعَهُ وَيُورَثُ عَنْهُ، لِأَنَّ الْمَسْجِدَ مَا لَا يَكُونُ لِأَحَدٍ فِيهِ حَقُّ الْمَنْعِ، وَإِذَا كَانَ مِلْكُهُ مُحِيطًا بِجَوَانِبِهِ كَانَ لَهُ حَقُّ الْمَنْعِ فَلَمْ يَصِرْ مَسْجِدًا، وَلِأَنَّهُ أَبْقَى الطَّرِيقَ لِنَفْسِهِ فَلَمْ يَخْلُصْ لِلَّهِ تَعَالَى (وَعَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّهُ لَا يَبَاعُ وَلَا يُورَثُ وَلَا يُوهَبُ) اعْتَبَرَهُ مَسْجِدًا، وَهَكَذَا عَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ يَصِيرُ مَسْجِدًا؛ لِأَنَّهُ لَمَّا رَضِيَ بِكَوْنِهِ مَسْجِدًا وَلَا يَصِيرُ مَسْجِدًا إلَّا بِالطَّرِيقِ دَخَلَ فِيهِ الطَّرِيقُ وَصَارَ مُسْتَحَقًّا، كَمَا يَدْخُلُ فِي الْإِجَارَةِ مِنْ غَيْرِ ذِكْرٍ -الشَّرْحُ :قَالَ (وَكَذَلِكَ إِنْ اتَّخَذَ وَسْطَ دَارِهِ مَسْجِدًا) وَسْطَ بِالسُّكُونِ لِأَنَّهُ اسْمٌ مُبْهَمٌ لِدَاخِلِ صَحْنِ الدَّارِ لَا لِشَيْءٍ مُعَيَّنٍ بَيْنَ طَرَفَيْ الصَّحْنِ وَكَلَامُهُ وَاضِحٌ .وَقَوْلُهُ (وَلِأَنَّهُ أَبْقَى الطَّرِيقَ لِنَفْسِهِ) فَلَمْ يَخْلُصْ لِلَّهِ تَعَالَى، حَتَّى لَوْ عُزِلَ بَابُهُ إلَى الطَّرِيقِ الْأَعْظَمِ صَارَ مَسْجِدًا.

سوال نمبر (۶): بعض اہل ثروت کئی منزلہ عمارت تعمیر کرتے ہیں، اور شروع ہی سے ان کی نیت ہوتی ہے کہ کسی ایک منزل کو مسجد بنانا ہے، اور طے کرلیں کہ تیسری منزل مسجد رہے گی اور نیچے کی دو منزلیں کمرشیل کیمپلکس رہے گا اور چوتھی اور پانچویں منزلوں میں کمپنی یا طباعتی ادارہ کے آفس ہونگے، یا نیٹ ورکنگ سسٹم کا کام ہوگا، سوال یہ ہے کہ ایسی عمارت میں جو منزل مسجد متعین ہوگی، کیا وہ مسجد شرعی کہلائے گی، کیا اس پر مسجد کے احکام جاری ہونگے؟

جواب: اس کا جواب بھی سوال نمبر ۵ کے مطابق ہے کہ ابتدائے تعمیر سے جب یہ ساری تفصیلات بانی عمارت کے ذہن میں ہیں، اور اس نے صرف ایک منزل کے لئے مسجد کی نیت کی ہے، جیسا کہ سوالنامہ میں ہے، تو یہ مسجد شرعی قرار پائے گی، اور مسجد سے متعلق تمام اعمال واحکام کی بجا آوری اس میں درست ہوگی۔ عبارتیں اوپر گذر چکی ہیں۔

علاوہ ازیں فقہاء نے مسجدیت کی تکمیل سے قبل کی نیت وارادہ کا بڑا لحاظ رکھا ہے، جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے، اس لحاظ سے جب شروع سے ہی مالک مکان نے مذکورہ تفصیلات کے ساتھ عمارت کے صرف ایک حصہ کو مسجد کے لئے متعین کیا ہے تو صرف وہی حصہ مسجد ہوگا باقی اوپر نیچے اور آس پاس کے حصے مسجد کے حکم سے خارج رہیں گے۔

ہمارے بزرگوں میں حضرت اقدس مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ نے بھی حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ کے فتویٰ کے حوالے سے اس پر غور کرنے کی ضرورت محسوس کی ہے۔

مسجد کی اراضی فروخت کر کے دوسری زائد آمدنی والی اراضی یا دکانیں خریدنا

سوال نمبر (۷): کچھ مسائل مسجد کی اراضی اور پراپرٹی سے بھی متعلق ہیں، جو عام طور پر پیش آتے ہیں، مثلاً بعض مساجد کی آمدنی کے لئے کچھ اراضی ہوتی ہیں، جو زراعتی ہوتی ہیں، عموماً زراعت میں اخراجات بہت ہوتے ہیں، اور آمدنی کم ہوتی ہے، جس سے مسجد کے اخراجات پورے نہیں ہوتے، متولیان چاہتے ہیں کہ اراضی فروخت کردی جائیں اور ان کے بدلے بازار میں دکانیں خریدی جائیں، تاکہ بذریعہ کرایہ مسجد اتنی آمدنی آتی رہے جس سے اخراجات پورے ہوں۔

سوال یہ ہوتا ہے کہ کیا زائد آمدنی کے پیش نظر مسجد کی اراضی فروخت کر کے دوسری زائد آمدنی والی اراضی یا دکانیں خریدنا درست ہے؟ اس سوال میں نزاکت یہ ہے کہ عموماً دیکھا جاتا ہے کہ اوقاف کی اراضی فروخت ہونے کے بعد ضائع ہوجاتی ہیں، اور بدل شاذ و نادر ہی حاصل ہو پاتا ہے، ایسی صورت میں کیا زائد آمدنی کے لئے موقوفہ اراضی فروخت کر کے دکانیں خریدی جاسکتی ہیں؟

جواب: وقف کو تبدیل کرنے کا ضابطہ یہ ہے کہ اگر خود واقف نے تبدیلی وقف کی اجازت دی ہے، تب تو اس کو تبدیل کرنے میں کوئی حرج نہیں، لیکن اگر واقف نے ایسی کوئی تصریح نہیں کی ہے، تو ایسی صورت میں قول مختار اور مفتیٰ بہ یہ ہے کہ جب تک کہ کلیتاً انتفاع معدوم نہ ہوجائے اس وقت تک وقف کو تبدیل کرنے کی اجازت نہیں ہوگی، اگر وقف کی اراضی کسی درجہ میں بھی نفع بخش ہیں تو ان کو تبدیل کرنا درست نہیں ہے، خواہ نفع کم ہی کیوں نہ ہو، نفع کا کم و بیش ہونا تبدیلیٔ وقف کے لئے وجہ جواز نہیں ہے، یعنی تبدیلی وقف کی دو ہی بنیادیں ہیں، وقف نامہ میں واقف کی طرف سے تبدیلی کی اجازت، دوسرے وقف کے تحفظ کی ضرورت ہے، نفع کم ہونے میں ان دونوں باتوں میں سے کوئی بات پائی نہیں جاتی، اور اس قول مختار کی ایک بڑی وجہ وہ اندیشہ بھی ہے جس کا ذکر سوالنامہ میں کیا گیا ہے، کہ عموماً اس طرح کے مواقع پر سنجیدگی کے ساتھ کسی بہتر متبادل کی کوشش نہیں کی جاتی ہے اور وقف کے ضائع ہوجانے کا اندیشہ رہتا ہے۔

لیکن اس کے بالمقابل ایک دوسری روایت جو امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ اور بعض دیگر فقہاء کی طرف منسوب ہے یہ ہے کہ نفع حد اعتدال سے کم ہوجانے کی صورت میں بھی وقف کو تبدیل کرنے کی اجازت ہوگی، میرے خیال سے اگر قاضی وقت (بشرطیکہ میسر ہو) یا کسی معتبر ادارہ کی نگرانی میں یہ عمل کیا جائے اور وقف کے ضائع ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو دوسری رائے کو اختیار کرنے کی گنجائش ہے، کہ اس سے زیادہ بہتر شکل میں مقاصد وقف کی تکمیل ہوسکے گی۔

★والثالث أن لا يشرطه أيضا ولكن فيه نفع في الجملة وبدله خير منه ريعا ونفعا، وهذا لا يجوز

استبداله على الأصح المختار. وأفاد صاحب البحر في رسالته في الاستبدال أن الخلاف في الثالث إنما هو في الأرض إذا ضعفت عن الاستغلال بخلاف الدار إذا ضعفت بخراب بعضها ولم تذهب أصلا فإنه لا يجوز حينئذ الاستبدال على كل الأقوال، قال: ولا يمكن قياسها على الأرض فإن الأرض إذا ضعفت لا يرغب غالبا في استئجارها بل في شرائها، أما الدار فيرغب في استئجارها مدة طويلة لأجل تعميرها للسكنى على أن باب القياس مسدود في زماننا، وإنما للعلماء النقل من الكتب المعتمدة كما صرحوا به.

★وفي فتح القدير والحاصل أن الاستبدال إما عن شرط الاستبدال أو لا عن شرطه، فإن كان لخروج الوقف عن انتفاع الوقوف عليهم فينبغي أن لا يختلف فيه، وإن كان لا لذلك بل اتفق أنه أمكن أن يؤخذ بثمنه ما هو خير منه مع كونه منتفعا به فينبغي أن لا يجوز، لأن الواجب إبقاء الوقف على ما كان عليه دون زيادة، ولأنه لا موجب لتجويزه لأن الموجب في الأول الشرط، وفي الثاني الضرورة ولا ضرورة في هذا إذ لا تجب الزيادة بل نبقيه كما كان اهـ أقول ما قاله هذا المحق هو الحق الصواب اهـ

★وفي الخلاصة وفي فتاوى النسفي بيع عقار المسجد لمصلحة المسجد لا يجوز وإن كان بأمر القاضي، وإن كان خرابا، فأما بيع النقض فيصح، ونقل عن شمس الأئمة الحلواني أنه يجوز للقاضي وللمتولي أن يبيعه ويشتري مكانه آخر وإن لم ينقطع ولكن يؤخذ بثمنه ما هو خير منه للمسجد لا يباع، وقد روي عن محمد إذا ضعفت الأرض الموقوفة عن الاستغلال والقيم يجد بثمنها أخرى هي أكثر ريعا كان له أن يبيعها ويشتري بثمنها ما هو أكثر ريعا، وفي الفتاوى: قيم وقف خاف من السلطان أو من وارث يغلب على أرض وقف يبيعها ويتصدق بثمنها، وكذا كل قيم إذا خاف شيئا من ذلك له أن يبيع ويتصدق بثمنها، قال الصدر الشهيد والفتوى على أنه لا يبيع، وما يوافق هذا ما روى الإمام السرخسي في السير الكبير في بابي الأسير في الدفتر الثاني ذكر مسألة ثم قال وبهذا تبين خطأ من يجوز استبدال الوقف، والشيخ الإمام ظهير الدين كان يفتي بجواز الاستبدال ثم رجع اهـ. ما في الخلاصة وفي شرح الوقاية أن أبا يوسف يجوز الاستبدال في الوقف من غير شرط إذا ضعفت الأرض من الريع ونحن لا نفتي به وقد شاهدنا في الاستبدال من الفساد ما لا يعد ولا يحصى فإن ظلمة القضاة جعلوه حيلة إلى إبطال أكثر أوقاف المسلمين وفعلوا ما فعلوا.

مساجد کی زیر ملکیت اراضی پر مکاتب یا مدارس قائم کرنا

جواب: ۸۔ مساجد کی زیر ملکیت اراضی کو جو کہ عین مسجد سے خارج ہوں تحفظ یا آمدنی کی غرض سے کرایہ پر

لگانا یا ان میں مکاتب یا مدارس قائم کرنا درست ہے، فقہاء نے وقف کی اراضی میں آمدنی کے لئے تعمیرات کی اجازت دی ہے، اس سے مقاصد وقف میں خلل نہیں آتا، بلکہ ان کی توسیع ہوتی ہے، وقف کے مستحقین کے لئے یہ زیادہ نفع بخش ہے، جو کہ وقف کا مطلوب ہے:

★وَلَوْ كَانَتْ الْأَرْضُ مُتَّصِلَةً بِبُيُوتِ الْمِصْرِ يَرْغَبُ النَّاسُ فِي اسْتِئْجَارِ بُيُوتِهَا وَتَكُونُ غَلَّةُ ذَلِكَ فَوْقَ غَلَّةِ الزَّرْعِ وَالنَّخْلِ كَانَ لِلْقَيِّمِ أَنْ يَبْنِيَ فِيهَا بُيُوتًا فَيُؤَاجِرَهَا لِأَنَّ الِاسْتِغْلَالَ بِهَذَا الْوَجْهِ يَكُونُ أَنْفَعَ لِلْفُقَرَاءِ

★ولو كانت الأرض متصلة يرغب الناس في استئجار بيوتها وتكون غلة ذلك فوق غلة الزرع والنخيل كان للقيم أن يبني فيها بيوتا فيؤاجرها بخلاف ما إذا كانت الأرض الموقوفة بعيدة من بيوت المصر فإن ثمة لا يكون للقيم أن يبني فيها بيوتا يؤاجرها كذا في فتاوى قاضي خان

★قيم يبيح فناء المسجد ليتجر فيه القوم أو يضع فيه سررا أجرها ليتجر فيها الناس فلا بأس إذا كان لصلاح المسجد ويعذر المستأجر إن شاء الله تعالى إذا لم يكن ممر العامة

مساجد اور ان کے اوقاف سے متعلق چند مسائل

مفتی راشد حسین ندوی

(مہتمم مدرسہ ضیاء العلوم رائے بریلی)

سوال نمبر (۱): پرانی مسجد کی توسیع کر کے اوپر کی منزل میں طلباء کی رہائش گاہ بنانا؟

وقف میں ردّ و بدل کی شریعت میں کوئی گنجائش موجود نہیں ہے اور مساجد بھی نہ صرف یہ کہ اوقاف میں شامل ہیں بلکہ ان کے احکام میں نزاکت اور زیادہ بڑھی ہوئی ہے، اس لیے کہ مساجد کو اللہ کا گھر قرار دیا گیا ہے:

{وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ} (الجن: ۱۸) (اور مسجدیں اللہ کے لیے ہیں۔)

اسی لیے فقہاء کا اجماع ہے کہ مساجد کی تعظیم کرنا اور ان کو محفوظ رکھنا واجبات میں سے ہے اور احادیث نیز فقہاء کی عبارات میں مساجد میں اٹھنے بیٹھنے اور داخل ہونے اور نکلنے کے خصوصی احکام بیان کیے گئے ہیں۔

پھر جب شرعی طور سے کوئی جگہ مسجد بن گئی تو وہ اب ثریا سے تحت الثریٰ تک مسجد بن گئی ہے:

"وكره تحريماً الوطء فوقه والبول والتغوط لأنه مسجد إلى عنان السماء (قوله إلى عنان السماء) وكذا إلى تحت الثرى كما في البيري عن الاسبيجابي الخ" (شامي: ۱/۶۵۶) (ط الحلبي)

(اور اس کے اوپر جماع نیز پیشاب و پاخانہ کرنا مکروہ تحریمی ہے، اس لیے کہ وہ آسمان کی بلندیوں سے لے کر تحت الثریٰ تک مسجد ہے۔)

اسی لیے فقہاء نے تصریح کی ہے کہ مسجدیت مکمل ہونے کے بعد مسجد کے اوپر امام کے لیے کمرہ اور رہائش گاہ نہیں بنا سکتے، البتہ مسجدیت کی تکمیل سے پہلے کسی ایسی چیز کی تعمیر کر سکتے ہیں، جس کا تعلق مسجد کے مصالح سے ہو جیسے امام کے لیے کمرہ، چٹائی وغیرہ رکھنے کے لیے جگہ، یا مسجد کی ماتحتی میں چلنے والا مکتب:

"فرع لو بنى فوقه بيتاً للإمام لا يضر لأنه من المصالح، أما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع، ولو قال عنيت ذلك لم يصدق، فإذا كان هذا في الواقف فكيف بغيره فيجب هدمه الخ" (الدر المختار على هامش رد المحتار: ۴/۳۵۸، كتاب الوقف فرع، بنى بيتاً للإمام فوق المسجد ط حلبي)

(فرع: اگر مسجد کے اوپر امام کے لیے حجرہ بنایا تو مضر نہیں ہے، اس لیے کہ یہ مصالح میں سے ہے اور اگر

مسجدیت مکمل ہوجائے پھر بنانے کا ارادہ کرے تو اس کو منع کر دیا جائے گا اور اگر کہے کہ میں نے اس کی نیت کی تھی تو اس کی تصدیق نہیں کی جائے، تو جب واقف میں یہ مسئلہ ہے تو دوسرے میں کیا ہوگا؟! لہٰذا اس کو توڑ ڈالنا واجب ہوگا۔)

مذکورہ دلائل سے واضح ہوگیا کہ کسی پرانی مسجد کی ضرورت کے تحت اس مقصد سے توسیع کرنا کہ زیادہ سے زیادہ نمازیوں کی گنجائش نکل آئے بڑی اچھی بات ہے، لیکن اگر اس نیت سے منزلیں بڑھائیں کہ ان کو نماز کے علاوہ دوسرے کاموں کے لیے استعمال کیا جاسکے، جیسے طلباء کے لیے ہاسٹل، مستقل طور سے درس گاہ یا مدرسہ، تو یہ جائز نہیں ہوگا، اس لیے کہ فقہاء نے صراحت سے اس سے منع کیا ہے، جہاں تک فقہی طور پر اس عمل کی تکییف کا تعلق ہے تو علامہ حصفکی نے مختلف حوالوں سے اس کے منہدم کرنے کو واجب قرار دیا ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس نیت سے اضافہ کرنا مکروہ تحریمی ہے، لیکن چونکہ ہمارے پاس کوئی ایسی دلیل اس کے عدم جواز کی موجود نہیں ہے، جس کو قطعی الدلالہ والثبوت کہا جاسکے، لہٰذا اس کو حرام قرار نہیں دیا جاسکتا۔ واللہ اعلم!

سوال نمبر (۲): قدیم مسجد کی نئی تعمیر میں نیچے دکانیں نکالنا؟

قدیم مسجد کی نئی تعمیر اس مقصد سے کرنا کہ مصلیوں کے لیے جگہ میں اضافہ ہوسکے اچھی بات ہے، لیکن اس مقصد سے مسجد شہید کرنا تاکہ مسجد کی آمدنی کے لیے نیچے دوکانیں نکالی جاسکیں، یا اوپر امام اور مؤذن کے تنہا رہنے کے لیے یا فیملی کے ساتھ رہنے کے لیے حجرے بنائے جاسکیں شرعاً درست نہیں ہے، فقہاء نے اس سے صراحت سے منع کیا ہے، چنانچہ گذشتہ سوال کے تحت صاحبِ ''الدرالمختار'' کی یہ عبارت گذر چکی ہے:

''ولو بنی فوقه بیتاً للإمام لا یضر لأنه من المصالح، اما لو تمت المسجدیة ثم أراد البناء منع الخ۔''

(اگر مسجد کے اوپر امام کے لیے کمرہ بنائے تو یہ مضر نہیں ہے، اس لیے کہ یہ مصالح میں سے ہے، البتہ اگر مسجدیت مکمل ہوگئی پھر اس نے تعمیر کا ارادہ کیا تو اس کو منع کر دیا جائے گا۔)

اسی طرح ''فتاویٰ ہندیہ'' میں ہے:

''قیم المسجد لا یجوز له أن یبنی حوانیت فی حد المسجد أو فی فنائه، لأن المسجد إذا جعل حانوتاً ومسکناً تسقط حرمته وهذا لا یجوز.'' (۲/۴۶۲)

(مسجد کے متولی کے لیے مسجد کی حدود یا اس کے ملحق حصے میں دوکانیں بنانا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ جب مسجد کو دوکان یا رہائش گاہ بنا دیا جائے گا تو اس کی حرمت ساقط ہوجائے گی اور یہ ناجائز ہے)۔

خلاصہ جواب یہ کہ مصالح مسجد کے پیش نظر قدیم مسجد اس مقصد سے شہید کرنا تاکہ نیچے کی منزل میں مسجد کی آمدنی کے لیے دوکانیں نکال دی جائیں یا اوپر کی منزل پر امام یا مؤذن کی رہائش کا نظم کر دیا جائے، صحیح اور جائز نہیں ہے۔ واللہ اعلم!

سوال نمبر (۳): قدیم مسجد کی نئی تعمیر میں بیسمنٹ میں پارکنگ بنانا؟

سوال (۱) وسوال (۲) کے تحت جو فقہی عبارات درج کی گئی ہیں، ان میں صراحت سے مسجدیت مکمل ہونے کے بعد اس کی اس حیثیت کو مجروح کرنے والے کسی بھی عمل سے روکا گیا ہے، گاڑیوں کے لیے پارکنگ کا ہونا عصر حاضر کی ایک اہم ضرورت بن گئی ہے، لہٰذا اس کے مصالح مسجد میں سے ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے، اس طرح ایک طرف وہ عبارتیں ہیں جن سے صاف طور سے اس کی ممانعت معلوم ہوتی ہے، دوسری طرف موجودہ حالات کا تقاضا ہے کہ پارکنگ ضرور ہو، ورنہ کئی طرح کے مسائل پیدا ہو سکتے ہیں، اس کا حل یہ سمجھ میں آتا ہے کہ قدیم مساجد کی تعمیر نو میں مسجد کے نیچے بیسمنٹ کی تعمیر کی جائے اور اس کو مسجد کے حکم میں قرار دیا جائے، لیکن لوگوں کو مسجد کے تمام آداب کی رعایت کے ساتھ اس میں گاڑی پارک کرنے کی اجازت دی جائے۔

آداب کی رعایت سے ہماری مراد یہ ہے کہ لوگوں سے کہا جائے کہ گاڑی خاص طور سے اس کے ٹائر پاک رکھنے کا اہتمام کرتے ہوئے ہی بیسمنٹ میں پارک کریں بلکہ بہتر یہ ہوگا کہ باہر کوئی ایسا نظم کر دیا جائے جس سے ٹائر کی صفائی آسانی سے ہو جایا کرے، اس طرح ہم بیسمنٹ کو مسجد مانتے ہوئے اس میں گاڑی پارک کر سکیں گے اور شرعی حکم اور زمانہ کی ضرورت میں ہم آہنگی پیدا کر سکیں گے۔

خلاصہ جواب یہ کہ بیسمنٹ کو مستقل طور پر پارکنگ بنانا درست نہیں ہے، وہ جب ایک مرتبہ مسجد کے حکم میں ہو چکی ہے تو اس کی حیثیت میں تبدیلی نہیں کی جا سکتی ہے، البتہ بیسمنٹ کو مسجد مانتے ہوئے مسجد کے آداب کی رعایت کے ساتھ اس میں گاڑیاں کھڑی کی جائیں تو شرعاً کوئی حرج نہیں ہوگا۔ واللہ اعلم!

سوال نمبر (۴): مسجد کی تعمیر نو میں بیسمنٹ میں پارکنگ اور بالائی منزل پر بچوں کے لیے مکتب بنانا؟

بیسمنٹ کے بارے میں سوال (۳) کے تحت پوری بات عرض کی جا چکی ہے۔ پرانی مسجد شہید کر کے اس کے بیسمنٹ میں پارکنگ خاص انداز میں ہی ہو سکتی ہے، البتہ مسجد سے باہر جگہ کی بیسمنٹ میں بنائی جا سکتی ہے۔ جہاں تک اوپر کی منزلوں پر مکتب قائم کرنے کا سوال ہے تو عصری درس گاہوں میں تعلیم حاصل کرنے والے نونہالوں کو ناظرۂ قرآن اور اسلام کی بنیادی چیزیں سکھانے کے لیے اس طرح کے مکاتب کا وجود ضروری ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اگر یہ نظم ہر محلہ میں مساجد کے تحت ہو تو اس کا نفاذ بہت ہی آسان رہے گا اور فقہاء نے مسجد کے زیر انتظام مسجد میں مکاتب کے چلانے کی اجازت دی ہے، چنانچہ ''البحر الرائق'' میں صراحت سے ہے:

''لأن المسجد ما بنی إلا لها من صلاة واعتكاف وذكر شرعي وتعليم علم وتعلمه وقراءة قرآن.''

(البحر الرائق: ۲/۶۰، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها)

(اس لیے کہ مسجدوں کو صرف عبادات مثلاً: نماز، اعتکاف، ذکر شرعی، علم سکھانے اور سیکھنے اور تلاوتِ قرآن

کے لیے تعمیر کیا گیا ہے۔)

دوسری جگہ ہے:

"ویجوز الدرس فی المسجد۔الخ" (البحر الرائق، کتاب الوقف، فصل فی أحکام المساجد: ۵/۴۱۹)

(مسجد میں درس دینا جائز ہے۔)

اور دوسری عبارات سے اس معلم کے مسجد میں تعلیم دینے کی صراحت سے اجازت ملتی ہے جو اجرت دے کر تعلیم دیتا ہے، چنانچہ "فتاویٰ بزازیہ علیٰ ہامش الہندیہ" میں ہے:

"وتعلیم الصبیان فیہ بلا أجر وبالأجر یجوز۔" (کتاب الکراھیۃ، الباب الثانی فی العبادات، نوع فی المسجد: ۶/۳۵۷)

(مسجد میں بغیر اجرت کے اور اجرت کے ساتھ بچوں کو تعلیم دینا جائز ہے۔)

اور "فتاویٰ ہندیہ" میں ہے:

"أما المعلم الذی یعلم الصبیان بأجر إذا جلس فی المسجد یعلم الصبیان لضرورۃ الحر أو غیرہ لا یکرہ۔" (الفتاویٰ الھندیۃ: ۱/۱۱۰)

بعض عبارات میں اجرت لے کر پڑھانے والے کے لیے مسجد میں بیٹھنے کو مکروہ بھی قرار دیا گیا ہے، لیکن یہ بظاہر اس صورت میں ہے جب وہ ہر بچہ سے خود فیس وصول کرے، لیکن اگر معلم کو تعلیم کے لیے مسجد نے رکھا، فیس انتظامیہ نے وصول کی اور اس سے مدرس کی تنخواہ اور دوسرے مصارف کا نظم کیا تو اس میں کوئی کراہت انشاء اللہ نہیں ہوگی۔

خلاصہ جواب یہ کہ اوپری منزل کو مسجد تسلیم کرتے ہوئے وہاں جزئی دینی تعلیم کا نظم کرنا نیز بچوں سے فیس لے کر معلمین کی تنخواہ اور مسجد کے دوسرے مصارف پر لگانا جائز ہوگا، اس میں یہ شکل بھی ہوسکتی ہے کہ فیس میں اساتذہ کی تنخواہ کے ساتھ مسجد کی جو جگہ بچوں کی تعلیم کے لیے استعمال ہورہی ہے اس کو پیش نظر رکھا جائے اور فیس کو مسجد نیز تنخواہ پر صرف کیا جائے، رہا بیسمنٹ میں پارکنگ بنانا تو وہ مسجد کے علاوہ جگہ میں جائز ہے، مسجد کی جگہ میں سوال ۳ کے جواب کے مطابق کیا جاسکتا ہے۔

سوال نمبر (۵): بڑی بلڈنگ یا اپارٹمنٹ کے کسی حصے کو مسجد بنانا؟

گذشتہ اوراق میں "شامی" کے حوالہ سے گذر چکا ہے کہ مسجد ثریٰ سے ثریا تک مسجد ہوتی ہے، اس لیے ظاہر مذہب کے مطابق اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ عمارت کی کسی ایک منزل کو مسجد قرار دیا جائے اور اس کی اوپری یا نچلی منزل تجارتی کامپلکس ہو، یا رہائشی مکان ہو، البتہ یہ تجارتی کامپلکس یا مکان اگر خود مصالح مسجد کے لیے ہو مثلاً: نئی

مسجد تعمیر ہورہی ہواوراس میں نیچے کی منزل میں مسجد کی آمدنی کے لیے دوکانیں بنوائی جائیں اوراوپرامام صاحب کے لیے فیملی کواٹر یا مسجد سے متعلق کوئی اور چیز بنوائی جائے، یا مسجد کے ماتحت مدرسہ بنایا جائے، یا بیسمنٹ میں کار پارکنگ بنائی جائے، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہوگا اور شرعاً جائز ہوگا، رہی وہ صورت جب مسلمانوں نے اپارٹمنٹ کے کسی حصے کو خرید کر نماز کے لیے خاص کر دیا ہو، تو ظاہر ہے کہ اس کے اوپر اور نیچے کی منزلیں مسجد کی ملکیت نہیں ہیں، لہٰذا ظاہر مذہب کے مطابق یہ مسجد شرعی نہیں ہے، البتہ غیر ظاہر الروایہ میں امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نیز خود امام صاحبؒ سے اسکا جواز منقول ہے، چنانچہ ''ہدایہ'' میں ہے:

''ومن جعل مسجداً تحته سرداب أو فوقه بيت وجعل باب المسجد إلى الطريق، وعزله عن ملكه فله أن يبيعه وإن مات يورث عنه، لأنه لم يخلص لله تعالىٰ لبقاء حق العبد متعلقاً به، ولو كان السرداب لمصالح المسجد جاز كما في مسجد بيت المقدس، وروى الحسن عنه أنه قال: إذا جعل السفل مسجداً وعلىٰ ظهره مسكن فهو مسجد، وعن محمد على عكس هذا، لأن المسجد معظم، وإذا كان فوقه مسكن أو مستغل يتعذر تعظيمه، وعن أبي يوسف أنه جوّز في الوجهين حين قدم بغداد ورأى ضيق المنازل فكأنه اعتبر الضرورة، وعن محمد أنه حين دخل الرى أجاز ذلك كله لما قلنا۔'' (هداية مع الفتح: ۵/۴۴۴-۴۴۵)

(اور جو شخص مسجد ایسی بنائے جس کا بیسمنٹ ہو یا جس کے اوپر کمرہ ہو اور مسجد کا دروازہ راستہ کی طرف کر دے اور اس کو اپنی ملکیت سے علاحدہ کر دے تو اسے اس کو فروخت کرنے کا اختیار ہوگا اور اگر وہ مرجائے تو یہ اس کی میراث میں شامل ہوگی، اس لیے کہ اس سے حق عبد متعلق ہونے کی وجہ سے وہ خالص اللہ کے لیے نہیں ہوئی اور بیسمنٹ اگر مسجد کے کاموں کے لیے ہو تو جائز ہوگا جیسا کہ بیت المقدس کی مسجد میں ہے اور حسن بن زیاد نے امام صاحب سے نقل کیا ہے کہ جب وہ نچلی منزل کو مسجد قرار دے بحالینکہ اس کے اوپر گھر ہو تو وہ مسجد ہوگی اور امام محمد سے اس کے برعکس منقول ہے، اس لیے کہ مسجد کی تعظیم ہونی چاہیے اور جب اس کے اوپر گھر یا ذریعہ آمدنی ہو تو اس کی تعظیم دشوار ہوگی اور امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ جب وہ بغداد آئے اور انہوں نے مکانوں کی تنگی دیکھی تو انہوں نے دونوں صورتوں میں اس طرح کی مسجد کو جائز قرار دیا، تو گویا انہوں نے ضرورت کا اعتبار کیا اور امام محمد سے مروی ہے کہ جب وہ رے میں داخل ہوئے تو اس وجہ سے جو ہم نے کہی ہے انہوں نے ان سب کی اجازت دے دی۔)

اور علامہ ابن نجیمؒ صراحت سے فرماتے ہیں:

''وحاصله أن شرط كونه مسجداً أن يكون سفله وعلوه مسجداً لينقطع حق العبد عنه، لقوله تعالىٰ: {وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ} (الجن: ۱۸) بخلاف ما إذا كان السرداب أو العلو موقوفاً لمصالح المسجد

فإنه يجوز إذ لا ملک فيه لأحد بل هو من تتميم مسالح المسجد ... هذا هو ظاهر المذهب، وهناک روايات ضعيفة مذكورة في الهداية۔" (البحر الرائق: ۵/۲۷۱، ط دار الكتاب الإسلامي، حاشية ابن عابدين شامي: ۴/۳۵۸)

(اور خلاصہ کلام یہ کہ اس کے مسجد ہونے کی شرط یہ ہے کہ اس کی نچلی اور اوپری منزل بھی مسجد ہوتا، کہ اس سے حق عبد منقطع ہوجائے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''اور یہ کہ مسجدیں اللہ کے لیے ہیں'' برخلاف اس صورت کے جب تہہ خانہ یا اوپری منزل مسجد کے کاموں کے لیے وقف ہوں تو یہ جائز ہوگا، اس لیے کہ اس میں کسی کی ملکیت نہیں ہے بلکہ وہ مصالح مسجد کے اتمام کے لیے ہے..... ظاہر مذہب یہی ہے اور وہاں کچھ ضعیف روایات ہیں جو ہدایہ میں مذکور ہیں)۔

یہ عبارات اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہیں، یعنی ظاہر الروایہ کے مطابق کوئی جگہ مسجد شرعی اسی وقت بن سکتی ہے جب اس کے نیچے اوپر مسجد یا متعلقات مسجد ہوں، اگر کسی دوسرے شخص کا گھر یا دوکان ہو تو وہ مسجد کے حکم میں نہیں ہے، اس کا وقف مکمل نہیں ہے، لہٰذا وہ واقف یا واقفین کی ملکیت قرار دی گئی، لیکن غیر ظاہر الروایہ ہمارے تینوں ائمہ سے اس طرح کی منقول ہیں جن سے اس کا جواز ظاہر ہوتا ہے، اصحابِ افتاء کا فتویٰ عمومی طور پر ظاہر الروایہ پر ہے مثلاً: دارالافتاء دیوبند کے ایک تفصیلی فتویٰ میں یہ عبارت بھی ہے:

''پس آپ کے شہر (ممبئی) میں اگر اس طرح کی کچھ مسجدیں بنائی گئی ہیں یعنی کسی بلڈنگ کا کوئی فلیٹ یا منزل نماز کے لیے خاص کردی گئی اور بقیہ منزلیں حسب سابق مالکان کی ملکیت ہیں، جن میں رہائشی فلیٹ یا دوکان وغیرہ ہیں تو وہ صرف جماعت خانے ہیں، مسجد شرعی نہیں ہیں۔'' (جواب: ۱۷۴۲۱۹)

لیکن یہ کوئی منصوص مسئلہ نہیں ہے جس میں اجتہاد نہ ہوسکتا ہو، اس لیے راقم کی رائے ہے کہ ضرورت وحاجت کے پیش نظر یا تو صاحبین کا وہ قول اختیار کرلیا جائے جو غیر ظاہر الروایہ میں منقول ہے، یا یہ کہا جائے کہ عبارت ''ومن جعل باب المسجد الخ'' میں یہ نہیں کہا جارہا ہے کہ اس کو مسجد کے احکام حاصل نہیں ہوں گے، حکماً وہ مسجد ہے، اس میں نماز پڑھنے سے مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب ملے گا، جنبی اور حائضہ کا وہاں جانا جائز نہیں ہوگا، وہاں پر اعتکاف کرنا درست ہوگا، لیکن چونکہ وقف کی شرائط نہیں پائی جارہی ہیں، لہٰذا اس پر ملکیت واقفین کی ہوگی اور کبھی بھی اس میں تبدیلی کرنا جائز ہوگا، جہاں تک ائمہ ثلاثہ کا تعلق ہے تو موسوعہ فقہیہ کے مطابق تو ان کے نزدیک یہ وقف صحیح ہے:

"أجاز الشافعية والمالكية والحنابلة جعل علو الدار مسجداً دون سفلها والعكس، لأنهما عينان يجوز وقفها، فجاز وقف أحدهما دون الآخر۔" (الموسوعة الفقهية: ۱۲/۲۹۵)

خلاصہ جواب یہ کہ اگر اپارٹمنٹ کے کسی حصے کو خرید کر مسجد بنایا جائے تو ظاہر الروایہ اور مفتی بہ قول کے مطابق

وہ شرعی مسجد نہیں ہوگی، لیکن یہ مجتہد فیہ قول ہے، لہٰذا زمانہ کی ضروریات اور دوسرے ائمہ کے اقوال کے پیش نظر خواہ اس کو جماعت خانہ قرار دیا جائے لیکن اس کو مسجد کے تمام احکام دینے چاہیے، اس لیے کہ اس کے لیے بظاہر کوئی مانع نہیں ہے۔ واللہ اعلم!

سوال نمبر (۶): بڑی عمارت کی تعمیر کے وقت ابتداء ہی سے اس کی کسی منزل کو مسجد قرار دینے کی نیت کرنا؟

اس سوال کا تفصیلی جواب سوال ۵ کے تحت گذر چکا ہے، یعنی ظاہر الروایہ اور مفتی بہ قول کے مطابق وہ جماعت خانہ ہے، مسجد شرعی نہیں ہے، لیکن راقم کے خیال میں اس مسئلہ پر زمانہ کی حاجات کو دیکھتے ہوئے مزید غور وفکر کی ضرورت ہے۔

سوال نمبر (۷): مسجد پر وقف زمینوں میں تبدیلی؟

اگر مسجد کی آمدنی کے لیے کوئی زراعتی زمین وقف کی جائے اور اس کی آمدنی برائے نام ہو، مصارف زیادہ ہوں یا آمدنی بالکل نہ ہو تو کیا متولی اس کو فروخت کر کے اس کے بدلہ میں مسجد کے لیے دوکانیں خرید سکتا ہے؟ یہ مسئلہ نازک ہے، اس لیے کہ اگر فروخت کی اجازت دی جائے تو اندیشہ ہے کہ زمین کی فروخت ہو جائے اور مختلف موانع کے سبب دوکانوں کی خریداری نہ ہو سکے اور اگر اجازت نہ دی جائے تو مسجد کا کھلا ہوا نقصان ہے۔

خیال رہے کہ وقف مکمل ہونے کے بعد اس میں کسی طرح کا تصرف کرنا جائز نہیں ہوتا ہے:

"فإذا تم ولزم لا يملك ولا يملك ولا يعار ولا يرهن۔" (الدر المختار: ۳۵۲-۴/۳۵۱، ط الحلبی)

(اور جب وقف مکمل اور لازم ہو جائے تو نہ تو وہ واقف کی ملکیت میں رہے گا، نہ تو اس کا دوسرے کو مالک بنانا درست ہوگا، نہ اسے عاریت پر یا رہن پر دیا جائے گا۔)

اور "ہندیہ" میں ہے:

"فيلزم ولا يباع ولا يوهب ولا يورث الخ" (هندية: ۲/۳۵۰)

(تو وہ لازمی ہو جائے گا، نہ فروخت کیا جائے گا، نہ ہبہ کیا جائے گا اور نہ اس پر وراثت جاری ہوگی۔)

لیکن کیا وقف کا استبدال کرنا جائز ہے؟ یعنی وقف کو فروخت نہ کیا جائے، بلکہ اس کے عوض دوسری جائداد حاصل کر لی جائے، اس کے بارے میں علامہ شامی نے تفصیلی بحث کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ استبدال کی تین صورتیں ہیں:

(۱) خود واقف نے استبدال کی شرط لگا دی ہو، تو اس صورت میں بالاتفاق استبدال جائز ہے۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ واقف نے ایسی کوئی شرط نہیں لگائی، لیکن موقوفہ اراضی سے کسی بھی طرح کا فائدہ

حاصل نہیں ہورہا ہے، اس صورت میں بھی قاضی کی اجازت سے استبدال جائز ہے اور قاضی اگر اس میں مصلحت سمجھتا ہے تو اجازت دے دے گا، (اور جہاں قاضی نہ ہو وہاں مسجد کمیٹی محلہ کے سمجھدار لوگوں کے مشورہ سے ایسا کرسکتی ہے۔)

(۳) واقف نے ایسی کوئی شرط نہیں لگائی، نہ ہی موقوفہ جائیداد سے نفع بالکلیہ منقطع ہوا ہے، البتہ اگر استبدال کرلیا جائے تو زیادہ نفع ہوگا، صحیح قول کے مطابق اس صورت میں استبدال جائز نہیں ہے:

"قوله وجاز شرط الاستبدال به، اعلم أن الاستبدال علىٰ ثلاثة وجوه، الأول: أن يشترطه الواقف لنفسه أو لغيره فالاستبدال فيه جائز علىٰ الصحيح وقيل اتفاقاً والثاني الخ" (شامی: ۴/۳۸۴)

صاحب "البحر الرائق" نے بھی بعض مشائخ سے منافع کے کلی طور پر منقطع ہونے پر استبدال کے جواز کی حکایت کی ہے اور بعض مشائخ سے ہر حالت میں عدم جواز کی روایت نقل کی ہے، ان کا استدلال اسی سے ہے جس کی طرف سوال میں بھی اشارہ ہے کہ اجازت دینے میں اوقاف کے ضیاع کا اندیشہ ہے:

"وفي شرح الوقاية أن أبا يوسف يجوّز الإستبدال في الوقف من غير شرط إذا ضيعت الأرض من الريع ونحن لا نفتي به وقد شاهدنا في الإستبدال من الفساد ما لا يعد ولا يحصى (إلىٰ) وفي الذخيرة سئل شمس الأئمة الحلواني عن أوقاف المسجد إذا تعطلت وتعذر استغلالها هل للمتولي أن يبيعها ويشتري مكانها أخرىٰ؟ قال: نعم، قيل إن لم تتعطل ولكن يؤخذ بثمنها ما هو خير منها، هل له أن يبيعها؟ قال لا الخ" (البحر الرائق: ۵/۲۲۳)

صاحب "ردالمحتار" علامہ ابن عابدین شامی نے بحر وغیرہ کے حوالے سے پانچ شرائط کے ساتھ قاضی کے لیے استبدال کو جائز قرار دیا ہے:

(۱) وقف سے کلی طور پر فائدہ نہ ہورہا ہو۔

(۲) وقف کی کوئی ایسی آمدنی نہ ہو جس سے اس کو نفع بخش بنایا جائے (یا یہ کہ اس کو نفع بخش بنانا ممکن نہ ہو)

(۳) بیع غبن فاحش کے ساتھ نہ کی جائے۔

(۴) قاضی صاحب علم وعمل ہو، یعنی علم کے ساتھ ساتھ پرہیزگار بھی ہو۔

(۵) دراہم ودینار کے بجائے استبدال جائیداد سے کیا جائے۔

"والمعتمد أنه بلا شرط يجوز للقاضي بشرط أن يخرج عن الانتفاع بالكلية، وأن لا يكون هناك ريع للوقف يعمر به وأن لا يكون البيع بغبن فاحش، وشرط الإسعاف أن يكون المستبدل قاضي الجنة المفسر بذي العلم والعمل ... ويجب أن يزاد آخر في زماننا: وهو أن يستبدل بعقار لا بدراهم ودنانير الخ" (شامی: ۴/۳۸۶)

اور مفتی محمود صاحب گنگوہیؒ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

''اگر اس زمین سے مسجد کو نفع حاصل کرنے کی کوئی صورت نہیں ہے تو اس کو تبدیل کرنا اور نفع والی زمین مسجد کے لیے حاصل کرنا درست ہے۔'' (فتاویٰ محمودیہ، کتاب الوقف، باب فی استبدال الوقف وبیعہ: ۱۴/ ۳۰۰)

مندرجہ بالا تفصیلات اور شرائط سے معلوم ہوا کہ جب وقف سے بالکل فائدہ نہ ہو رہا ہو تو استبدال جائز ہے، لیکن جب کم فائدہ ہو رہا ہو تو صرف فائدہ بڑھانے کے لیے استبدال جائز نہیں ہے، جہاں تک شرائط کا تعلق ہے تو وہ صرف اس لیے ہیں کہ اوقاف کو ضائع ہونے سے بچایا جائے، لہٰذا اگر قاضی شریعت دیکھے کہ کسی شرط کے موجود نہ ہونے کے باوجود اس سے وقف کی حفاظت ہو رہی ہے تو وہ استبدال کی اجازت دے سکتا ہے مثلاً: جائیداد ہی سے استبدال کی شرط کو پورا کرنا خاصا مشکل ہوگا، اسی طرح جہاں قاضی نہ ہو، جماعت المسلمین کو قاضی والی ذمہ داری دینا جائز ہونا چاہیے۔

خلاصہ کلام یہ کہ جب وقف سے کلی طور پر نفع نہ ہو رہا ہو تو استبدال اس شرط کے ساتھ جائز ہوگا کہ استبدال کو یقینی بنایا جائے، ایسا نہ ہو کہ فروخت کے بعد جائیداد کی خریداری میں کوتاہی ہو، رہی وہ صورت جب کم فائدہ ہو رہا ہو تو زیادہ نفع کے لیے وقف کا استبدال جائز نہیں ہوگا۔ واللہ أعلم!

سوال نمبر (۸): مسجد کی زمین میں مکتب قائم کرنا؟

جب کسی زمین کو مسجد پر وقف کر دیا، تو اب لازم ہوگا کہ اس کی آمدنی کو مسجد پر ہی صرف کیا جائے اور مسجد کو شخص معنوی قرار دے کر اسی کو زمین کا مالک قرار دیا جائے، اس لیے کہ واقف نے مسجد پر وقف کیا ہے، لہٰذا واقف کی منشاء اور اس کی نیت وارادہ کے مطابق اس کو مسجد ہی کے لیے لگانا ضروری ہے، لیکن اگر اس وقف کے ضیاع کا اندیشہ ہو رہا ہے اور اس کی حفاظت اس طرح ہو سکتی ہے کہ وہاں مدرسہ بنا دیا جائے تو مسجد کی کمیٹی وہاں مدرسہ بنوا سکتی ہے، لیکن یہ ضروری ہوگا کہ یا تو مدرسہ مسجد کی کمیٹی ہی کی ماتحتی اور مسجد ہی کے انتظام سے چلے، یا مدرسہ کی عمارت بنوا کر اس کا عرف کے مطابق کرایہ مقرر کیا جائے اور اس کو مسجد کے مصارف میں لگایا جائے، اس کی اجازت شرعاً نہیں ہوگی کہ زمین کو کچھ الگ لوگوں کے سپرد کر دیا جائے اور وہ مستقلاً مدرسہ قائم کریں، جس کی مستقل انتظامیہ ہو، اس لیے کہ فقہاء نے واقف کی تصریح کو واجب العمل قرار دیا ہے، چنانچہ ''شامی'' میں ہے:

''قولهم شرط الواقف كنص الشارع اى فى المفهوم والدلالة ووجوب العمل به، (قوله: قولهم شرط الواقف كنص الشارع) فى الخيرية: قد صرحوا بأن الإعتبار فى الشروط لما هو الواقع لا لما كتب فى مكتوب الوقف... الخ'' (شامى، كتاب الوقف، مطلب فى قولهم شرط الواقف كنص الشارع: ۴/۴۳۳)

(مشائخ کا قول ہے کہ واقف کی شرط کی حیثیت شارع کی تصریح جیسی ہوگی یعنی مفہوم دلالت اور اس پر عمل

ضروری ہونے میں (قولہ: قولہم الخ) الخیریہ میں ہے کہ مشائخ نے تصریح کی ہے کہ شرائط میں اعتبار اس کا ہوگا جو کہ حقیقت ہو، نہ کہ وقف کی تحریر میں مندرج کا۔)

اور ''الاشباہ'' لابن نجیم میں ہے:

''شرط الواقف يجب اتباعه لقولهم: شرط الواقف كنص الشارع أى فى وجوب العمل به وفى المفهوم والدلالة۔''(۱/۱۶۳)

ان سب عبارتوں کا حاصل یہ ہے کہ یہ زمین مسجد پر وقف ہے تو مسجد ہی کے قبضہ اور تصرف میں رہنا چاہیے۔

جہاں تک کرایہ پر دینے کا تعلق ہے تو اس کی دلیل یہ ہے کہ زرعی زمین کو اجرت مثل پر دینا جائز ہے:

''وإذا دفع أرض الوقف مزارعة يجوز إذا لم تكن فيه محاباة قدر ما لا يتغابن الناس فيها۔'' (هندية، كتاب الوقف، الباب الخامس: ۲/۴۲۳)

(اور جب وقف کی زمین مزارعت کے طور پر دے تو اس صورت میں جائز ہے جب اس کی اجرت میں اتنی کمی نہ کی گئی ہو جس میں لوگوں کو دھوکہ نہیں ہوتا۔)

اسی طرح مکان وغیرہ کو خاص حالات میں کرایہ پر دینا جائز ہے:

''إن المتولى عليها يؤجرها ويعمرها بأجرتها، إنما يملك الإجارة المتولى أو القاضى۔'' (فتح القدير: ۶/۲۲۴، ط دار الفكر)

(اس کو متولی کرایہ پر دے گا اور کرایہ کے ذریعہ اس کی مرمت کرائے گا اور اجارہ پر دینے کا اختیار صرف متولی یا قاضی کو ہوگا۔)

تو اسی طرح عمارت بنا کر مدرسہ چلانے کے لیے کرایہ پر دینا بھی جائز ہوگا۔

خلاصہ جواب یہ کہ مسجد پر وقف زمین پر اگر نا جائز قبضہ کا اندیشہ ہو اور اس کی حفاظت کا طریقہ یہ ہوسکتا ہو کہ وہاں مدرسہ یا مکتب بنا دیا جائے، تو مسجد کی کمیٹی وہاں مکتب یا مدرسہ بنا کر مسجد کے تحت چلا سکتی ہے، یا کسی معتبر شخص کو اجرتِ مثل پر دے سکتی ہے، جو وہاں مکتب یا مدرسہ چلائے، لیکن بلا ضرورت مسجد کے اوقاف میں اس طرح کا ردّ وبدل کرنا صحیح نہیں ہوگا۔ واللہ أعلم!

مساجد اور ان کے اوقاف سے متعلق چند مسائل

مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی
استاذ تفسیر وحدیث دار العلوم دیوبند

اوقاف کا معاملہ فقہ اسلامی میں حساس مسئلہ ہے، خاص طور پر مساجد کے لیے جو اوقاف ہیں، وہ تو حساس ترین قضیہ ہے؛ کیونکہ ان میں دو جہتیں جمع ہو جاتی ہیں: ایک واقف کے مقاصد کی رعایت، دوسرے مسجدیت کی ہمیشہ ہمیش کے لیے بقا کا لحاظ۔ ایک مرتبہ کسی جگہ مسجد بن گئی تو تا قیامت مسجد ہی رہے گی، جس کو مسجد کے لیے اور مصالح مسجد کے لیے ہی استعمال کیا جا سکے گا، ہاں مسجد کی ہیئت کو باقی رکھتے ہوئے، نیز پورے طور پر تقدس کو ملحوظ رکھتے ہوئے دینی امور کے لیے مساجد کو استعمال کرنے میں حرج نہیں ہے۔ موجودہ دور میں مسجد کی مسجدیت کی ہیئت کو برقرار رکھنے سے بسا اوقات ان مقاصد کو پورے طور پر بروئے کار لانے میں دقتیں پیش آ رہی ہیں؛ جن کے لیے واقف نے وقف کے طور پر صدقہ جاریہ کیا ہے، ملکی حالات اور مسلمانوں کی بے حسی کو بھی بہت دخل ہے۔ اس تناظر میں چند مسائل الجھن کے شکار ہوتے جا رہے ہیں، ان کا جائزہ لینے کی اشد ضرورت ہے، مندرجہ ذیل سطور میں اسی کی ایک ادنی کوشش کی گئی ہے۔

(1) مسجد کی توسیع کے وقت کسی منزل کو مدرسہ بنانا اور اوپر کی منزل کو طلبہ کی رہائش کے لیے استعمال کرنا:

مسجد شہید کر کے توسیع یا استحکام کی غرض سے نئی مسجد بنانا یہ تو واقف کے حسب منشا ہے، اس کے جواز میں تو کلام ہی نہیں ہے؛ بلکہ یہ مستحسن ہے۔

في الكبرى: مسجدا أراد أهله أن يجعلوا الرحبة مسجدا، والمسجد رحبة، وأرادوا أن يحدثوا له بابا، وأرادوا أن يحولوا الباب عن موضعه؛ فلهم ذلك. (الهندية: ٢/٢٥٦ كتاب الوقف، الباب الحادى عشره: المسجد)

(اہل مسجد چاہتے ہیں کہ صحن کو مسجد، اور مسجد کو صحن بنا دیں، اور چاہتے ہیں کہ نیا دروازہ بنائیں، اور چاہتے ہیں کہ دروازے کو دوسری جگہ کر دیں؛ تو یہ ان کے لیے جائز ہے۔)

نیز ہر زمانے میں مساجد میں توسیعی عمل ہوتا رہا ہے، مگر جس حصے میں مسجد بن جاتی ہے پھر وہ جگہ ہمیشہ مسجد ہی رہتی ہے، اس کی مسجدیت ختم نہیں کی جا سکتی، یہ تحت الثری سے عنان السماء تک مسجد ہی ہوتی ہے، مسجد کے اس حصے

میں نماز پڑھی جائے گی، اللہ کا ذکر کیا جائے، بوقت ضرورت دینی تعلیم کا نظم بھی ہوسکتا ہے، چنانچہ فتح القدیر میں ہے:

"ومعلم الصبيان القرآن كالكاتب إن كان لأجر لا، وحسبة لا بأس به. ومنهم من فصل هذا، إن كان لضرورة الحر وغيره لا يكره، وإلا فيكره، وسكت عن كونه بأجر أو غيره، وينبغي حمله على ما إذا كان حسبة، فأما إن كان بأجر فلا شك في الكراهة، وعلى هذا فإذا كان حسبة ولا ضرورة يكره؛ لأن نفس التعليم ومراجعة الأطفال لا تخلو عما يكره في المسجد". (فتح القدير: ١/٤٢٢ كتاب الصلاة، فصل استقبال القبلة بالفرج)

(بچوں کو قرآن پڑھانے والا معلم کاتب کی طرح ہے، اگر اجرت لیتا ہے تو اجازت نہیں، اگر اللہ کے لیے کرتا ہے تو حرج نہیں ہے، بعض حضرات نے تفصیل کی ہے، اور کہا ہے کہ اگر گرمی وغیرہ کی ضرورت کی وجہ سے ہے تو مکروہ نہیں ورنہ مکروہ ہے، اجرت یا بلا اجرت کو ذکر نہیں کیا ہے۔ مناسب ہے کہ اس کو للہ پر محمول کیا جائے، بہر حال اگر بالاجرت ہے تو کراہت میں شک نہیں ہے، نیز حسبۃً ہو مگر ضرورت نہیں ہے تو مکروہ ہے اس لیے کہ نفس تعلیم اور بچوں کا آنا جانا ایسی چیزوں سے خالی نہیں جو مسجد میں مکروہ ہے۔)

مسجد کو مسجد باقی رکھتے ہوئے قرآن پڑھانے کی اجازت تو ہے؛ لیکن مسجد کی ہیئت کو تبدیل کر کے اس کو بشکل مدرسہ کر دینا جس میں سونے وکھانے، ہنسی مذاق اور دیگر لہو لعب کا ہونا لابدی ہے جس سے واقف کا صرف مقصد ہی فوت نہیں ہوتا ہے اس سے مسجد کی بے حرمتی بھی واضح انداز میں اور یقینی طور پر ہوتی ہے، اس لیے اس کی حرمت میں کلام نہیں ہوگا، اسی بے حرمتی کے خوف سے بچوں، پاگلوں وغیرہ کو مسجد سے دور رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

عن واصلة بن الأسقع رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: جنبوا مساجدكم صبيانكم ومجانينكم وشراءكم وبيعكم وخصوماتكم ورفع أصواتكم وإقامة حدودكم وسل سيوفكم. واتخذوا على أبوابها المطاهر وجمروها في الجمع. (ابن ماجه: ١/٢٤٧ كتاب المساجد والجماعات، باب مايكره في المساجد، ط: دار احياء الكتب العربية).

فیض القدیر میں ہے:

(جنبوا مساجدنا، اور ایک روایت کے مطابق: مساجدکم صبیانکم اس میں مذکر ومونث ہر دو شامل ہیں، اور مجانینکم بس ان دونوں کو مسجدوں میں داخل ہونے دینا مکروہ تنزیہی ہے، اگر مسجد کے ملوث کرنے کا خطرہ نہ ہو، اگر خطرہ ہو تو حرام ہے۔)

درمختار میں ہے:

"ويحرم إدخال صبيان ومجانين حيث غلب تنجيسهم، وإلا فيكره." (١/٦٥٦ كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره)

(بچوں اور پاگلوں کو مسجدوں میں داخل کرنا جبکہ ان کی جانب سے تنجیس کا ظن غالب ہو حرام ہے، ورنہ مکروہ ہے۔)

(۲) آمدنی کی غرض سے مسجدوں کو چند منزلہ بنانا اور نیچے کی منزل میں دکانیں بنا دینا:

جب مساجد کی مسجدیت ایک مرتبہ ثابت ہو جاتی ہے تب وہ ہمیشہ کے لیے مسجد ہی رہتی ہے، مسجد کے مقاصد: نماز، تلاوت، اذکار اور بوقت ضرورت تدریس وتعلیم کے لیے ہی استعمال ہوں گی، لہذا جب پہلے سے مسجد بنی تھی، بعد میں متولی یا مسلمانوں کے مشورے سے آمدنی کی غرض سے توسیع کی گئی، اور اس طرح کی گئی کہ نیچے کی منزل میں دکانیں بنادی گئی، تو یہ جائز نہیں ہوگا۔

"أما لو تمت المسجدية، ثم أراد البناء منع، فإذا كان هذا في الواقف فكيف لغيره؟ فيجب هدمه."

(الدر المختار: ٥٤٨/٦ قبيل: مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره)

(اگر مسجدیت مکمل ہو جائے پھر گھر بنانا چاہے تو ممنوع ہوگا، جب یہ بات واقف کے سلسلے میں ہے تو غیر واقف کے لیے کہاں اجازت ہوگی؟ پس اس کو منہدم کرنا ضروری ہوگا۔)

"قيم المسجد لا يجوز له أن يبني حوانيت في حد المسجد أو في فنائه؛ لأن المسجد إذا جعل حانوتا أو مسكنا تسقط حرمته، وهذا لا يجوز." (الفتاوى الهندية: ٤٦٢/٢ الباب الحادي عشر، مطلب الوقف على عمارته ومصالحه سواء على الأصح)

(مسجد کے متولی کے لیے جائز نہیں ہے کہ مسجد کے حدود یا اس کے صحن میں دکانیں بنائیں؛ اس لیے کہ مسجد کو جب دکان یا گھر بنا دیا جائے گا تو حرمت پامال ہوگی۔)

(۳) قدیم مسجدوں میں تبدیلی کر کے کچھ حصے کو یا بیسمنٹ کو گاڑی اور پارکنگ کے لیے مختص کرنا:

جب ایک مرتبہ مسجد بن گئی تو جتنے حصے پر مسجد شرعی کا حکم ہو گیا اب اس حصے کو انسان کے دنیاوی نفع کے لیے مختص کرنا جائز نہیں ہے، جیسا کہ بڑے شہروں یا گنجان علاقوں میں گاڑیوں کے ٹھہرنے کے لیے پارکنگ بنا دی جائے، تو چونکہ یہ انسانی ضرورت کی چیز ہے اور پہلے سے مسجد ثابت ہو چکی ہے تو اب اس کے اوپر یا نیچے یا مسجد شرعی کے حدود میں دائیں یا بائیں پارکنگ کے نظم کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔

"لو بنى فوقه بيتا للإمام لا يضر؛ لأنه من المصالح، أما لو تمت المسجدية، ثم أراد البناء منع، ولو قال: عنيت ذلك، لم يصدق." (رد المحتار: ٣٥٨/٤ كتاب الوقف)

(اگر واقف امام کے لیے ابتدا سے ہی گھر بنائے تو حرج نہیں ہے؛ کیونکہ امام کا گھر مصالح میں سے ہے؛ لیکن مسجدیت مکمل ہو جانے کے بعد گھر کی تعمیر کا ارادہ ہوا ہو تو روکا جائے گا۔ اگر کہے کہ میری مراد یہ ہے تو تصدیق نہیں کی جائے گی۔)

موجودہ حالات میں بھی اس کی گنجائش نہیں لگتی ہے؛ اس لیے کہ شرط الواقف کالنص ہے، اور نص کے مقابلے میں

حاجت کا اعتبار نہیں ہوتا ہے، کوئی اور جگہ تلاش کی جائے جہاں پارکنگ کا نظم کیا جائے: لیکن ممکن نہ ہو تو نمازیوں کی اس ضرورت کی تکمیل کے لیے ناچیز سمجھتا ہے کہ اگر بیسمنٹ کو صرف نمازیوں کی گاڑیوں کے لیے پارکنگ کے لیے استعمال کیا جائے تو حرج نہ ہو؛ کیونکہ فی نفسہ مساجد میں کسی سواری کو لے جانا یا صاف جوتے وچپل میں نماز پڑھنا ثابت ہے۔

اسی طرح اونٹ پر سوار ہو کر طواف کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: طاف النبي صلى الله عليه وسلم في حجة الوداع على بعير يستلم الركن بمحجن. (البخاري: 1607 كتاب الحج، باب استلام الركن بالمحجن)

اسی طرح اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت ام سلمہؓ نے طواف سواری پر کیا ہے۔

عن أم سلمة رضي الله عنها قالت: شكوت إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم أني أشتكي، قال: طوفي من وراء الناس وأنت راكبة، فطفت ورسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي إلى جنب البيت، يقرأ بالطور وكتاب مسطور. (البخاري: 1633 كتاب الحج، باب المريض يطوف راكبا)

(حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے مرض کی شکایت کی تو فرمایا لوگوں کے پیچھے سوار ہو کر طواف کر لو بس میں نے طواف کیا حال یہ کہ اللہ کے رسول بیت اللہ کے پہلو میں نماز پڑھا رہے تھے اور وہ والطور وکتاب مسطور پڑھ رہے تھے)

اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ بوقت ضرورت سواری وغیرہ کو مسجد میں لایا جا سکتا ہے؛ لیکن وہ ضرورت مصلیوں کی ہو اور ناگزیر ہو، آج کے دور کے حالات بھی گاڑی وسواری کے تعلق سے ایسے ہو گئے ہیں کہ گویا بغیر اس کے چارہ نہیں ہے، ہندوستان میں تو انسانوں نے خود یہ حالات بنا رکھا ہے؛ لیکن بعض ممالک میں تو حالات نے یہ صورت حال پیدا کی ہے کہ بغیر سواری چلنا تقریباً ناممکن ہے، خواہ مسجد آنا ہو یا فنکشن میں جانا ہو، مارکیٹ سے گزرنا ہو یا پارک کی سیر کرنا ہو، رشتہ داری نبھانی ہو یا پھر جنازے میں شریک ہونا ہو، بلا گاڑی بلکہ فورویلر کے بغیر جایا ہی نہیں جا سکتا ہے، اس لیے جن مساجد میں پارکنگ کا نظم نہیں ہوتا ہے وہاں کے مصلیوں کی تعداد اقل قلیل ہوتی ہے۔ ناچیز کا خیال ہے کہ اگر واقعی ضرورت ہو، خواہ مخواہ نہ ہو، تو بیسمنٹ کو بعد میں بھی پارکنگ بنایا جا سکتا ہے۔

(۴) قدیم مسجد منہدم کر کے کسی منزل میں دینی تعلیم کا نظم وباقاعدہ فیس لے کر کیا جائے:

مصالح مسجد کے لیے قدیم مسجد کو منہدم کر کے آس پاس کی جگہ کو لے کر ایسی مسجد تعمیر کرنا کے اوپر کسی منزل میں جزء وقتی مدرسہ ہو، اور نیچے بیسمنٹ میں پارکنگ ہو، اور کوئی منزل نماز کے لیے مختص ہو، کرنا کیسا ہے؟ اصل تو یہی ہے کہ مسجد ایک مرتبہ جس حصے میں بن گئی ہے وہ مسجد ہی ہے، اس لیے کوشش کرنی چاہیے کہ جوار دگرد کی زمین ہے جس کو بعد میں شامل کیا جا رہا ہے اسی کے اوپر اور نیچے جملہ ضروریات کی تکمیل کی جائے، تاہم موجودہ دور میں جز وقتی دینی

تعلیم کی بھی اجازت ہے؛ بشرط کہ بچے سمجھدار ہوں، اور مسجد کے ملوث ہونے کا خطرہ نہ ہو، آداب کی رعایت ملحوظ ہو۔

فقد قال الله تعالى: 'وان المساجد لله' وما تلوناه من الآية السابقة فلا يجوز لأحد مطلقا أن يمنع مؤمنا من عبادة يأتي بها في المسجد؛ لأن المسجد ما بني إلا لها من صلاة واعتكاف وذكر شرعي وتعليم علم وتعلمه وقراءة قرآن، ولا يتعين مكان مخصوص لأحد. (البحر الرائق: ۲/۳۶ كتاب الصلاة)

(۵) اپارٹمنٹ کے کسی حصے کو خرید کر مسجد بنانے سے مسجد شرعی نہیں ہوتی ہے:

سب لوگوں کے باہمی مشورے سے اپارٹمنٹ کے کسی حصے کو خرید کر نماز کے لیے مخصوص کر دینے سے وہ مسجد شرعی نہیں ہوگی، ہاں! جماعت خانہ اور مصلی ہے، مسجد شرعی ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اوپر نیچے سب مسجد ہی کے لیے استعمال ہو۔

قال في البحر: وحاصله: أن شرط كونه مسجدا أن يكون سفله وعلوه مسجدا، لينقطع حق العبد عنه، لقوله تعالى: "وان المساجد لله"، بخلاف ما اذا كان السرداب والعلو موقوفا لمصالح المسجد، فهو كسرداب بيت المقدس، هذا هو ظاهر الرواية. (رد المحتار: ٤/٣٥٨ كتاب الوقف)

(حاصل یہ ہے کہ مسجد ہونے کے لیے شرط ہے کہ اوپر نیچے سب مسجد ہو، تاکہ بندے کا حق اس سے ختم ہو جائے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: وان المساجد للہ برخلاف اس صورت کے جب نیچے یا اوپر مصالح مسجد کے لیے وقف ہو۔)

(۶) کئی منزلہ عمارت میں کسی منزل کو شروع سے مسجد بنانے کی نیت ہو:

مسجد شرعی وہ ہوتی ہے جس کو خرید کر وقف کیا جائے، یا اپنی زمین کو اللہ کے لیے وقف کر دیا جائے اور سب کو اجازت نماز وغیرہ کی دے دی جائے، نیز نماز شروع بھی ہو جائے۔ جب ایک مرتبہ وقف ہو جاتا ہے تو اس سے بندے کا حق ختم ہو جاتا ہے، بندہ نہ تو بیچ سکتا ہے نہ خرید سکتا ہے، وہ تو صرف اللہ کے لیے ہو جاتا ہے۔ البحر الرائق میں ہے:

قوله: ومن جعل مسجدا تحته سرداب، أو فوقه بيت، وجعل بابه إلى الطريق وعزله، أو اتخذ وسط داره مسجدا، وأذن للناس بالدخول، فله بيعه، ويرث عنه؛ لأنه لم يخلص لله تعالى، لبقاء حق العبد متعلقا به. (۵/۲۷۱ كتاب الوقف)

(جس نے مسجد بنائی جس کے نیچے تہ خانہ یا اس کے اوپر گھر، اور اس کا دروازہ راستے کی جانب کر دیا اور اس کو الگ کر دیا، یا اپنے گھر کے درمیانی حصے کو مسجد بنائی اور لوگوں کو داخل ہونے کی اجازت دی، تو اس کی بیع جائز ہے، اور اس کا وارث ہو یا جا سکتا ہے؛ اس لیے کہ وہ خالص اللہ کے لیے نہیں ہوا؛ کیونکہ بندوں کا حق اس سے متعلق ہے۔)

اس لیے اگر آغاز کے وقت میں ہی نیت تھی کہ کسی منزل کو مسجد بنائیں گے، اور مسجد بنا بھی دی، لوگوں کو نماز پڑھنے کی بھی اجازت دے دی، تو اس کی وجہ سے وہ مسجد شرعی نہیں ہوگی، ہاں موجودہ دور میں ہر منزل کی اپنی حیثیت

تسلیم کرلی گئی ہے۔ اگر عمارت منہدم بھی ہوجائے تو بعد میں وہ بھی فضائی حصے اسی کی ملک سمجھا جاتا ہے؛ اس لیے ناچیز سمجھتا ہے کہ اگر اوپر کی منزل کو مسجد کی نیت سے مختص کیا جائے، اور عنان السماء تک مسجد کے لیے ہی ہو تو اس کو مسجد کا حکم دیا جانا چاہیے، اور اس کے نیچے جتنی منزلیں ہوں ان کو انسانوں کی ملک قرار دیا جائے تو حرج نہیں ہے۔

(۷) مسجد کی اراضی بیچ کر دکانیں خریدنا:

ایک مرتبہ وقف ہوجانے کے بعد وہ انسانوں کی ملکیت سے نکل جاتا ہے، اور اللہ کی ملکیت میں داخل ہوجاتا ہے۔ اس میں واقف کی نیت اور شرط کا بھی مکمل دخل ہوتا ہے، اس نے جس کے لیے دیا ہے اسی کے لیے اسی جہت سے استعمال ہوسکتا ہے، ہاں اس طریقے سے نفع بالکل منقطع ہوچکا ہو تو پھر اس کو تبدیل کیا جاسکتا ہے۔

صرحوا باستبدال الوقف إذا خرب، وصار لا ينتفع به، وهو شامل للارض والدار. قال في الذخيرة: وفي المنتقى: قال هشام: سمعت محمدا يقول: الوقف اذا صار بحيث لا ينتفع به المساكين فللقاضي أن يبيعه، ويشتري بثمنه غيره، وليس ذلك إلا للقاضي. (رد المحتار: ٤/٣٧٦)

مسجد کے مصالح کے لیے جو زمین وقف کی گئی ہیں اس سے جب تک انتفاع ہو اس وقت تک اس کی تبدیلی خواہ اس سے زیادہ نفع بخش زمین سے ہو یا کسی دکان سے ہو جائز نہیں ہے، بالخصوص جب امانت داری کا فقدان ہے، اوقاف کی کتنی جائیدادیں ہیں جو بک گئی، یا دوسروں کے قبضے میں چلی گئی، ان کے بدلے کوئی اور زمین نہیں خریدی گئی، سد اللباب کا بھی تقاضا ہے کہ کاشت کے لیے جو زمین مسجد پر وقف ہوئی ہے ان کو اسی حالت میں رہنے دیا جائے، ان کے بدلے کسی زمین یا دکان لینے کی اجازت نہ دی جائے۔

(۸) مسجد کی اراضی مملوکہ پر مدرسہ قائم کرنا اور مکانات تعمیر کرکے کرایہ وصول کرنا:

مسجد کی اراضی مملوکہ جن کو واقف نے مسجد کی مصالح کے لیے وقف کیا ہو، مسجد بنانے کے لیے وقف نہیں کیا گیا ہو، ایسی اراضی پر مکانات وغیرہ تعمیر کرنے میں اور ان کا کرایہ مسجد کے مصالح پر خرچ کرنے میں حرج نہیں ہے؛ لیکن جس قطعۂ زمین کو مسجد بنانے کے لیے یا مصالح مسجد کی خاص نوعیت کے لیے وقف کیا گیا ہے ان میں متولیان کا تصرف کرنا اور مکانات وغیرہ تعمیر کرنا تاکہ کرایہ وصول کرکے مسجد کی مصالح پر صرف کیا جائے جائز نہیں ہوگا؛ اس لیے کہ یہ شرط الواقف كنص الشارع، فيجب اتباعه کے خلاف ہے۔ (شامی: ۶/۷۳۵ كتاب الوقف مطلب ما خالف شرط الواقف فهو مخالف للنص)

تلخیص مساجد اور ان کے اوقاف سے متعلق چند مسائل

۱: مسجد کی توسیع کرتے وقت کسی منزل کو مدرسہ کی شکل میں بنانا، اس میں طلبہ کی رہائش وغیرہ کا نظم کرنا جائز

نہیں ہے۔

۲.آمدنی کی غرض سے مسجد کی توسیع کرتے وقت نیچے کی منزل میں دکان بنانا جائز نہیں ہے۔

۳.مسجد بن جانے کے بعد دوبارہ مسجد کی تعمیر کے وقت بیسمنٹ کو پارکنگ کے لیے مختص کرنا اصلاً جائز نہیں ہے؛ لیکن بڑے شہروں میں جہاں بالکل گنجائش نہ ہو، اور گاڑیوں سے آنا جانا ناگزیر ہو، وہاں اگر صرف اور صرف نمازیوں کے لیے گنجائش ہو تو حرج نہیں ہے۔

۴.مسجد کی توسیع کے وقت جو اردگرد کی زمین مسجد میں شامل کی جارہی ہے کوشش کرنی چاہیے کہ اسی شامل شدہ حصہ میں دینی تعلیم کا نظم ہو؛ خواہ فیس لے کر ہو یا بلا فیس کے، تاہم پہلے سے جس حصے میں مسجد بنی ہوئی تھی اس حصے میں بھی دینی تعلیم دی جاسکتی ہے؛ بشرطیکہ مسجد کے تقدس واحترام کا مکمل لحاظ رکھا جائے۔

۵.اپارٹمنٹ کے کسی حصے کو خرید کر مسجد بنانے سے وہ حصہ مسجد کے حکم میں نہیں ہوگا۔

۶.شروع سے ہی کئی منزلہ عمارت میں کسی منزل کو مسجد بنانے کی نیت ہو تو بھی وہ منزل بحکم مسجد نہیں ہوگی؛ تاہم موجودہ دور میں ہر منزل مستقل حیثیت رکھتی ہے اس لیے غور کرنے کا محل ہے کہ اگر اوپر کی منزل کو مسجد بنایا جائے جس کے اوپر کوئی اور تعمیر نہ ہو، اور وہ آسمان تک مسجد ہی رہے تو وہ بحکم مسجد ہوجائے۔

۷.مسجد کی وہ اراضی جو کاشت کی غرض سے وقف ہوئی ہیں جب تک ان پر کاشت ہورہی ہے کاشت کرکے ہی فائدہ اٹھایا جائے گا، ان زمینوں کو بیچ کر دوسری نفع بخش زمینیں لینا، یا دکانیں خریدنا روا نہ ہوگا۔

۸.مسجد کی اراضی مملوکہ پر مدرسہ قائم کرنا یا مکانات تعمیر کرنا جبکہ واقف کی منشا یہ نہ ہو تو جائز نہیں ہے، ہاں واقف نے مسجد کی ضروریات کی تکمیل کے لیے وقف کیا تھا تو اب ایسی اراضی پر کرایہ کے مکانات بنائے جاسکتے ہیں، اور ان سے حاصل ہونے والا کرایہ مسجد کی ضروریات میں خرچ کیا جائے گا۔ واللہ اعلم۔

مساجد اور ان کے اوقاف سے متعلق چند مسائل

ڈاکٹر حافظ کلیم اللہ عمری مدنی

مفتی و پرنسپل جامعہ دار السلام، عمر آباد

سوال ۱۔ مساجد کی توسیع کے ساتھ بعض منزلوں کا بڑھا دیا جانا تا کہ دینی تعلیم کا نظم ہو، اور اوپر کی کسی منزل میں طلبہ کی رہائش کا بھی نظم ہو، سوال یہ ہے کہ مسجد کی اوپر کی منزل کو درسگاہ بنانا اور اس سے اوپر طلبہ کی رہائش گاہ بنانا درست ہے یا نہیں؟ کیا تعلیم اور رہائش کے باقاعدہ نظم سے مسجد کی حرمت متاثر نہیں ہوگی؟ کیا یہ آداب مسجد کے خلاف عمل تو نہیں ہوگا، تو کیا یہ حرمت کے درجہ کا ہوگا یا صرف کراہت ہوگی؟

جواب۔ صورت مسؤلہ میں مسجد کی توسیع کے ساتھ طلبہ کی رہائش گاہ بنانا، درسگاہیں بنانے میں شرعا کوئی قباحت نہیں ہے، اس کے لئے مسجد نبوی کی مثال کافی ہے، جو اصحاب صفہ کی تعلیم اور رہائش کا نظم بھی اسی مسجد نبوی میں ہوا کرتا تھا، صحابہ کرامؓ کے لئے مسجد نبوی عبادت گاہ کے ساتھ، درسگاہ اور رہائش گاہ بھی تھی۔ جیسا کہ سلیمان بن یسارؒ نے فرمایا: اصحاب صفہ مسجد نبوی میں ہی کھاتے پیتے اور سویا کرتے تھے۔

عن الحارث بن عبد الرحمن بن أبی ذؤاب قال سألت سلیمان بن یسار عن النوم فی المسجد فقال: کیف تسألون عن هذا و قد کان اصحاب الصفة یأکلون وینامون فی المسجد۔ (۳/۳۴۳، أخبار مکة للفاکهی)

نیز فتاوی شیخ الحدیث رحمانیؒ میں مذکور ہے: آپ ﷺ کے حکم سے عین مسجد نبوی میں دو حبشی عورتوں کے خیمے نصب تھے، ایک اس عورت کا جو مسجد میں جھاڑو دیتی تھی، دوسرا ان کا جن پر ان کے گھر کی حالت میں کافروں نے ہار کے سرقہ کی تہمت لگائی تھی۔ نیز ایک غفاری عورت کا خیمہ بھی تھا جو مریضوں کا علاج اور مجروحین کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔ یہ خیمے اگر چہ ہمیشہ کے لئے نہ تھے، ان عورت کی وفات کے بعد ہٹا لئے گئے ہوں گے، لیکن مسجد کے اندر فی الجملہ ان کے وجود سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان کے نصب و بقاء سے مسجد کی مسجدیت میں خلل واقع نہیں ہوئی۔ (فتاوی شیخ الحدیث رحمانی: ۱/ ۲۵۶)

سوال ۲۔ بعض مسجدوں میں آمدنی نہیں ہوتی ہے، مسجد کی کمیٹی چاہتی ہے کہ قدیم مسجد شہید کر دی جائے اور چند منزلہ عمارت بنائی جائے، جس میں نیچے کی منزل میں دکانیں بنادی جائیں تا کہ مسجد کی آمدنی کا ذریعہ ہو اور اوپر کی

منزل جماعت گاہ ہو، کیا مساجد کی مصالح کے پیش نظر ایسا کیا جاسکتا ہے؟

اسی طرح جماعت گاہ کی منزل سے اوپر امام اور مؤذن کے لئے ایسے حجرے بنائے جاسکتے ہیں جہاں وہ تنہا یا فیملی کے ساتھ قیام کرسکیں؟

جواب ۔صورت مسؤلہ میں از روئے شریعت مسجد کی زمین وقف شدہ ہے ۔ اس وقف شدہ زمین کا اسلامی اصول یہ ہے کہ اس میں بیع ، ہبہ، تبادلہ یا کوئی دوسرا تصرف جو اس نوع کا ہو، شرعا جائز نہیں ہے ۔ البتہ موجودہ اور ناگزیر حالات میں ضرورۃً ارض موقوفہ کی حفاظت وکفالت کی خاطر مسجد کے گراؤنڈ فلور میں دکانیں بنانا درحقیقت مصالح مسجد پر موقوف ہے، لہذا جس عمل سے مسجد کا فائدہ ہو، مسجد کی آمدنی ہو، ایسا عمل شرعا جائز ہے، نیز مسجد کے دوسرے یا تیسرے منزل پر امام/مؤذن کے لیے کمرے بنانے میں شرعا کوئی حرج نہیں ہے جہاں وہ تنہا یا فیملی کے ساتھ مقیم ہوں، یہ حجرے بھی یقینا مصالح مسجد میں ہی شمار کئے جائیں گے۔

فتاوی شیخ الحدیث رحمانی میں ہے:

مسجد موقوفہ شرعی کا فروخت کرنا جائز نہیں ہے، الا یہ کہ وہاں مسجد کی ضرورت ہی نہ ہو یا اس کے ضائع ہونے کا یا کسی کے اس پر غاصبانہ قبضہ کر لینے کا اندیشہ ہو ایسی صورت میں اس کو فروخت کر کے قیمت دوسری مسجد پر صرف کر دی جائے۔ (فتاوی شیخ الحدیث رحمانی: ۱/ ۱۲۸)

وفی البحر الرائق ۔و قد روي عن محمد ﷺ اذا ضعفت الأرض الموقوفة عن الاستغلال و القيم يجد بثمنها أخرى هي أكثر ريعا، كان له أن يبيعها و يشتري بثمنها ما هو أكثر ريعا۔

یعنی امام محمد سے روایت ہے کہ ارض موقوفہ کا استعمال نہ ہو، اس کی قیمت دیگر زمین کے مقابلہ میں کم ہو تو اسے فروخت کر کے اس سے قیمتی زمین/ اس سے بہتر زمین خریدی جاسکتی ہے۔

قال ابن تيمية ﷺ في مجموع الفتاوى: فالمقصود التعويض عنه بما هو أنفع لأهل الوقف منه۔

یعنی شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے فرمایا ہے کہ ارض موقوفہ میں تصرف اور تبدیلی سے اہل وقف کو زیادہ نفع ہو تو اس طرح کی تبدیلی سے کوئی حرج نہیں ہے۔ جیسا کہ ابن نجیم مصری نے فرمایا ہے: مسجد کے بالائی حصہ میں امام وقت کی خاطر رہائش گاہ بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے، یقینا یہ عمارت/ رہائش گاہ بنانا مسجد کی مصلحتوں میں سے شمار ہوگا۔

لو بنى بيتا على سطح المسجد لسكنى الامام فانه لا يضر في كونه مسجدا لانه من المصالح (البحر الرائق لابن نجيم المصرى: ۵/۴۲۱)

سوال ۳۔کیا مسجدوں کی توسیع کے وقت میں آبادیاں بڑھ جانے کی وجہ سے اور پارکنگ کی سہولت پیدا کرنے کے لئے مسجد شہید کر کے نچلے منزل میں بیسمنٹ میں پارکنگ بنادی جائے اور اوپر مسجد ہو، سوال یہ ہے کہ قدیم

مسجدوں میں ایسی تبدیلی جس میں نمازیوں کی گاڑیوں کے ٹھہرانے کا نظم ہو، کی جاسکتی ہے؟ کیا موجودہ حالات کے پیش نظر اس کی گنجائش ہوگی؟

جواب۔ مسجدوں کی توسیع کے وقت میں آبادیاں بڑھ جانے کی وجہ سے اور پارکنگ کی سہولت پیدا کرنے کے لئے مسجد شہید کر کے نچلے منزل میں بیسمنٹ میں پارکنگ بنادی جائے اور اوپر مسجد ہو، یہ صورت یقینا جائز ہے، چونکہ موجودہ دور میں خصوصی طور پر مصلیوں کے سواریوں کے لئے پارکنگ ایک اہم مسئلہ ہے، لہذا بیسمنٹ میں پارکنگ کا نظم کرنا مصالح مساجد میں شمار ہوگا، بلکہ آج کل اس کی رعایت بیحد ضروری ہے۔

وقد سئل الامام احمد رحمہ اللہ: كما في رواية أبي طالب۔ هل يحول المسجد؟ قال اذا كان ضيقا لا يسع أهله، فلا بأس أن يجعل الى موضع أوسع منه۔

امام احمد سے سوال کیا گیا کہ مسجد چھوٹی ہونے اور تنگ ہونے کی وجہ سے کسی دوسری جگہ منتقل کی جاسکتی ہے جو اس کے مقابلہ میں وسیع وعریض ہو؟ آپ نے فرمایا کہ کشادہ جگہ کی طرف منتقل کئے جانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اسی فتوی کی روشنی میں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے مجموع الفتاوی میں جواز کا فتوی دیا ہے۔

قال ابن تيمية رحمہ اللہ معلقا على ذلك في مجموع الفتاوى: فاذا جوز على ظاهر مذهبه أن يجعل المسجد الأول طلقا، يعني خروجه عن الوقفية ويوقف مسجد بدله للمصلحة، وان لم تتعطل منفعة الأول، فلأن يجوز أن يجعل الموقوف للاستغلال طلقا ويوقف بدله أصلح منه وان لم تتعطل منفعة الأول أحرى.

سوال ۴۔ بعض شہروں میں جگہ جگہ قدیم مساجد ہیں، اردگرد جگہیں بھی خالی ہیں لیکن کم ہیں، دوسری طرف مسلم بچوں کی دینی تعلیم بالخصوص عصری اسکولوں میں پڑھنے والے بچوں کے لئے جزء وقتی دینی تعلیم کا نظم ضروری ہوتا ہے۔ کمیٹی چاہتی ہے کہ پوری مسجد شہید کردی جائے اور اردگرد کی جگہیں بھی خرید لی جائیں اور چند منزلیں بنادی جائیں جن میں بیسمنٹ میں پارکنگ ہو، اس کے اوپر جماعت گاہ ہو، اور اس کے اوپر جزء وقتی درسگاہ ہو، بچوں سے تعلیمی فیس بھی لی جائے تاکہ اساتذہ کی تنخواہ کے علاوہ مسجد کے مصالح پر صرف ہو، یعنی درسگاہ کی منزل کرایہ پر ہو اور یہ آمدنی مصالح مسجد پر صرف ہو، کیا موجودہ حالات کے پیش نظر ایسا کیا جاسکتا ہے؟

جواب: صورت مسؤلہ میں قدیم مسجدیں شہید کر کے اور اردگرد کی جگہیں بھی خرید کر چند منزلیں بنادی جائیں جن میں بیسمنٹ میں پارکنگ ہو، اس کے اوپر جماعت گاہ ہو، اور اس کے اوپر جزء وقتی درسگاہ ہو، بچوں سے تعلیمی فیس بھی لی جائے تاکہ اساتذہ کی تنخواہ کے علاوہ مسجد کے مصالح پر صرف ہو، موجودہ حالات کے پیش نظر ایسا کیا جاسکتا ہے یعنی مسجد کے نچلے حصہ میں پارکنگ کی جگہ، اور اس کے اوپر نماز گاہ بنانا، اور اس کے اوپر جزء وقتی مدرسہ فیس کے ساتھ

تا کہ مدرسہ کے اخرجات پورے ہوں، البتہ نماز گاہ مسجد کے حکم میں ہوگا، اس کے آداب وغیرہ وہی ہوں گے جو مسجد شرعی کے ہوتے ہیں، یعنی جنبی اور حائضہ کا داخلہ ممنوع ہوگا وغیرہ، بیسمنٹ کی تعمیر، درسگاہ کی تعمیر اور فیس کی وصولی وغیرہ مصالح مسجد میں شمار ہوں گے، شرعا اس کی اجازت ہوگی۔

و فی الموسوعة الفقهية الكويتية۔ اذا تعطل الموقوف و صار بحالة لا ينتفع بها، فقد أجاز الحنفية و المالكية و الحنابلة و الشافعية فی رأی بيعه و جعل ثمنه فی مثله۔

موسوعہ فقہیہ کویتیہ میں ہے: جب ارض موقوف تعطل کا شکار ہو، اس سے کوئی فائدہ نہ ہو، تو ایسی صورت میں حنفیہ، مالکیہ، حنابلہ اور شافعیہ نے اسے فروخت کر کے اس کی قیمت کو کسی اور جگہ میں استعمال کرنے کی اجازت دی ہے۔

ما ورد عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ أنه لما قدم الكوفة و تولى بيت المال نقب بيت المال فأخذ الرجل فكتب عبد الله الى عمر فكتب عمر رضی اللہ عنہ (أن لا تقطعه و انقل المسجد و اجعل بيت المال مما يلى القبلة فانه لا يزال فی المسجد من يصلي)

حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ جب وہ کوفہ پہنچے اور بیت المال کی ذمہ داری سنبھالی، بیت المال میں سوراخ ڈال کر چوری کی گئی، چور پکڑا گیا، حضرت ابن مسعودؓ نے امیر المؤمنین عمر فاروقؓ کو خط لکھا، جواب میں امیر المؤمنین لکھا: چور کا ہاتھ نہ کاٹنا، مسجد کو منتقل کر دیں، بیت المال کو قبلہ کی جانب قریب بنا دینا، اس لئے کہ مسجد میں ہمیشہ کوئی نہ کوئی نمازی رہے گا۔ (أخرجه الطبرانی فی المعجم الكبير)

(قال فی المغنی: و كان هذا الفعل بمشهد من الصحابة و لم يظهر خلافه، فكان إجماعا.)

ابن قدامہؒ نے لکھا ہے کہ یہ عمل صحابہ کرام کی موجودگی میں ہوا، گویا وہ اجماع ہو گیا۔

سوال ۵۔ بڑے شہروں میں مسلمانوں کی خاصی تعداد بڑی بڑی بلڈنگوں اور اپارٹمنٹ میں رہتی ہے وہاں کوئی مسجد نہیں ہوتی ہے، اگر یہ مسلمان باہم مشورہ سے اپارٹمنٹ کے کسی حصہ کو خرید لیں اور نماز کے لئے مختص کر لیں اور جماعت سے وہاں نماز ادا کریں تو کیا اپارٹمنٹ کا یہ حصہ مسجد شرعی کہلائے گی؟ کیا اس پر مسجد کے احکام جاری ہوں گے، یا اسے صرف جماعت گاہ کہیں گے؟

جواب: قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انما الاعمال بالنيات و انما لكل امرئ مانوى (بخاری و مسلم)

''نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر موقوف ہے اور ہر آدمی کے لیے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی ہے''۔

صورت مسؤلہ میں مذکورہ بالا حدیث شریف کی روشنی میں مذکورہ اپارٹمنٹ اگر مسجد کی نیت سے خریدی گئی ہو، اس کا حکم تا ابد مسجد ہی رہے گا،

اس کے احکام وآداب وہی ہوں گے جو شرعی مسجد کے ہوتے ہیں، یعنی حائضہ اور جنبی کا داخلہ ممنوع ہوگا، اس کا بیچنا یا ہبہ کرنا وغیرہ ممنوع ہوگا،

البتہ اس اپارٹمنٹ کی خریدی مصلی/نماز گاہ کی نیت سے ہو تو وقتی طور پر مسجد کے حکم میں ہوگا، جب ضرورت پوری ہوجائے مصلی کو کسی اور مصرف میں استعمال کیا جاسکتا ہے، معاملہ نیتوں پر موقوف ہے، مصلی کی نیت یا مسجد کی نیت، پہلے نیت طے کرنا لازم ہوگا، نیتوں پر ہی سارے اعمال واحکام موقوف ہوں گے۔

سوال ۶۔ بعض اہل ثروت کئی منزلہ عمارت تعمیر کرتے ہیں، اور شروع ہی سے ان کی نیت ہوتی ہے کہ کسی ایک منزل کو مسجد بنانا ہے اور طے کرلیں کہ تیسری منزل مسجد رہے گی، اوپر کی دو منزلیں کمرشیل کمپلکس رہے گا، اور چوتھی اور پانچویں منزلوں میں کمپنی یا طباعتی ادارہ کے آفس ہوں گے، یا نیٹ ورک سسٹم کا کام رہے گا، سوال یہ ہے کہ ایسی عمارت میں جو منزل مسجد کے لئے متعین ہوگی کیا وہ مسجد شرعی کہلائے گی؟ کیا اس پر مسجد کے احکام جاری ہوں گے؟

قال النبی ﷺ انما الاعمال بالنیات و انما لکل امرئ مانوی (بخاری و مسلم)

''نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر موقوف ہے اور ہر آدمی کے لیے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی ہے''۔

صورت مسؤلہ میں مذکورہ منزل کو مذکورہ حدیث کی روشنی میں مسجد کی نیت سے بنانے سے اس پر سارے احکام مسجد کے ہی منطبق ہوں گے، معاملہ نیت پر موقوف ہے، لہذا یہ منزل مسجد شمار ہوگی، اس پر مسجد شرعی کے سارے اصول وآداب نافذ ہوں گے، آج کے دور میں ہر اپارٹمنٹ کی حیثیت مستقل گھروں کی ہے، لہذا وہ منزل یا اپارٹمنٹ مسجد شرعی ہی متصور ہوگی۔ گویا وہ بھی ارض موقوفہ ہے، واقف کی نیت کا اعتبار ہوگا، تا قیامت مسجد کے حکم میں ہوگا، اس میں غلط تصرف نہیں ہوگا، آداب بھی مساجد کے آداب ہی شمار ہوں گے، یعنی جنبی اور حائضہ کا داخلہ ممنوع ہوگا۔

سوال ۷۔ بعض مساجد کی آمدنی کے لئے زرعی زمین ہوتی ہیں، عموماً زرعی زمین سے آمدنی کم اور اخراجات بہت ہوتے ہیں، جس سے مسجد کے اخراجات پورے نہیں ہوتے، لہذا متولیان چاہتے ہیں کہ یہ زمینیں فروخت کرکے ان کے بدلے بازار میں دکانیں خریدی جائیں تاکہ آمدنی آتی رہے اور اخراجات بھی پورے ہوں۔

سوال یہ ہے کہ زائد آمدنی کے پیش نظر مسجد کی زمین بیچ کر دوسری جائداد خریدنا درست ہے؟ عموماً اوقاف کی اراضی فروخت ہونے کے بعد ضائع ہوجاتی ہیں اور بدل شاذ ونادر ہی حاصل ہوتا ہے، ایسی صورت حال میں کیا زائد آمدنی کے لئے موقوفہ اراضی فروخت کرکے دکانیں خریدی جاسکتی ہیں؟

جواب۔ صورت مسؤلہ میں زائد آمدنی کے پیش نظر مسجد کی زمین بیچ کر دوسری جائداد خریدنے کے تعلق سے یہ بات ملحوظ رہے کہ ارض موقوفہ میں واقف کی نیت کا لحاظ کرنا ضروری ہے، مذکورہ مسئلہ میں ولو بالفرض واقف زندہ ہو تو

اس کی رضامندی اور اجازت کے ساتھ زرعی زمین کو فروخت کیا جاسکتا ہے، ورنہ دوسری صورت میں یعنی واقف کی موت کی صورت میں اس کے ورثاء یا متعلقین/قرابت داروں کی رضامندی سے اور ان کے اختیار سے تصرف جائز ہوگا، اس سلسلہ میں احتیاط کی اشد ضرورت ہوگی، کہیں ارض موقوفہ میں غلط تصرف نہ ہو۔

قال ابن قدامة: الوقف اذا خرب، و تعطلت منافعه، كدار انهدمت، و لم تمكن عمارتها، أو مسجد انتقل أهل القرية عنه، و صار في موضع لايصلى فيه، أو ضاق بأهله و لم يكن توسيعه في موضعه أو تشعب جميعه فلم تمكن عمارته و لا عمارة بعضه الا ببيع بعضه، جاز بيع بعضه لتعمر به بقيته، و ان لم يمكن الانتفاع بشيء منه، بيع جميعه،

قال الامام احمد: اذا كان في المسجد خشبتان، لهما قيمة، جاز بيعهما و صرف ثمنهما عليه، و قال أيضا يحول المسجد خوفا من اللصوص، و اذا كان موضعه قذرا، قال القاضي: يعني اذا كان ذلك يمنع من الصلاة عليه، (انتهى من المغني۔ ۵/۳۶۸)

(امام ابن قدامہؒ نے فرمایا: وقف شدہ جائداد جب ویران ہوجائے، اس سے فائدے حاصل کرنا ناممکن ہو، جیسے کوئی گھر منہدم ہوجائے، اس کی تعمیر ناممکن ہو، یا مسجد ویران ہو، اس کے پڑوسی/مسجد کے آس پاس رہنے والے کسی اور جگہ منتقل ہوگئے ہوں، اس مسجد میں نماز نہیں پڑھی جاتی، یا مسجد آبادی کے حساب سے تنگ ہوگئی ہو، اس کی توسیع عملا دشوار ہو، اس مسجد کی تعمیر کے لئے مسجد کا کچھ حصہ فروخت کئے بغیر ناممکن ہو تو ایسی صورت میں مسجد کے کچھ حصہ کو فروخت کرنے کے بعد اس رقم سے باقی مسجد کی تعمیر جائز ہے، اگر مسجد کے کسی حصہ سے کسی قسم کا انتفاع ناممکن ہو تو پوری مسجد فروخت کی جاسکتی ہے)۔

امام احمدؒ نے فرمایا:

مسجد میں اگر دو لکڑیاں ہوں، جن کی قیمت مسلم ہو، ان دو لکڑیوں کو بیچنا اور ان کی قیمت مسجد کے تصرف میں لانا جائز ہے، نیز فرمایا: کہ مسجد کو چوروں کے خوف سے تحویل کرنا جائز ہے، خاص کر جب اس کی جگہ ناپاک ہو، یا تکلیف دہ ہو، قاضی صاحبؒ نے فرمایا: جبکہ ایسی ناپاک جگہ میں نماز پڑھنے سے روکا جاتا ہو۔)

قال الامام ابن باز رحمہ اللہ: فاذا تعطلت منافع الوقف، فانه يباع، و يشترى به ما هو أصلح من بيت، أو دكان، أو مزرعة، أو نحو ذلك تنفق ثمرته في الوقف الذي بيع ثمرته مثلما في غلة الوقف الذي بيع حسب الوصية، و حسب وثيقة الوقف۔ (انظر: مجموع فتاوى ابن باز رحمہ اللہ ۷/۲۰)

(شیخ ابن بازؒ نے فرمایا: جب وقف کے متوقع فوائد حاصل نہ ہوتے ہوں تو ایسی صورت میں وقف شدہ جائداد کو بیچنا اور اس سے بہتر چیز خواہ وہ گھر ہو یا دکان یا کھیتی وغیرہ خریدنا جائز ہے، پھر اس سے حاصل شدہ فائدہ اس وقف

پر یا حسب وصیت خرچ کرنا جائز ہے۔)

درمختار مع ردالمحتار میں ہے:

مسجد کی تعمیر کرنے کے لئے خریدی گئی اس زمین پر مسجد کی عمارت اس طرح بنانی جائز ہے کہ اس کے مصارف اور اخراجات وضروریات (مثلا امام ومؤذن کی تنخواہ اور روشنی وغیرہ) پوری کرنے کے لئے نیچے دوکانیں اور اوپر مسجد بنائی جائے بشرطیکہ یہ پوری زمین مسجد کے لئے باقاعدہ وقف کی گئی ہو اور تعمیر کی جانے والی دوکانیں اس مسجد پر وقف کردی جائیں، اور ان کا وقف بورڈ میں اندراج کرالیا جائے اور باہمی مشورہ سے مسجد کا اور اس کے نیچے بنائی ہوئی دوکانوں کا ایک یا دو نفر جو معتبر ومتدین وامین ہوں متولی نامزد کردئے جائیں اور یہ تولیت کسی خاندان کے ساتھ مخصوص نہ کی جائے۔) (۳/ ۵۱۲)

سوال ۸۔ مساجد کی اراضی میں مکاتب یا مدارس قائم کرنا درست ہے؟ اگر تعمیرات کے بعد کرایہ مقرر کردیا جائے اور آمدنی مسجد کو دی جائے اور وہاں تعلیمی نظام جاری رہے تو شرعا اس کی اجازت ہوگی؟ اس سے مقاصد وقف میں خلل تو نہیں ہوگا؟ تحفظ کی غرض سے کیا یہ تصرف درست ہوگا؟

جواب۔ صورت مسؤلہ میں مساجد کی اراضی میں مکاتب یا صباحی ومسائی مدارس قائم کرنا یقینا درست ہے، پھر مکاتب کی تعمیر کے بعد کرایہ مقرر کرنا یہ مساجد کے مصالح پر منحصر ہے، اس سے دونوں فائدے ہوں گے، امت مسلمہ کے بچوں کی تعلیم کا نظم قائم ہوگا، دوسری طرف مسجد کی آمدنی میں اضافہ ہوگا۔ یہ دونوں فائدے شریعت کی نظر میں جائز ہیں چونکہ یہ بھی مساجد کے مصالح معتبرہ کے ساتھ مربوط ہیں، ان سے مقاصدِ وقف میں کوئی خلل واقع نہیں ہوگا، بلکہ وقف کی زمین کا تحفظ شمار ہوگا، آج کے دور میں ارض موقوفہ کا تحفظ بھی بہت بڑا مسئلہ ہے، اگر زمین بے کار پڑی رہی تو ناجائز قبضہ کا اندیشہ ہے، جیسا کہ بہت ساری زمینوں پر ناجائز قبضہ ہو چکا ہے، لہذا مساجد کی اراضی میں مکاتب یا مدارس قائم کرنا درست ہے۔ واللہ المستعان

جیسا کہ فتاوی اللجنۃ الدائمۃ میں منقول ہے۔ یعنی موجودہ مسجد کی سرزمین کے بیچنے میں کوئی مانع نہیں ہے، اور نہ ہی اس قیمت سے کسی مناسب جگہ میں ایک کشادہ زمین خریدنے میں شرعا کوئی رکاوٹ ہے، اور مصلحت عامہ کی خاطر اس آمدنی سے مسجد ومدرسہ کی تعمیر اور اس کی ضروریات کی تکمیل میں بھی کوئی حرج نہیں ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ اس کے ذمہ دار/متولی قابل اعتماد اور امانت دار لوگ ہوں۔

”فانه لايظهر لنا مانع من بيع أرض المسجد الحالي و أنقاضه، و الاستعانة بثمن ذلك في شراء الأرض الواسعة في المكان المناسب، و بناء المسجد و المدرسة و مرافقهما عليها، لما في ذلك من المصلحة العامة، لكن بشرط أن يتولى ذلك من تتوافر فيه الثقة و الأمانة و الدراية، وبالله

التوفيق" انتهى. عبد العزيز بن باز ، عبد الرزاق العفيفى ، عبد الله بن غديان ، عبد الله بن منيع ۔ (من فتاوى اللجنة الدائمة: ۱۶/۳۸)

د/فضل الرحمنؒ نے نعمۃ المنان مجموع فتاوی میں لکھا ہے:

رہا سوال کہ قبرستان کے لئے دی گئی زمین میں عیدگاہ، شادی خانہ یا اسکول اور کالج وغیرہ بنا سکتے ہیں یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ موقوفہ چیز کے بارے میں اصل حکم یہ ہے کہ جو چیز جس کام کے لئے وقف کی جائے اس کو اسی کام کے لئے استعمال کیا جائے۔

شرط الواقف يجب اتباعه لقولهم : شرط الواقف كنص الشارع ، كذا فى الأشباه و القنية و الدر المختار و غيرها من كتب الوقف (فتاوى نذيرية: ۲/۳۲۴)

یعنی وقف کرنے والے کی شرط کی اتباع واجب ہے، علماء کرام کا قول ہے کہ واقف کی شرط شارع کے نص کی طرح ہے۔ اور جب وہ چیز اس کی آمدنی جس کام کے لئے وقف کی گئی ہے اس سے زائد اور بیکار ہو تو اسے اس کے مثل میں خرچ کیا جائے گا۔

علامہ ابن تیمیہؒ سے پوچھا گیا کہ جب وقف کی آمدنی میں کچھ زائد ہو اور اس کی حاجت نہ ہو تو کیا کیا جائے؟ تو انہوں نے جواب دیا:

يصرف فى نظير تلك الجهة كالمسجد ، اذا فضل عن مصالحه صرف فى مسجد آخر ، لأن الواقف غرضه فى الجنس ، والجنس واحد ، فلو قدر أن المسجد الأول خرب ولم ينتفع به أحد صرف ريعه فى مسجد آخر ، فكذلك اذا فضل عن مصلحته شيء ، فان هذا الفاضل لاسبيل الى صرفه اليه ، و لاالى تعطيله ، فصرفه فى جنس المقصود أولى ، و هو أقرب الطرق الى مقصود الواقف ، وقد روى أحمد عن علي رضی اللہ عنہ : أنه حض الناس على اعطائه مكاتب ، ففضل شيء عن حاجته فصرفه فى المكاتبين. (مجموع فتاوى ابن تيمية رحمہ اللہ: ۳/۲۰۶=۲۰۷)

یعنی وقف کی آمدنی سے جو زائد ہو اور اس سے استغناء حاصل ہو اس کو جہت کی نظیر میں خرچ کیا جائے گا، جیسے ایک مسجد کے لئے وقف کی آمدنی جب اس کی ضرورتوں اور مصالح سے زائد ہو تو زائد کو دوسری مسجد میں صرف کیا جائے گا، اس لئے کہ واقف کا مقصد اس جنس میں خرچ کرنا تھا اور جنس ایک ہی ہے، چنانچہ فرض کیجئے کہ ایک مسجد ویران ہوگئی اور اب اس سے کوئی استفادہ نہیں کرتا تو اس کی آمدنی دوسری مسجد میں صرف کریں گے، اسی طرح اس کی مصلحت وضرورت سے کچھ زائد ہو تو اس کو بھی، اس لئے کہ اس زائد کے اس پر صرف کرنے کی کوئی سبیل نہیں، اور اس کو بیکار چھوڑنا بھی صحیح نہیں، اس واسطے مقصود کے جنس میں خرچ کر دینا اولی اور افضل ہے اور یہی وقف کرنے والے

کے مقصد سے سب سے زیادہ قریب ہے، امام احمدؒ نے حضرت علیؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے ایک مکاتب کو عطیہ دینے کی ترغیب دی، پھر اس کی حاجت سے کچھ بچ گیا تو اسے دوسرے مکاتبین پر خرچ کیا۔

الروضۃ الندیۃ میں ہے:

و من وضع مالا فی مسجد أو مشهد لاينتفع به أحد جاز صرفه فی أهل الحاجات و مصالح المسلمين، و من ذلک ما يوضع فی الكعبة و فی مسجده ﷺ لحديث عائشة رضی اللہ عنہا فی صحيح مسلم و غيره قالت: سمعت رسول الله ﷺ يقول: لولا أن قومک حديثو عهد بجاهلية ـ أو قال بكفر ـ لأنفقت كنز الكعبة فی سبيل الله ـ (۲/۳۳۹) (رواه مسلم: رقم الحديث ۱۳۳۳ ـ كتاب الحج، باب نقض الكعبة و بنائها)

جس نے کوئی مال کسی مسجد یا مشہد میں رکھا، جہاں اس سے کوئی مستفید نہیں ہوتا تو اس کو اہل حاجات اور مسلمانوں کی مصلحتوں میں صرف کرنا جائز ہے، اسی میں سے وہ مال بھی ہے جو کعبہ میں اور مسجد نبوی میں رکھا جاتا ہے، کیونکہ صحیح مسلم میں حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اگر یہ بات نہیں ہوتی کہ تمہاری قوم کے لوگ ابھی نئے نئے مسلمان ہوئے ہیں، اور ان کا زمانہ جاہلیت سے قریب نہ ہوتا تو میں کعبہ کے خزانہ کو فی سبیل اللہ خرچ کر دیتا۔

اس واسطے اگر قبرستان کے لئے ابھی اس زمین کی ضرورت ہے یا آئندہ کچھ سالوں میں اس کی ضرورت پڑنے کی امید ہے تو اس کی حفاظت کریں اور جب اس کی ضرورت ہو تو قبرستان کے طور پر استعمال کریں، اور اگر واقعی یہ زمین قبرستان کی ضرورت سے زائد ہے اور مستقبل میں بھی اس کی ضرورت پڑنے والی نہیں تو اگر کہیں دوسری جگہ قبرستان کی ضرورت ہو تو اس کی قیمت یا آمدنی اس پر صرف کریں، اور اگر یہ صورت بھی نہ ہو تو بے کار چھوڑ دینے اور ضائع کر دینے کے بجائے اس پر عیدگاہ، اسکول اور کالج وغیرہ جن میں مسلمانوں کا دینی وسماجی فائدہ ہے بنا سکتے ہیں، البتہ اسکول و کالج وغیرہ سے جو آمدنی ہو اگر قبرستان کی مصلحتوں کے لئے رقم کی ضرورت ہو تو یہ آمدنی قبرستان کی مصلحتوں پر خرچ کریں، ورنہ اہل حاجات اور مسلمانوں کی مصلحتوں والی چیزوں پر اسے خرچ کریں۔

(نعمۃ المنان مجموع فتاوی د/فضل الرحمن: ۱۳۶/۴ـ۱۳۸)

خلاصہ کلام

جواب نمبر ایک کا خلاصہ: ـ صورت مسؤلہ میں مسجد کی توسیع کے ساتھ طلبہ کی رہائش گاہ بنانے، درسگاہیں بنانے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے، اس کے لئے مسجد نبوی ﷺ کی مثال کافی ہے، جہاں اصحاب صفہ کا قیام تھا۔

جواب نمبر تین کا خلاصہ: موجودہ دور میں خصوصی طور پر مصلیوں کے سواریوں کے لئے پارکنگ ایک اہم مسئلہ

ہے،لہذا بیسمنٹ میں پارکنگ کانظم کرنا مصالح مساجد میں شمار ہوگا، بلکہ آج کل اس کی رعایت بیحد ضروری ہے۔

جواب نمبر چار کا خلاصہ: ۔مسجد کے نچلے حصہ میں پارکنگ کی جگہ،اوراس کے اوپر نمازگاہ بنانا،اوراس کے اوپر جزءوقتی مدرسہ فیس کے ساتھ تاکہ مدرسہ کے اخرجات پورے ہوں، یہ عمل جائز ہے۔البتہ نمازگاہ مسجد کے حکم میں ہوگا، اس کے آداب وغیرہ وہی ہوں گے جومسجد شرعی کے ہوتے ہیں۔

جواب نمبر پانچ کا خلاصہ: ۔مذکورہ اپارٹمنٹ اگرمسجد کی نیت سے خریدی گئی ہو،اس کا حکم تاابدمسجد ہی رہے گا، اس کے احکام وآداب وہیں ہوں گے جوشرعی مسجد کے ہوتے ہیں،یعنی حائضہ اورجنبی کا داخلہ ممنوع ہوگا،اس کا بیچنا یا یا ہبہ کرنا وغیرہ ممنوع ہوگا،البتہ اس اپارٹمنٹ کی خریدی مصلی/نمازگاہ کی نیت سے ہوتو وقتی طور پر مسجد کے حکم میں ہوگا۔

جواب نمبر چھ کا خلاصہ: مذکورہ منزل کو مذکورہ حدیث۔انما الأعمال بالنیات۔کی روشنی میں مسجد کی نیت سے بنانے سے اس پر سارے احکام مسجد کے ہی منطبق ہوں گے،معاملہ نیت پر موقوف ہے،آج کے دور میں ہر اپارٹمنٹ کی حیثیت مستقل گھروں کی ہے،لہذا وہ منزل یا اپارٹمنٹ مسجد شرعی ہی متصور ہوگی۔گویا وہ بھی ارض موقوفہ ہے ۔

جواب نمبر سات کا خلاصہ: ارض موقوفہ میں واقف کی نیت کا لحاظ کرنا ضروری ہے،مذکورہ مسئلہ میں ولو بالفرض واقف زندہ ہوتو اس کی رضامندی اوراجازت کے ساتھ زرعی زمین کوفروخت کیا جاسکتا ہے،ورنہ واقف کی موت کی صورت میں اس کے ورثاء کی رضامندی سے اوران کے اختیار سے تصرف جائز ہوگا۔

جواب نمبر آٹھ کا خلاصہ: ،آج کے دور میں ارض موقوفہ کا تحفظ بھی بہت بڑا مسئلہ ہے،اگرزمین بے کار پڑی رہی تو ناجائز قبضہ کا اندیشہ ہے،جیسا کہ بہت ساری زمینوں پر ناجائز قبضہ ہو چکا ہے،لہذا مساجد کی اراضی میں مکاتب یامدارس قائم کرنا درست ہے۔واللہ أعلم بالصواب.

وصلی اللہ علی نبینا محمد وبارک وسلم والحمد للہ رب العالمین.

مساجد اور ان کے اوقاف سے متعلق چند مسائل

مفتی عبدالرزاق قاسمی امروہی
استاذ دارالعلوم دیوبند

پرانی مسجد کو شہید کر کے نیچے مسجد اور اس کے اوپر طلبہ کی رہائش گاہ بنانا

جو جگہ ایک بار مسجد بن جاتی ہے وہ جگہ ہمیشہ کے لئے تا قیامت مسجد ہی رہتی ہے، مسجد اوپر سے نیچے تک یعنی تحت الثریٰ سے آسمانوں تک مسجد ہے، اس کی اس حیثیت کو باقی رکھنا لازم ہے، اس لئے مسجد کے اوپر یا نیچے مسجد کی عظمت یا احترام کے خلاف کوئی تصرف کرنا یا کسی دوسرے کام میں استعمال کرنا جائز نہیں، پس مسئولہ صورت میں قدیم مسجد کے پورے رقبہ کو نئی تعمیر ہونے والی مسجد میں شامل کرنا ضروری ہے۔ اور مسجد کے اوپر کی منزل کو مستقل درسگاہ بنانا اور اس سے اوپر طلبہ کی رہائش گاہ بنانا جائز نہیں۔

(وَ) كُرِهَ تَحْرِيما (الْوَطْءُ فَوقَهُ، وَالْبَوْلُ وَالتَّغَوُّطُ) لِأَنَّهُ مَسْجِدٌ إِلَى عَنَانِ السَّمَاءِ، (قَوْلُهُ إِلَى عَنَانِ السَّمَاءِ) بِفَتْحِ الْعَيْنِ، وَكَذَا إلى تحت الثرى (رد المحتار (۶۵۲)

لَوْ بَنَى فَوْقَهُ بَيْتًا لِلْإِمَامِ لَا يَضُرُّ لِأَنَّهُ مِنْ الْمَصَالِحِ، أَمَّا لَوْ تَمتْ الْمَسْجِدِيَّةُ ثُمَّ أَرَادَ الْبِنَاءَ مُنِعَ، وَلَوْ قَالَ عَنِيت ذَلِكَ لَمْ يُصَدَّقْ، تَتَارْخَانِيَةٌ، فَإِذَا كَانَ هَذَا فِي الْوَاقِفِ فَكَيْفَ بِغَيْرِهِ فَيَجِبُ هَدْمُهُ وَلَوْ عَلَى جِدَارِ الْمَسْجِدِ، وَلَا يَجُوزُ أَخْذُ الْأُجْرَةِ مِنْهُ وَلَا أَنْ يَجْعَلَ شَيْئًا مِنْهُ مُسْتَغَلًّا وَلَا سُكْنَى، بِزَازِيَّةٌ، وَلَوْ خَرِبَ مَا حَوْلَهُ وَاسْتَغْنِي عَنْهُ يَبْقَى مَسْجِدًا عِنْدَ الْإِمَامِ وَالثَّانِي أَبَدًا إِلَى قِيَامِ السَّاعَةِ وَبِهِ يُفْتِي) (قَوْلُهُ: أَمَّا لَوْ تَمَّتْ الْمَسْجِدِيَّةُ) أَيْ بِالْقَوْلِ عَلَى الْمُفْتَى بِهِ أَوْ بِالصَّلَاةِ فِيهِ عَلَى قولهما الخ، (رد المحتار ج ۴ ص: ۳۵۸)

پرانی مسجد کو شہید کر کے اس کے نچلے حصے میں دکانیں اور اوپر مسجد بنانا کیسا

صورتِ مسئولہ میں مسجد شہید کر کے اس جگہ پر دوکانیں بنانا، اور مسجد کو اوپری منزل پر منتقل کرنا شرعاً جائز نہیں ہوگا۔ نیز اس نئی تعمیر کے آغاز کے موقع پر تیسری منزل پر امام اور موذن کی رہائش رکھنا جائز نہ ہوگا، پہلی مسجد بلا کسی استثنا مسجد ہو کر تحت الثری سے اوپر آسمان تک سارا حصہ مسجد ہو چکا ہے۔

(جوہر الفقہ ۳: ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۳۵، رسالہ آداب المساجد اور اس کا ضمیمہ، مطبوعہ: مکتبہ دار

العلوم کراچی، اور امداد الاحکام، ۳: ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۶۹، ۲۷۰، مطبوعہ: مکتبہ دار العلوم کراچی، وغیرہ)

وَلَا يَجُوزُ لِلْقَيِّمِ أَنْ يَجْعَلَ شَيْئًا مِنْ الْمَسْجِدِ مُسْتَغَلًّا وَلَا مَسْكَنًا «. (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل فی احكام المساجد (۵: ۴۲۱) وَحَاصِلُهُ أَنَّ شَرْطَ كَوْنِهِ مَسْجِدًا أَنْ يَكُونَ سُفْلُهُ وَعُلُوهُ مَسْجِدًا لِيَنْقَطِعَ حَقُّ الْعَبْدِ عَنْهُ لِقَوْلِهِ تَعَالَى (وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لله) بِخِلَافِ مَا إذَا كَانَ السِّرْدَابُ أَوْ الْعُلُو مَوْقُوفًا لِمَصَالِحِ الْمَسْجِدِ فَإِنَّهُ يَجُوزُ إذْ لَا مِلْك فِيهِ لِأَحَدٍ بَلْ هُوَ مِنْ تَتِمِيمِ مَصَالِحِ الْمَسْجِدِ فَهُوَ كَسِرْدَابِ مَسْجِدِ بَيْتِ الْمَقْدِسِ هَذَا هُوَ ظَاهِرُ الْمَذْهَبِ، وَهُنَاكَ رِوَايَاتٌ ضَعِيفَةٌ مَذْكُورَةٌ فِي الْهِدَايَةِ، وَبِمَا ذَكَرْنَاهُ علم أَنَّهُ لَو بَنَى بَيْتًا عَلَى سَطْحِ الْمَسْجِدِ لِسُكْنَى الْإِمَامِ فَإِنَّهُ لَا يَضُرُّ فِي كَوْنِهِ مَسْجِدًا لِأَنَّهُ مِنْ الْمَصَالِحِ. فَإِنْ قُلْتُ: لَوْ جَعَلَ مَسْجِدًا ثُمَّ أَرَادَ أَنْ يَبْنِيَ فَوْقَهُ بَيْتًا لِلْإِمَامِ أَوْ غَيْرِهِ هَلْ لَهُ ذَلِك قُلْتُ: قَالَ فِي التَّتَارْخَانِيَّةِ إذَا بَنَى مَسْجِدًا وَبَنَى غُرْفَةً وَهُوَ فِي يَدِهِ فَلَهُ ذَلِك؟ وَإِنْ كَانَ حِينَ بَنَاهُ خَلَّى بَيْنَهُ وبينَ النَّاسِ ثُمَّ جَاءَ بَعْدَ ذَلِك، يبني لَا يَتْرُكُهُ وَفِي جَامِعِ الْفَتْوَى إذَا قَالَ عَنِيت ذَلِك فَإِنَّهُ لَا يُصَدَّقُ. اهـ (كتاب الوقف، فصل فی احكام المسجد، ۵/ ۲۷۱، ط: دار الكتاب الاسلامی، بيروت)

پرانی مسجد کو شہید کر کے اس کے نچلے حصے میں پارکنگ اور اوپر مسجد بنانا کیسا؟

اسی طرح بعض مسجدیں شہر کے اندر ہوتی ہیں، آبادیاں بڑھ جاتی ہیں، مسجدوں کی توسیع کی ضرورت پڑ جاتی ہے۔ لیکن مسجد کے اردگرد جگہیں نہیں ہوتیں یا کم ہوتی ہیں۔ بہت سے نمازی اپنی اپنی گاڑیوں سے آتے ہیں، بالخصوص کالونیوں میں رہنے والے نمازیوں کو اسکی ضرورت پڑتی ہے لیکن وہاں گاڑیاں ٹھہرانے کی جگہیں نہیں ہوتی ہیں۔ ایسی صورت میں کمیٹی چاہتی ہے کہ مسجد شہید کر کے ایسی شکل اختیار کی جائے کہ نیچے بیسمنٹ میں پارکنگ ہو اور اوپر مسجد ہو، سوال یہ ہے کہ قدیم مسجد میں ایسی تبدیلی جس میں نمازیوں کی گاڑیوں کے ٹھہرانے کا نظم ہو، کی جاسکتی ہے؟ کیا موجودہ حالات کے پیش نظر اسکی گنجائش ہوگی؟

بعض شہروں میں جگہ جگہ قدیم مساجد میں اردگرد میں جگہیں بھی خالی ہیں لیکن کم ہیں، دوسری طرف مسلم بچوں کی دینی تعلیم بالخصوص عصری اسکولوں میں پڑھنے والے بچوں کے لئے جزء وقتی دینی تعلیم کا نظم ضروری ہوتا ہے۔ کمیٹی کے حضرات چاہتے ہیں کہ پوری مسجد شہید کر دی جائے اور اردگرد کی جگہیں بھی لے لی جائیں اور چند منزلیں بنادی جائیں جن میں بیسمنٹ میں پارکنگ ہو، اس کے اوپر جماعت گاہ ہو اور اس کے اوپر جزء وقتی درسگاہ ہو۔ یعنی مسلم بچوں کی تعلیم و تربیت کا نظم ہو اور بچوں سے تعلیمی فیس بھی لی جائے تاکہ اساتذہ کی تنخواہ کے علاوہ مسجد کے مصالح پر صرف ہو یعنی درسگاہ کی منزل کرایہ پر ہو اور یہ آمدنی مصالح مسجد پر صرف ہو۔ کیا موجودہ حالات کے پیش نظر ایسا کیا جاسکتا ہے؟

ان دونوں سوالات کا مشترکہ جواب یہ ہے کہ جب پہلے سے سطح زمین پر مسجد بنی ہوئی ہے اور اس کے نیچے

پارکنگ اوراو پر درسگاہ وغیرہ نہیں ہے تو اب دوبارہ تعمیر کی صورت میں وہاں نہ تو بیسمنٹ میں گاڑیوں کے لیے پارکنگ بنانا جائز ہے اور نہ ہی اس کے اوپر مسلم بچوں کی دینی تعلیم بالخصوص عصری اسکولوں میں پڑھنے والے بچوں کے لئے جزء وقتی مدرسہ بنانا درست ہے۔ درمختار مع شامی، کتاب الوقف میں ہے:

لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع .. ولو خرب ما حوله واستغني عنه يبقى مسجدا عند الإمام والثاني) أبدا إلى قيام الساعة (وبه يفتى).

اور علامہ شہاب الدین تبیین الحقائق میں تحریر فرماتے ہیں:

وَقَدْ ذَكَرَ الْمُصَنِّفُ فِي عَلَامَةِ النُّونِ مِنْ كِتَابِ التَّجْنِيسِ قَيِّمُ الْمَسْجِدِ إذَا أَرَادَ أَنْ يَبْنِيَ حَوَانِيتَ فِي الْمَسْجِدِ أَوْ فِنَاتِهِ لَا يَجُوزُ لَهُ أَنْ يَفْعَلَ لِأَنَّهُ إذَا جَعَلَ الْمَسْجِدَ مَسْكَنًا تَسْقُطُ حُرْمَةُ الْمَسْجِدِ وَأَمَّا الْفِنَاءُ فَلِأَنَّهُ تَبَعٌ لِلْمَسْجِدِ اهـ [تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق و حاشية الشلبى ۳/ ۳۳۱]

قَيِّمُ الْمَسْجِدِ لَا يَجُوزُ لَهُ أَنْ يَبْنِيَ حَوَانِيتَ فِي حَدِ الْمَسْجِدِ أَوْ فِي فِنَائِهِ، لِأَنَّ الْمَسْجِدَ إذَا جُعِلَ حَانُوتًا وَمَسْكَنًا تَسْقُطُ حُرْمَتُهُ وَهَذَا لَا يَجُوزُ، وَالْفِنَاءُ تَبَعُ الْمَسْجِدِ فَيَكُونُ حُكمه حكم المَسْجِدِ، كَذَا فِي مُحِيطِ السَّرَخْسِي «فتاوى عالمگيرى جلد دوم، الفصل الثاني، كتاب الوقف، (۲: ۴۱۳)

ان مذکورہ بالا عبارات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ کسی جگہ مسجد تعمیر ہو جاتی ہے تو وہ تحت الثری سے لے کر آسمان تک ہمیشہ کے لیے مسجد ہو جاتی ہے یعنی اس کے اوپر نیچے پورا حصہ مسجد کے حکم میں ہوتا ہے۔ لہذا صورت مسئولہ میں جس پرانی مسجد کو شہید کر کے از سر نو اس کی تعمیر اس طرح کرنا چاہتے ہیں کہ پہلی منزل کو مسجد بنالیں اور اس کے نیچے گاڑیوں کے لیے پارکنگ بنالیں اور اوپر جزء وقتی مدرسہ بنالیں تو ایسا کرنا شرعاً بالکل ناجائز ہے۔

کئی منزلہ عمارت میں کسی ایک منزل کو مسجد بنانا

۵۔ بعض بڑے شہروں میں مسلمانوں کی خاصی تعداد بڑی بڑی بلڈگوں اور اپارٹمنٹ میں رہتی ہے وہاں کوئی مسجد نہیں ہوتی ہے، اگر یہ مسلمان باہم مشورہ سے اپارٹمنٹ کے کسی حصہ کو خرید لیں اور نماز کے لئے مختص کر لیں اور جماعت سے وہاں نماز ادا کریں تو کیا اپارٹمنٹ کا یہ حصہ مسجد شرعی کہلائے گی؟ کیا اس پر مسجد کے احکام جاری ہوں گے، یا اسے صرف جماعت گاہ کہیں گے؟

۶۔ بعض اہل ثروت کئی منزلہ عمارت تعمیر کرتے ہیں اور شروع ہی سے ان کی نیت ہوتی ہے کہ کسی ایک منزل کو مسجد بنانا ہے اور طے کر لیں کہ تیسری منزل مسجد رہے گی اور نیچے کی دو منزلیں کمرشیل کمپلکس رہے گا اور چوتھی و پانچویں منزلوں میں کمپنی یا طباعتی ادارہ کے آفس ہوں گے یا نیٹ ورکنگ سسٹم کا کام ہوگا۔ سوال یہ ہے کہ ایسی عمارت میں جو

منزل مسجد متعین ہوگی کیا وہ مسجد شرعی کہلائے گی؟ کیا اس پر مسجد کے احکام جاری ہوں گے؟

فقہ حنفی کی ظاہر الروایہ کے مطابق شرعی مسجد ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ جگہ مسجد کے لئے وقف ہو، زمین کے نیچے سے لیکر آسمان تک خالص اللہ کے لئے کردی جائے، اوپر نیچے اس پوری زمین میں کسی اور کی ملکیت باقی نہ رہے، البتہ علامہ رافعی رحمہ اللہ نے اس میں مزید تعمیم فرمائی کہ اگر علو یا سفل مصالح مسجد کے لئے وقف نہیں لیکن مسلمانوں کے عام مصالح کے لئے مختص ہیں، کسی کی ذاتی ملکیت نہیں تو بھی یہ مسجد شرعی ہونے سے مانع نہیں۔

امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کی رائے یہ ہے کہ جن مقامات پر کثیر المنزلہ عمارتیں ہیں جن میں مسجد کے لئے مستقل جگہ ملنا مشکل ہوتا ہے، ان میں اگر کوئی منزل مسجد کے لئے وقف ہو اور اوپر اور نیچے دونوں مسکن یعنی رہائشی ہیں تو بھی وقف شدہ منزل کے مسجد ہونے سے مانع نہیں۔ نیز ائمہ ثلاثہ حضرت امام مالک، امام شافعی اور امام حمد بن حنبل رحمہم اللہ کے نزدیک مسجد شرعی ہونے کے لئے ضروری نہیں کہ اوپر اور نیچے کی منزلیں مسجد ہوں یا مصالح مسجد میں مشغول ہوں بلکہ اگر درمیانی منزل مسجد کے لئے وقف ہو اوپر اور نیچے دونوں منزلیں یا ان میں سے کوئی ایک ذاتی ملکیت میں مشغول ہے تو یہ مسجد شرعی ہونے سے مانع نہیں۔

موجودہ دور میں آبادی کے اضافے اور زمین کے مہنگے ہونے کی وجہ سے کثیر المنزلہ رہائشی عمارات اور خریداری کے مراکز کا رجحان بڑھتا جارہا ہے، ان کثیر المنزلہ عمارات میں عام طور پر نماز کے لئے مناسب جگہ مخصوص تو کی جاتی ہے لیکن یہ نہیں ہوتا کہ کسی جگہ کو اس طرح وقف کر کے مسجد بنادیا جائے کہ اس کے اوپر اور نیچے بھی یا تو مسجد ہو یا مصالح مسجد کے لئے وقف ہو یا مسلمانوں کی اجتماعی ضرورت کے لئے وقف ہو۔ ایسی تنگی کی صورت میں ضرورت کے پیش نظر درج ذیل شریط کا لحاظ کرتے ہوئے حضرات صاحبین سے منقول روایات کے مطابق یہ گنجائش معلوم ہوتی ہے کہ اگر کثیر المنزلہ عمارت میں ایک منزل یا مخصوص حصہ مسجد کے لئے وقف کردیا جائے، اس مسجد کا بالائی اور نچلا حصہ یا ان میں سے کوئی ایک وقف نہ ہو تو اسے مسجد شرعی قرار دیا جاسکتا ہے۔ اور یہ گنجائش بوقت ضرورت ہی استعمال کی جائے کہ جہاں قریب میں مستقل مسجد موجود نہ ہو یا کثیر المنزلہ عمارت سے اترنے چڑھنے میں دشواری ہو وہاں اس گنجائش سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

شرائط یہ ہیں: کثیر المنزلہ عمارت میں جو جگہ مخصوص کی جارہی ہے وہ مسجد کے لئے وقف کی جائے۔ ۲۔ یہ گنجائش ایسے مقامات میں ہوگی جہاں اوپر اور نیچے کی منزل کو وقف کرنے میں دشواری ہو جیسے کثیر المنزلہ عمارت وغیرہ ۳۔ سب سے پہلے یہ کوشش کی جائے کہ کسی بھی کثیر المنزلہ عمارت کے ساتھ اس کی سطح زمین پر مسجد شرعی بنائی جائے ۴۔ جو حصہ مسجد کے لئے وقف کیا جارہا ہے اس کی مسجدیت کو قانونی تحفظ دیا جائے، تاکہ مستقبل میں کوئی اس جگہ کو مسجد

کے علاوہ کام اور مقصد میں استعمال نہ کر سکے۔ ۵۔ قانونی کاغذات میں اس کی وضاحت ہونی چاہئے کہ اس کی خرید و فرخت ممکن نہیں ہوگی، آئندہ اگر پوری بلڈنگ بیچی جائے تو بیع میں مسجد شامل نہیں ہوگی، اور نہ اس کا کوئی معاوضہ لیا جائے گا، بلکہ وہ حسب سابق مسجد ہی رہے گی، مالک یہ صراحت کر کے بلڈنگ بیچے کہ مسجد کے لئے وقف جگہ بیچ میں شامل نہیں۔ ۶۔ اور اگر کبھی عمارت منہدم ہو جائے، تو جو حق زمین میں دیگر فلیٹس اور دکانوں کے مالکان کو ملے گا وہ مسجد کو بھی ملے گا اور دوبارہ تعمیر کی صورت میں مسجد کی جگہ حسب سابق مسجد رہے گی۔

لہذا سوال میں ذکر کردہ مسجد کو ظاہر الروایہ کے مطابق تو شرعی مسجد نہیں کہا جائے گا۔ کیونکہ اس کے اوپر نیچے رہائشی مکانات ہیں، اس کو مصلی یا جائے نماز کہا جائے گا۔ اور مصلی جائے نماز کا حکم یہ ہے کہ بوقت ضرورت اس میں نماز جائز ہے، اور جماعت کا اجر ملے گا لیکن مسجد کا نہیں، اور اس مصلی کا احترام بھی مسجد کی طرح لازم ہے۔ البتہ صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کی رائے کے مطابق مندرجہ بالا شرائط کی روشنی میں اپارٹمنٹ کے اس حصہ کو شرعی مسجد کے حکم میں داخل کر کے اس پر مسجد کے تمام احکام جاری کئے جا سکتے ہیں، کہ اس میں پانچوں وقت کی نماز باجماعت ادا کرنے اور جمعہ پڑھنے سے دیگر شرعی مساجد کی طرح پورا اجر بھی ملے گا اور اسی طرح اس میں اعتکاف مسنون بھی جائز ہوگا۔ اور جب تک شرائط کے مطابق وقف نہ ہو تو یہ مصلی ہی رہے گا، ایسی صورت میں مصلی کے مذکورہ بالا حکم پر عمل کیا جائے گا۔

(وَيَزُولُ مِلْكُهُ عَنْ الْمَسْجِدِ وَالْمُصَلَّى بِالْفِعْلِ وَ بِقَوْلِهِ جَعَلْته مَسْجِدًا عِنْدَ الثَّانِي وَشَرَطَ مُحَمَّدٌ وَالْإِمَامُ (الصَّلَاةَ فِيهِ) بِجَمَاعَةٍ (قَوْلُهُ: وَالْمُصَلَّى) شَمِلَ مُصَلَّى الْجِنَازَةِ وَمُصَلَّى الْعِيدِ قَالَ بَعْضُهُمْ: يَكُونُ مَسْجِدًا حَتَّى إذَا مَاتَ لَا يُورَثُ عَنْهُ وَقَالَ بَعْضُهُمْ: هَذَا فِي مُصَلَّى الْجِنَازَةِ، أَمَّا مُصَلَّى الْعِيدِ لَا يَكُونُ مَسْجِدًا مُطْلَقًا، وَإِنَّمَا يُعْطَى لَهُ حُكْمُ الْمَسْجِدِ فِي صحة الاقْتِدَاءِ بِالْإِمَامِ، وَإِنْ كَانَ مُنْفَصِلًا عَنْ الصُّفُوفِ وَفِيمَا سِوَى ذَلِكَ فَلَيْسَ لَهُ حُكْمُ الْمَسْجِدِ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: يَكُونُ مَسْجِدًا حَالَ أَدَاءِ الصَّلَاةِ لَا غَيْرُ وَهُوَ وَالْجَنَابَةُ سَوَاءٌ، وَيُجْتَنَبُ هَذَا الْمَكَانُ عَمَّا يُجْتَنَبُ عَنْهُ الْمَسَاجِدُ احْتِيَاطًا. اهـ.

[الدر المختار است وست وو حاشية ابن عابدين (رد المحتار) ۳۵۶/۴)

وعن أبي يوسف أنه أجاز أن يكون الأسفل مسجداً والأعلى ملكاً، لأن الأسفل أصل عن محمد أنه حين دخل الري ورأى ضيق الأمكنة جوز ذلك. (المحيط البرهاني في الفقه النعماني (۲۰۷/۶))

مسجد کی اراضی فروخت کر کے دوسری زیادہ آمدنی والی اراضی یا دکانیں خریدنا

وقف جب صحیح ہو جائے تو موقوفہ چیز تا قیامت واقف کی ملکیت سے نکل کر اللہ رب العزت کی ملکیت میں داخل ہو جاتی ہے، اور وقف کے مکمل ہونے کے بعد اس کی خرید و فروخت کرنا، ہبہ کرنا، کسی کو مالک بنانا اور اس کو وراثت میں

تقسیم کرنا شرعا جائز نہیں، اسی طرح واقف نے موقوفہ چیز جس مقصد کے لیے وقف کی ہو اس کو اسی مقصد کے لیے استعمال کرنا ضروری ہوتا ہے، لہذا صورت مسئولہ میں مذکورہ جگہ جب مصالح مسجد کی لیے وقف کی گئی تھی اور وقف کرتے وقت واقف نے استبدال کی کوئی شرط بھی نہیں لگائی تھی تو وقف کرنے کے بعد اس جگہ کو فروخت کرنا جائز نہیں تھا۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

وعندهما حبس العين على حكم ملك الله تعالى على وجه تعود منفعته إلى العباد فيلزم ولا يباع ولا يوهب ولا يورث كذا في الهداية وفي العيون واليتيمة إن الفتوى على قولهما. (الفتاوى العالمگيرية: ۳۵۰/۲، ط دار الفكر)

شامی میں ہے:

"شرط الواقف كنص الشارع، أي في المفهوم والدلالة ووجوب العمل به". والحاصل أن ههنا مسألتين: الأولى أن بيع الوقف باطل ولو غير مسجد خلافا لمن أفتى بفساده. « (ابن عابدين، كتاب البيوع، باب بيع الفاسد ۴۳۳/۴، ۵۷/۵: سعيد)

البتہ اگر موقوفہ زمین بالکل کم زور اور خراب ہو جس میں غلہ وغیرہ بہت کمی کے ساتھ پیدا ہو اور دوسری زمین اس قیمت کی اچھی مل رہی ہو تو فتاوی خانیہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی صورت میں متولی کے لیے جائز ہے کہ اس زمین کو فروخت کرے اور اس زمین کو خریدے جو کہ زیادہ نافع ہے اور اس کی آمدنی کو مسجد پر صرف کرے۔ خانیہ میں ہے:

وإذا ضعفت الأرض الموقوفة عن الإستغلال والقيم يجد بثمنها أرضا أخرى هي أنفع للفقراء وأكثر ريعا كان له أن يبيع هذه الأرض ويشتري بثمنها أرضا أخرى. جوز رحمه الله تعالى استبدال الأرض بالأرض.

سئل عن الحلواني عن أوقاف المساجد اذا تعطلت وتعذر استغلالها هل للمتولي أن يبيعها ويشتري بثمنها أخرى قال: نعم! (اعلاء السنن، ج: ۱۳، ص: ۱۹۶)

امام حلوائی سے مساجد کے ان اوقاف کے بارے میں دریافت کیا گیا جو ناکارہ ہو گئے ہوں اور ان سے آمدنی حاصل کرنا دشوار ہو گیا ہے تو کیا متولی کے لیے یہ جائز ہے کہ ان کو فروخت کر دے اور ان کی قیمت سے دوسری جائیداد خرید لے؟ فرمایا: ہاں!

مساجد پر وقف اراضی میں مکاتب یا مدارس قائم کرنا یا کرایہ پر دینا

بعض مساجد ایسی ہوتی ہیں کہ ان سے متعلق اراضی ہوتی ہیں جو مساجد کی ملکیت ہوتی ہے، کمیٹی اس کے تحفظ

اور مسجد کی آمدنی کے پیش نظر وہاں مکاتب یا مدارس قائم کر دینا چاہتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ مساجد کی اراضی میں مکاتب یا مدارس قائم کرنا درست ہے؟ اگر تعمیرات کے بعد کرایہ مقرر کر دیا جائے اور آمدنی مسجد کو دی جائے اور وہاں تعلیمی نظام جاری رہے تو شرعاً اسکی اجازت ہوگی؟ اس سے مقاصد وقف میں خلل تو نہیں ہوگا؟ تحفظ کی غرض سے کیا یہ تصرف درست ہوگا؟

مساجد پر وقف زائد اراضی جن کی نہ مسجد کو فی الحال ضرورت ہے اور نہ آئندہ ضرورت پیش آنے کی امید ہے، اور مسجد پر موقوف زائد اراضی پر قبضہ غاصبانہ کا شدید خطرہ ہے اور دینی مدرسہ یا مکتب قائم ہونے کی وجہ سے خطرہ ٹل جائے گا تو ان اراضی پر دینی تعلیم کا مدرسہ یا مکتب قائم کرنا درست ہوتا ہے، اسی طرح مساجد پر وقف اراضی جن کا مقصد مساجد کے لیے آمدنی فراہم کرنا ہے، ان کو مناسب کرایہ پر مسلمانوں کی دینی، عصری یا ٹیکنکل تعلیم کے ادارے قائم کرنے کے لیے دیا جاسکتا ہے، لیکن معاملات اس طرح طے کیے جائیں کہ مساجد کی مالکانہ حیثیت مجروح نہ ہو۔ (ماخوذ از تجاویز وقف، نئے مسائل اور اسلامک فقہ اکیڈمی کے فیصلے، ص: ۵۲)

مساجداوران کے اوقاف سے متعلق چند مسائل

(مفتی) اقبال احمد قاسمی
صدر مدرس ومفتی مدرسہ مظہر العلوم، بیکن گنج کانپور

سوال:۱۔قدیم مسجد کوتوسیع کیلئے شہید کرنا اور تعلیم وطلبہ کی رہائش کیلئے مزید منزل بنانا کیسا ہے؟

''مساجد'' خانۂ خدا اور جائے عبادت ہے اس کی تعمیر کا اصل مقصد ہی نماز باجماعت کا اہتمام ہے اس لئے ضرورت کے تحت کسی قدیم مسجد کوشہید کرکے اس کی ازسرنو ایسی تعمیر وتوسیع کرنا جس سے نمازیوں کے لئے مسجد میں مزید گنجائش نکل آئے یہ مسجد کے مقصد کے عین مطابق ہے لہٰذا مسجد کی انتظامیہ کمیٹی یا اہل محلہ باہمی مشورہ سے ایسا کرسکتے ہیں۔شرح وقایہ میں ہے:

إن المساجد لا يبنىٰ الا للصلوٰات الخمس. (ص:۲۰۸، ج:۱)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

اما اهل تلك المحلة فلهم أن يهدموا ويجددوا بناءه ويفرشوا الحصير ويعلقوا القناديل، لكن من مال انفسهم، أمّا من مال المسجد فليس لهم ذلك الا بأمر القاضي، كذافي الخلاصة. (فتاویٰ هنديه ص:۴۵۷، ج:۲)

باقی تعمیر نو میں مزید منزلوں کا اس لئے اضافہ کرنا کہ وہاں تعلیم کا نظم چلایا جاسکے اور طلبہ کی رہائش کا نظم ہوجائے جبکہ مسجد کے قدیمی حصہ میں کوئی کمی واقع نہ ہو نیز تعلیم ورہائش والی منزل میں بھی نماز کے وقت نماز جاری رہ سکے تو ضرورت کے مواقع میں اس کی بھی گنجائش ہوگی البتہ بلاضرورت شدیدہ تعلیم ورہائش کے لئے باقاعدہ مسجد کی بالائی منزلیں بنانا یا استعمال کرنا نہ صرف آدابِ مسجد کے خلاف ہوگا بلکہ یہ عمل کراہت تحریمی کے دائرہ میں آئے گا کیونکہ مسجد کا حقیقی مقام ومرتبہ اور ادب وتقاضا یہی ہے کہ مسجد کے نیچے یا اوپر کوئی ایسی عمارت نہ بنائی جائے جس کا مقصد مسجد سے مختلف ہو۔

لیکن موجودہ زمانہ میں خصوصاً ان علاقوں میں جہاں مدرسہ، مکتب کی کوئی ترتیب مسجد کے علاوہ خارج میں نہ بن سکے یا تعلیم کا مستقل نظم وانتظام انتہائی مشکل ہو اور مسجد کی چھت پر مزید منزل بنا کر تعلیم وتعلم کا راستہ بآسانی نکل

سکتا ہو تو دینی تعلیم وتعلم کی اہمیت اور ضرورت کے پیش نظر نیز اس وجہ سے کہ یہ عامۃ المسلمین کا مسئلہ ہے اور مسجد کی آبادی کا بھی سبب ہے اس لئے ضرورت کے تحت اربابِ افتاء کے مشورہ سے اس کی گنجائش دی جاسکتی ہے جیسا کہ بہت سی جگہ مساجد میں بڑے بڑے مدرسے چل رہے ہیں اور اس کی وجہ سے مدرسہ کی حیثیت میں فرق نہیں پڑتا بلکہ مزید مسجد کی آبادی کا ذریعہ بنتا ہے۔

فقہاء کرام نے باوجودیکہ اجرت کے ساتھ تعلیم وتعلم کو مسجد میں ممنوع ومکروہ لکھا ہے لیکن ضرورت کی بنا پر اجرت کے ساتھ تعلیم کی اجازت بھی دی ہے تو جس طرح مسجد میں تعلیم وتعلم جائز ہے علیٰ ہذا القیاس ضرورت پر مسجد کے بالائی حصوں کی تعمیر بھی تعلیم کیلئے کرنے میں مضائقہ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ یہ مسجد کی زمین پر مدرسہ بنانا یا مسجد کی حیثیت ختم کرنا نہیں ہے، بلکہ مصالح مسجد میں اضافہ کرنا ہے اس لئے اس میں کوئی حرج نہیں ہونا چاہئے۔ بشرطیکہ مسجد کے ادب واحترام میں فرق نہ پڑے یعنی پڑھنے والے زیادہ چھوٹے بچے نہ ہوں جس سے مسجد ملوث ہو نیز مسجد میں شور وشغب نہ ہو، اس کے علاوہ مسجد میں تعلیم صرف لڑکوں، چھوٹی بچیوں تک محدود ہو، معلمات ومتعلمات کا مدرسہ نہ ہو تو ان امور کا لحاظ کر کے مسجد کی بالائی منزلوں میں تعلیم اور طلبہ کی رہائش کا نظم کرنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

فی الهندية: واما المعلم يعلم الصبيان بأجر اذ جلس الى المسجد يعلم الصبيان لضرورة الحَرِّ وغيره لايكره. (الفتاوى الهندية ص: ۱۱۰، ج: ۱) وكذا في خلاصة الفتاوىٰ ص: ۲۲۹، ج: ۱)

وفي البزازيه: وتعليم الصبيان فيه (أى في المسجد) بلا اجر وبالاجر يجوز. (ص: ۳۵۷ ج: ۶، كتاب الكراهية)

سوال: ۲۔ مسجد کی آمدنی اور جماعت گاہ کی خاطر مسجد شہید کر کے نیچے دوکانیں اور اوپر جماعت خانہ وغیرہ بنانا

کسی نئی مسجد کی ابتدائی تعمیر کے وقت تو اکثر فقہاء کے نزدیک اس کی گنجائش ہوتی ہے کہ شروع ہی سے یہ نیت کر لی جائے کہ نیچے کی منزل میں دوکانیں ہوں گی یا کوئی ایسی تعمیر جو مسجد کی مصلحت کے تحت بنائی جائے گی اسی طرح ضرورت کے تحت پہلے سے یہ ارادہ ہو کہ اوپر کی منزل میں جماعت خانہ یا امام ومؤذن کا حجرہ، یا گھر بنایا جائے گا تو مسجد کی تعمیر کی شروع میں یہ پلاننگ کرنا درست ہے، لیکن اگر کوئی مسجد شہید ہونے سے پہلے اوپر سے لیکر نیچے تک مسجد تھی تو اس صورت میں مسجد کو شہید کر کے مسجد کے نیچے دوکان بنانا اور مسجد کے اوپر امام اور مؤذن کا حجرہ بنانا درست نہیں ہوگا۔

اما لو تمت المسجدية ثم اراد البناء منع، ولو قال عنيت ذلك لم يصدق، (تاتارخانية)

(رد المحتار ص: ۵۴۸، ج: ۶)

واذا اراد ان يبنى حوانيت في المسجد او في فنائه لايجوز له أن يفعل لأن الفناء تبع للمسجد.

(الموسوعة الفقهية ص: ۲۱۳، ج: ۳۷)

جواہر الفقہ میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ رقمطراز ہیں:

اگر کوئی مسجد اس طرح بنائی جائے کہ نیچے دکانیں یا تہ خانہ وغیرہ بنا کر ان کی چھت پر مسجد کا صحن یا مسجد کی کوئی عمارت ہے تو یہ اس شرط پر جائز ہے کہ نیچے کی دکانیں مسجد کی طرح وقف ہوں اور ان کی آمدنی مسجد کے مصالح میں صرف ہو اور اسی طرح یہ بھی جائز ہے کہ مسجد کی چھت پر کوئی مکان بغرض مصالح مسجد بنا دیا جائے، ان دونوں صورتوں میں اس مسجد کی مسجدیت میں کوئی خلل نہ آئے گا چنانچہ فتاویٰ شامی میں بحوالہ اسعاف نقل کیا ہے.....اس صورت میں نیچے کی دکانیں اور اوپر کا مکان وغیرہ مسجد میں داخل نہ ہوگا اور اسی بنا پر ان کا کرایہ دینا، ان میں تجارت کرنا، غسل کی حالت والے آدمی اور حیض ونفاس والی عورت کا ان میں داخل ہونا وغیرہ سب جائز ہوگا۔

تنبیہ: لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہ صورت صرف اسی وقت ہوسکتی ہے کہ مسجد بنانے کے وقت اول ہی بنانے والے نے اوپر کے مکان یا نیچے کے تہ خانہ یا دوکان وغیرہ کو مسجد سے علیحدہ کر کے کرایہ پر دینے اور اس کو مسجد پر وقف کرنے کی نیت کر لی ہو، ورنہ اگر اول مسجد بنا دی گئی تو پھر بعد میں اس کے نیچے کوئی دکان یا اوپر کرایہ کے لیے مکان بنانا ہرگز جائز نہیں.....الخ۔ (جواہر الفقہ، جلد سوم، ص: ۱۲۳۔ ۱۲۴، ط: مکتبہ دار العلوم کراچی)

مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ کیجئے: (مجموعۃ الفتاوی از حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ: ۱/ ۲۱۹۔ ۲۲۳ وفتاویٰ رحیمیہ: ۵/ ۱۸۹)

سوال: ۳۔ شہر کی قدیمی مسجد کو شہید کر کے نیچے نمازیوں کیلئے پارکنگ کی جگہ بنانا

اس سلسلہ میں شرعی ضابطہ یہ ہے کہ ابتداءً جس جگہ زمین سے مسجد کی تعمیر ہو چکی اور پہلے سے کوئی تعمیر پارکنگ وغیرہ کیلئے نہیں بنائی گئی تھی تو اب وہ پوری جگہ مسجد شرعی بن گئی اور مسجد تحت الثریٰ سے لے کر اوپر تک مسجد ہوتی ہے لہٰذا ایسی جگہ میں مسجد شرعی بننے کے بعد اس کے کسی بھی حصے کو چاہے نیچے کا حصہ ہو یا اوپر کا حصہ ہو، مسجد کے علاوہ دوسرے کسی بھی مصالح یا مقاصد کے طور پر استعمال کرنا شرعاً جائز نہیں، کیونکہ اس سے مسجد کا مقصد متاثر ہو جاتا ہے اور وقف میں تغیر لازم آتا ہے جو کہ شرعاً جائز نہیں۔ لہٰذا صورت مسئلہ میں جبکہ مسجد پہلے سے زمین پر بنی ہوئی ہے اور اس کے نیچے پارکنگ نہیں ہے تو اب از سر نو تعمیر کی صورت میں وہاں گاڑیوں کے لیے پارکنگ بنانا جائز نہیں ہوگا اور مسجد میں اس طرح کی تبدیلی جس سے مسجد کے وقف میں تغیر لازم آئے جائز نہیں ہے۔

اما لو تمت المسجدیه ثم اراد البناء منع. (رد المحتار ص: ۵۴۸، ج: ۶)

و اذا اراد ان یبنی حوانیت فی المسجد او فی فنائه لا یجوز له ان یفعل، لان الفناء تبع للمسجد.

(الموسوعة الفقهية ص: ۲۱۳، ج: ۳۷)

و ان وقف مسجداً فخرب المكان و انقطعت الصلاة فيه لم يعد الى الملك و لم يجز له التصرف اليه۔

(شرح مهذيب للنووی، ص: ۳۶۰، ج: ۱۵)

اب رہا مسئلہ گاڑی سے آنے والے مصلیان کی گاڑیوں کے پارکنگ کا تو عموماً بڑے شہروں میں کرایہ کی پارکنگ کا نظم جابجا ہوتا ہے اس کا استعمال کریں، اس میں کچھ پیدل بھی چلنا پڑے گا وہ بھی ثواب سے خالی نہیں اور اگر دور دراز سے آتے ہیں تو خود اپنے محلہ میں مسجد کے قیام کی فکر کرلیں تو گاڑی سے آنے کا مسئلہ ہی پیدا نہ ہوگا یا پھر پرائیویٹ ٹیکسی کا خرچ برداشت کریں نیز پیدل چلنے کی عادت ڈالیں تاکہ زائد سے زائد قدم کا ثواب بھی بڑھتا جائے جیسا کہ حدیث میں ہے:

"کل خطوۃ یخطوھا الی الصلوۃ صدقۃ"۔ (متفق علیہ، مشکوٰۃ ص:۱۶۷، ج:۱) فقط واللہ اعلم

سوال:۴۔ قدیم مسجد کی اردگرد کی جگہوں کو شامل کرتے ہوئے تعمیر نو میں نیچے پارکنگ اور اوپر درسگاہوں کو بنانا اگر کسی جگہ مسجد تھی اب اس کو شہید کرکے اسی جگہ پر ازسرنو مسجد تعمیر کی جارہی ہے اور اس کے اردگرد کی جگہ کو بھی شامل کرلیا جارہا ہے تب بھی اصل مسجد کے حصے کے نیچے پارکنگ بنانا جائز نہیں ہے، البتہ مسجد کے اردگرد کی جگہ ہے اس کے نیچے پارکنگ بنانا جائز ہوگا، اور رہا مسئلہ مسلم بچوں کی تعلیم وتربیت کا تو اس صورت میں مسجد کے اوپر کے حصے میں دینی تعلیم کا نظم کرنا جائز ہے اور وہ بچے جو فیس دے رہے ہیں ان سے فیس کا وصول کرنا بھی جائز ہے اور اس پیسوں کا مسجد کے مصالح پر صرف کرنا بھی جائز ہے، البتہ پڑھنے والے بچے اتنے چھوٹے نہ ہوں کہ جن سے مسجد کی تلویث اور بے حرمتی کا خوف ہو نیز بالغ یا قریب البلوغ لڑکیاں بھی پڑھنے نہ آئیں کہ پاکی ناپاکی کے ایام کا مسئلہ پیدا ہو یا فتنہ کا اندیشہ لگا رہے۔

لو بنی فوقه بیتا للامام لایضر لانه من المصالح اما لو تمت المسجدیة ثم اراد البناء منع. (رد المحتار ص:۵۴۸، ج:۶)

قوله (ومن علم الاطفال الخ) الذی فی القنیة: انه یأثم ولا یلزم منه الفسق، انه بناء علی انه بالاصرار علیه یفسق، أفاده الشارح، قلت: بل فی التتارخانیة عن العیون جلس معلم او وراق فی المسجد فان کان یعلم أو یکتب بأجر یکره الا لضرورة. (رد المحتار کتاب الحظر والاباحة ۹/۷۰۷)

ولو جلس المعلم فی المسجد والوراق یکتب فان کان المعلم یعلم للحسبة والوراق یکتب لنفسه فلابأس به، لأنه قربة، وان کان بالأجرة یکره الا أن یقع لهما الضرورة. کذافی محیط. (الفتاویٰ الهندیه ۵/۳۷۱)

سوال نمبر:۵۔ بلڈنگ یا اپارٹمنٹ کے کسی حصہ کو خرید کر نماز کیلئے مختص کرنے پر وہ حصہ مسجد شرعی کہلائے گا یا نہیں؟

ظاہر الروایۃ کے مطابق شرعاً مسجد وہی جگہ ہوسکتی ہے جو فرش سے عرش تک، اوپر نیچے پوری کی پوری مسجد کے لئے وقف ہو، اور فوقانی یا تحتانی کسی منزل کے ساتھ کسی انسان کا کوئی حق وابستہ نہ ہو۔ جمہور فقہاء نے کوئی ایک منزل یا

چند منزل کو بھی مسجد شرعی اس وقت تسلیم کیا ہے جبکہ مسجد کی ابتداء تعمیر کے وقت بانیان مسجد نے کسی حصہ کو مسجد شرعی قرار دے کر اوپر نیچے باقی مسجد کے مصالح کے لئے وقف کر دیا ہو یعنی اوپر نیچے کوئی منزل کسی شخص کی ملکیت نہ ہو۔

قال فی البحر: و حاصله أن شرط کونه مسجداً أن یکون سفله و علوه مسجداً ینقطع حق العبد عنه.

(الدر المختار مع الشامی مطلب فی احکام المسجد ص: ۳۵۷، ج: ۴)

لہٰذا اگر کسی اپارٹمنٹ کا کوئی حصہ خرید کر نماز کے لئے مختص کر لیں اور فوقانی یا تحتانی منزل مسجد پر وقف نہ ہوں تو نماز کے لئے مختص کی گئی منزل کو شرعی مسجد کہنا صحیح نہ ہوگا اور اس پر مسجد کے احکام جاری نہ ہوں گے۔ بس اس کو ایک جماعت خانہ یا مصلّٰی کہا جا سکتا ہے۔ ظاہر روایت سے یہی حکم نکلتا ہے۔ البتہ اگر ضرورتاً نوادر الروایۃ کا اعتبار کیا جائے تو اس میں اس حد تک گنجائش نکل سکتی ہے کہ اپارٹمنٹ کے کسی حصہ یا منزل کو خرید کر دواماً نماز کے لئے وقف کر دیا جائے اور اس پر کسی کا مالکانہ حق باقی نہ رہے سب کو آ کے نماز پڑھنے کی اجازت ہو نیز اس کا راستہ دروازہ وغیرہ مستقل ہو یعنی مسجد کی دوسری شرائط موجود ہوں تو اگرچہ اوپر نیچے کی منزلیں وقف نہ ہوں پھر بھی مسجد کے لئے ایسے وقف حصہ کو شرعی مسجد کے دائرہ میں لانا صحیح ہوگا جیسا کہ بڑے شہروں میں اس طرح کی مساجد کا رواج بڑھ رہا ہے۔ (اس مسئلہ کی مزید تفصیل ان شاء اللہ اگلے سوال و جواب کے تحت آئے گی)

سوال: ۶۔ کثیر منزلہ عمارت میں صرف کسی ایک منزل کو مسجد بنا دینے سے وہ شرعی مسجد کہلائے گی یا نہیں؟

فقہ حنفی کی ظاہر الروایہ کے مطابق شرعی مسجد ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ جگہ مسجد کے لیے وقف ہو، زمین کے نیچے سے لے کر آسمان تک خالص اللہ کے لیے کر دی جائے، اوپر نیچے اس زمین میں کسی ایک کی ملکیت باقی نہ رہے، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہا اللہ کی رائے یہ ہے کہ جن مقامات پر کثیر المنزلہ عمارتیں ہیں اور وہاں مسجد کے لئے مستقل جگہ ملنا مشکل ہوتا ہے ان میں اگر کوئی منزل مسجد کے لیے وقف ہو اور اوپر اور نیچے دونوں مسکن یعنی رہائش ہوں تو بھی وقف شدہ منزل کے مسجد ہونے سے مانع نہیں یعنی وہ مسجد شرعی ہوگی۔

نیز ائمہ ثلاثہ حضرت امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کے نزدیک مسجد شرعی ہونے کے لیے ضروری نہیں کہ اوپر اور نیچے کی منزلیں مسجد ہوں یا مصالح مسجد میں مشغول ہوں بلکہ اگر درمیانی منزل مسجد کے لیے وقف ہو، اوپر اور نیچے دونوں منزلیں یا ان میں سے کوئی ایک ذاتی ملکیت میں مشغول ہے تو یہ مسجد شرعی ہونے سے مانع نہیں یعنی یہ مسجد شرعی کہلائے گی، موجودہ دور میں آبادی کے اضافے اور زمین کے مہنگے ہونے کی وجہ سے کثیر المنزلہ رہائشی عمارت اور خریداری کے مراکز کا رجحان بڑھتا جا رہا ہے، ان کثیر المنزلہ عمارت میں عام طور پر نماز کے لیے مناسب جگہ مخصوص تو کی جاتی ہے لیکن یہ ممکن نہیں ہوتا کہ کسی جگہ کو اس طرح وقف کر کے مسجد بنا دیا جائے کہ اس کے اوپر اور نیچے بھی یا تو مسجد ہو یا مصالح مسجد کے لیے وقف ہو، ایسی تنگی کی صورت میں ضرورت کے پیش نظر حضرات

صاحبین سے منقول روایات کے مطابق یہ گنجائش معلوم ہوتی ہے کہ اگر کثیر المنزلہ عمارت میں ایک منزل یا مخصوص حصہ مسجد کے لئے وقف کردیا جائے اس مسجد کا بالائی اور نچلا حصہ یا ان میں سے کوئی ایک وقف نہ ہوتو اسے مسجد شرعی قرار دیا جاسکتا ہے۔غرضیکہ ضرورت کی وجہ سے فلیٹ کے کسی منزل کو مستقل مسجد کے لیے وقف کردیا جائے تو صاحبین اورائمہ ثلاثہ کی رائے کے مطابق اس جگہ کو شرعی مسجد کے حکم میں داخل کرکے اس پر مسجد کے احکام جاری کیے جاسکتے ہیں،لیکن ظاہر الروایۃ کے بجائے نوادر کی روایت پر عمل کی گنجائش ضرورت اور مجبوری کی بنا پر ہے اس لئے بلاضرورت ہر جگہ ایسا کرنا درست نہ ہوگا۔

ومن جعل مسجداً تحته سرداب أو فوقه بيت وجعل باب المسجد الى الطريق، وعزله عن ملكه فله أن يبيعه، وان مات يورث عنه، لانه لم تخلص لله تعالىٰ لبقاء حق العبد متعلقا به، ولو كان السرداب لمصالح المسجد جاز كما فى مسجد بيت المقدس.

وروى الحسن عنه أنه قال؛ اذا جعل السفل مسجداً وعلى ظهره مسكن فهو مسجد لأن المسجد مما يتأبد، وذلك يتحقق فى السفل دون العلو.

وعن محمد على عكس هذا، لأن المسجد معظم، واذا كان فوقه مسكن أو مستغل يتعذر تعظيمه.

وعن ابى يوسف أنه جوز فى الوجهين حين قدم بغداد ورأى ضيق المنازل فكأنه اعتبر الضرورة.

وعن محمد أنه حين دخل الرى أجاز ذلك كله لما قلنا. (الهداية ۲/۶۲۲)

معلوم ہوا کہ خارجی وجوہات کی وجہ سے ظاہر الروایۃ کا ترک جائز ہے جیسا کہ فی زماننا حالات اور ضرورت کے پیش نظر اگر غیر ظاہر الروایۃ پر عمل کیا جائے تو گنجائش ہونی چاہئے۔

فقہاء نے ضابطہ ذکر کیا ہے:

”لايجوز العمل والافتاء بالضعيف والمرجوح إلاعن ضرورة، فلو أفتى فى مواضع الضرورة طلباً للتيسير كان حسناً.“(قواعد الفقه، ص: ۵۷۶)

علامہ شامیؒ طہارت کے بیان میں بوقت ضرورت اور عام ابتلاء میں آسانی کے پہلو کو مدِ نظر رکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

قال؛ وقال فى شرح المنية: المعلوم من قواعد أئمتنا التسهيل فى مواضع الضرورة والبلوى العامة كما فى مسألة آبار الفلوات ونحوها. (فتاوىٰ الشامى: ۱/۱۸۹، سعيد)

مفتی جادالحق علی جادالحق مفتی جمہوریہ مصر العربیہ نے فتاوی دارالافتاء المصریہ میں مساجد کے بارے میں پہلے راجح قول بیان کرنے کے بعد ضرورت کے پیش نظر صاحبین کے قول کو لینے کی اجازت دی ہے۔

وعلى هذا اذا كانت هناك ضرورة تدعو الى المشروع المسئول عنه فلابأس بالأخذ بقول الصاحبين

الرواية المذكورة عنهما لأنها تتفق مع قواعد المذهب كقاعدة "الضرورات تبيح المحظورات"، وقاعدة: "المشقة تجلب التيسير"، وغيرهما، وهذا مقرر في قول الله عز وجل: (وما جعل عليكم في الدين من حرج) (الحج: ۷۸) والله تعالىٰ أعلم. (فتاویٰ دار الإفتاء المصرية، ۱۵۵/۷)

فقیہ زماں قاضی شریعت حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی علیہ الرحمہ نے ضرورت وحالات کے پیش نظر بہت پہلے صاحبین کے قول کو اختیار کرنے کا رجحان ظاہر کیا تھا جس کی تفصیل ''مباحث فقہیہ'' میں موجود ہے۔

پڑوسی ملک کے جمہور علماء اور دار الافتاؤں کا بھی اس پر اتفاق سامنے آیا ہے جس میں چند شرائط کے اضافہ کے ساتھ کثیر منزلہ عمارت میں کسی ایک منزل کو مسجد بنانے پر ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے قول کو اختیار کرنے کی بات کہی گئی ہے۔ تفصیلی اجتماعی فتویٰ کا ایک اقتباس پیش خدمت ہے۔

ائمہ ثلاثہ یعنی حضرت امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک مسجد شرعی ہونے کیلئے ضروری نہیں کہ علو اور سفل مسجد ہوں یا مصالحِ مسجد میں مشغول ہوں بلکہ اگر علو اور سفل دونوں یا ان میں سے کوئی ایک ذاتی ملکیت میں مشغول ہے تو یہ مسجد شرعی ہونے سے مانع نہیں۔

موجودہ دور میں آبادی کے اضافہ اور زمین کے مہنگے ہونے کی وجہ سے کثیر المنزلہ رہائشی عمارات اور خریداری کے مراکز کا رجحان تیزی سے بڑھتا جارہا ہے اور ان کثیر المنزلہ عمارات میں عام طور پر نماز کیلئے مناسب جگہ مخصوص تو کی جاتی ہے لیکن یہ ممکن نہیں ہوتا کہ کسی جگہ کو اس طرح وقف کر کے مسجد بنا دیا جائے کہ اس کا علو اور سفل بھی یا تو مسجد ہو یا مصالحِ مسجد کیلئے وقف ہو یا مسلمانوں کی اجتماعی ضرورت کیلئے وقف ہو۔ ایسی صورتوں میں ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ حضراتِ صاحبین رحمہما اللہ سے منقول روایات اور ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے مذہب پر فتویٰ دینے کیلئے اجتماعی غور وخوض کیا جائے خصوصاً جبکہ ضیق المنازل کی علت آج کے دور میں اس سے کہیں زیادہ پائی جارہی ہے جس کا مشاہدہ حضرات صاحبین رحمہما اللہ نے اپنے زمانہ میں کیا تھا۔

اس حوالے سے دار الافتاء جامعۃ الرشید سے ایک تحریر بھی دار الافتاء جامعہ دار العلوم کراچی کے اکابر کی آراء معلوم کرنے کیلئے بھیجی گئی جس میں حضرات صاحبینؒ سے منقول روایات کے مطابق فتویٰ دینے کی طرف رجحان ظاہر کیا گیا۔ دار الافتاء جامعہ دار العلوم کراچی میں اِس مسئلہ پر تفصیلی غور کیا گیا اور یہ طے کیا گیا کہ ملک کے دیگر مؤقر دور الافتاء سے استصواب کے بعد درجِ ذیل شرائط کا لحاظ رکھ کر حضرات صاحبینؒ سے منقول روایات پر فتویٰ دینے پر غور کیا جاسکتا ہے:

(۱) کثیر المنزلہ عمارت میں جو جگہ مسجد کیلئے مخصوص کی جارہی ہے وہ مسجد کیلئے وقف کی جائے۔

(۲) یہ گنجائش وہاں دی جائے جہاں علو اور سفل کو وقف کرنا مشکل ہو جیسے کثیر المنزلہ عمارت وغیرہ۔

(۳) سب سے پہلے یہ کوشش کی جائے کہ کسی بھی کثیر المنزلہ عمارت کے ساتھ جیسے پارکنگ بنائی جاتی ہے اسی طرح اس کی سطح زمین پر مسجدِ شرعی بنائی جائے اور قانوناً مالک پر لازم ہو کہ وہ مسجد بنائے اور متعلقہ محکمے اِس کے بغیر نقشہ منظور نہ کریں۔

(۴) جو حصہ مسجد کیلئے وقف کیا جارہا ہے اس کی مسجدیت کو قانونی تحفظ دیا جائے تاکہ مستقبل میں کوئی اس جگہ کو مسجد کے علاوہ کسی اور مقاصد میں استعمال نہ کرسکے۔

(۵) قانونی کاغذات میں اس کی وضاحت ہونی چاہئے کہ اس کی خرید وفروخت ممکن نہیں ہوگی، آئندہ اگر پوری بلڈنگ بیچی جائے تو بیع میں مسجد کی جگہ شامل نہیں ہوگی اور نہ اُس کا کوئی معاوضہ لیا جائے گا بلکہ وہ حسب سابق مسجد ہی رہے گی، مالک یہ صراحت کرکے بلڈنگ بیچے کہ مسجد کیلئے وقف جگہ بیع میں شامل نہیں۔

اور اگر کبھی عمارت منہدم ہوجائے تو جو حق زمین میں دیگر فلیٹس اور دوکانات کے مالکان کو ملے گا وہ مسجد کو بھی ملے گا اور دوبارہ تعمیر کی صورت میں مسجد کی جگہ حسب سابق مسجد رہے گی، یا اگر حکومت کسی جائز وجہ سے عمارت کو منہدم کردے تو جس طرح وہ دیگر مالکان کو معاوضہ دے گی اسی طرح اِس مسجد کو بھی معاوضہ ملے گا، جو معاوضہ ملے اِس سے اگر کہیں اور مسجد بنائی جاسکتی ہو تو مسجد بنائی جائے گی ورنہ امام ابو یوسفؒ کے قول ثانی کے مطابق کسی قریب ترین مسجد میں رقم لگائی جائے گی۔

سوال: ۷۔ضرورت کے تحت مسجد کی موقوفہ اراضی کو فروخت کرکے اس سے زیادہ نفع بخش چیز خریدنے کا حکم

کم آمدنی کے حامل وقف کو فروخت کرکے زیادہ آمدنی دینے والے متبادل وقف قائم کرنے کے سلسلے میں مشائخ احناف کا اختلاف ہے اور علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔

علامہ ابن ہمامؒ نے اس سلسلے میں فقہاء کے مباحث کا تجزیہ یوں کیا ہے کہ اگر واقف کی طرف سے استبدال کی شرط رہی ہو تب تو استبدال جائز ہے ہی، اگر واقف نے ایسی شرط نہیں لگائی ہو تو ایک صورت یہ ہے کہ استبدال کے بغیر وقف سے نفع اٹھانا ہی ممکن نہ ہو، اس صورت میں بھی بالاتفاق استبدال جائز ہے: ”فینبغی أن لایختلف فیه“ دوسری صورت یہ ہے کہ وقف تو اب بھی قابل انتفاع ہے؛ لیکن استبدال کے ذریعہ اس کی نافعیت میں مزید اضافہ کیا جاسکتا ہے، ابن ہمامؒ کی رائے ہے کہ یہ صورت جائز نہیں ہوگی:

”اتفق أنه أمکن أن یؤخذ بثمینه ماهو خیر منه مع کونه منتفعا به فینبغی أن لایجوز.“ (فتح القدیر: ۶/ ۲۲۸، کتاب الوقف)

فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ اگر وقف کی چیز قابل انتفاع ہے تو اگر اس کو بیچ کر اس سے زیادہ نفع بخش چیز لی جاسکتی ہو، تب بھی یہ جائز نہیں ہوگا۔

تاہم علامہ حصکفیؒ نے چار صورتوں میں ایسی زمین کے استبدال کی اجازت دی ہے، جو آبادی کے لائق ہو، اوران میں سے ایک اس صورت کو بھی شمار کیا ہے کہ ارضِ وقف کی منفعت تو باقی ہو؛ لیکن استبدال وقف کے ذریعہ اس کو زیادہ نفع خیز بنایا جاسکتا ہو، حصکفیؒ کا بیان ہے:

"لایجوز استبدال العامر الا فی الأربع."

علامہ شامیؒ اس کے تحت تفصیل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

الرابعة: أن یرغب انسان فیه ببدل أکثر غلة وأحسن صقعا، فیجوز علی قول أبی یوسف وعلیه الفتویٰ کما فی فتاویٰ قاری الهدایة. (ردالمحتار ص: ۳۸۸، باب مطلب فی استبدال الوقف)

(چوتھی صورت یہ ہے کہ اگر اس وقف کے بدلہ دوسری زمین حاصل کی جائے تو اس سے زیادہ پیداوار اور نفع حاصل ہو، امام ابو یوسفؒ کے قول پر اس صورت میں استبدال جائز ہے اور اسی پر فتویٰ ہے؛ جیسا کہ قاریٔ الہدایہ کے فتاویٰ میں ہے)۔

تاہم علامہ شامیؒ وغیرہ نے استبدال کی اجازت کے لیے جو شرطیں عائد کی ہیں ان کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے، ان میں سے تین شرطیں فی زمانہ بڑی اہمیت کی حامل ہیں، ایک یہ کہ اراضی وقف معمولی قیمت پر فروخت نہ کی جائیں: بلکہ ان کی مناسب اور مروجہ قیمت حاصل کی جائے: "أن لایکون البیع بغبن فاحش" دوسرے: بیع کی اجازت دیانت دار اور ذمہ دار ادارہ کو حاصل ہوگی، اگر عام متولیوں کو استبدال کا مجاز ٹھہرایا جائے تو تحفظ کی بجائے یہ اوقاف کا ضیاع ہوگا، فقہاء نے اس کے لئے "قاضی جنت" کی شرط لگائی ہے اور قاضی جنت سے ایسا قاضی مراد لیا ہے، جو علم اور عمل صالح دونوں کا حامل ہو: "أن یکون المستبدل قاضی الجنة" تیسرے: موقوفہ اراضی اور مکانات کے بدلے مکانات اور اراضی ہی حاصل کی جائیں، روپیہ پیسے سے تبادلہ نہ ہو، یا اگر ہو تو فوراً ہی اس سے غیر منقولہ جائیداد خرید کر لی جائے: "أن یستبدل بعقار لابدارهم ودنانیر" کیوں کہ تجربہ ہے کہ جہاں کہیں موقوفہ اراضی کے بدلے نقد رقم ملتی ہے، نقد رقم ناجائز تصرف اور تغلب میں آجاتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ ذکر کردہ شرائط کی رعایت کرتے ہوئے ارباب حل وعقد ضرورت ومصلحت کے پیش نظر احتیاط کے ساتھ استبدال وقف کی یہ صورت اختیار کرسکتے ہیں۔

مساجد کی اراضی میں مکاتب یا مدارس قائم کرنے کا جواز اور اس کے شرائط

مساجد کی ملکیت والی اراضی سے مراد اگر وہ زمین ہیں جن کو مساجد کی ضروریات یا منفعت یا آمدنی کیلئے وقف کیا گیا ہے تو اس میں واقف کی منشاء اور خود وقف کی مصلحت کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے، اگر واقف نے کوئی خاص

شرط نہیں لگائی اور وقف کی جگہ خود مسجد کی ضرورت سے زائد ہے تو فقہاء کے مقرر کیے ہوئے اصول اور موجودہ زمانے کی مصالح کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ بات درست معلوم ہوتی ہے کہ فاضل اراضی میں دینی درسگاہ یا مسلمانوں کیلئے ایسا مخصوص عصری تعلیمی ادارہ قائم کرلیا جائے جو غریب مسلمانوں کے لئے مخصوص ہو۔ اور تعمیرات کے بعد ادارے کا کرایہ مسجد کو دے دیا جائے تاکہ اس زمین کا نفع مسجد کی طرف لوٹے اور واقف کا منشاء بھی پورا ہو۔

فقیہ عصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ لکھتے ہیں:

''اس بات کو بھی ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ تعلیم کسی بھی سماج کی نہایت اہم ضرورت اور قوموں اور ملتوں کے تحفظ کا سب سے مؤثر ہتھیار ہے؛ فقہاء نے جس زمانہ میں اپنی کتابیں لکھیں اور نئے پیش آمدہ واقعات پر شرعی احکام کا انطباق کیا، اس وقت طاقتور یا کمزور اور اچھی یا بری مسلم حکومت موجود تھی، جس نے تعلیمی نظام قائم کر رکھا تھا اور عام مسلمان بڑی حد تک تعلیمی ادارے کے قیام سے مستغنی تھے، اب ہندوستان جیسے ممالک میں مسلمانوں کو خود ہی اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونا پڑے گا اور عام طور پر مسلمانوں کی معاشی پسماندگی ایک ایسا کھلا راز ہے جس سے دوست و دشمن سب واقف ہیں۔

پس فقہاء کے مقرر کئے ہوئے اُصول اور موجودہ زمانے کی مصالح کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ بات درست معلوم ہوتی ہے کہ:

(الف) مسجد پر وقف اراضی اگر کافی وسیع ہو اور بظاہر طویل عرصہ تک مسجد کی توسیع کی ضرورت پڑنے کا امکان نہ ہو، تو فاضل اراضی میں دینی درسگاہ یا مسلمانوں کے لئے مخصوص عصری تعلیمی ادارہ قائم کیا جاسکتا ہے؛ البتہ ادارہ سے مسجد کو کچھ کرایہ بھی دلانا چاہئے؛ تاکہ اس زمین کا نفع مسجد کی طرف بھی لوٹے اور واقف کا منشاء بھی پورا ہو۔

(جدید فقہی مسائل ص: ۵۰۴، ج: ۳)

خلاصۂ جوابات

(۱) مسجد کی تعمیر و توسیع میں مزید منزلیں دینی تعلیم کی غرض سے تعمیر کرنے میں مضائقہ نہیں کیونکہ یہ مسجد کی زمین پر مدرسہ بنانا یا مسجد کی حیثیت ختم کرنا نہیں بلکہ یہ مسجد کی آبادی میں مزید اضافہ کا سبب ہے۔

(۲ و ۳) کسی نئی مسجد کی تعمیر کے شروع میں یہ پلاننگ درست ہے کہ نیچے دوکان یا پارکنگ بنائی جائے اور اوپر امام و مؤذن کا حجرہ وغیرہ ہو۔ لیکن کسی ایسی مسجد کو شہید کرکے جو اوپر سے نیچے تک مسجد تھی دوبارہ تعمیر کے وقت اوپر نیچے کچھ اور بنانا جائز نہیں۔

(۴) قدیم مساجد کی اردگرد کی جگہوں کو تعمیر نو میں مسجد میں شامل کرکے اس کے نیچے پارکنگ بنانے اور اوپر کسی منزل کو تعلیم گاہ کے طور پر بنا کر اس کا کرایہ مسجد میں لگانے کی شرعاً گنجائش ہے۔

(۵) اپارٹمنٹ کا کوئی حصہ خرید کر نماز کے لئے مختص کرنے سے وہ شرعی مسجد نہ ہوگی جب تک کہ مسجد ہونے کی دیگر شرائط کا تحقق نہ ہو ایسی نماز کی جگہوں کو جماعت خانہ یا مصلی کہا جاسکتا ہے، شرعی مسجد کے لئے کم از کم اس کو دواماً وقف کرنا لازم ہے۔

(۶) ضرورت کی وجہ سے فلیٹ کے کسی منزل کو مستقل مسجد کے لئے وقف کر دیا جائے تو صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کی رائے کو اختیار کرتے ہوئے اس جگہ کو شرعی مسجد کے حکم میں داخل کر کے اس پر مسجد کے احکام جاری کر سکتے ہیں، فی زماننا جمہور اہل علم وارباب افتاء کا یہی رجحان ہے، البتہ اس کے لئے بعض حدود وقیود کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

(۷) فقہاء کی ذکر کردہ استبدال وقف کی شرائط کی رعایت کرتے ہوئے ضرورت ومصلحت کے تحت کم نفع بخش والی مسجد کی اراضی کو فروخت کر کے دوسری زائد آمدنی والی زمین یا دوکانوں کا خریدنا درست ہے۔

(۸) مسجد کی ملکیت والی زمین پر دینی تعلیم کا ادارہ ودرسگاہ قائم کرنا اسی وقت درست ہے جبکہ وہ جگہ مسجد کی ضرورت سے زائد ہو یعنی مسجد کے توسیع کے وقت اس کو شامل کرنے کی ضرورت نہ ہو نیز اس درسگاہ پر کچھ کرایہ بھی مقرر کر دینا چاہئے تاکہ اس کا نفع مسجد کو پہونچ کر واقف کا منشا بھی پورا ہو جائے۔

مساجد اور ان کے اوقاف سے متعلق چند مسائل

مولانا مفتی جمیل احمد نذیری
مہتمم جامعہ عربیہ عین الاسلام مبارک پور اعظم گڑھ

۱۔ جو مسجدیں پہلے سے تعمیر شدہ موجود ہوں، خواہ بڑے شہروں میں ہوں یا چھوٹے شہروں میں، شہر کی آبادی بڑھنے کی وجہ سے زیادہ نمازیوں کی گنجائش کے لئے توسیع کی ضرورت ہو اور مسجد کی کمیٹی یا متولی وغیرہ اس مسجد کو شہید کر کے اس کی نئی تعمیر کریں اور مسجد کی بعض منزلیں بڑھا دیں، تاکہ دینی تعلیم کا بھی اس میں نظم ہو جائے، نیچے مسجد ہو اور اوپر کی کسی منزل میں طلبہ کی رہائش و درس گاہیں ہوں، یا اوپر مسجد ہو اور نیچے طلبہ کی رہائش و درس گاہیں ہوں۔

یہ صورت اس وقت جائز ہے جب یا نیچے کی منزل جو طلبہ کی رہائش یا درس گاہ کے لئے رکھی گئی ہے، وہ مستقل مدرسہ نہ مانا جائے، بلکہ مسجد ہی کی ملکیت اور وقف ہو اور نمازیوں کی کثرت کے وقت ان منزلوں پر باجماعت نماز ہوتی رہتی ہو، خواہ قلت تعداد کے وقت ان منزلوں پر نماز کی ضرورت نہ ہو، خلاصہ یہ کہ وہ منزلیں مستقلاً مدرسہ یا رہائش نہ بنیں گی، اس استعمال کو وقتی تصور کیا جائے گا، خواہ وقت کتنا ہی دراز ہو۔

تعلیم اور رہائش کے باقاعدہ نظم سے مسجد کی حرمت تو متاثر ہوگی ہی، اور آداب مسجد کے خلاف بھی ہوگا لیکن دینی تعلیم بھی بہت ضروری ہے، مسجدوں کی آبادی دینی تعلیم سے ہی ہے، جہاں الگ سے مدرسہ و رہائش کا نظم نہ سکے، یا مسجد کی فاضل زمین بھی نہ ہو تو وہاں مجبوراً، بر بنائے ضرورت و حاجت ایسا کرنے کی گنجائش ہوگی، اور ایسا کرنا حرمت میں داخل نہ ہوگا، کراہت کے درجہ کی چیز ہوگی۔

ایسی مسجد تحت الثری الی عنان السماء، مسجد ہوتی ہے، جہاں نماز ہو چکی، اس حصہ کو اوپر یا نیچے، مسجد کے علاوہ کسی اور کام میں استعمال نہیں کیا جا سکتا۔

البحر الرائق میں ہے:

و حاصله: ان شرط كونه مسجداً ان يكون سفله وعلوه مسجداً لينقطع حق العبد عنه، لقوله تعالى: "وأن المساجد لله" بخلاف ما اذا كان السرداب او العلو موقوفاً لمصالح المسجد فأنه يجوز اذ لا ملك فيه لأحد بل هو من تتميم مصالح المسجد، فهو كسرداب مسجد بيت المقدس، هذا هو ظاهر المذهب. (البحر الرائق ۵/ ۲۵۱)

(اس کا حاصل یہ ہے کہ مسجد کے مسجد ہونے کی شرط یہ ہے کہ مسجد کا نچلا حصہ اور مسجد کے اوپر کا حصہ، سب مسجد ہو، تا کہ اس سے بندہ کا حق منقطع ہو جائے، اللہ تعالی کے اس قول کی وجہ سے ''وان المساجد اللہ'' برخلاف اس صورت کے جب تہ خانہ یا اوپر کا حصہ مسجد کے مصالح پر وقف ہو، تب جائز ہے، کیوں کہ اس صورت میں کسی اور کی ملکیت نہیں ہے، بلکہ وہ مصالح مسجد کی تقسیم میں سے ہے، پس وہ بیت المقدس کے تہ خانہ کی طرح ہو گیا، ظاہر مذہب یہی ہے)۔

لہذا نئی تعمیر شدہ منزلیں بھی نماز کے لیے بھی استعمال ہوتی ہوں، اور نماز کے علاوہ اوقات میں بقدر حاجت و ضرورت دینی درس گاہوں اور طلبہ کی رہائش کے لیے بھی مستعمل ہوں تبھی گنجائش ہوگی، مستقل مدرسہ اور رہائش بنا دینے کی ہرگز گنجائش نہ ہوگی۔ (مستفاد از کتب فتاوی: امداد الفتاوی جلد دوم قدیم ص ۶۸۳، باقیات فتاوی رشیدیہ مس ۳۵۳، کفایت المفتی جلد سوم ص ۱۷۱ و ۱۷۲، فتاوی عثمانی جلد دوم ص ۵۲۶ کتاب الوقف)

۲۔ قدیم مساجد کو شہید کر کے چند منزلہ عمارت اس طور پر بنا دینا کی نیچے کی منزل میں دکانیں بنا دی جائیں جن کا کرایہ مسجد کو حاصل ہو اور اوپر کی منزل جماعت گاہ ہو یا مصالح مسجد کے پیش نظر جماعت گاہ کی منزل کے اوپر امام و مؤذن کے لیے ایسے حجرے بنا دیے جائیں جہاں وہ تنہا یا اپنے اہل خانہ کے ساتھ قیام کر سکیں جائز نہیں ہے۔

مسجد کی مسجدیت مکمل ہونے کے بعد ایسا کرنا جائز نہیں اور قدیم مساجد کی مسجدیت تو کب کی مکمل ہو چکی ہے۔

لو بنى فوقه بيتاً للامام لا يضر لأنه من المصالح أما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع، ولو قال عنيت ذالك لم يصدق. (۲) رد المحتار على الدر المختار ۲/ ۵۴۸ مطبوعه دار عالم الكتب رياض)

اگر (واقف) مسجد کے اوپر امام کا کمرہ بنائے تو مضر نہیں، کیوں کہ وہ مسجد کے مصالح میں سے ہے لیکن اگر مسجد کی مسجدیت مکمل ہو چکی ہو، پھر بنانے کا ارادہ کرے تو روکا جائے گا، اور اگر کہیے کہ میں نے پہلے سے اس کی نیت کر رکھی تھی تو بھی اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔ (یعنی اس کی بات نہیں مانی جائے گی)۔

البحر الرائق میں ہے:

وبما ذكرناه علم انه لو بنى بيتاً على سطح المسجد أو لسكنى الامام فأنه لا يضر في كونه مسجداً لأنه من المصالح فإن قلت لو جعل مسجداً ثم أراد أن يبنى فوقه بيتاً للامام او غيره هل له ذالك؟ قلت: قال: في التتارخانية: اذا بنى مسجداً وبني غرفة على سطح المسجد وهو في يده فله ذلك وان كان حين بناه خلى بينه وبين الناس ثم جاء بعد ذلك يبنى لا يتركه، وفي جامع الفتاوى: اذا قال عنيت ذلك فأنه لا يصدق اهـ (فإذا كان هذا في الواقف فكيف بغيره. (البحر الرائق ۵/ ۲۵۱)

جو ہم نے ذکر کیا اس سے معلوم ہوا کہ اگر مسجد کی چھت پر امام کی رہائش کے لئے کوئی گھر بنائے تو یہ مضر نہیں (یعنی اس میں کوئی حرج نہیں) اس لئے کہ امام کی رہائش مسجد کے مصالح میں سے ہے، پس اگر تم کہو کہ اگر واقف نے

مسجد بنادی ہو، پھر ارادہ کرے کہ اس کے اوپر امام کا کمرہ وغیرہ بنائے تو کیا اس کی اجازت ہوگی؟ میں کہوں گا فتاوی تا تارخانیہ میں ہے کہ جب مسجد تعمیر کرے اور کوئی کمرہ مسجد کی چھت پر بنائے جب کہ وہ مسجد ای کے قبضہ میں ہو، تو ایسا کر سکتا ہے، اور اگر بنا کر لوگوں کے حوالہ کر دیا ہو (یعنی مسجد میں لوگوں کو نماز پڑھنے کی اجازت دے دی اور وہاں لوگوں نے نماز پڑھنی شروع کر دی) اس کے بعد آیا اور مسجد کی چھت پر کمرہ بنانے لگا تو اسے نہیں چھوڑا جائے گا، اور جامع الفتاوی میں ہے کہ اگر کہے کہ میں نے پہلے سے ہی اس کی نیت کر رکھی تھی تو بھی اس کی بات نہیں مانی جائے گی، پس جب اس مسجد کو وقف کرنے والے کے متعلق یہ حکم ہے تو غیر واقف کا کیا حکم ہوگا؟ (اس کو کیسے اجازت دی جاسکتی ہے)۔

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

مسجد کی ابتدائی (پہلی) تعمیر کے وقت بانی مسجد نیت کرے کہ مسجد کے نیچے کے حصے میں مسجد کے مفاد کے لئے دکانیں اور اوپر کے حصے میں امام ومؤذن کے لئے کمرے بنانے ہیں، یعنی مسجد کی ابتدائی تعمیر کے وقت اس کے نقشہ میں دکان، کمرے بھی شامل ہوں اور مسجد کے مفاد کے لئے وقف ہوں تو بنا سکتے ہیں، اور یہ شرعی مسجد سے خارج رہیں گے، اس جگہ پر حائضہ اور جنبی آدمی جا سکے گا۔ (شامی ص ۵۱۲ ج ۳)

مگر جب ایک بار مسجد بن گئی اور ابتدائی تعمیر کے وقت نیچے دکان اور اوپر کے حصہ میں کمرے شامل نہ ہوں تو مسجد کے اوپر کا حصہ آسمان تک اور نیچے کا حصہ تحت الثریٰ تک مسجد کے تابع اور اس کے حکم میں ہو چکا، اب اس کا کوئی حصہ (جزو) مسجد سے خارج نہیں کیا جا سکتا، اور اس جگہ مسجد کی آمدنی کے لئے دکان و کمرے نہیں بنائے جا سکتے، اس جگہ کا احترام مسجد جیسا ہے، حائضہ عورت اور جنبی آدمی کا وہاں جانا درست نہیں۔ (فتاوی رحیمیہ: ۱۶۲/ ۳)

اس کے بعد بطور دلیل کے مفتی عبدالرحیم صاحبؒ نے شامی کی وہی عبارت نقل کی ہے جو جلد ۶ ص ۵۴۸ کے حوالے سے سوال نمبر ا کے جواب کے تحت گزر چکی۔

مزید دیکھیے امداد الفتاوی قدیم جلد دوم ص ۷۰۷، فتاوی دار العلوم دیوبند قدیم جلد پنجم وششم ص ۳۴۳، فتاوی محمودیہ جلد اول ص ۴۹۶، فتاوی عثمانی جلد دوم ص ۵۱۱، مجلہ بحث ونظر اپریل تا جون ۱۹۹۲ شمارہ ۱۷ جس کے ناص ۲۶ پر جہاں مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاسمی نے اس موضوع کے، مالہ وماعلیہ پر مدلل ومفصل گفتگو کی ہے۔

قدیم مساجد کے ارد گرد خالی جگہوں کو لے کر مساجد کو شہید کر کے، اصل مسجد شرعی کی کئی منزلیں بنا دینا بیسمنٹ بنا دینا، پارکنگ بنا دینا اور وہاں مسلم بچوں کی دینی تعلیم کے لئے جزء وقتی تعلیم کا نظم کر دینا جائز ہے، مگر بیسمنٹ اور پارکنگ اصل مسجد شرعی کے نیچے نہ ہو، ارد گرد کی خالی جگہ پر ہو، ایسا کرتے وقت مسجد کے وضوخانہ، غسل خانہ، استنجاخانہ، جوتا چپل اور مسجد کا سامان رکھنے کی جگہ کو بھی شامل کیا جا سکتا ہے، اوپر مستقل جماعت گاہ ہو یا نہ ہو، ہر طرح جائز ہے، اوپر نماز کی جگہ پر بھی اور مذکورہ جگہوں کے اوپری حصوں میں بھی ضرورۃ جزء وقتی، کل وقتی، ہر طرح کا مدرسہ

قائم کیا جا سکتا ہے، مگر نماز کی جگہ اصلاً نماز کے لیے ہی ہو، صرف تعلیم کے وقت تعلیم کے لئے استعمال کر لی جائے، مدرسہ کی طرف سے اس کا کرایہ دیا جائے تو بہت بہتر ہے، ورنہ مصلحت اور ضرورت کی بنیاد پر یوں ہی دینی تعلیم کا انتظام کیا جا سکتا ہے، کیوں کہ بعض صورتوں میں مسجد کی آمدنی تک، مدرسہ پر بھی خرچ کی جا سکتی ہے جب مدرسہ مسجد کی مصالح میں داخل ہو چکا ہو۔ (کفایت المفتی ۳/ ۱۳۴)

فتاوی دار العلوم دیوبند قدیم میں مولانا مفتی محمد شفیع صاحب ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

مسجد اور مکانات متعلقہ مسجد میں علوم دینیہ اور قرآن مجید کا مدرسہ قائم کرنا جائز ہے۔ لیکن علوم دینیہ کے سوا کسی اور علم وصنعت کا مدرسہ، مسجد اور متعلقات مسجد میں قائم کرنا جائز نہیں:

کما ورد في الحدیث الصحیح من کون التعلیم من مقاصد المسجد (مشکوۃ)

اگر چہ پڑھنے والے مسلمان ہی ہوں:

صرح بہ فی احکام المسجد، الاشباہ والنظائر. (فتاوی دار العلوم دیوبند قدیم ۷/ ۱۶۹)

باقیات فتاوی رشیدیہ میں ہے:

''احاطہ مسجد میں مدرسہ بنانا جائز ہے، کیوں کہ فنائے مسجد جیسے افتادہ پڑی ہے، ایسا ہی مکان بنا کر اس میں درس دینا درست ہے، مگر وہ مکان متعلق مسجد کے ہی رہے گا، وقف جدید نہ ہووے گا، اگر فنائے مسجد میں تعلیم کرنے لگے تو کیا مانع ہے، ایسے ہی بنائے دکان میں کچھ حرج نہیں۔'' (باقیات فتاوی رشیدیہ ص ۳۵۲، از مولانا رشید احمد گنگوہی)

مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

''مسجد کے اندر مدرسہ بنانے سے اگر مراد یہ ہے کہ مسجد کا حصہ (مھیأ للصلوۃ) کو مدرسہ بنا دینا، تو یہ نہیں ہو سکتا، ہاں! مسجد میں بیٹھ کر دینیات کی تعلیم دینے میں مضائقہ نہیں، مگر مسجد کی حیثیت مسجد ہی کی رہے گی، مدرسہ کی حیثیت پیدا نہ ہوگی، اور آداب مسجد کی رعایت لازم ہوگی، اور اگر مراد یہ ہے کہ احاطہ مسجد کے اندر فاضل جگہ موجود ہے، موضع مھیأ للصلوۃ اس سے علیحدہ ہے، تو اس فارغ اور فاضل جگہ میں مدرسہ بنانا جائز ہے، لیکن مدرسہ عارضی ہوگا، اور اگر کبھی مسجد کو اس جگہ کی ضرورت ہوگی تو مدرسہ اٹھانا پڑے گا، اور جگہ مسجد کے حوالے کرنی پڑے گی۔'' (کفایت المفتی ۷/ ۱۰۰)

حضرت مفتی صاحب سے ایک سوال کیا گیا:

ایک مسجد مسلم آبادی سے دور محلہ ہنود میں واقع ہے، جہاں شاذ و نادر ہی کوئی مسلمان نماز کے لئے آجاتا ہے، کیا ایسی مسجد میں مدرسہ قائم کر سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب میں لکھتے ہیں:

''اس مسجد میں مدرسہ قائم کرلینا جائز ہے، مدرسہ قائم ہونے سے اس کی مسجدیت باطل نہیں ہوگی، بلکہ مدرسہ کے قیام سے مسجد کی آبادی ہوجائے گی، اس لیے قیام مدرسہ کی اجازت ہے۔'' (کفایت المفتی ۳/ ۱۳۴)

آل انڈیا اسلامک فقہ اکیڈمی کے دسویں فقہی سیمینار منعقدہ ۲۴-۲۷/ اکتوبر ۱۹۹۷ء میں جو فیصلے کئے گئے تھے، ان میں سے ایک یہ بھی ہے: ''جس آبادی یا محلہ میں مسجد واقع ہے، وہاں مسلمان بچوں کے لیے کوئی دینی مدرسہ یا مکتب قائم کرنے کے لئے کوئی مستقل بندوبست بھی نہ ہو تو مسجد پر وقف زائد اراضی میں دینی مدرسہ یا مکتب قائم کیا جاسکتا ہے لیکن اس کے لئے مسجد کے متولی یا منتظمہ کمیٹی سے اجازت لے لی جائے، بہتر یہ ہے کہ خود مسجد کی کمیٹی ہی اس مکتب یا مدرسہ کا بندوبست کرے۔'' (نئے مسائل اور اسلامک فقہ اکیڈمی کے فیصلے ص ۵۲)

۵و۶۔ اس سوال کے جواب سے پہلے درج ذیل عبارات پیش نظر رہیں تو بہتر ہے:

وروى الحسن عنه أنه قال: اذا جعل السفل مسجداًو على ظهره مسكن فهو مسجد، لأن المسجد مما يتأبد، وذالك يتحقق في السفل دون العلو، وعن محمد على عكس هذا، لأن المسجد معظم واذا كان فوقه مسكن او مستغل يتعذر تعظيمه، وعن ابي يوسف انه جوز في الوجهين حين قدم بغداد ورأى ضيق المنازل فكأنه اعتبر الضرورة، وعن محمد أنه حين دخل الري أجاز ذلك كله لما قلنا. (اى في الضرورة) (بداية ۲/ ۶۴۴ ۶۴۵۰)

حسن بن زیاد امام ابوحنیفہؒ سے روایت کرتے ہیں کہ جب نیچے مسجد بنائے اور اس کے اوپر رہائش گاہ تو اس صورت میں نچلا حصہ مسجد بن جائے گا، کیوں کہ مسجد مستقل رہنے کے لئے ہوتی ہے، اور نیچے کا حصہ ہی مستقل رہتا ہے (کیوں کہ وہ زمین پر ہوتا ہے) لہذا یہ تابید واستقلال اسی صورت میں ہے جب نیچے مسجد ہو، اوپر رہائش گاہ، اور امام محمد سے اس کے برعکس روایت ہے (یعنی جب مسجد اوپر ہو اور رہائش گاہ نیچے تو مسجد، مسجد بن جائے گی)، اس لئے کہ مسجد قابل تعظیم ہوتی ہے، اور جب مسجد کے اوپر کوئی گھر یا سامان کے لئے کمرہ ہو تو مسجد کی تعظیم دشوار ہوجائے گی، اور امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ انھوں نے دونوں صورتوں میں اجازت دی ہے، جب وہ بغداد آئے اور گھروں کی تنگی دیکھی، گویا انھوں نے ''ضرورت'' کا اعتبار کیا، اور امام محمد سے مروی ہے کہ انھوں نے بھی ان سب صورتوں میں اجازت دی ہے جب وہ رے میں داخل ہوئے، اسی وجہ سے جو ہم نے کہا (یعنی ضرورت کی بنیاد پر)

علامہ ابن ہمام، صاحب ہدایہ کی ان آخری سطور کے متعلق لکھتے ہیں:

''**وهذا تعليل صحيح لأنه تعليل بالضرورة.**'' (بدایہ ۲/ ۶۴۴ ۶۴۵۰)

یہ صحیح علت ہے، کیوں کہ ضرورت کو علت بنایا گیا ہے۔

لیکن چونکہ یہ ظاہر مذہب کے خلاف ہے، اس لیے امام ابن نجیم البحر الرائق میں لکھتے ہیں:

"وهناك روايات ضعيفة مذكورة في الهداية." (فتح القدير ۵/۴۴۵)

یہاں پر کئی ضعیف روایات ہیں جو ہدایہ میں مذکور ہیں۔

بہر حال نیچے مسجد، اوپر ذاتی گھر، نیچے ذاتی گھر، اوپر مسجد، یا اوپر، نیچے گھر اور بیچ میں مسجد، ان سب کے جواز کے سلسلے میں امام ابو یوسف اور امام محمد کی جو روایات ہیں وہ ظاہر الروایت کے خلاف ہیں اور ضعیف روایات ہیں۔

مزید البحر الرائق کی یہ عبارت بھی پیش نظر رہے:

وفی القنية: اختلف في مسجد الدار والخان والرباط أنه مسجد جماعة ام لا؟ والأصح ماروی عن ابي يوسف انه اذا أغلق باب الدار فهو مسجد جماعة للجماعة التي في الدار اذا لم يمنعوا غيرهم من الصلوة فيه في سائر الأوقات، لأن مسجد الزقاق الذي ليس بنافذ مسجد جماعة، فإن صلوا فيه في وقت أغلقوا باب الزقاق كذا هذا، وعنه ان كان فيه جماعة ممن في الدار بعد الإغلاق لا يمنعون غيرهم في الأوقات الآخر فهو مسجد جماعة وإلا فلا."

قنیہ میں ہے کہ باؤنڈری، سرائے اور مسافر خانہ کی مسجد کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ مسجد جماعت (یعنی مسجد شرعی) ہے یا نہیں، زیادہ صحیح وہ ہے جو امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ جب باؤنڈری کا دروازہ بند کر دیا جائے تو وہ ان لوگوں کے لئے مسجد جماعت ہو جو اس باؤنڈری میں ہوں، جب کہ تمام اوقات میں دوسرے لوگوں کو اس میں نماز پڑھنے سے روکا نہ جاتا ہو، کیوں کہ اس گلی کی مسجد جس کے آگے راستہ نہ ہو، مسجد جماعت ہے، پس اگر وہ اس وقت میں نماز پڑھتے ہوں جب گلی کا دروازہ بند کر دیا جائے، ایسے ہی یہاں بھی ہے، (یعنی باؤنڈری، سرائے اور مسافر خانہ کی مسجد بھی مسجد جماعت یعنی مسجد شرعی ہے) اور امام ابو یوسف سے روایت ہے کہ اگر اس مسجد میں ان لوگوں کی جماعت ہوتی ہو جو باؤنڈری کے اندر ہیں، باؤنڈری کا دروازہ بند ہو جانے کے بعد۔ اور دوسرے اوقات میں، دوسرے لوگوں کو نماز پڑھنے سے منع نہ کرتے ہوں تو وہ مسجد جماعت ہے، ورنہ نہیں۔

چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں:

"وقد رأينا ببخارى وغيرها في دور وسكك في أزقة غير نافذة من غير شك الأئمة والعوام في كونها مساجد، فعلى هذا المساجد التي في المدارس بجرجانية خوارزم مساجد لأنهم لا يمنعون الناس من الصلوة فيها واذا أغلقت يكون فيها جماعة من أهلها." (البحر الرائق ۵/۲۴۹)

ہم نے بخاری وغیرہ میں باؤنڈری میں اور ایسے گلی کوچوں میں جن کا راستہ، آگے بند تھا مسجدوں کو دیکھا کہ

ائمہ وعوام، کسی کو بھی ان کے مسجد ہونے میں شک نہیں تھا، اسی طرح وہ مسجد میں جو خوارزم کے جرجانیہ کے مدارس میں ہیں، وہ بھی مسجدیں ہی ہیں، کیوں کہ ان میں لوگوں کو نماز پڑھنے سے روکا نہیں جاتا، اور جب مدرسوں (کے گیٹ) بند ہوجاتے ہیں تو ان مسجدوں میں ان لوگوں کی جماعت ہوتی ہے جو وہاں رہتے ہیں۔

اب آیئے سوال نمبر (۵) و(۶) کی طرف

جن بڑے شہروں (مثلاً ممبئ وکلکتہ وغیرہ) میں مسلمانوں کی خاصی بڑی تعداد بلڈنگوں اور اپارٹمنٹ میں رہتی ہے، وہاں کوئی مسجد نہیں ہوتی، اگر یہ مسلمان باہمی مشورہ سے اپارٹمنٹ کے کسی حصے کو خرید لیں اور نماز کے لیے مختص کر لیں اور جماعت کے ساتھ وہاں نماز ادا کریں تو ظاہر الروایت کے مطابق یہ تا یہ حصہ مسجد شرعی نہیں ہوگا، اور اس پر مسجد کے احکام جاری نہ ہوں گے، کیوں کہ اس طرح کے اپارٹمنٹ میں اوپر یا نیچے کسی اور کی ملکیت ہوتی ہے مگر ضعیف روایات کے مطابق وہ حصہ مسجد شرعی بن جائے گا، بر بنائے ضرورت وحاجت، جیسا کہ فتح القدیر کی عبارت گزری۔

اسی طرح جو بعض مسلمان اہل ثروت کئی منزلہ عمارت تعمیر کرتے ہیں اور شروع ہی سے ان کی نیت ہوتی ہے کہ کسی ایک منزل کو مسجد بنانا ہے اور مثلاً طے کرلیں کہ فلاں منزل مسجد رہے گی، اور نیچے کی منزلیں کمرشیل کمپلیکس رہیں گی، اور مسجد کے اوپر والی منزل یا منزلیں کمپنی، یا کسی طرح کے دفاتر وآفس ہوں گے، اس طرح کی عمارت میں جو منزل، مسجد متعین ہوگی، وہ ظاہر الروایت کے مطابق مسجد شرعی نہ ہوگی اور امام ابو یوسف اور امام محمد سے منقول ضعیف روایات کی بنا پر، بر بنائے حاجت وضرورت مسجد شرعی ہوجائے گی۔

بڑے شہروں میں یہ حاجت وضرورت بالکل سامنے کی چیز ہے، ثبوت کی محتاج نہیں، اور معاملہ اس حد تک پہونچ چکا ہے کہ علماء عظام بھی بلا کسی نکیر کے، انہیں مسجد ہی تصور کرنے لگے ہیں اور تعامل کی کیفیت محسوس ہونے لگی ہے، اگر ایسی بلڈنگوں اور کئی منزلہ عمارات میں رہنے والوں کے لیے اس کے مسجد شرعی نہ ہونے کا حکم لگایا جائے تو گویا عملاً، تقریباً زندگی بھر، یا زندگی کا ایک بڑا حصہ وہ مسجد کے ثواب ہی سے محروم رہیں گے اور یہ محرومی، ان کے لیے مجبوری ہوگی، نہ کہ اختیاری، کیوں کہ وہ ہر اوقات نماز میں مسجد شرعی کہاں تلاش کریں؟ کہاں جائیں، یہ تو ان کے لیے بڑی مشقت کی چیز ہے، سب چھوڑ چھاڑ کر کہاں جائیں؟

ان حالات میں ان مسجدوں کو مسجد شرعی ہی قرار دینا چاہئے، کیوں کہ ضرورت وحاجت کی بنیاد پر ضعیف روایت پر بھی عمل کرنے کی گنجائش ہوجاتی ہے۔

اور یہاں اکابر علمائے ہند ومفتیان عظام کے یہ فیصلے بھی مددگار رہیں

ادارۃ المباحث الفقہیہ جمعیۃ علماء ہند نئی دہلی نے اپنے چوتھے فقہی اجتماع میں بعنوان "دوسرے مسلک پر فتویٰ اور عمل کے حدود وشرائط، منعقدہ ۲۴-۲۷/ اکتوبر ۱۹۹۴ء بمقام دیوبند، جو فیصلے کیے تھے، اُن میں سے چند یہ ہیں:

ضرورت داعیہ (بمعنی اضطرار یا ناقابل برداشت تکلیف) پائی جائے، خواہ ضرورت عامہ ہو یا خاصہ، عبادات میں ہو یا معاملات میں ضرورت وہی معتبر ہوگی جس کی اہلِ بصیرت ارباب فتاوی اجتماعی فیصلے کی بنیاد پر تسلیم کرلیں۔

اسی طرح کے خصوصی حالات میں، اہل بصیرت ارباب فتاوی کے اجتماعی فیصلے کی بنیاد پر، اپنے مذہب کے ''قول ضعیف'' کو بھی اختیار کیا جاسکتا ہے۔ (فقہی اجتماعات کے اہم فقہی فیصلے وتجاویز ۲۹)

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا نئی دہلی نے اپنے ساتویں فقہی سمینار میں بعنوان ''شریعت میں ضرورت وحاجت کی رعایت اور اس کے حدود'' منعقدہ: ۳۰ دسمبر - ۲ جنوری ۱۹۹۵ء میں جو فیصلے کئے، وہ بھی پیش نظر رہنے چاہئیں، ان میں سے چند یہ ہیں:

ضرورت وحاجت دونوں کا تعلق بنیادی طور پر مشقت سے ہے، مشقت کا ایک درجہ وہ ہے جو تمام ہی احکام شرعیہ میں لازم ہوتا ہے، اس کا اعتبار، تبدیلی احکام میں نہیں ہے۔

ضرورت وحاجت کی بنیاد مشقت پر ہے اور مشقت ایک اضافی چیز ہے۔ ضرورت وحاجت کی بنیاد پر جو سہولت دی جاتی ہے، اصولی طور پر اس کی حیثیت استثنائی ہوتی ہے۔ (نئے مسائل اور اسلامک فقہ اکیڈمی کے فیصلے ص ۲۶، ۲۷، ۲۵)

جن مساجد پر وقف اراضی، مسجد کے لئے انفع نہ رہ گئی ہوں، انھیں فروخت کر کے انفع للوقف جائداد میں تبدیل کیا جاسکتا ہے، استبدال وقف کی شرائط کا لحاظ کرتے ہوئے، مثلاً سوال میں درج صورت حال میں اُس بدلی ہوئی زمین یا دکان کو متعین کرلیا جائے، بلکہ اس کا سودا کرلیا جائے، بہتر یہ ہے کہ دونوں کا سودا ساتھ ساتھ چلتا رہے، ادھر مسجد کی زمین فروخت کی، اُدھر اس کے بدلے والی دکان یا جائداد خرید لی، یہ نہ ہو کہ رقم کافی دنوں تک رکھی رہ جائے، کیوں کہ اس صورت میں رقم کے کسی اور مصرف میں خرچ ہوجانے کا اندیشہ ہے، پھر بدل خرید نا مشکل ہوجائے گا، اور وقف ضائع ہوجائے گا۔

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا نے اپنے دسویں فقہی سمینار منعقدہ ممبئی مورخہ ۲۴ - ۲۷ / اکتوبر ۱۹۹۷ء میں استبدال وقف سے متعلق جو تجاویز منظور کی تھیں، ان میں سے درج ذیل کا لحاظ رکھنا یہاں ضروری ہے:

وقف جائداد کی فروختگی مناسب قیمت پر مارکیٹ ویلو کا لحاظ کرتے ہوئے کی جائے، اتنی قیمت پر اسے فروخت نہ کیا جائے جتنی کم قیمت، قیمتوں کے ماہرین نہیں لگا سکتے۔

وقف کو فروخت کرنے والے متولی یا وقف افسر اس کی فروختگی اپنے کسی قریبی رشتہ دار یا کسی ایسے شخص کے ہاتھ نہ کرے جس سے اس کا مفاد وابستہ ہو، اسی طرح کسی ایسے شخص کے ہاتھ فروختگی نہ کرے جس کا قرض یا مالی دین فروخت کرنے والے کے ذمہ لازم ہو۔

وقف کے تبادلہ اور فروختگی کی اجازت شرائط استبدال کی تحقیق کر کے شرعی قاضی یا اوقاف کی ایسی شرعی کمیٹی

دے جس میں مسائل وقف سے واقف متقی وخداترس علماء اور مسلمان متدین ماہرین قانون ضرور شامل ہوں، موقوفہ جائداد کی فروختگی اور تبادلے کے لئے وقف بورڈ یا وقف آفیسر کی اجازت شرعا کافی نہیں ہے، اس سلسلہ میں وقف ٹریبونل (Tribunal) کی اجازت شرعا اس وقت معتبر ہوگی، جب اس نے کم سے کم تعین مستند مفتیان کرام کی رائے لینے اور مشورہ طلب کرنے کے بعد ان کے مشورہ کے مطابق فیصلہ کیا ہو۔

نوٹ: یہ وضاحت ضروری ہے کہ موقوفہ دکان، مکان، زمین، جائداد کو فروخت کر کے جو دکان، مکان، زمین، جائداد خریدی جائے گی وہ بھی انھیں مقاصد کے لئے وقف ہوگی جن کے لئے پہلا وقف پراپرٹی وقف تھی۔ (نئے مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے ص ۵۱۰۵۰)

مسجد کی فاضل اراضی میں اراضی کے تحفظ اور مسجد کی آمدنی کے پیش نظر مکاتب یا مدارس قائم کئے جاسکتے ہیں، کرایہ مقرر کردیا جائے تو اسلامک فقہ اکیڈمی کے دسویں فقہی سمینار کے اس سلسلے کے کچھ فیصلے یہ ہیں:

مسجد پر وقف زائد اراضی جن کی نہ مسجد کو فی الحال ضرورت ہے اور آئندہ ضرورت پیش آنے کی امید ہے، ان اراضی پر دینی تعلیم کا مدرسہ یا مکتب قائم کرنا درج ذیل صورتوں میں درست ہوگا:

الف: مسجد آباد نہ ہو اور مدرسہ یا مکتب قائم ہونے میں مسجد کے آباد ہونے کی امید ہو۔

ب: مسجد پر موقوف زائد اراضی پر قبضۂ غاصبانہ کا شدید خطرہ ہے اور دینی مدرسہ یا مکتب قائم ہونے کی صورت میں قبضہ کا خطرہ ٹل جائے گا۔

ج: جس آبادی یا محلہ میں مسجد واقع ہے وہاں مسلمان بچوں کے لئے کوئی دینی مدرسہ یا مکتب قائم کرنے کے نہ ہے لیکن اس کے لئے کوئی مستقل بندوبست بھی نہ ہو تو مسجد پر وقف زائد اراضی میں دینی مدرسہ یا مکتب قائم کیا جاسکتا۔ لئے مسجد کے متولی یا منتظمہ کمیٹی سے اجازت لے لی جائے، بہتر یہ ہے کہ خود مسجد کی کمیٹی ہی اس مکتب یا مدرسہ کا بندوبست کرے۔ (کتاب مذکور ص ۵۱)

مساجد اور ان کے اوقاف سے متعلق چند مسائل

مفتی محمد علی ندوی
استاذ فقہ مدرسہ فلاح المسلمین امین نگر، تیندوا، ضلع امیٹھی

الحمد للہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفی، اما بعد۔

دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے شعبہ مجلس تحقیقات شرعیہ کی جانب سے ساتویں فقہی سیمنار میں مقالات کیلئے جو سوالنامہ جاری کیا گیا ہے اس میں ایک موضوع ''مساجد اور ان کے اوقاف سے متعلق چند مسائل'' ہے، اسلام کے شعبوں میں ایک شعبہ اوقاف ہے جس کے مختلف حصوں سے ایک اہم حصہ مساجد اور اس پر وقف آراضی و دیگر ذرائع آمدنی کا ہے۔

شریعت میں منشاء واقف کی بڑی اہمیت ہے، اسی لیے فقہا نے صراحت کی ہے، **شرط الواقف کنص الشارع**، ان دنوں متولیان یا مساجد کمیٹیوں کی طرف سے کچھ ایسے سوالات آرہے ہیں، جن میں بظاہر محسوس ہوتا ہے کہ اوقاف میں بنیادی تبدیلیاں ہو رہی ہیں، یا منشا، واقف متاثر ہو رہا ہے، دوسری طرف وقت اور حالات کا تقاضہ ہے کہ یہ تبدیلیاں ناگزیر ہیں، ورنہ وقف کے مقاصد مزید متاثر ہوں گے، یا یہ معطل ہو جائیں گے، یا دشواریاں بڑھ جائیں گی، ایسے حالات میں ان سوالات پر اصلی تناظر میں غور و فکر کرنے کی شدید ضرورت ہے، جس میں کتاب و سنت اور فقہاء کی تصریحات سامنے ہوں اور عصری تقاضوں کی رعایت بھی ہو، اس پس منظر میں ذیل میں چند سوالات درج کیے جا رہے ہیں۔ زیر نظر مقالہ میں ان سارے سوالات سے متعلق جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ و باللہ التوفیق۔

جواب: (۱)۔ مسجد مسلمانوں کی عبادت گاہ کا نام ہے، دوسرے مذاہب کی عبادت گاہوں کو مسجد کا نام نہیں دیا جا سکتا ہے، چنانچہ قرآن کریم میں دوسرے مذاہب کی عبادت گاہوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

لولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لھدمت صوامع وبیع وصلوات ومساجد یذکر فیھا اسم اللہ کثیر. (الحج ۴۰ پارہ ۱۷)

جس کا ترجمہ ہے کہ اگر اللہ تعالی لوگوں کو نہ ہٹایا کرتا ایک کو دوسرے کے ذریعے تو ڈھا دیے جاتے گرجے اور کلیسا اور دوسرے عبارت خانے اور مسجدیں جن میں اللہ کا بہت نام لیا جاتا ہے۔ مسجد لغت میں سجدہ گاہ کا نام ہے اور شریعت اسلامیہ کی اصطلاح میں مسجد اس جگہ کا نام ہے جو مسلمانوں کی نماز کے لیے وقف کر دی جائے۔ ملا علی قاری

رحمۃ اللہ علیہ شرح مشکاۃ میں لکھتے ہیں:

"المسجد لغۃ محل السجود، وشرعا المحل الموقوف للصلاۃ فیہ." (مرقاۃ المفاتیح ج ۱ ص ۴۴۱)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

من بنی مسجدا لم یزل ملکہ عنہ حتی یفرزہ عن ملکہ بطریقۃ ویأذن بالصلاۃ فیہ، أما الافراز فلأنہ لا یخلص للہ تعالیٰ الا بہ کذا فی الھدایۃ (الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص ۴۵۴)

یعنی کسی نے کوئی مسجد تعمیر کی تو اس کی ملکیت اس سے زائل نہ ہوگی حتی کہ اس کے راستہ کے ذریعہ اس کو اپنی ملکیت سے الگ کردے، اپنی ملکیت سے الگ کرنا اس لئے ضروری ہے کہ اس کے بغیر وہ اللہ کیلئے خالص نہ ہوگی۔

پرانی مسجد شہید کرکے اس کی نئی تعمیر اور نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے اس کی توسیع درست اور جائز ہے:

ذکر ابن سماعۃ عن محمد رحمہ اللہ تعالیٰ فی رجل بنی مسجدا ثم مات فاراد اھل المسجد ان ینقضوہ ویزیدوا فیہ فلھم ولیس لورثۃ المیت منعھم (الفتاوی الھندیۃ ج ۲ ص ۴۵۷)

یعنی ابن سماعۃ نے امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حوالے سے ذکر کیا ہے کہ ایک آدمی نے کوئی مسجد تعمیر کی پھر اس کا انتقال ہوگیا اب اہل مسجد چاہتے ہیں کہ اس مسجد کو شہید کرکے نئی تعمیر اور توسیع کردیں تو ان کے لئے اس کی گنجائش ہے اور میت کے ورثاء کیلئے ان کو روکنے کا حق نہیں ہے۔

مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

جس جگہ کو مسجد بنائی جائے وہ نیچے اوپر سب مسجد ہوتی ہے، وہاں کوئی ایسا کام جو احترام مسجد کے خلاف ہو وہ ممنوع ہے، اور درمختار کی اس عبارت سے استدلال کیا ہے:

فکرہ تحریما الوطء فوقہ والبول والتغوط لانہ مسجد الی عنان السماء (در مختار علی ھامش رد المختار ج ۱ ص ۶۵۶)

یعنی مسجد کے اوپر جماع اور پیشاب پاخانہ کرنا مکروہ تحریمی ہے کیونکہ وہ آسمان کی بلندی تک مسجد ہے۔

نئی تعمیر میں دینی تعلیم کی ضرورت کے پیش نظر جبکہ اس کا متبادل بھی نہیں ہے دینی تعلیم گاہ بنانا درست ہے، اس سے مسجد کا ادب واحترام متاثر نہیں ہوگا، درج ذیل عبارت سے یہی مستفاد ہوتا ہے:

لیکن طلبہ کیلئے رہائش گاہ بنانے سے مسجد کا احترام متاثر ہوگا جیسا کہ درمختار کی مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا، البتہ اگر مسجد سے خارج حصہ مثلاً وضوخانہ استنجاءخانہ کے اوپر کسی منزل میں رہائش گاہ بنالی جائے تو اس سے مسجد کی حرمت متاثر نہیں ہوگی، اور تعلیم کا نظم بھی قائم ہوسکے گا۔

جواب: ۲۔ مسجد کا وہ حصہ جو نماز کیلئے متعین ہے اس کے علاوہ اگر خالی زمین ہے اس جگہ پر یا جس جگہ وضوخانہ،

استنجا خانہ ہے اس جگہ یا اس کے اوپر یا نیچے مسجد کے مصالح کے پیش نظر اگر دکانیں بنادی جائیں تو اس کی گنجائش ہے، لیکن اگر خالص مسجد والے حصہ پر یا اسکے اوپر یا اس کے نیچے دکانیں بنائی جائیں تو یہ درست نہیں ہے، ذیل کی عبارتیں اس کی مؤید ہیں:

"اذا اراد انسان ان یتخذتحت المسجد حوانیت غلة لمرمة المسجد او فوقه لیس له ذلک، کذا فی الذخیرة." (الفتاوی الهندیة ج ۲ ص ۴۵۵)

یعنی اگر کوئی آدمی مسجد کے نیچے یا اس کے اوپر مسجد کی مرمت کی غرض سے آمدنی کیلئے دکانیں بنائے تو اس کو اس کا حق نہیں ہے۔

"ان ارادوا ان یجعلوا شیئا من المسجد طریقا للمسلمین (فقد قیل لیس لهم ذلک) وانه صحیح. کذافی المحیط." (الفتاوی الهندیة ج ۲ ص ۴۵۷)

یعنی اگر لوگ چاہیں کہ مسجد کے ایک حصہ کو مسلمانوں کیلئے راستہ بنادیں تو ان کو اس کی اجازت نہیں ہے، اور یہ صحیح بھی ہے۔

"وقد رد فی الفتح مابحثه فی الخلاصة من انه لو احتاج المسجد الی نفقة تؤجر قطعة منه بقدر ماینفق علیه بأنه غیر صحیح". (رد المختار ج ۴ ص ۳۵۸ مطلب فی احکام المسجد)

یعنی فتح میں رد کیا ہے جس کی بحث خلاصہ میں مذکور ہے کہ اگر مسجد کو ضرورت پیش آجائے کہ مسجد کا ایک حصہ اتنے کرایہ پر دیا جائے جو مسجد پر خرچ ہو تو یہ درست نہیں ہے۔

جہاں تک جماعت گاہ کے اوپر یا مؤذن کیلئے حجرے بنانے کی بات ہے تو اس کی اجازت ہوگی کیونکہ یہ مصالح مسجد میں شامل ہے اور اس سے مسجد کا ادب واحترام بھی متاثر نہیں ہوگا۔

لو بنی فوقه بیتا للامام لا یضر لانه من المصالح، اما لو تمت المسجدیة ثم ارادالبناء منع، ولو قال عنیت ذلک تاترخانیة، (درمختار علی هامش ردالمختار، ج ۴ ص ۳۵۸)

البتہ فیملی کے ساتھ قیام کرنے کیلئے حجرے نہیں بنائے جائیں گے کیونکہ اس وقت مسجد کا ادب واحترام باقی نہیں رہ پائے گا۔

"وکره تحریما الوطء فوقه والبول والتغوط، لأنه مسجد الی عنان السماء." (درمختار) قوله الوطء فوقه ای الجماع خزائن، اما الوط وفوقه بالقدم فغیر مکروه الا فی الکعبة لغیر عذر". رد المختار ج ۱ ص ۶۵۶ مطلب فی احکام المسجد)۔

۳۔ اسی طرح بعض مسجدیں شہر کے اندر ہوتی ہیں آبادیاں بڑھ جاتی ہیں مسجدوں کی توسیع کی ضرورت پڑ جاتی

ہے لیکن مسجد کے اردگرد جگہیں نہیں ہوتیں یا کم ہوتی ہیں، بہت سے نمازی اپنی اپنی گاڑیوں سے آتے ہیں بالخصوص کالونیوں میں رہنے والے نمازیوں کو اس کی ضرورت پڑتی ہے لیکن وہاں گاڑیاں ٹھہرانے کی جگہیں نہیں ہوتی ہیں، ایسی صورت میں کمیٹی چاہتی ہے کہ مسجد شہید کرکے ایسی شکل اختیار کی جائے کہ نیچے بیسمنٹ میں پارکنگ ہو اوو اوپر مسجد ہو، سوال یہ ہے کہ قدیم مسجد میں ایسی تبدیلی جس میں نمازیوں کی گاڑیوں کو ٹھہرانے کا نظم ہو کی جاسکتی ہے کیا موجودہ حالات کے پیش نظر اس کی گنجائش ہوگی؟

جواب: ۳- جو قدیم مسجد نمازیوں کیلئے تنگ پڑ گئی اور مسجد کے اردگرد جگہ بھی نہیں ہے جس پر مسجد کی توسیع کی جاسکے، ایسی صورت میں اہل محلہ یا کمیٹی کے لوگ محسوس کرتے ہیں کہ نئے سرے سے مسجد کی تعمیر کی جائے تو اس کی گنجائش تو ہے جیسا کہ فتاویٰ ہندیہ کی درج ذیل عبارت سے مستفاد ہوتا ہے:

"وذكر ابن سماعة عن محمد رحمه الله في رجل بنى مسجدا ثم مات فاراد اهل المسجد أن ينقضوه ويزيدوا فيه فلهم ذلك، وليس لورثة الميت منعهم. (الفتاوىٰ الهندية ج ۲ ص ۴۵۷)

یعنی اگر مسجد کا بانی فوت ہوگیا اور مسجد کے ذمہ داران مسجد کی نئی تعمیر اور توسیع ضروری سمجھتے ہیں تو وہ ایسا کر سکتے ہیں اور مسجد کے بانی کے ورثاء کو منع کرنے کا حق نہیں ہے، لیکن مسجد میں گاڑیوں کی پارکنگ کیلئے بیسمنٹ بنانے کی اجازت نہ ہوگی کیونکہ اس سے مسجد کی حرمت متاثر ہوگی اور اس لئے بھی کہ جب مسجد کا ایک حصہ مسلمانوں کے راستے کیلئے دینا جائز نہیں تو گاڑیاں ٹھہرانے کیلئے خاص مسجد میں بیسمنٹ بنانے کی گنجائش کیونکر ہوسکتی ہے؟

"ان أرادوا ان يجعلوا شيئا من المسجد طريقا للمسلمين فقد قيل ليس لهم ذلك وإنه صحيح، كذا في المحيط." (الفتاوىٰ الهندية ج ۲ ص ۴۵۷)

درمختار کی عبارت سے بھی یہی مسئلہ معلوم ہوتا ہے:

اما لو تمت المسجدية ثم اراد البناء منع، ولو قال عنيت ذلك لم يصدق، تاتر خانية، فاذا كان هذا في الواقف فكيف بغيره، (در مختار على هامش رد المختار ج ۴ ص ۳۵۸ مطلب في احكام المساجد)

فتاویٰ محمودیہ میں لکھتے ہیں:

وہ جگہ جو ایک مرتبہ شرعی طور پر مسجد بنا دی گئی اور نماز و جماعت کیلئے مخصوص کر دی گئی وہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے مسجد بن گئی پھر اس کا کوئی بھی حصہ دوسرے کام کیلئے مخصوص و متعین کر دینا جائز نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ج ۲۱ ص ۴۵۸)

جواب: ۴- مفتی محمود حسنؒ نے لکھا ہے:

"اگر مسجد تنگ ہو اور اس کے قریب راستہ بہت کشادہ ہو تو کچھ حصہ راستہ کا مسجد میں داخل کر لینا درست ہے جبکہ گزرنے والوں کو ضرر نہ ہو۔" (فتاویٰ محمودیہ ج ۲۱ ص ۴۶۰)

درمختار کی عبارت سے بھی یہی مسئلہ نکلتا ہے:

و جعل شئی ای جعل البانی شیئا من الطریق مسجدا لضیقه و لم یضر بالمارین جاز لانهما للمسلمین (در مختار) و قوله لضیقه و لم یضر بالمارین، افادان الجواز مقید بهذین الشرطین، قوله جاز ظاهره انه یصیر له حکم المسجد (رد المختار ج ۴ ص ۳۷۷)

یعنی اگر بانی مسجد نے راستہ کا کچھ حصہ مسجد کی تنگی کی وجہ سے مسجد میں داخل کرلیا جبکہ گزرنے والوں کو ضرر لاحق نہ ہوتو جائز ہے کیونکہ راستہ اور مسجد دونوں مسلمانوں کیلئے ہیں اور شامی میں حاصل شدہ جگہ کو مسجد قرار دیا ہے، مذکورہ حوالوں سے ثابت ہوگیا کہ مسجد کے تنگ پڑنے کی صورت میں اس کی تجدید وتوسیع کی گنجائش ہے۔

رہا بیسمنٹ کا مسئلہ تو وہ بنانا بھی اگر مصالح مسجد کیلئے ہوتو درست ہے:

و اذا جعل تحته سردابا لمصالحه ای المسجد جاز، (در مختار علی هامش رد المختار ج ۴ ص ۳۵۷)

مگر گاڑیوں کی پارکنگ کیلئے بیسمنٹ بنانے کی اجازت نہ ہوگی کیونکہ جوجگہ ایک مرتبہ شرعی مسجد بن گئی وہ قیامت تک کیلئے مسجد ہے اس کو دوسرے کام کیلئے مخصوص ومتعین کرنا جائز نہ ہوگا۔ ذیل کی عبارت سے بھی یہی مستفاد ہوتا ہے:

"اما ان امر هم بالصلاة ابدا نصا بان قال: صلوا فیها أبدا او امر هم الصلاة مطلقا، و نوی الابد ففی هذین الوجهین صارت الساحة مسجدا لو مات لا یورث عنه." (فتاوی هندیه ج ۲ ص ۴۵۵)

پارکنگ میں گاڑیوں کے ٹائر کی نجاستیں بھی وہاں آئیں گی تو مسجد کی حرمت برقرار نہیں رہ سکے گی:

"قیم المسجد لا یجوز له ان یبنی حوانیت فی حد المسجد او فی فناءه لان المسجد اذا جعل حانوتا و مسکنا تسقط حرمته و هذا لایجوز و الفناء تبع المسجد فیکون حکمه حکم المسجد کذا فی محیط السرخسی." (الفتاوی الهندیة ج ۲ ص ۴۶۲)

یعنی اگر مسجد کا متولی مسجد کی حد یا اس کے صحن میں دکانیں بنائے تو یہ اس کے لئے جائز نہیں ہے اس لئے کہ مسجد کو اگر دکان یا رہائش گاہ بنادیا جائے تو اس کی حرمت برقرار نہیں رہتی اور یہ جائز نہیں ہے اور صحن تابع مسجد ہے تو اس کا حکم بھی مسجد والا ہوگا، مسجد کے علاوہ جو الگ سے جگہ حاصل ہوئی ہے اس حصہ میں پارکنگ کیلئے بیسمنٹ بنانے میں کوئی قباحت نظر نہیں آتی بلکہ یہ ایک اچھا کام ہوگا۔

البتہ موجودہ حالات کے پیش نظر جبکہ ارتداد والحاد کی لہر چل پڑی ہے، عصری اسکولوں میں پڑھنے والے بچوں کیلئے کسی منزل کو دینی تعلیم کیلئے درسگاہ بنا کر مصالح مسجد کی خاطر مناسب کرایہ تجویز کرلیا جائے تو اس کی گنجائش ہے۔

ان اراد انسان ان یدرس الکتاب بسراج المسجد ان کان سراج المسجد موضوعا فی المسجد للصلاة قیل لا باس به و ان کا موضوعا فی المسجد لا للصلاة بأن فرغ القوم من صلاتهم و ذهبوا الی

بیوتهم وبقی السراج فی المسجد قالوا لا بأس بان یدرس به الی ثلث اللیل وفیما زاد علی الثلث لا یکون له حق التدریس کذافی فتاویٰ قاضی خان. (الفتاویٰ الهندیة ج ۲ ص ۴۵۹)

مذکورہ عبارت سے بھی یہ مسئلہ مستفاد ہوتا ہے اور قرن اول سے اب تک مساجد کو دینی درسگاہ کے طور پر استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ واللہ اعلم

جواب: ۵۔ مختلف بلڈنگوں اور اپارٹمنٹ میں جو مسلمان رہتے ہیں اگر وہ مسجد تعمیر کرنا چاہتے ہیں تو الگ سے زمین خرید کر مسجد بنائیں، پھر اس کو وقف کر دیں، تاکہ وہ شرعی مسجد بن جائے اور مسجد کی فضیلت حاصل ہو، اس کی کوئی سبیل نہ ہو پائے اور نماز کے لیے مستقل انتظام نہ ہونے کی وجہ سے اگر وہ کسی منزل اور اپارٹمنٹ کو نماز کے لیے خرید لیں تو وہ اپارٹمنٹ نمازگاہ اور جماعت گاہ تو ہو جائے گا، مگر اس پر شرعی مسجد کا اطلاق نہیں ہوگا، کیونکہ جو جگہ مسجد ہوتی ہے وہ اوپر نیچے سب مسجد ہوتی ہے، اور صورت مسئولہ میں اوپر نیچے کے اپارٹمنٹ مسجد نہیں ہے۔

شامی میں ہے:

"وحاصله ان شرط کونه مسجدا ان یکون سفله وعلوه مسجدا لینقطع حق العبد عنه لقوله تعالیٰ وان المساجد لله." (رد المختار ج ۴ ص ۳۵۸)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مسجد ہونے کے لیے شرط ہے کہ اس کے نیچے اوپر سب مسجد ہو، تاکہ بندے کا حق اس سے منقطع ہو جائے، اللہ تعالیٰ کا فرمان بھی اس کی دلیل ہے کہ "مسجدیں اللہ کے لیے ہیں"۔ مفتی محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی لکھا ہے کہ جس جگہ کو مسجد بنائی جائے وہ نیچے اوپر مسجد ہوتی ہے، وہاں کوئی ایسا کام جو احترام مسجد کے خلاف ہو وہ ممنوع ہے، اور درمختار اور شامی کے حوالہ دیا ہے:

"وکره تحریما الوطء فوقه والبول التغوط لانه مسجد الی عنان السماء (در مختار) ولا یحل للجنب والحائض والنفساء الوقوف علیه (رد المختار) قوله الی عنان السماء بفتح العین وکذا لی تحت الثری. (رد المختار ج ۴ ص ۴۸۵)

مفتی شبیر احمد قاسمی نے "فتاوی قاسمیہ" میں لکھا ہے ایک سوال کے جواب میں کہ مذکورہ صورت میں مسجد شرعی بنانے کے لیے ضروری ہے کہ اس جگہ کو خرید کر اوپر نیچے مکمل طور پر وقف کیا جائے اور جہاں پر نیچے دکانیں وغیرہ ہوں اور اوپر مسجد ہو وہاں پر لازم ہے کہ وہ بھی مسجد کی ملکیت ہو اور حق عبد اور ملکیت عبد کا اس سے منقطع ہو جانا لازم ہے اور فتح القدیر کی عبارت درج کی ہے:

قال ومن جعل مسجد تحته سردا او فوقه بیت وجعل باب المسجد الی الطریق وعزله عن ملکه فله ان یبیعه وان مات یورث عنه لانه لم یخلص لله تعالیٰ لبقاء حق العبد متعلقا به والمسجد خالص لله

تعالیٰ لیس لاحد فیه حق، فتح القدیر، الوقف، فصل واذا بنی مسجدا لم یزل ملکه کوئته ۵/ ۴۴۵
(فتاویٰ قاسمیة ج ۱۷ ص ۶۶۹، ۶۷۰)

جواب: ۲- کوئی صاحب ثروت کوئی عمارت کئی منزلہ ایسی بنائے کہ اس میں ایک منزل مسجد ہے اور باقی منزلوں کو کمرشیل کمپلیکس بنائیں اوران میں سے ایک دومنزلوں کو کمپنی یا طباعتی ادارے کے آفس بنادے یا نیٹورکنگ سسٹم قائم کردے، اوراس کی یہ نیت شروع سے ہی ہوتو اگر چہ ایسی عمارت اور بلڈنگ بنانا درست ہے، لیکن جس منزل کواس نے مسجد قرار دیا ہے وہ نماز گاہ اور جماعت گاہ تو ہوجائے گی، شرعی مسجد نہیں کہلائے گی، اوراس پر مسجد کے احکام جاری نہیں ہوں گے، اس لیے کہ جو شرعی مسجد ہوتی ہے وہ نیچے سے اوپر تک سب مسجد ہوتی ہے۔

"وحاصله ان شرط کونه مسجدا ان یکون سفله وعلوه مسجدا لینقطع حق العبد عنه." (رد المختار ج ۴ ص ۳۵۸).

اور مذکورہ سوال میں نہ نیچے مسجد ہے نہ اوپر، صرف درمیان میں کسی منزل کو مسجد قرار دیا گیا ہے، جس سے بندہ کا حق متعلق ہے، اس میں وراثت بھی جاری ہوگی اوراس کی بیع وشراء بھی، جو مسجدیت کے منافی ہے، ذیل کی عبارت بھی اس کے شرعی مسجد ہونے کی نفی کرتی ہے:

من بنی مسجدا لم یزل ملکه عنه حتی یفرز عن ملکه بطریقه ویأذن بالصلاة فیه، اما الافراز فلانه لا یخلص لله تعالیٰ الا به کذا فی الهدایة، الفتاویٰ الهندیة، ج ۲ ص ۴۵۴. وکره تحریما الوطء فوقه والبول والتغوط (درمختار)

کا حکم بھی جاری نہ ہوگا آئندہ کی عبارت اس کی صریح نفی کرتی ہے:

"لایکره ماذکر فوق بیت جعل فیه مسجد بل ولا فیه لانه لیس بمسجد شرعا. (درمختار) قوله لایکره ماذکر ای من الوطء والبول والتغوط، نهر". (رد المختار ج ۱ ص ۶۵۷ مطلب فی احکام المسجد)

جواب: ۷- عام حالات میں وقف کی زمین فروخت کرنے کی اجازت نہیں ہے، بعض حالات میں اجازت ہے، مفتی محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

جو زمین باقاعدہ وقف کردی گئی ہو اس کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے، مگر اس صورت میں کہ واقف نے بوقت وقف یہ شرط کی ہو کہ اگر اس میں انتفاع نہ ہوسکے تو اس کے عوض دوسری زمین لے کر وقف کردی جائے تو اس شرط کے مطابق عمل درست ہے۔ (فتاوی محمودیہ جلد 21 صفحہ 474) شامی میں ہے:

"ولو شرط ان یبیعها ویشتری بثمنها ارضا خری ولم یزد صح استحسانا وصارت الثانیة وقفا بشرط الاولی." (رد المختار ج ۴ ص ۳۸۵، مطلب فی استبدال الوقف وشروطه)

ارباب رائے اور اہل محلہ کو پوری صورت بتا کر سب کے مشورہ سے یہ کام کیا جائے، کیونکہ وقف کی بیع جائز نہیں ہے، الا یہ کہ وقف کے ضائع ہونے کا مظنہ ہو:

"فاذا تم ولزم لا یملک ولا یملک قوله لا یملک ای لا یکون مملوکا لصاحبه ولا یملک ای لا یقبل التملیک لغیره بالبیع ونحوه." (درمختار مع الشامی کراچی، ج ۴/ص ۳۵۲، کتاب الوقف)

علامہ شامیؒ نے استبدال وقف کی پوری تفصیل یوں بیان کی ہے:

"واعلم ان الاستبدال علی ثلاثة وجوه: الاول ان یشترط الواقف لنفسه او لغیره او لنفسه وغیره فاستبدال فیه جائز علی الصحیح وقیل اتفاقا، والثانی ان لا یشترطه سوا شرط عدمه او سکت لکن صار وبحیث لا ینتفع به بالکلیة ان لا یحصل منه شئی اصلا او لا یفی عونته فهو ایضا جائز علی الاصح اذا کان باذن القاضی ورأی المصلحة فیه." (رد المختار کراچی، ج ۴ ص ۳۸ مطلب فی استبدال الوقف وشروطه)

یعنی استبدال وقف کی تین صورتیں ہیں۔ اول یہ کہ واقف نے بوقت وقف اس کی شرط لگائی ہو اپنے لئے یا دوسرے کیلئے یا اپنے لئے اور دوسرے کیلئے بھی تو اس صورت میں صحیح قول کے مطابق استبدال جائز ہے، اور کہا گیا کہ یہ حکم اتفاقی ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ اس نے استبدال کی شرط نہ لگائی ہو خواہ عدم استبدال کی شرط لگائی یا سکوت اختیار کیا ہو لیکن وقف اس حال میں پہنچ گیا کہ اس سے بالکل انتفاع نہ ہو، بایں وجہ کہ اس سے کچھ حاصل ہی نہ ہو یا اتنا کم کہ مصارف پورے نہ ہوں تو بھی صحیح قول کے مطابق جائز ہے، اگر یہ قاضی کی اجازت سے ہو اور قاضی اس میں مصلحت جانے، اگر وقف شدہ زمین قابل انتفاع نہ رہے تب بھی اجازت ہے کہ اس کو فروخت کر کے اس کی ملکیت سے دوسری زمین لیکر وقف کر دی جائے۔

"والمعتمد انه بلا شرط یجوز للقاضی بشرط ان یخرج عن الانتفاع بالکلیة." (البحر کوئته ج ۵ ص ۲۲۳)، کتاب الوقف، (فتاوی محمودیه ج ۱۲، ص ۴۷۲)

قاضی خان نے لکھا ہے:

المتولی اذا اشتری من غلة المسجد حانوتا او دارا او مستغلا اخر جا لان هذا من مصالح المسجد فاذا اراد المتولی أن یبیع ما اشتری وباع اختلفوا فیه، قال بعضهم: لا یجوز هذا البیع وقال بعضهم: یجوز هذا البیع وهو الصحیح. (فتاوی قاضیخان علی هامش الفتاوی الهندیة، ۳/۲۹۷)

الغرض ناگزیر حالت میں اہل محلہ واہل مسجد سے مشورہ کے بعد استبدال کی گنجائش ہے تاکہ وقف ضائع نہ ہو۔

جواب: ۸۔ مسجد کی کوئی جگہ اگر خالی پڑی ہے اور خطرہ ہے کہ اگر اس پر عمارت بنا کر کسی کام میں نہ لگا دیا جائے

تو کسی کا قبضہ ہو جائے گا، یا وہ زمین ضائع ہو جائے گی، تو تحفظ کے پیش نظر اس جگہ پر عمارت بنا کر اس میں مدرسہ یا مکتب قائم کرنا اور اس کا مناسب کرایہ طے کر دینا جو مصالح مسجد میں خرچ ہو جائز ہے۔ مفتی محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: وہ جگہ جو مسجد کی ہے اس میں اگر طلبہ کے رہنے یا تعلیم کے لیے عمارت بنائیں تو اس جگہ کا کرایہ مناسب تجویز کر لینا چاہیے اور مدرسہ کی طرف سے وہ مسجد کو ادا کر دیا کریں۔ (فتاوی محمودیہ جلد 21 صفحہ نمبر 442) مسجد کی عمارت اور اس کے اوقاف میں تصرف کا حکم) درمختار مع شامی کے عبارت سے یہ بھی یہ حکم متفرع ہوتا ہے۔

"کما لو سکن بلا اذن او اسکنه المتولی بلا اجر کان علی الساکن اجر المثل (در مختار) قوله کان علی الساکن اجر المثل حتی لو باع المتولی دار الوقف فسکنها المشتری ثم ابطل القاضی البیع، کان علی المشتری اجرة المثل فتح، وبه افتی الرملی وغیره، ودخل ما لو کان الوقف مسجدا او مدرسة سکن فیه فتجب فیه اجرة المثل". (رد المختار ج ۴ ص ۴۰۸ مطلب سکن المشتری دار الوقف)

یعنی اگر کسی نے وقف کی عمارت میں قیام کیا یا متولی نے بلا اجرت کسی کو ٹھہرایا تو ساکن پر اجرت مثل واجب ہوگی۔ شامی میں مزید ہے کہ اگر متولی نے دار موقوفہ بیچ دیا اور مشتری نے اس میں سکونت اختیار کی پھر قاضی نے بیع کو باطل قرار دے دیا، تو مشتری پر اجرت مثل واجب ہوگی، فتح القدیر میں ہے اور رملی وغیرہ اس پر فتوی دیا ہے اور یہی حکم ہے اگر وقف مسجد یا مدرسہ ہو اور اس میں اختیار کرے تو اجرت مثل واجب ہوگی۔

مذکورہ بالا عبارتوں سے معلوم ہو گیا کہ اگر مسجد کی خالی زمین پر اس کی حفاظت کی غرض سے مدرسہ یا مکتب قائم کر لیا اور مسجد کی آمدنی کے لیے مناسب کرایہ تجویز کر لیا تو درست ہے، یہ مقاصد وقف میں مخل نہیں تحفظ کی غرض سے کیا گیا یہ تصرف درست ہوگا،

متولی الوقف اذا اسکن رجلا بغیر اجرة عامة المتاخیرین من المشائخ رحمهم الله ان علیه اجر المثل سواء کان الدار معدة للاستغلال او لم تکن صیانة للوقف وعلیه الفتوی وکذا قالوا فیمن سکن دار الوقف بغیر امر القیم کان علیه اجر المثل بالغا ما بلغ کذا فی المضمرات". (الفتاوی الهندیة ج ۲ ص ۴۲۰)

اس سے بھی یہ مسئلہ مستفاد ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

خلاصہ بحث

(۱) مسجد کے اوپر کسی منزل کو درسگاہ بنانے کی اجازت و اباحت ہے لیکن اوپر رہائش گاہ بنانے کی اجازت نہ ہوگی، تعلیم کا نظم مسجد کی حرمت کے منافی نہیں لیکن رہائش کے باقاعدہ نظم سے مسجد کی حرمت متاثر ہوگی، یہ آداب مسجد کے خلاف عمل کراہت تحریمی سے کم نہیں ہوگا۔

(۲) حدود مسجد کے علاوہ جگہ میں مصالح مسجد کے پیش نظر دکانیں بنائی جاسکتی ہیں، خاص مسجد کے اوپر یا نیچے دکانیں بنانے کی اجازت نہ ہوگی جبکہ جماعت گاہ کی اوپری منزل میں امام ومؤذن کے تنہا قیام کے لیے حجرے بنائے جا سکتے ہیں، کیونکہ یہ مصالح مسجد میں داخل ہے، فیملی کے ساتھ قیام کے لیے حجرے بنانے سے مسجد کی حرمت متاثر ہوگی۔

(۳) نمازیوں کی سہولت کی غرض سے گاڑیوں کی پارکنگ کے لیے حدود مسجد سے ہٹ کر بیسمنٹ بنانے کی اجازت ہے، لیکن حدود مسجد میں یعنی جو جگہ باجماعت نماز کے لیے متعین کی جا چکی ہے اس میں گاڑیوں کی پارکنگ کے لیے بیسمنٹ بنانا درست نہ ہوگا، یہ شرط واقف کے بھی خلاف ہے اور مسجد کے ادب واحترام کے بھی منافی ہے۔

(۴) مسجد تنگ پڑ جانے کی صورت میں اس کو شہید کر کے جگہ کی کمی کی بنیاد پر کئی منزلہ مسجد کی تعمیر درست ہے، کسی منزل کو دینی تعلیم کے لیے درسگاہ قرار دینا بھی درست ہے اور اساتذہ کی تنخواہ اور مصالح کے لیے مناسب فیس مقرر کرنا بھی درست لیکن پارکنگ کے لیے حدود مسجد میں بیسمنٹ کی اجازت نہیں۔

(۵) کئی منزلہ عمارت یا اپارٹمنٹ کا کوئی حصہ خرید کر وہاں کے مسلمان اگر نماز و جماعت کے لیے اس کو خاص کر لیں تو نماز باجماعت کا ثواب تو ملے گا لیکن مسجد کی فضیلت حاصل نہ ہوگی اس جماعت گاہ پر شرعی مسجد کا اطلاق نہ ہوگا اور نہ اس پر مسجد کے احکام جاری ہوں گے۔

(۶) کوئی آدمی کئی منزلہ عمارت بنائے، تجارتی مقاصد سے اور کسی ایک منزل کو شروع سے ہی مسجد قرار دینے کا ارادہ ہو، لیکن چونکہ اس کے اوپر نیچے مسجد نہیں اس لیے وہ شرعی مسجد نہیں کہلائے گی اور اس پر مسجد کے احکام جاری نہ ہوں گے۔

(۷) صرف زائد آمدنی کے پیش نظر آراضی موقوفہ کو بیچ کر دوسری زائد آمدنی والی جگہ دکانیں خریدنا یعنی استبدال وقف درست نہیں، ہاں اگر آمدنی حاصل نہ ہو یا وقف کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تو اس صورت یا واقف کی اجازت ہو تو درست ہے۔

(۸) مسجد کی خالی زمین پر مصالح مسجد میں خرچ کے واسطے دکانیں بنانا درست ہے، اسی طرح موقوفہ زمین کے تحفظ کی غرض سے اس پر عمارت بنا کر اس میں مدرسہ یا مکتب قائم کرنا اور مصالح مسجد میں خرچ کے واسطے مناسب کرایہ طے کر لینا درست ہے، اس سے مقاصد وقف میں خلل نہ ہوگا بلکہ یہ وقف کی حفاظت کا ذریعہ ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

مساجد، اوقاف مساجد۔مسائل اور حل

مفتی محمد ابرار خان ندوی

جامعۃ الہدایہ، جے پور

مسجد کی توسیع

ضرورت کے پیشِ نظر پرانی مساجد کی جدید تعمیر اور توسیع جائز ہے۔

”فقد ذكر في الواقعات ”عن أبي حنيفة رضي الله عنه: لأهل المسجد أن يهد موا المسجد ويجددوا بنائه.“(الفتاوى التاتارخانية ۹/۱۲۷، كتاب الوقف)

کتاب الواقعات میں امام ابو حنیفہؒ سے منقول ہے کہ اھل مسجد کیلئے مسجد کو منہدم کرکے اس کی ازسرنو تعمیر جائز ہے۔

مسجد میں تعلیم وقیام

مسلمان بچوں کی تعلیم کیلئے باقاعدہ کوئی ادارہ نہ ہو، زمین کی قلت یا مال واسباب کی کمی کے باعث الگ سے تعلیمی ادارہ کا قیام فی الحال ممکن نہ ہو تو مسجد میں توسیع کرکے کسی ایک منزل کو درسگاہ کے طور پر استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، مسلم نسل کو اسلام کے بنیادی عقائد توحید ورسالت کی تعلیم دینے کیلئے مسجد کی توسیع، پھر اس کی ایک منزل کو درسگاہ کے طور پر استعمال، وقت کا تقاضہ اور شرعی ضرورت ہے، البتہ زیادہ مناسب یہ ہے کہ مسجد کے کسی منزل کو مستقل درسگاہ نہ بنایا جائے، بلکہ مسجد کی ہر منزل مسجد رہے، اور اسمیں تعلیم کا نظم کردیا جائے۔

جلوس المعلم في المسجد إن كان حسبة لا بأجر لا بأس به كذا في الغياثية (ص: ۲۱) إلا أن يكون لعذر كالحر والبرد فيجوز (الهندية ۱/۱۱۰) ومن العذر في هذا الزمان أن يحتاج الناس إلىٰ المدارس الاسلامية ولا يقدرون على أن يبنوا مبنى مستقلاً لهذا الغرض لفقرهم أو بسبب قانوني أو غيره. (حاشية مختارات النوازل ۱/۲۴۱ باب المساجد)

معلم ثواب کی نیت سے مسجد میں تعلیم دے اجرت مقصود نہ ہو تو کوئی حرج نہیں (غیاثیہ) سردی اور گرمی جیسے اعذار کے تحت مسجد میں تعلیم دینا درست ہے۔موجودہ دور میں یہ بھی عذر شمار ہوگا کہ لوگوں کو مدارس

اسلامیہ کی ضرورت ہے اورغربت و افلاس یا کسی قانونی مجبوری سے لوگ مستقل مدرسہ قائم کرنے کی استطاعت نہ رکھتے ہوں۔

مسجد میں قیام

تعلیم کے ساتھ مسجد کی کسی منزل میں طلبہ کا قیام کرنا بھی درست ہے۔

عبداللہ ابن حزم فرماتے ہیں:

"والتعلم فيه للصبيان وغيرهم مباح، والسكن فيه والمبيت مباح، مالم يضق على المصلين. المحلّى. (۴/۲۴۱)

مسجد میں بچوں اور بڑوں کو تعلیم دینا، قیام کرنا، رات گزارنا جائز ہے بشرطیکہ نمازیوں کو تنگی و پریشانی نہ ہو، اصحاب صفہ کا مسجد نبوی میں ہی قیام تھا، وہی ان کی درسگاہ تھی، یعنی تعلیم گاہ کے ساتھ قیام گاہ بھی تھی۔

علامہ ابنِ حزم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وأهل الصفة كانوا سكاناً في المسجد، (المحلّى ۴/۲۴۱)

اصحاب صفہ مسجد نبوی میں سکونت پزیر تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ مسجد میں آرام فرمایا کرتے تھے۔

أنه كان ينام وهو شاب أعزب في المسجد. (المحلّى ۴/۲۴۱)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اللہ کے رسول ﷺ تلاش فرما رہے تھے تو معلوم ہوا کہ وہ مسجد میں سو رہے ہیں۔ (مختصر صحیح البخاری ۱/۵۷ باب نوم الرجال فی المسجد)

مسجد کے آداب اور اس کے تقدس کا احترام ملحوظ رہے، تو مسجد میں قیام میں کوئی حرج نہیں ہے، مسجد نبوی میں وفود آتے، قیام کرتے، جنگوں میں زخمیوں کا علاج و معالجہ مسجد نبوی میں ہی کیا جاتا۔

مسجد کے نیچے دوکانیں تعمیر کرنا

مسجد تعمیر کرتے وقت شروع سے یہ نیت ہو کہ نیچے دوکانیں ہوں گی اور اوپر مسجد، تو جائز ہے، اس لیئے کہ مسجد اوپر ہے اور نیچے جہاں دوکانیں تعمیر کی گئی ہیں وہ حصہ مسجد کیلئے وقف ہے، لہذا دوکانیں تعمیر کرنا اور ان کو کرایہ پر دینا، اور کرایہ کی رقم کو مسجد کی ضروریات میں خرچ کرنا اس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں ہے، یہ دوکانیں مسجد کی آمدنی کا ذریعہ ہونے کے ساتھ مسجد کے مفاد میں ہیں اور کسی انسان کا حق ملکیت اس سے متعلق نہیں ہے۔

لو كان السرداب لمصالح المسجد جاز كما في مسجد بيت المقدس، (هدايه مع الفتح ۶/۲۳۴)

تہ خانہ مصالح مسجد کیلئے ہوتو جائز ہے، جس طرح بیت المقدس کی مسجد میں تہ خانہ ہے۔

مسجد تعمیر ہونے کے بعد اس میں کسی طرح کی تبدیلی کو جائز قرار نہیں دیا گیا، یعنی مسجد کو شہید کر کے دوبارہ اس کی تعمیر جدید میں نیچے دوکانیں بنانا عموماً فقہ حنفی میں عدم جواز کا پہلو ہے، لیکن موجودہ حالات میں مساجد میں سردیوں میں گیزر اور گرمیوں میں A.C کی وجہ سے اخراجات بہت زیادہ ہوتے ہیں، امام ومؤذن کی تنخواہ کی ادائیگی بہت مشکل سے ہوتی ہے، مسجد کے مصارف کو پورا کرنے کیلئے جدید تعمیر میں نیچے دوکانیں بنا دی جائیں تا کہ مسجد کیلئے آمدنی کا ذریعہ اور مصارف کی تکمیل کا سامان ہوجائے۔

اوپر مسجد اور بیسمنٹ میں پارکنگ

جن مساجد کے اطراف میں گھنی آبادی ہے، اور مسجد کے اردگرد کھلی جگہ نہیں ہے، وہاں نمازیوں کی ایک تعداد وہ ہے جو مسجد سے قریب ودور مارکیٹ، تجارتی مال، سرکاری دفاتر، پرائیویٹ کمپنیوں وکارخانوں میں کام کرتی ہے، وہ نماز کیلئے اپنی گاڑیوں میں آتے ہیں، مسجد دور ہونے یا وقت کی کمی کے باعث پیدل آنا مشکل ہے، گاڑیوں سے آنا ان کی مجبوری ہے، اور مسجد کے اطراف میں گاڑی پارک کرنے کی جگہ نہیں ہے۔ اگر وہ راستہ یا سڑک پر گاڑی پارک کرتے ہیں تو پولیس وانتظامیہ کی جانب سے مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ بسا اوقات گاڑی ضبط کرلی جاتی ہیں۔ بعض جگہ پولیس کے ظلم وبربریت کے واقعات اور قانونی شکنجوں میں الجھانے کی خبریں بھی آتی ہیں۔ سڑک پر نماز پڑھنے پر ہنگامہ وزیادتی کی جاتی ہے۔

ایسے حالات اور موجودہ ملکی صورتحال میں نمازیوں کی دشواری ومشقت کے مدنظر اگر مسجد کے اطراف میں جگہ مل جائے تو اسمیں گاڑیوں کی پارکنگ کا نظم کردیا جائے۔ اگر جگہ نہ مل سکے تو مسجد کی جدید تعمیر کر کے بیسمنٹ میں پارکنگ کا انتظام کردیا جائے۔ یہ نمازیوں کی ضرورت ہے، ان کی مشقت کا ازالہ بھی، اور سہولت وآسانی کا باعث "**المشقة تجلب التيسير.**" (**الأشباه والنظائر: ص ۲۲۶**) بصورت دیگر نمازیوں کی تعداد کم ہوجائے گی۔

درسگاہ کی منزل کرایہ پر دینا

مسلمان بچوں کی دینی تعلیم بنیادی ضرورت ہے۔ خاص طور سے اسکولوں میں پڑھنے والے مسلمان بچوں کو اسلام کی بنیادی تعلیمات، عقیدہ توحید ورسالت اور دیگر اسلامی احکام وتعلیمات سے آراستہ وباخبر کرنا دینی ضرورت ہے۔ قرب وجوار میں کوئی مکتب ومدرسہ نہ ہو، اگر مسجد کے اطراف میں جگہ ہوتو تعلیمی ضرورت کے تحت جگہ حاصل کرلی جائے اور مسجد کو شہید کر کے مسجد کی توسیع کئی منزلہ اس طور پر کی جائے کہ خریدی ہوئی جگہ کو شامل کرلیا جائے۔ نیچے بیسمنٹ بنا دیا جائے اس کے اوپر جماعت گاہ اور اس کے اوپر جزء وقتی درسگاہ ہوتو مسجد میں جزء وقتی درسگاہ کے قیام

میں کوئی حرج نہیں ہے۔طلبہ سے فیس لی جائے یا نہ لی جائے،

"وتعليم الصبيان فيه(أى المسجد)بلاأجر يجوز" (الفتاوى البزازيه الهندية ۶ ۳۵۷)

مسجد میں بچوں کو علم سکھانا تنخواہ لے کر اور تنخواہ لئے بغیر دونوں جائز ہے۔

طلبہ سے اگر فیس لی جائے تو اس فیس کو اساتذہ کی تنخواہ اور مسجد کے دیگر مصارف ومصالح میں استعمال کیا جائے تو ایسا کرنا جائز ہے۔نفس مسجد کو کرایہ پر دینا جائز نہیں ہے۔

ولايجوز أخذ الأجرة منه (الدر المختار)

مسجد سے متصل خریدی ہوئی جگہ جسے مسجد کی توسیع میں شامل کیا گیا ہے،اس کو بطور تعلیم گاہ استعمال کریں تو اس کا کرایہ لینا جائز ہے، کیونکہ مصالح مسجد اور مسجد کیلئے وقف زمین پر مدرسہ کی تعمیر اور اس کا کرایہ وصول کرنا جائز ہے۔

اپارٹمنٹ میں مسجد بنانا

بڑے شہروں میں جگہ کی قلت کی وجہ سے مسجد کیلئے مستقل جگہ حاصل کرنا بہت مشکل بلکہ ناممکن سا ہوتا ہے،اگر وہاں آباد مسلمان کسی اپارٹمنٹ کے حصہ کو خرید کر نماز باجماعت کے لیے استعمال کریں یعنی اسے خرید کر مسجد کے لیے وقف کردیں تو ایسا کرنا درست ہے اور یہ موقوفہ فلیٹ مسجد شرعی کہلائے گی۔

"لامانع من اقامة مسجد فى أحد أدوار العمارة على أن يحافظ عليه أن تناوله النجاسة وينزه عن كل مايشوش على المصلين."

بلڈنگ کی کسی بھی منزل میں مسجد قائم کی جاسکتی ہے بس نجاست سے آلودہ ہونے سے بچانا، اور جو چیز نمازیوں میں تشویش پیدا کرے اس سے محفوظ رکھنا ضروری ہے۔(مجموعہ الفتاوی الشرعیۃ ۶/۹۷ باب المساجد)

دراصل امام محمد بن حسن الشیبانی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ نیچے کی منزل میں مسجد ہو اور اوپر رہائش تو احترام مسجد کے خلاف ہے۔امام ابو یوسف کی رائے ہے کہ مسجد نیچے کی منزل میں ہو اور اوپر رہائش تو وہ مسجد ہے کیونکہ مسجد کیلئے تابید شرط ہے اور تابید نیچے مسجد ہونے میں ہے،مگر جب امام ابو یوسف بغداد تشریف لائے اور وہاں آبادی کی تنگی دیکھی تو یہ فتوی دیا کہ مسجد اوپر کی منزل میں ہو یا نیچے کی منزل میں اور دوسری منزلوں کو رہائش کیلئے استعمال کیا جارہا ہو تو بھی وہ مسجد شرعی ہے۔لہذا اپارٹمنٹ کے جس حصہ کو مسجد کیلئے وقف کردیا گیا وہ مسجد شرعی ہے۔مسجد شرعی کے احکام لاگو ہوں گے،مسجد شرعی قرار نہ دینے کی صورت میں اس اپارٹمنٹ میں رہنے والے اور اطراف کے مسلمان خواہش کے باوجود رمضان میں اعتکاف سے محروم رہیں گے۔

ایک منزل مسجد اور دیگر منازل مختلف مقاصد کیلئے ہوں

کثیر منزلہ عمارت میں ابتداء تعمیر سے یہ نیت ہو کہ ایک منزل مسجد کے لیے مختص ہوگی اور بقیہ منازل تجارتی

کاموں کیلئے ہوں گی ،مثلاً کسی منزل میں طباعتی ادارے، کمپنی کے دفاتر ہوں گے،تو اس کی دوصورتیں ہیں۔

ا۔ دیگر منزلیں مسجد پر وقف ہوں یا مصالح مسجد کیلئے ہوں مثلا کمپنی یا طباعتی ادارہ کا دفتر کسی فرد و جماعت کی ملکیت نہ ہو، بلکہ وہ کرایہ پر ہوں اوران کا کرایہ مسجد کے مصارف میں خرچ کیا جائے ،تو وہ مسجد شرعی ہے۔

مسجد کی مسجدیت پران چیزوں سے کوئی فرق نہیں پڑیگا۔

امام زیلعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

بخلاف مسجد بيت المقدس فإن السرداب فيه ليس لملك أحد بل هو لمصالح المسجد حتى لو كان غيره مثله بأنه صار مسجداً، (تبيين الحقائق ۴/۳۳۰)

مسجد بیت المقدس کا تہ خانہ کسی کی ملک نہیں ہے، بلکہ مسجد کے مصالح کیلئے ہے، یہاں تک کہ اگر ایسا کسی اور مسجد میں ہوتو وہ مسجد کہلائے گی۔

۲۔دوسری صورت جو یہاں مذکور ہے کہ ابتدا سے ہی ان کی نیت ایک منزل کو مسجد کیلئے مختص کرنے کی تھی ، بقیہ منازل میں مختلف تجارتی ورفاہی دفاتر کے قیام کا ارادہ تھا اور وہ سب ان کی ذاتی ملکیت ہیں، نہ وہ مسجد کے لیے وقف ہیں اور نہ ہی مصالح مسجد کیلئے ہیں بلکہ وہ پورا کمپلیکس ایک فرد یا جماعت کی ملکیت ہے تو ظاہر الروایہ کے مطابق وہ شرعی مسجد نہیں بلکہ "مسجد البیت" ہے، دیگر منازل سے حق العبد کا انقطاع شرط ہے،لیکن مخصوص حالات میں ان کو شرعی مسجد قرار دینا ہی تقاضہ شرعی اور دینی مصلحت ہے، ورنہ وہاں کے مصلیان اعتکاف کے ثواب سے محروم رہیں گے، نیز امام ابو یوسف جب بغداد میں رہائش پذیر ہوئے اور امام محمد ری تشریف لے گئے اور انھوں نے دیکھا گھنی آبادی ہے، جگہ کی قلت وتنگی ہے، نیچے مسجد اور اوپر ذاتی مکان ہے، یا اوپر مسجد نیچے ذاتی مکان ہے تو انہوں نے وہاں کے حالات میں جواز کا فتوی دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ شرعی مساجد ہیں۔

شیخ برھان الدین ابی المعالی محمود بن صدر الشریعہ نقل فرماتے ہیں:

عن ابی یوسف رحمه الله تعالى أنه أجاز أن يكون الأسفل مسجدا و الأعلى ملكاً لأن الاسفل أصل، عن محمد رحمة الله، أنه حين دخل "الرى" ورأى ضيق الأمكنة جوز ذلك.

(المحيط البرهانى ۹/۱۲۷ كتاب الوقف الفصل ۲۱ فى المساجد)

امام ابو یوسف کی طرف یہ قول منسوب ہے کہ نیچے کے حصہ میں مسجد ہو اور اوپر ذاتی مکان ہو تو جائز ہے، اس لئے کہ اصل نیچے ہے، امام محمد کے بارے میں منقول ہے کہ جب وہ ری گئے اور وہاں مکانوں کی تنگی دیکھی تو اس کو جائز قرار دیا۔

مسجد کی زراعتی آراضی کوفروخت کرکے دکانیں خریدنا

مسجد کیلئے وقف زراعتی آراضی کوفروخت کرنا یا کسی زمین وجائیداد سے تبدیل کرنا شدید ضرورت کے بغیر درست نہیں ہے، جہاں تک ممکن ہوموقوفہ زمین کواصلی حالت پر باقی رکھتے ہوئے زیادہ نفع آور بنانے کی کوشش کی جائے۔البتہ اگرضرورت شدید ہوکہ مسجد کیلئے وقف آراضی کونقصان کا اندیشہ ہو، یااس پرقبضہ کا خطرہ ہو، یااس موقوفہ زمین کی پیداوارمسجد کے اخراجات کیلئے ناکافی ہواورمسجد کے لیے موقوفہ زراعتی آراضی کوتبدیل کرنے یافروخت کر کے دوسری جائیداد حاصل کرنے میں مسجد کا مفاد ہو، آمدنی بڑھنے کا قوی امکان ہوتومسجد کے ذمہ دارافراد، اورملت کے خیرخواہ حضرات کے باہمی مشورہ کے بعدمسجد کے مفادکومدنظر رکھتے ہوئے وقف زمین کوفروخت کرکے دوکانیں خریدی جاسکتی ہیں۔

صار بحيث لا ينتفع به بالكلية بان لا يحصل منه شيء أصلاً أو لا يفي بمئونته فهو ايضاً جائز على لأصح إذا كان بإذن القاضي ورأيه المصلحة فيه، (درالمختار: ۳/۵۳۵)

شیخ عالم بن عبداللہ انصاریؒ نے فقہاءاحناف کی آراءکوتفصیل سے تحریرکیاہے۔

وسئل شمس الإسلام الحلواني عن أوقاف المسجد اذا تعطلت وتعذر استغلالها للمتولي أن يبيعها ويشتري مكانها أخرىٰ، قال: نعم، قيل: وإن لم تتعطل، ولكن يؤخذ بثمنها ماهو خير منها، هل له أن يبيعها؟ قال: لا، ومن المشايخ من يجوز بيع الوقف تعطل أولم يتعطل، وكذالم يجوالاستبدال بالوقف، وهكذاحكى فتوى شمس الأئمة السرخسي، وفي الظهيرة: وقال ابويوسف يجوز الاستبدال بالأوقاف(۱) (الفتاوى التاتارخانية ۸/۲۰۸) (كتاب الوقف، الفصل ۲۶ المتفرقات)

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے دسویں فقہی سیمینار ۱۹۹۸ میں چندشرائط کے ساتھ وقف جائداد کی تبدیلی کی اجازت دی گئی ہے، تجویزص۔ ۱۴ اگرموقوفہ جائیداد کی آمدنی قلیل ہوکہ وقف کی پراپرٹی کے ضروری اخراجات اس سے پورے نہ ہوتے ہوں بلکہ اس کے لیے قرض لینا پڑتا ہو، اوراس موقوفہ جائیداد کی آمدنی بڑھانے کی کوئی شکل نہ ہو ایسی صورت میں تجویز (۷) میں ذکرکردہ شرائط (ب، ج، د، ہ) کی پابندی کے ساتھ موقوفہ جائیداد کوفروخت کرکے زیادہ نفع بخش جائیدادخریدنا درست ہوگا، اگرواقف زندہ ہوتواس سے اجازت لیناضروری ہونا۔(نئے مسائل اورفقہ اکیڈمی کے فیصلےص ۱۰۵)

مسجد کیلئے وقف زمین پرمدرسہ کا قیام:

مسجد کی زمین جسے فی الحال مسجد کوضرورت نہ ہواوروہاں آبادمسلمانوں کے پاس کوئی جگہ بھی نہ ہوکہ مسلمان

بچوں کی تعلیم کے لیے اس پر ادارہ قائم کیا جا سکے، تو مسجد کے لیے موقوفہ زمین پر مکتب یا مدرسہ قائم کرنا درست ہے، بلکہ اس جگہ کا یہ بہتر استعمال ہے، اس سے مسجد کی جگہ کا تحفظ بھی ہے، اور اگر اس جگہ کا کرایہ بھی متعین کر دیا جائے اور وہ کرایہ مسجد کی ضروریات میں صرف ہو تو یہ مسجد کے مفاد میں ہے، کہ اس میں مسجد کی آمدنی بھی ہے اور جگہ کا تحفظ بھی نیز قوم کے بچوں اور نئی نسل کی تعلیم و تربیت اور ایمان و عقیدہ کی حفاظت کا بھی ذریعہ ہے۔

فقہ اکیڈمی انڈیا نے دسویں فقہی سیمینار ۱۹۹۷ میں یہ تجویز پاس کی۔

(تجویز ۹) مسجد پر وقف زائد آراضی جن کی نہ مسجد کو فی الحال ضرورت ہے اور نہ آئندہ ضرورت پیش آنے کی امید ہے۔ ان آراضی پر دینی تعلیم کا مدرسہ یا مکتب قائم کرنا درج ذیل صورتوں میں درست ہوگا:

الف: مسجد آباد نہ ہو اور مدرسہ یا مکتب قائم کرنے میں مسجد کے آباد ہونے کی امید ہو۔

ب: مسجد پر موقوف زائد آراضی پر قبضۂ غاصبانہ کا شدید خطرہ ہے، اور دینی مدرسہ یا مکتب قائم ہونے کی صورت میں قبضہ کا خطرہ ٹل جائے گا۔

۲۔ جس آبادی یا محلہ میں مسجد واقع ہے وہاں مسلمان بچوں کے لیے کوئی دینی مدرسہ یا مکتب قائم کرنے کیلئے کوئی مستقل بندوبست بھی نہ ہو تو مسجد پر وقف زائد آراضی میں دینی مدرسہ یا مکتب قائم کیا جا سکتا ہے لیکن اس کے لیے مسجد کے متولی یا منتظمہ کمیٹی سے اجازت لے لی جائے، بہتر یہ ہے کہ خود مسجد کمیٹی ہی اس مکتب یا مدرسہ کا بندوبست کرے۔ (نئے مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے ۴۔۱۰۳)

(تجویز ۱۰) مساجد پر وقف آراضی جن کا مقصد مساجد کے لیے آمدنی فراہم کرنا ہے ان کو مناسب کرایہ پر مسلمانوں کی دینی، عصری یا ٹیکنیکل تعلیم کے ادارے قائم کرنے کے لیے دیا جا سکتا ہے۔ لیکن معاملات اس طرح کے کیے جائیں کہ مساجد کی مالکانہ حیثیت مجروح نہ ہو۔ (فقہ اکیڈمی کے فیصلے ۱۰۴)

مفتی نظام الدین اعظمی ایک استفتاء کے جواب میں فرماتے ہیں:

''اس زمین پر دینی مدرسہ کھول دیا جائے اور مدرسہ پر مناسب کرایہ رکھ کر مسجد کو دے دیا جائے، لیکن یہ یاد رہے کہ اس صورت میں وہ زمین مدرسہ کی نہ ہو جائے گی، مسجد ہی کی رہے گی، مسجد کو جب ضرورت ہوگی خالی کر کے اپنا قبضہ و تصرف سب اس پر کر سکتی ہے۔'' (منتخبات نظام الفتاوی ۲/۳۱۰)

مساجد اوران کے اوقاف سے متعلق کچھ مسائل

خورشید احمد اعظمی مدنی (مئو)

۱- پرانی مسجد شہید کر کے از سرنو اس کی تعمیر وتوسیع کرنا اور اس کی بعض بالائی منزلوں کو درسگاہ اور طلبہ کی رہائش گاہ بنانا؟

زمین کے جس حصہ پر مسجد بنائی گئی اور اس میں نماز باجماعت ادا کر لی گئی وہ حصہ زمین سے آسمان تک مسجد قرار پاجاتا ہے، اور وقف للہ ہوجاتا ہے، اب اسکے اوپر یا نیچے مسجد کے سوا کوئی تعمیر درست نہیں ہوگی، کیونکہ جب اس کا مسجد ہونا محقق ہوگیا تو اس سے حق العباد منقطع ہوگیا

"لَوْ بَنَى فَوْقَهُ بَيْتًا لِلْإِمَامِ لَا يَضُرُّ لِأَنَّهُ مِنْ الْمَصَالِحِ، أَمَّا لَوْ تَمَّتْ الْمَسْجِدِيَّةُ ثُمَّ أَرَادَ الْبِنَاءَ مُنِعَ وَلَوْ قَالَ عَنَيْت ذَلِكَ لَمْ يُصَدَّقْ تَتَارْ خَانِيَةٌ."

اگر (ابتداء) ہی مسجد کے اوپر امام کے لئے کوئی مکان تعمیر کیا تو یہ مضر نہیں، کیونکہ یہ مصالح (مسجد) سے ہے، اور جب مسجدیت مکمل اور تمام ہوچکی پھر تعمیر کا ارادہ کیا تو روکا جائے گا، اور اگر (واقف) کہے کہ میں نے اس کا قصد کر رکھا تھا تو تصدیق نہیں کی جائے گی۔ (تتارخانیہ)

"قَالَ فِي الْبَحْرِ: وَحَاصِلُهُ أَنَّ شَرْطَ كَوْنِهِ مَسْجِدًا أَنْ يَكُونَ سِفْلُهُ وَعُلُوُّهُ مَسْجِدًا لِيَنْقَطِعَ حَقُّ الْعَبْدِ عَنْهُ لِقَوْلِهِ تَعَالَى {وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ}"

البحر الرائق میں کہا ہے کہ اور اس کا حاصل یہ ہے کہ اس کے مسجد ہونے کی شرط یہ ہے کہ اس کا نیچے اور اوپر کا سبھی حصہ مسجد ہو، تاکہ بندہ کا حق اس سے منقطع ہوجائے اللہ عزوجل کے فرمان "وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ" کی وجہ سے (الدر المختار مع رد المحتار: 6/548)۔

"فَإِنْ قُلْتَ: لَوْ جَعَلَ مَسْجِدًا ثُمَّ أَرَادَ أَنْ يَبْنِيَ فَوْقَهُ بَيْتًا لِلْإِمَامِ أَوْ غَيْرِهِ هَلْ لَهُ ذَلِكَ قُلْتُ: قَالَ فِي التَّتَارْ خَانِيَةِ: إذَا بَنَى مَسْجِدًا وَبَنَى غُرْفَةً وَهُوَ فِي يَدِهِ فَلَهُ ذَلِكَ وَإِنْ كَانَ حِينَ بَنَاهُ خَلَّى بَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّاسِ ثُمَّ جَاءَ بَعْدَ ذَلِكَ يَبْنِي لَا يَتْرُكُهُ، وَفِي جَامِعِ الْفَتْوَى إذَا قَالَ: عَنَيْت ذَلِكَ فَإِنَّهُ لَا يُصَدَّقُ. اهـ. فَإِذَا كَانَ هَذَا فِي الْوَاقِفِ فَكَيْفَ بِغَيْرِهِ."

اور اگر تم کہو کہ اگر مسجد بنالیا پھر ارادہ کیا کہ اس کے اوپر امام کے لئے مکان وغیرہ بنائے تو کیا اس کے لئے

جائز ہوگا تو میرا قول یہ ہوگا کہ تتارخانیہ میں مذکور ہے کہ اگر مسجد تعمیر کیا اور اس کے اوپر ایک کمرہ بنایا اس حال میں کہ یہ ابھی اسی کے ہاتھ میں ہے تو اس کے لئے جائز ہے اور یہ حال ہو کہ جب بنایا اور اس سے تخلیہ کر لیا اپنے ہاتھ سے نکال دیا پھر اس کے بعد اس کو بنانے آیا تو اس کو اجازت نہیں ہوگی اور جامع الفتاوی میں ہے کہ اگر وہ کہے کہ میں نے ارادہ کیا تھا تو اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی، تو جب واقف کا یہ حال ہے تو اس کے غیر کو کیسے اجازت ہوگی۔ (البحر الرائق: 5/421)۔

۲۔ مسجد میں آمدنی کی غرض سے قدیم مسجد کو شہید کر کے اسے چند منزلہ تعمیر کرنا، اور نیچے کی منزل میں دکانیں بنانا اور اس کے اوپر جماعت گاہ اور اس سے اوپر والی منزل پر امام ومؤذن کے تنہا یا فیملی کے ساتھ قیام کے لئے کمرے بنوانا؟

زمین کے جس حصہ کو مسجد بنایا گیا اور اس میں نماز ادا کر لی گئی تو زمین کے اس حصہ کو سجدہ گاہ کے سوا کسی اور مصرف میں تبدیل نہیں کیا جائے گا، لہذا نئی تعمیر میں اس حصہ کو دکانیں بنانا درست نہیں، اگر چہ ان دکانوں کے کرائے مسجد کی مصلحت میں ہی استعمال ہوں، درمختار کی مذکورہ بالا عبارت

"لَوْ بَنَى فَوْقَهُ بَيْتًا لِلْإِمَامِ لَا يَضُرُّ لِأَنَّهُ مِنْ الْمَصَالِحِ، أَمَّا لَوْ تَمَّتْ الْمَسْجِدِيَّةُ ثُمَّ أَرَادَ الْبِنَاءَ مُنِعَ"

سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مسجد کی اولین تعمیر کے وقت اگر نیچے دکانیں اور جماعت گاہ کے اوپر والی منزل پر امام ومؤذن کے لئے رہائش گاہ تعمیر کی جائے تو درست ہے، لیکن جب نیچے کی منزل جماعت گاہ بن چکی تو اب اس کی مسجدیت کو ختم نہیں کیا جا سکتا، قدیم مسجد کو شہید کرنے کے بعد جدید تعمیر میں بھی اس کو جماعت گاہ باقی رکھا جائے گا، اور اس کو یا اس کے اوپر کی منزلوں کو جماعت گاہ کے سوا کسی دوسرے مصرف میں استعمال نہیں کیا جائے گا۔

"قَيِّمُ الْمَسْجِدِ لَا يَجُوزُ لَهُ أَنْ يَبْنِيَ حَوَانِيتَ فِي حَدِّ الْمَسْجِدِ أَوْ فِي فِنَائِهِ، لِأَنَّ الْمَسْجِدَ إذَا جُعِلَ حَانُوتًا وَمَسْكَنًا تَسْقُطُ حُرْمَتُهُ وَهَذَا لَا يَجُوزُ"

مسجد کے نگراں متولی کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ مسجد کی حد یا صحن میں دکانیں بنوائے اس لئے کہ جب مسجد کو دکان یا رہائش گاہ بنایا جائے گا تو اس کا احترام ختم ہو جائے گا، اور یہ جائز نہیں ہے (الفتاوی الہندیہ)۔

"وَلَوْ كَانَ مَسْجِدٌ فِي مَحَلَّةٍ ضَاقَ عَلَى أَهْلِهِ وَلَا يَسَعُهُمْ أَنْ يَزِيدُوا فِيهِ فَسَأَلَهُمْ بَعْضُ الْجِيرَانِ أَنْ يَجْعَلُوا ذَلِكَ الْمَسْجِدَ لَهُ لِيُدْخِلَهُ فِي دَارِهِ وَيُعْطِيَهُمْ مَكَانَهُ عِوَضًا مَا هُوَ خَيْرٌ لَهُ فَيَسَعُ فِيهِ أَهْلَ الْمَحَلَّةِ قَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى: لَا يَسَعُهُمْ ذَلِكَ، كَذَا فِي الذَّخِيرَةِ."

اور اگر کسی محلہ میں مسجد ہو جو مصلیان کے لئے تنگ پڑ رہی ہو، اور اس میں ان کے لئے توسیع کی گنجائش نہ ہو، اور کوئی پڑوسی ان کے سامنے یہ طلب رکھے کہ وہ مسجد اس کی ملکیت میں دیدیں تا کہ وہ اسے اپنے مکان میں شامل کر لے اور وہ پڑوسی ان کو اس کے عوض میں اس سے بہتر جگہ دے گا جو اہل محلہ کے لئے کافی ہوگی، تو امام محمدؒ نے کہا کہ

ان اہل محلہ کے لئے یہ جائز نہیں ہوگا، کذا فی الذخیرۃ (ایضاً)۔

۳۔قدیم مسجد کو حالات کے پیش نظر توسیع کی غرض سے شہید کرنا اور نمازیوں کے ضرورت کے تحت گاڑیاں پارک کرنے کے لئے جماعت گاہ کے نیچے تہ خانہ بنانا؟

مسئلہ تو یہی ہے کہ جہاں مسجد بنادی گئی تو زمین کا وہ حصہ نیچے سے اوپر تک مسجد ہی قرار پاتا ہے، اس مسجد کو شہید کرکے اس کی تعمیر جدید میں بھی اس کی محاذاۃ میں نیچے یا اوپر مسجد کے سوا کوئی تعمیر جائز نہیں، البتہ مسجد کی زمین کا وہ حصہ جسے مسجد قرار نہ دیا گیا ہو اس پر مصالح مسجد سے متعلق دیگر تعمیرات کی جاسکتی ہیں، لہذا مسجد کے اردگرد جو جگہیں ہیں ان کو حاصل کرکے کوشش یہ کی جائے کہ اسی میں گاڑیاں کھڑی کرنے کا نظم کیا جائے، اور اگر مسجد کے اردگرد یا قریب میں جگہیں نہ ہو اور ضرورت شدید ہو راستے میں گاڑیاں کھڑی کرنے سے عوام کو اذیت ہو رہی ہو تو قدیم مسجد میں جو منزل بطور جماعت گاہ کے استعمال ہوتی رہی ہے، مسجد کو شہید کرکے نئی تعمیر میں بھی اس منزل کو جماعت گاہ باقی رکھا جائے، اور اس کے نیچے تہ خانہ تعمیر کیا جائے جو کار پارکنگ وغیرہ مصالح مسجد میں استعمال ہو، تو نئی پیش آمدہ ضرورت کے تحت یہ جائز ہونا چاہئے، ان شاء اللہ اس سے مسجد کا احترام متأثر نہیں ہوگا، اس صورت میں جو منزل بطور مسجدیت استعمال ہوتی رہی ہے وہ اپنی جگہ باقی رہے گی، اور تہ خانہ ضرورۃً مصلیان کے لئے اپنی گاڑیاں کھڑی کرنے میں استعمال ہوگا، جس سے ان کی گاڑیاں محفوظ رہیں گی، نماز میں اپنی گاڑیوں کی طرف سے بے فکری اور اطمینان ہوگا اور راستے بھی جام نہیں ہونگے، "وإذا جعل تحته سردابا لمصالحه" کے تحت تقریرات رافعی میں لکھا ہے:

"قول المصنف لمصالحه ليس بقيد بل الحكم كذلك إذا كان ينتفع به عامة المسلمين على ما افاده في غاية البيان حيث قال: أورد الفقيه أبو الليث سؤالا وجوابا فقال: فإن قيل: أليس مسجد بيت المقدس تحته مجتمع الماء والناس ينتفعون به قيل: إذا كان تحته شيئ ينتفع به عامة المسلمين يجوز، لأنه إذا انتفع به عامتهم صار ذلك لله تعالى أيضاً".

مصنف کا قول "لمصالحہ" بطور قید نہیں ہے بلکہ یہی حکم اس صورت کے لئے بھی ہے جبکہ اس سے عامۃ المسلمین مستفید ہوں جیسا کہ غایۃ البیان میں بطور افادہ مذکور ہے کہ فقیہ ابواللیث نے سوال وجواب کے طور پر تحریر فرمایا ہے کہ اگر کہا جائے کہ کیا مسجد بیت المقدس کے نیچے پانی جمع رکھنے کے لئے حوض نہیں ہیں اور لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں تو کہا جائے گا کہ اگر اس کے نیچے ایسی کوئی شئے ہو جس سے عام مسلمان نفع حاصل کرسکیں تو جائز ہوگی، کیونکہ جب اس سے عام لوگ نفع حاصل کرسکیں گے تو وہ شئے بھی اللہ کے لئے ہی ہوگی۔ (تقریرات الرافعی علی حاشیۃ ابن عابدین: 6/80)۔

۴۔مسجد کے اردگرد خالی جگہوں کو حاصل کرکے مسجد کو شہید کرکے ازسرنو اس طور پر کئی منزلہ تعمیر کرنا کہ اس میں تہ خانہ (basement) اس کے اوپر جماعت خانہ اور اس کے اوپر والی منزل میں جز وقتی درسگاہ بھی ہو؟

مسجد کے لئے وقف زمین کے جتنے حصے کو قدیم تعمیر میں مسجد قرار دیا جا چکا ہے، نئی تعمیر میں بھی وہ قطعہ نیچے سے اوپر تک مسجد ہی مانا جائے گا، لہذا اس حصہ پر تہ خانہ یا درسگاہ کے لئے بالائی منزل تعمیر کرنا جائز نہیں ہوگا، اس کے علاوہ جو حصے ہیں اور جو زمین حاصل کی گئی ہے اور اسے ابھی جماعت گاہ نہیں بنایا گیا ہے اس حصہ میں مصالح مسجد کے طور پر پارکنگ کے لئے تہ خانہ بنوانا اور درسگاہ کے لئے منزلیں بنوانا درست ہوگا۔

۵ - اپارٹمنٹ اور کئی منزلہ بلڈنگوں کے کسی حصہ کو خرید کر اس میں نماز باجماعت کرنے سے کیا وہ مسجد شرعی کے حکم میں ہوگا؟

اپارٹمنٹ کے جس حصہ کو خرید کر اسے نماز باجماعت کے لئے استعمال کیا جا رہا ہے، اس میں نماز باجماعت کا پورا ثواب ملے گا، مگر اس کے نیچے اور اوپر کی منزلیں چونکہ کسی بندہ کی ملکیت ہیں اس لئے اسے مسجد شرعی کا حکم حاصل نہیں ہوگا، چنانچہ اس میں اعتکاف وغیرہ کی سنت ادا نہیں ہوگی۔

"(وَإِنْ جَعَلَ تَحْتَهُ) (سِرْدَابًا) وَهُوَ مُعَرَّبُ سِرْدَابَةَ وَهُوَ بَيْتٌ يُتَّخَذُ تَحْتَ الْأَرْضِ لِلتَّبْرِيدِ (لِمَصَالِحِهِ جَازَ) كَمَا فِي بَيْتِ الْمَقْدِسِ (وَلَوْ جَعَلَ لِغَيْرِهَا أَوْ) جَعَلَ (فَوْقَهُ) أَيْ فَوْقَ الْمَسْجِدِ بَيْتًا (وَجَعَلَ بَابَ الْمَسْجِدِ إلَى الطَّرِيقِ وَعَزَلَهُ عَنْ مِلْكِهِ فَلَا) أَيْ لَا يَكُونُ مَسْجِدًا وَلَهُ بَيْعُهُ وَيُورَثُ عَنْهُ إذَا مَاتَ، لِأَنَّ الْمَسْجِدَ يَجِبُ خُلُوصُهُ لِلَّهِ تَعَالَى وَلَمْ يَخْلُصْ هُنَا لِبَقَاءِ حَقِّ الْعَبْدِ مُتَعَلِّقًا بِأَسْفَلِهِ أَوْ بِأَعْلَاهُ فَلَا تَثْبُتُ أَحْكَامُهُ، وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ جَوَّزَ الْوَجْهَيْنِ حِينَ قَدِمَ بَغْدَادَ لِضَرُورَةِ ضِيقِ الْمَنَازِلِ، وَعَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّهُ حِينَ دَخَلَ الرَّيَّ أَجَازَ ذَلِكَ كُلَّهُ لِلضَّرُورَةِ. (كَمَا لَوْ جَعَلَ وَسَطَ دَارِهِ مَسْجِدًا وَأَذِنَ لِلصَّلَاةِ فِيهِ) حَيْثُ لَا يَكُونُ مَسْجِدًا وَلَهُ بَيْعُهُ وَيُورَثُ عَنْهُ، لِأَنَّ مِلْكَهُ مُحِيطٌ بِجَوَانِبِهِ فَكَانَ لَهُ حَقُّ الْمَنْعِ وَالْمَسْجِدُ لَا يَكُونُ لِأَحَدٍ فِيهِ حَقُّ الْمَنْعِ، قَالَ اللَّهُ تَعَالَى {وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ}"

اس لئے کہ مسجد کا خالص اللہ کے لئے ہونا واجب ہے، اور یہاں اس کے اعلی یا اسفل کے ساتھ بندہ کا حق متعلق ہونے کی وجہ سے وہ اللہ کے لئے خالص نہیں ہوئی، لہذا اس کے احکام ثابت نہیں ہوں گے، اور امام ابو یوسفؒ کے بارے میں منقول ہے کہ جب وہ بغداد آئے تو مکانات کی تنگی کی ضرورت کے سبب دونوں صورتوں کو جائز قرار دیا اور امام محمدؒ جب رے پہونچے تو ضرورت کے تحت انھوں نے تمام صورتوں کو جائز قرار دیا، جیسا کہ اگر اپنے گھر کے وسط کو مسجد بنالیا اور اس میں نماز کے لئے اجازت دے دی کہی تو مسجد نہیں ہوگی اور اس کے لئے اس کا فروخت کرنا جائز ہوگا اور اس میں وراثت جاری ہوگی، اس لئے کہ ہر جانب سے اس بندہ کی ملکیت اس حصہ کو محیط ہے لہذا اس کو اس سے روکنے کا حق بھی حاصل ہے اور مسجد سے کسی کو روکنے کا حق نہیں ہوتا، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے کہ جو لوگوں کو مسجد میں اللہ ذکر کرنے سے روکے بھلا اس

سے بڑا ظالم کون ہوگا؟ (درر الحکام شرح غرر الاحکام: کتاب الوقف 2/135)

امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے مذکورہ بالا اقوال کے پیش نظر موجودہ دور میں جب کہ کثرت آبادی کے سبب شہروں میں جگہوں کی تنگی کا سامنا ہے، کئی منزلہ عمارتوں میں کسی ایک منزل یا ایک ہی منزل کے ایک دو فلیٹ اور شقوں کو خریدنے کا اور اسکی ملکیت کا عرف رواج پا چکا ہے تو ضرورت کے سبب اگر کئی منزلہ عمارت کی کسی ایک منزل کو رجسٹرڈ خرید کر اسے مسجد بنالیا گیا ہے، اور اس میں نماز ادا کرنے کی کسی کو ممانعت نہ ہو تو اسے مسجد شرعی کا حکم دینے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

۶۔کئی منزلہ عمارت میں مالک عمارت کا تعمیر کے وقت ہی کسی ایک منزل کو بالتعیین مسجد کی نیت سے بنانا اور اس کے نیچے اور اوپر کی منزلوں کو اپنے تجارتی یا رہائشی مصرف کے لئے بنانے کا حکم؟

بعض اہل ثروت کئی منزلہ عمارت تعمیر کرتے ہیں اور شروع ہی سے ان کی نیت ہوتی ہے کہ کسی ایک منزل کو مسجد بنانا ہے، اور طے کرلیں کہ تیسری منزل مسجد رہے گی، اور نیچے کی دو منزلیں کمرشیل کمپلیکس رہے گا اور چوتھی و پانچویں منزلوں میں کمپنی یا طباعتی ادارہ کے آفس ہوں گے یا نیٹ ورکنگ سسٹم کا کام ہوگا ایسی عمارت میں جو منزل مسجد متعین کی گئی ہو اس کا حکم شرعی مسجد کا نہیں ہوگا، اور اس پر مسجد کے احکام جاری نہیں ہوں گے البتہ اس میں جماعت کے ساتھ نماز کا ثواب حاصل ہوگا۔

"وَحَاصِلُهُ أَنَّ شَرْطَ كَوْنِهِ مَسْجِدًا أَنْ يَكُونَ سُفْلُهُ وَعُلْوُهُ مَسْجِدًا لِيَنْقَطِعَ حَقُّ الْعَبْدِ عَنْهُ لِقَوْلِهِ تَعَالَى (وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ)"

اور اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ اس کے مسجد ہونے کی شرط یہ ہے کہ اس کے نیچے اور اوپر کا حصہ بھی مسجد ہوتا کہ اس وقف سے بندہ کا حق منقطع ہو کر اللہ کے لئے خاص ہو جائے۔ (البحر الرائق: 5/421)

(وَإِنْ بَنَى عَلَى مَنْزِلِهِ مَسْجِدًا، وَسَكَنَ أَسْفَلَهُ، أَوْ جَعَلَهُ سِرْدَابًا، ثُمَّ مَاتَ: فَهُوَ مِيرَاثٌ). وَكَذَلِكَ إِنْ جَعَلَ أَسْفَلَهُ مَسْجِدًا، وَفَوْقَهُ مَسْكَنًا؛ لِأَنَّ الْمَسْجِدَ مَا يُحْرَزُ أَصْلُهُ عَنْ مِلْكِ الْعِبَادِ."

اور اگر اپنے مکان کے اوپر مسجد بنائی، اور اس کے نیچے رہائش رکھی، یا اس کو تہ خانہ بنایا پھر وفات پا گیا تو اس میں میراث جاری ہوگی، اور ایسے ہی اگر نیچے مسجد بنائی اور اس کے اوپر اپنے لئے رہائش گاہ بنائی تو یہی حکم ہوگا، اس لئے کہ مسجد وہ قرار پاتی ہے جو بندوں کی ملکیت سے خارج کردی گئی ہو۔ (المبسوط للسرخسی: 12/94)۔

۷۔مسجد کی آراضی اور پراپرٹی سے متعلق بعض مسائل

مسجد پر موقوفہ زمین جس پر مسجد کی تعمیر نہیں ہوئی ہے، زراعت وغیرہ میں استعمال ہوتی ہے، مگر اس سے مسجد کے اخراجات پورے نہیں ہوتے، اور وہ زمین عوام کی خرید کردہ ہے تو اسے فروخت کرکے اس سے زائد آمدنی والی

زمین یا دکانیں خریدی جاسکتی ہیں جس سے مسجد کے اخراجات پورے کئے جاسکیں۔

"وَالثَّانِي: أَنْ لَا يَشْرُطَهُ سَوَاءٌ شَرَطَ عَدَمَهُ أَوْ سَكَتَ لَكِنْ صَارَ بِحَيْثُ لَا يُنْتَفَعُ بِهِ بِالْكُلِّيَةِ بِأَنْ لَا يَحْصُلَ مِنْهُ شَيْءٌ أَصْلًا، أَوْ لَا يَفِي بِمُؤْنَتِهِ فَهُوَ أَيْضًا جَائِزٌ عَلَى الْأَصَحِّ إِذَا كَانَ بِإِذْنِ الْقَاضِي وَرَأْيِهِ الْمَصْلَحَةَ فِيهِ."

اور دوسری شرط یہ ہے کہ اس نے شرط نہ لگائی ہو خواہ اس کے عدم کی شرط لگائی ہو یا کوئی شرط ہی نہ لگائی ہو لیکن وہ وقف اس حال کو پہونچ چکا ہو کہ اس سے کچھ بھی نفع حاصل نہ ہو رہا ہو، یا کچھ حاصل تو ہو رہا ہے مگر اخراجات پورے نہیں ہو پاتے تو صحیح قول کے مطابق اس کو فروخت کرنا یا بدلنا جائز ہوگا جب کہ قاضی (یا اہل محلہ) کی اجازت اور مشورہ سے ہو۔ (ردالمحتار علی الدر: 6/585)۔

لہذا اہل محلہ اور ذمہ داران مسجد اس زمین کے بدل میں دوسری زمین یا دکانیں حاصل کر سکتے ہوں تو مبادلہ درست ہے، اور اگر بدل کے حاصل نہ ہونے یا اس کے ضائع ہونے کا یا غبن کا اندیشہ ہو تو جائز نہ ہوگا۔

اور اگر اس زمین سے اتنی آمدنی ہو جاتی ہو کہ مسجد کے اخراجات پورے ہو جاتے ہیں تو محض زائد آمدنی کے حصول کے لئے اس کو فروخت کرنا یا اس کو کسی دوسری زمین سے بدلنا جائز نہیں ہوگا۔

"وَالْمُعْتَمَدُ أَنَّهُ بِلَا شَرْطٍ يَجُوزُ لِلْقَاضِي بِشَرْطِ أَنْ يَخْرُجَ عَنِ الِانْتِفَاعِ بِالْكُلِّيَةِ".

قول یہ ہے کہ جب وقف بلا شرط ہو تو قاضی کے لئے اس کا بیع یا استبدال جائز ہے اس شرط کے ساتھ کہ وہ وقف بالکلیہ انتفاع کے قابل نہ ہو۔ (ردالمحتار علی الدر: 6/586)۔

۸۔ مسجد سے متعلق آراضی جو مسجد کی ملکیت ہوتی ہیں اور خالی پڑی ہیں، ان کے تحفظ اور نفع بخش بنانے کے لئے ان آراضی پر مکاتب و مدارس قائم کرنا اور اس کا کرایہ مسجد کو دینا؟

مسجد کے لئے موقوفہ زمین جو خالی پڑی ہو، اس سے کوئی نفع حاصل نہ ہو رہا ہو، یا اس کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تو اسے بے منفعت خالی چھوڑے رکھنا بھی تو واقف کے منشاء کے منافی ہے، لہذا اسے کارآمد اور نفع بخش بنانے کے لئے اہل محلہ کے مشورہ سے اس زمین میں مکاتب و مدارس قائم کرنا اور اس سے حاصل شدہ کرائے کو مسجد کی مصلحتوں میں خرچ کرنا درست ہوگا، اس طرح وہ زمین نفع بخش اور محفوظ ہو جائے گی، اور واقف کا منشاء بھی پورا ہوگا، اس لئے کہ وقف کی غرض و منشاء نفع رسانی ہی ہوتی ہے، اوپر فقہی عبارات گزر چکی ہیں کہ مصالح مسجد کے پیش نظر مسجد کی تعمیر کرتے وقت جماعت خانہ کے نیچے کوئی تعمیر کرنا یا اسکے اوپر کوئی تعمیر کرنا جس میں مؤذن یا امام قیام کر سکیں درست ہے یا مسجد میں تعلیم دینا بھی درست ہے۔

"لِأَنَّ الْمَسْجِدَ مَا بُنِيَ إِلَّا لَهَا مِنْ صَلَاةٍ أَوْ اعْتِكَافٍ وَذِكْرٍ شَرْعِيٍّ وَتَعْلِيمِ عِلْمٍ أَوْ تَعَلُّمِهِ وَقِرَاءَةِ قُرْآنٍ،"

(غمز عیون البصائر: 4/63) "بَلْ فِي التَّتَارْخَانِيَّةِ عَنِ الْعُيُونِ جَلَسَ مُعَلِّمٌ أَوْ وَرَّاقٌ فِي الْمَسْجِدِ، فَإِنْ

كَانَ يُعَلِّمُ أَوْ يَكْتُبُ بِأَجْرٍ يُكْرَهُ إِلَّا لِضَرُورَةٍ، وَفِي الْخُلَاصَةِ: تَعْلِيمُ الصِّبْيَانِ فِي الْمَسْجِدِ لَا بَأْسَ بِهِ.“ (حاشية الطحطاوی علی المراقی) ”وتعليم الصبيان فيه بلا أجر و بالأجر يجوز“.

اور مسجد میں بچوں کو تعلیم دینا جائز ہے بلا اجرت ہو یا اجرت کے ساتھ (فتاوی البزازیہ علی ہامش الفتاوی الہندیہ:6/357)

لہذا موقوفہ زمین کا وہ حصہ جس پر ابھی مسجد تعمیر ہی نہیں ہوئی ہے، اور بے منفعت خالی پڑی ہے مصالح مسجد میں مسجد کی آمدنی کے لئے نیز اس زمین کو ضائع ہونے سے بچانے کے لئے اس پر مکاتب و مدارس کی تعمیر میں کوئی ضرر نہیں معلوم ہوتا۔ ھذا ما عندی واللہ اعلم

مساجد اوران کے اوقاف سے متعلق چند نئے مسائل

مولانا عبید اللہ ندوی
استاذ حدیث وادب دار العلوم ماٹلی والا، بھروچ، گجرات

تمہید:

وقف کو شریعت اسلامی کے خصائص وامتیازات میں شمار کیا جاتا ہے، کہا جاتا ہے کہ اسلام نے ہی بِر وطاعت اور تعاون واعانت کے اس طریقہ کو جاری وساری کیا ہے، تاہم اسلام نے وقف کا دائرہ جس درجہ وسیع کیا ہے، صدقہ جاریہ قرار دیکر اس کی ترغیب دی ہے، اس کی نظیر ملنا مشکل ہے، اور اس کی وجہ سے مسلمانوں میں وقف کا جو خاص ذوق پیدا ہوا ہے اس کی مثال شاید ہی کسی مذہب میں مل سکے۔

وقف کے احکام عام طور پر حضرت عمرؓ کے وقف نامہ پر مبنی ہے، وقف کی بابت آیات وروایات میں کچھ زیادہ تفصیلات نہیں ملتی ہیں، یہی بنیادی روایت ہے جس سے اصولی طور پر دو باتیں مستنبط ہوتی ہیں: اول یہ کہ وقف کی شرائط کو بڑی اہمیت حاصل ہے، اگر یہ شرطیں خلاف شرع اور وقف کے تحفظ وبقاء کے لئے مضر نہ ہوں تو ان کو کسی صورت نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہے، جیسا کہ اصول ہے: **شرط الواقف کنص الشارع،، (الاشباہ والنظائر لابن نجیم ص: ۱۶۳)** دوسرے یہ کہ چونکہ وقف کا مقصد ہی لوگوں کو نفع پہونچانا ہے لہذا اس بات کا پورا لحاظ رکھا جائے گا کہ وقف لوگوں کے لئے نافع اور اپنے مقاصد میں کارآمد ہو۔

اس پس منظر میں فقہاء نے مساجد اور دوسرے اوقاف میں کچھ فرق کیا ہے، ان میں سے بعض کا تعلق وقف کے ثبوت اور اس کی تکمیل سے ہے اور بعض کا وقف کے حکم اور اس پر مرتب ہونے والے اثرات سے، مجموعی طور پر چار فروق ہیں، جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں، یہاں ہم مساجد کے اوقاف سے متعلق چند مسائل پر اپنی معروضات پیش کرتے ہیں۔

مسجد کے اوپری منزلہ پر درسگاہ بنانے کا حکم:

ایک بات تو یہ ذہن نشین رہنی چاہئے کہ جو زمین مسجد کے لئے وقف کی جائے وہ ہمیشہ کے لئے من الثری الی الثریا (زمین کی تہہ سے اوپر آسمان تک) مسجد کے حکم میں ہوگی، اس میں کوئی اور چیز جو مصالح مسجد کے خلاف ہو، تعمیر

کرنا جائز نہیں ہوگا، البتہ مسجد کو مسجد ہی باقی رکھ کر اس میں بچوں کو قرآن اور دین کی بنیادی تعلیم دی جائے اور اس میں مسجد کے تقدس وآداب کا مکمل خیال رکھا جائے تو یہ جائز ہوگا۔

فتاوی شامی میں ہے:

(وإذا جعل تحته سردابا لمصالحه)أي المسجد(جاز))كمسجد القدس(ولو جعل لغيرها أو)جعل(فوقه بيتا وجعل باب المسجد إلى طريق وعزله عن ملكه لا)يكون مسجدا۔

وقوله:(وإذا جعل تحته سردابا لمصالحه)جمعه سرادیب ،بيت يتخذتحت الأرض لغرض تبريد الماءوغيره ،كذا في الفتح ،وشرط في المصباح : أن يكون ضيقا،نهر،وقوله:(أو)جعل(فوقه بيتا إلخ)ظاهره أنه لافرق بين أن يكون البيت للمسجد أو لا،إلا أنه يؤ خذ من التعليل أن محل عدم كونه مسجدا فيما إذا لم يكن وقفا على مصالح المسجد ،وبه صرح في الإسعاف فقال:وإذا كان السرداب أو العلولمصالح المسجد أو كان وقفا عليه صار مسجدا،اھ،شرنبلالية (شامی کتاب الوقف ۴/۳۵۷، ط:سعید)

(اور اگر مسجد ہی کے مصالح کے لئے اس کے نیچے تہ خانہ بنایا تو جائز ہے جیسا کہ مسجد قدس میں ہے، اور اگر کسی اور مقصد سے بنایا یا اس کے اوپر گھر بنایا اور مسجد کا دروازہ راستہ کی طرف کر دیا اور اس کو اپنی ملکیت سے جدا کر دیا تو وہ مسجد (شرعی) نہیں ہوگی)۔

اور ان کا قول: اور اگر مسجد ہی کے مصالح کے لئے اس کے نیچے تہ خانہ بنایا،، سرداب کی جمع سرادیب آتی ہے جس کے معنی ہیں وہ گھر جو زیر زمین پانی وغیرہ ٹھنڈا رکھنے کے لئے بنائے جاتے ہیں، فتح میں اسی طرح ہے، اور ''مصباح'' میں یہ شرط لگائی گئی ہے کہ وہ تنگ ہو، (نہر) اور مصنف کا قول: یا اس کے اوپر گھر بنایا،، ظاہر یہ ہے کہ اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ وہ گھر مسجد کے لئے ہو یا نہ ہو، البتہ اس تعلیل سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اس کے مسجد نہ ہونے کا محل اس صورت میں ہے جبکہ وہ مصالح مسجد کے لئے وقف نہ ہو، اور اسی کی صراحت ''اسعاف'' میں کی گئی ہے، فرماتے ہیں: اگر تہہ خانہ یا اوپری حصہ مصالح مسجد کے لئے ہو یا مسجد پر وقف ہو تو وہ مسجد ہوگی،،۔

وفيه أيضا:ولو بنى فوقه بيتا للإمام لا يضر،لأنه من المصالح أما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع،ولو قال:عنيت ذلك لم يصدق،تتارخانية،(حوالہ سابق ص:۳۵۸)

(اور اگر اس کے اوپر امام کے لئے گھر بنایا تو کوئی حرج نہیں، اس لئے کہ یہ بھی مصالح مسجد میں ہے، لیکن اگر مسجدیت مکمل ہوگئی پھر تعمیر کا ارادہ کیا تو منع کیا جائے گا، اور اگر وہ یہ کہے کہ میں نے پہلے سے ارادہ

کیا تھا تو بھی اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی)۔

"قوله: ولا أن يجول . . . إلخ قلت: وبهذا علم أيضا حرمة إحداث الخلوات في المساجد كالتي في رواق المسجد الأموي ولا سيما مايترتب على ذلك من تقذير المسجد بسبب الطبخ والغسل ونحوه." (رد المحتار، كتاب الوقف)

(اور مصنف کا قول: اور مسجد میں چہل قدمی کرنا،، میں کہتا ہوں: اس سے بھی معلوم ہوا کہ مساجد میں کمرے تعمیر کرانا جیسا کہ جامع اموی میں ہے حرام (مکروہ تحریمی) ہے، خاص طور سے اس لئے کہ کھانا پکانے، نہانے دھونے وغیرہ سے تقذیر (گندہ کرنا) مسجد ہوگی)۔

خلاصہ یہ کہ اگر بانی نے تمام منزلوں کی مسجد کی نیت کی ہے تو اس کے احکام مسجد کے ہوں گے، اور اس کے مسجد باقی رہتے ہوئے اس میں تعلیم کے حلقے لگائے جاسکتے ہیں، اور اگر تعلیمی درسگاہ یا اجتماعات منعقد کرنے کی نیت سے بنائے گئے ہیں تو وہ عبادت خانہ ہوگا مسجد نہیں ہوگی، البتہ مدرسہ اور مکتب کے لئے اگر مسجد کے علاوہ جگہ کا انتظام ممکن ہو، تو مسجد کو بطور مکتب استعمال کرنا درست نہیں ہے اور اگر متبادل کا انتظام ممکن نہیں تو درج ذیل شرائط کے ساتھ مسجد میں مکتب یا درسگاہ قائم کرنے کی گنجائش ہوگی:

۱- پڑھنے والے مسجد کے ادب واحترام کا خیال رکھیں۔

۲- شور وشغب سے اجتناب کریں۔

۳- فیس کے بغیر تعلیم دی جائے۔ (یہ شرط بھی آجکل نہیں پائی جاتی کیونکہ ٹرسٹ یا ذمہ داروں کی طرف سے اکرامیہ طے ہوتا ہے، خود سے تو کوئی مسجد میں پڑھا ہی نہیں سکتا)

۴- پڑھانے والے حضرات بقدر ضرورت اجرت لیں۔ (بظاہر اسکی ضرورت نہیں معلوم ہوتی کیونکہ بقدر ضرورت تو کیا؟ ضرورت ہی پوری نہیں ہوتی ہے)

چنانچہ درمختار میں- جہاں مساجد کی افضلیت کی ترتیب بیان کی گئی ہے کہ کونسی مسجد میں نماز پڑھنا زیادہ افضل ہے؟ ہے:

"ومسجد استاذه لدرسه أو لسماع الأخبار أفضل اتفاقا." (كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، مطلب: في افضل المساجد، ۱/۶۵۹، ط: سعيد)

(اور وہ مسجد جس میں درس کے لئے یا احادیث سننے سنانے کے لئے استاد ہو وہ بالاتفاق افضل ہے)۔

نیز ردالمحتار میں ہے: قوله:

(ومن علم الأطفال . . . إلخ) الذي في القنية: أنه يأثم ولا يلزم منه الفسق، ولم ينقل عن أحد القول به، ويمكن أنه بناء على أنه بالإصرار عليه يفسق، أفاده الشارح، قلت: بل في التتار خانية عن العيون

جلس معلم أو وراق في المسجد ،فإن كان يعلم أو يكتب بأجر يكره إلا لضرورة ،،(رد المحتار ، كتاب الحظر والاباحة ۹/۷۰۹ ،ط:رشيديه)

اورمصنف کا قول: اورجس نے بچوں کوتعلیم دی..''القنیۃ''میں جولکھا ہے: وہ یہ کہ وہ گنہگار ہوگا،لیکن اس سے فسق لازم نہیں آئے گا،اورکسی سے یہ قول منقول نہیں ہے،ممکن ہے کہ یہ اس بنیاد پر ہو کہ اگر وہ اس پر اصرار کرے گا تو فاسق ہوجائے گا، یہ افادہ شارح نے کیا، میں کہتا ہوں کہ''تتارخانیہ''میں''العیون''سے منقول ہے: کہ اگر کوئی معلم یا وراق مسجد میں بیٹھا،اوراجرت لیکر معلم تعلیم دیتا ہے یا کتابت کرتا ہے تو مکروہ ہے ،إلا یہ کہ ضرورتا ہو،(تو جائز ہوگا)

البحرالرائق میں ہے:

لأن المسجد ما بني إلا لها من صلاة واعتكاف و ذكر شرعي و تعليم علم وتعلمه وقراءة قرآن،،(البحر الرائق، كتاب الصلاة ،باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها ۲/۶۰ ،ط:رشيديه)

اس لئے کہ مسجد صرف اسی لئے بنائی گئی ہے یعنی نماز،اعتکاف،ذکرشرعی،تعلیم وتعلم اورتلاوت قرآن کریم کے لئے۔

ہندیہ میں ہے:

ولو جلس المعلم في المسجد و الوراق يكتب ،فإن كان المعلم يعلم للحسبة و الوراق يكتب لنفسه فلا بأس به لأنه قربة وإن كان بالأجرة يكره إلا أن يقع لهما الضرورة، كذا في محيط السرخسي،، (هنديه كتاب الكراهية ،الباب الخامس ۵/۳۷۱ ،ط: دار الفكر بيروت)

(اوراگر معلم مسجد میں (تعلیم دینے بیٹھا) اوروراق لکھنے بیٹھا،تو اگر معلم حسبۃ للہ تعلیم دے رہا ہے اوروراق اپنے لئے کتابت کررہا ہے تو کوئی حرج نہیں ،اس لئے کہ یہ قربت ہے اوراگر اجرت لیکر تعلیم دے تو مکروہ ہے ،إلا یہ کہ دونوں کوضرورت ہو(تو اجرت بھی لے سکتے ہیں) مسئلہ محیط سرخسی میں اسی طرح ہے)۔

جہاں تک بات ہے طلبہ کے رہائش گاہ کی تو اگر مسجد کے لئے موقوفہ اراضی میں علاحدہ،دائیں یا بائیں بنائیں تو کوئی حرج نہیں،مثلا وضوخانے یا اسٹوررروم کے اوپر تو اس کی گنجائش ہوگی،مسجد کے اوپر بنانا مکروہ تحریمی ہے،علامہ حصکفیؒ لکھتے ہیں:

''وكره تحريما الوطأ فوقه والبول والتغوط لأنه مسجد إلى عنان السماء.''(درمختار)

اورمسجد کے اوپر وطئ اور پیشاب پائخانہ کرنا مکروہ تحریمی ہے کیونکہ وہ آسمان کی چھت تک مسجد ہے۔

امام اورمؤذن کے لئے رہائش گاہ کی تعمیر کا حکم:

اگر وقف کرتے وقت کسی زمین میں مسجد کے اوپر امام کے مکان کی تعمیر کا ارادہ ہوتو جائز ہے،لیکن اگر ایک بار کسی

زمین میں مسجد کی حدود متعین ہوجائیں اس کے بعد اس کی چھت پر مکان کی تعمیر جائز نہیں، علامہ ابن نجیمؒ فرماتے ہیں:

"وبما ذكرناه علم أنه لو بنى بيتا على سطح المسجد لسكنى الإمام، فإنه لا يضر في كونه مسجدا، لأنه من المصالح." (البحر الرائق ۵/۲۷۱، ط: دار الكتاب)

(اور اس وجہ سے جو ہم نے بیان کیا معلوم ہوتا ہے کہ اگر مسجد کی چھت پر امام کی رہائش گاہ بنائے تو اس سے مسجد کی مسجدیت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا اس لئے کہ یہ مصالح مسجد میں داخل ہے)۔

علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں:

ولو بنى فوقه بيتا للإمام لا يضر، لأنه من المصالح أما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع، ولو قال: عنيت ذلك لم يصدق، تتارخانية، (حوالہ سابق ص: ۳۵۸)

جہاں ایک بار مسجد بن گئی وہ من الثری إلی الثریا مسجد کے حکم میں ہوتی ہے، لہذا مسجد کی نئی تعمیر میں دکان پرانی مسجد کی نماز کے لئے مخصوص کی گئی جگہ کی حدود میں یا اس کے نیچے بنانا شرعا جائز نہیں ہے بلکہ اسے مسجد میں شامل کرنا ضروری ہے، البتہ مسجد کے لئے مختص کی گئی جگہ کے اردگرد کی موقوفہ جگہ میں بنانا جائز ہوگا اور یہ دکانیں مسجد کی ملکیت ہوں گی اور اس کی آمدنی سے مسجد کی ضروریات اور مصالح پوری کی جائیں گی، چنانچہ "البحر الرائق" میں ہے:

وحاصله: أن شرط كونه مسجدا أن يكون سفله وعلوه مسجدا لينقطع حق العبد عنه، لقوله تعالى وأن المساجد لله. (البحر الرائق ۵/۲۷۱، كتاب الوقف، فصل في احكام المسجد، ط: دار الكتاب الاسلامي، بيروت)

نیز شامی میں بھی اسی طرح کی عبارت ہے جو سوال نمبر ایک کے ضمن میں نقل کی جا چکی ہے۔

مسجد کے نچلے حصہ میں پارکنگ بنانے کا حکم:

اگر مسجد نئی تعمیر ہو رہی ہے تو مسجد کے نچلے حصہ میں مصلیوں کی گاڑیوں کی پارکنگ کے لئے تہہ خانہ بنانا شرعا جائز ہے لیکن کسی جگہ پہلے سے مسجد تھی (جیسا کہ سوال میں مذکور ہے) اور اب اسی جگہ پر از سر نو مسجد تعمیر کی جارہی ہے تو مسجد کے نیچے تہہ خانہ بنانا شرعا جائز نہیں ہے، البتہ یہ شکل اختیار کی جاسکتی ہے کہ اگر کچھ زائد جگہ (جو مسجد کے لئے وقف ہے) شامل مسجد کی جارہی ہے تو پھر اس کے نچلے حصہ میں مصلیوں کی کار پارکنگ کے لئے تہہ خانہ بنانے کی شرعا گنجائش ہے، دلائل اوپر کے صفحات میں ذکر کئے جا چکے ہیں اعادہ طوالت کا باعث ہوگا۔

مفتی محمد شفیع صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں: البتہ اگر مسجد بنانے کے وقت اول ہی سے کوئی جگہ مصالح مسجد کے لئے علاحدہ کرلی جائے تو یہ جائز ہے، لیکن جب مسجد بن گئی تو پھر اس کا مسجد سے نکالنا جائز نہیں ہے،، (دیکھئے: فتاوی دار العلوم، دیوبند)

آج بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو اللہ کے لئے خرچ کرتے ہیں ان سے بات کی جائے اور موجودہ حالات کی رعایت کرتے ہوئے ان چیزوں کو بنایا جائے تو بہتر ہوگا۔

اپارٹمنٹ کے بیچ واقع عبادت خانوں کا حکم، کیا ان پر مسجد کے احکام جاری ہوں گے؟

فقہ حنفی کی ظاہر الروایۃ کے مطابق شرعی مسجد ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ جگہ مسجد کے لئے وقف ہو، زمین کے نیچے سے لیکر اوپر آسمان تک، خالص اللہ کے لئے کردی جائے، اوپر نیچے اس پوری زمین میں کسی کی ملکیت باقی نہ رہے، البتہ امام رافعیؒ نے اس میں مزید تعمیم فرمائی ہے کہ اگر علو یا سفل مصالح مسجد کے لئے وقف نہیں لیکن مسلمانوں کے عام مصالح کے لئے مختص ہیں کسی کی ذاتی ملکیت نہیں، تو بھی یہ مسجد شرعی ہونے سے مانع نہیں ہے۔

امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کی رائے میں جن مقامات پر کثیر المنزلہ عمارتیں ہیں جن میں مسجد کے لئے مستقل جگہ ملنا مشکل ہوتا ہے، ان میں اگر کوئی منزل مسجد کے لئے وقف کردی جائے اور اوپر نیچے دونوں رہائشی ہوں تو بھی وقف شدہ منزل کے مسجد ہونے سے مانع نہیں، نیز ائمہ ثلاثہ امام مالک، امام شافعی، امام احمد رحمہم اللہ کے نزدیک مسجد شرعی ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ اوپر نیچے کی منزلیں مسجد ہوں یا مصالح مسجد میں مشغول ہوں، بلکہ اگر درمیانی منزل مسجد کے لئے وقف ہو، اور اوپر نیچے دونوں منزلیں یا ان میں سے کوئی ایک رہائشی ہو، کسی کی ذاتی ملکیت ہو تو یہ مسجد شرعی ہونے سے مانع نہیں ہے۔

درمختار اور حاشیہ ابن عابدین شامی میں ہے:

(ويزول ملكه عن المسجد والمصلى) بالفعل و (بقوله جعلته مسجدا) عند الثاني (وشرط محمد) والإمام (الصلاة فيه) قوله: (والمصلى) شمل مصلى الجنازة ومصلى العيد، قال بعضهم: يكون مسجدا حتى إذا مات لا يورث عنه، وقال بعضهم: هذا في مصلى الجنازة، أما مصلى العيد فلا يكون مسجدا مطلقا، وإنما يعطى له حكم المسجد في صحة الاقتداء بالإمام، وإن كان منفصلا عن الصفوف وفيما سوى ذلك فليس له حكم المسجد، وقال بعضهم: يكون مسجدا حال أداء الصلاة لا غير وهو والجَبَّانة سواء، ويُجَنَّب هذا المكان عما يجنب عنه المساجد احتياطا. اھ (در مختار و حاشیہ شامی ۴/۳۵۵)

شرح بدایۃ المبتدی میں ہے:

قال: ومن جعل مسجدا تحته سرداب أو فوقه بيت وجعل باب المسجد إلى الطريق، وعزله عن ملكه فله أن يبيعه وإن مات يورث عنه، لأنه لم يخلص لله تعالى لبقاء حق العبد متعلقا به، ولو كان السرداب

لمصالح المسجد جاز كما في مسجد بيت القدس،وروى الحسن عنه أنه قال: إذ جعل السفل مسجداوعلى ظهره مسكن فهو مسجد ،لأن المسجد مما يتأبد،وذلک يتحقق في السفل دون العلو،وعن محمد على عكس هذا،لأن المسجد معظم،وإذا كان فوقه مسكن أو مستغل يتعذر تعظيمه،وعن أبي يوسف أنه جوز في الوجهين حين قدم بغدادورأى ضيق المنازل فكأنه اعتبر الضرورة،وعن محمد أنه حين دخل الري أجاز ذلک كله لما قلنا،،۔

قال:وكذلک إن اتخذوسط داره مسجداوأذن للناس بالدخول فيه،،يعني له أن يبيعه ويورث عنه، لأن المسجد مالا يكون لأحد فيه حق المنع ،وإذا كان ملكه محيطا بجوانبه كان له حق المنع فلم يصر مسجدا،ولأنه أبقى الطريق لنفسه فلم يخلص لله تعالى ،وعن محمد انه لايباع ولا يورث ولا يوهب،اعتبره مسجدا ،وهكذا عن أبي يوسف أنه يصير مسجدا لأنه لما رضي بكونه مسجدا ولا يصير مسجدا إلا بالطريق، دخل فيه الطريق وصار مستحقاكما يدخل في الإجارة من غيره ذكر.

(شرح بداية المبتدی ۳/۲۰)

فرماتے ہیں :اگر کسی نے مسجد بنائی اوراس کے نیچے تہ خانہ بنایا یا اوپر گھر بنایا اور مسجد کا دروازہ راستہ کی طرف کردیا،اوراس کواپنی ملکیت سے الگ کردیا تواس کے لئے اس کو بیچنا جائز ہےاوراگر وہ مرجائے تو وہ میراث بنایا جائے گا،اس لئے کہ اس نے اللہ کے لئے خالص نہیں کیا کیونکہ اس سے بندہ کا حق متعلق ہے، اوراگر تہہ خانہ مصالح مسجد کے لئے ہےتو جائز ہے جیسا کہ مسجد قدس میں ہے،اورحسن نے ان سے روایت کی ہے کہ وہ فرماتے ہیں :اگر نچلے حصہ کومسجد بنایا یا اس کی چھت پر رہائش گاہ بنایا تو بھی وہ مسجد ہوگی اس لئے کہ مسجداس کو کہتے ہیں جو ہمیشہ رہے،اور یہ نچلے حصہ میں ہی ممکن ہے نہ کہ اوپری حصہ میں،اورامام محمدؒ سے اس کے برعکس بھی ایک قول منقول ہے،اس لئے کہ مسجد قابل تعظیم ہےاوراگراس کے اوپر رہائش گاہ یا مستغل (منافع کی چیز مثلا دکان وغیرہ) ہوگی تو تعظیم میں دشواری ہوگی،اورامام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ جب وہ بغداد آئے اور وہاں کے تنگ مکانات دیکھے تو دونوں صورتوں میں اس کو جائز قرار دیا،گویا کہ انھوں نے ضرورت کا اعتبار کیا،اورامام محمدؒ سے روایت ہے کہ جب وہ ''ری'' میں داخل ہوئے تو اس سب کی اجازت دے دی اسی وجہ سے جو ہم نے بیان کیا،۔

فرمایا:اورمسئلہ اسی طرح ہوگا اگر کسی نے اپنے گھر کے بیچ میں مسجد بنائی اورلوگوں کواس میں آنے کی اجازت دے دی،تو اس کے لئے اس کو بیچنا اوروارث بنانا جائز ہوگا،اس لئے کہ مسجد وہ ہوتی ہے جس میں کسی کو منع کرنے کا حق نہ ہو،اگراس کی ملکیت چاروں طرف سے اس جگہ کو گھیرے ہوئے ہےتو اس کو منع کرنے کا حق

ہوگا ،تو پھر ایسی صورت میں وہ مسجد نہیں ہوگی ، نیز اس لئے بھی کہ اس نے اپنے لئے راستہ باقی رکھا ہے ،تو گویا اللہ کے لئے خالص نہیں کیا، اور امام محمدؒ سے روایت ہے کہ نہ اس کو بیچا جاسکتا ہے نہ میراث بنا سکتے ہیں اور نہ ہی ہبہ کر سکتے ہیں، گویا کہ انھوں نے اسے مسجد مانا ہے، اور اسی طرح کی ایک روایت امام ابو یوسفؒ سے ہے کہ وہ مسجد ہوگی ،اس لئے کہ جب وہ مسجد بنانے پر راضی ہوگیا، اور مسجد بغیر راستہ کے بن نہیں سکتی ،تو گویا وہ راستہ بھی (خود بخود) داخل ہوگیا اور بغیر ذکر کے بھی وہ مسجد کا حق ہوگیا جیسا کہ اجارہ میں ہوتا ہے۔

محیط برہانی میں ہے:

وعن أبي يوسف أنه اجاز أن يكون الأسفل مسجدا و الأعلى ملكا ،لأن الأسفل أصل ،عن محمد أنه حين دخل الري ورأى ضيق الأمكنة جوّز ذلک،، (المحيط البرهانی فی الفقه النعمانی ۶/۲۰۷)

(امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ انھوں نے اس کی اجازت دی ہے کہ نچلا حصہ مسجد ہو اور اوپری حصہ کسی کی ملکیت ہو اس لئے کہ نچلا حصہ ہی اصل ہے، امام محمدؒ سے روایت ہے کہ جب وہ ''ری'' میں داخل ہوئے تو اس سب کی اجازت دے دی اسی وجہ سے جو ہم نے بیان کیا)۔

موجودہ دور میں آبادی کے اضافہ اور زمینوں کی بے تحاشہ مہنگائی کیوجہ سے کثیر المنزلہ رہائشی عمارات اور شاپنگ مول وخریداری کے مراکز کا رجحان بڑھتا جارہا ہے ،ان کثیر المنزلہ عمارات میں عام طور پر نماز کے لئے مناسب جگہ تو مخصوص کی جاتی ہے لیکن یہ ممکن نہیں ہوتا کہ کسی جگہ کو اس طرح وقف کر کے مسجد بنا دیا جائے کہ اس کے اوپر اور نیچے بھی یا تو مسجد ہو یا مصالح مسجد کے لئے وقف ہو یا مسلمانوں کی اجتماعی ضرورت کے لئے وقف ہو ایسی تنگی کی صورت میں ضرورت کے پیش نظر درج ذیل شرائط کا لحاظ کرتے ہوئے حضرات صاحبین سے منقول روایات کے مطابق یہ گنجائش معلوم ہوتی ہے کہ اگر کثیر المنزلہ عمارت میں ایک منزل یا مخصوص حصہ مسجد کے لئے وقف کر دیا جائے ، اس کا بالائی یا نچلا حصہ یا ان میں سے کوئی ایک وقف نہ ہو تو بھی اسے مسجد شرعی قرار دیا جاسکتا ہے، غیر مسلم ممالک جہاں مستقل مساجد کم اور کافی فاصلہ پر ہوتی ہیں وہاں اس گنجائش سے بسہولت استفادہ کیا جاسکتا ہے، شرائط یہ ہیں:

۱۔کثیر المنزلہ عمارت میں جو جگہ مخصوص کی جارہی ہے وہ مسجد کے لئے وقف کی جائے۔

۲۔یہ گنجائش ایسے مقامات میں ہوگی جہاں اوپر اور نیچے کی منزل کو وقف کرنے میں دشواری ہو، جیسے کثیر المنزلہ عمارت وغیرہ۔

۳۔سب سے پہلے یہ کوشش کی جائے کہ کسی بھی کثیر المنزلہ عمارت کے ساتھ جیسے پارکنگ بنائی جاتی ہے اسی طرح اس کی سطح زمین پر مسجد شرعی بنائی جائے اور قانونی مالک پر لازم ہو کہ وہ مسجد بنائے۔

۴۔جو حصہ مسجد کے لئے وقف کیا جارہا ہے اس کی مسجدیت کو قانونی تحفظ دیا جائے تاکہ مستقبل میں کوئی اس

جگہ کو مسجد کے علاوہ کام اور مقصد میں استعمال نہ کر سکے۔

۵۔قانونی کاغذات میں اس کی وضاحت ہونی چاہئے کہ اس کی خرید وفرخت ممکن نہیں ہوگی، آئندہ اگر پوری بلڈنگ بیچی جائے تو مسجد بیع میں شامل نہیں ہوگی اور نہ اس کا کوئی معاوضہ لیا جائے گا، بلکہ وہ حسب سابق مسجد ہی رہے گی، مالک یہ صراحت کر کے بلڈنگ بیچے کہ مسجد کے لئے وقف جگہ بیع میں شامل نہیں ہے۔

۶۔اور اگر کبھی عمارت منہدم ہوجائے تو جو حق زمین میں دیگر فلیٹس اور دکانوں کے مالکان کو ملے گا وہ مسجد کو بھی ملے گا اور دوبارہ تعمیر کی صورت میں مسجد کی جگہ حسب سابق مسجد ہی رہے گی، یا حکومت اگر کسی جائز وجہ سے عمارت کو منہدم کردے تو جس طرح دیگر مالکان کو معاوضہ دے گی، اسی طرح اس مسجد کو بھی معاوضہ ملے گا اور جو معاوضہ ملے گا اس سے اگر کہیں اور مسجد بنائی جاسکتی ہو تو بنائی جائے گی، ورنہ امام ابو یوسفؒ کے قول ثانی کے مطابق کسی قریب ترین مسجد میں رقم لگائی جائے گی۔

کمرشیل کمپلیکس کے درمیان نماز کے لئے مخصوص کردہ عمارت مسجد شرعی ہوگی؟

اگر کسی عمارت میں ایک خاص جگہ نماز پڑھنے کے لئے مختص کرلی جائے کہ اوپر کی منزل کمرشیل کمپلیکس ہو اور نیچے کمپنی یا طباعتی ادارہ کے آفس یا نیٹ ورکنگ سسٹم ہوگا، تو ایسی صورت میں وہ جگہ مصلی (جائے نماز/عبادت خانہ) ہوگی مسجد نہیں، لہذا اس کے اوپر یا نیچے کے منزلوں کو دنیاوی ضروریات اور بشری تقاضوں وغیرہ کے لئے استعمال کر سکتے ہیں، نیز یہ جگہ اگرچہ مسجد شرعی نہیں ہوگی لیکن اس میں نماز باجماعت پڑھنے سے جماعت کی فضیلت حاصل ہوگی البتہ مسجد کی فضیلت نہیں ملے گی، نیز اسی طرح اس میں اعتکاف نہیں کر سکتے، دلائل اور عبارتیں گذشتہ جوابات میں آچکی ہیں۔

مسجد کی اراضی فروخت کر کے دوسری زمین کرنے کا حکم:

کم آمدنی کے حامل وقف کو فروخت کر کے زیا منافع والے متبادل وقف قائم کرنے کے بارے میں مشائخ احناف کا اختلاف ہے، علامہ شامی نے اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، علامہ ابن الہمام کا خیال ہے، جو وقف قابل انتفاع ہو، زیادہ آمدنی کے لئے اس کا استبدال جائز نہیں ہے، شارح اشباہ علامہ بیریؒ (ابراہیم بن حسین البیری) نے اسی کو حق وصواب قرار دیا ہے اور اسی پر صدر الشریعۃ (ثانی/اصغر) عبید اللہ بن مسعودؒ کا فتوی ہے، چنانچہ ''ردالمحتار'' میں ہے:

قال العلامة البيري بعد نقله ،أقول: وفي فتح القدير: ...هو الحق والصواب،، (ردالمحتار، كتاب الوقف: استبدال الوقف وشروطه)

وقف جب درست اور صحیح ہوجائے تو موقوفہ چیز قیامت تک کے لئے واقف کی ملکیت سے نکل کر اللہ کی ملکیت

میں داخل ہوجاتی ہے، اس کے بعد اس کی خرید وفروخت کرنا، ہبہ کرنا، کسی کو اس کا مالک بنانا اور اس کو وراثت میں تقسیم کرنا جائز نہیں، اور فتاوی ہندیہ کے مطابق اسی پر فتوی ہے، (دیکھئے: ہندیہ ۲/ ۱۸۶، ۸۷)

اور فقہ السنہ میں ہے:

"إذا لزم الوقف فإنه لا يجوز بيعه ولا هبته ولا التصرف فيه بأي شيئ يزيل وقفيته لقول النبي ﷺ في ابن عمر رضی اللہ عنہ لا يباع ولا يوهب ولا يورث، ويرى أبو حنيفة رحمہ اللہ أنه يجوز بيع الوقف، قال أبو يوسف لو بلغ أبا حنيفة هذا الحديث لقال به." (فقه السنة ۳/ ۴۱۰)

(جب وقف تام ہوجائے تو اس کو بیچنا، ہبہ کرنا، اور اس میں کسی قسم کا ایسا تصرف کرنا۔ جس سے اس کی وقفیت زائل ہوجائے۔ جائز نہیں ہے، نبی کریم ﷺ کے اس فرمان کی وجہ سے جو آپ ﷺ نے عبداللہ ابن عمرؓ کے بارے میں فرمایا تھا: نہ اس کو بیچا جاسکتا ہے، نہ ہبہ کیا جاسکتا ہے اور نہ میراث بنایا جاسکتا ہے، اور امام ابوحنیفہؒ کی رائے ہے کہ وقف کو بیچا جاسکتا ہے، امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں اگر امام صاحب تک یہ حدیث پہونچتی تو وہ بھی یہی کہتے،، (یعنی عدم جواز بیع کا فتوی دیتے)

وعندهما حبس العين على حكم ملك الله تعالى فيزول ملك الواقف عنه إلى الله تعالى على وجه تعود إلى العباد فيلزم ولا يباع ولا يوهب ولا يورث،، (فتح القدير ۶/ ۲۰۳، ط: دار الفكر)

اور ان دونوں کے نزدیک کسی عین کو اللہ کی ملک کے حکم پر روکنا ہے، لہذا اس سے واقف کی ملکیت ختم ہوکر اللہ کی ملک میں چلی جائے گی اس طرح کہ منافع بندوں کی ملک میں واپس آئے گی تو اس کا بیچنا، ہبہ کرنا اور وارث بنانا جائز نہیں ہوگا۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

"وعندهما حبس العين على حكم ملك الله على وجه تعود منفعته إلى العباد، فليزم ولا يباع ولا يوهب، كذا في الهداية، وفي العيون واليتيمة: إن الفتوى على قولهما، كذا في شرح أبي المكارم للنقاية." (هنديه ۲/ ۳۵۰، ط: رشيديه)

دوسرے مذاہب فقہیہ میں بھی اس کی اجازت نہیں دی گئی ہے، (ملاحظہ ہو فقہ مالکی کی "حاشیۃ الدسوقی" باب: احکام الوقف،، اور مالکیہ کی "المغنی" فصل الوقف إذا بيع،، وغیرہ۔) البتہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ایسا کرنا درست ہے اور بعض اہل علم کا اسی پر فتوی ہے کہ اگر وہ زمین موقوفہ بالکل خراب اور کمزور ہو جس میں غلہ وغیرہ بہت کم پیدا ہوتا ہو اور دوسری زمین اسی قیمت کی اچھی مل رہی ہو تو ایسی صورت میں متولی کے لئے جائز ہے کہ اس زمین کو فروخت کردے اور اس زمین کو خریدے جو کہ زیادہ نافع ہے اور اس کی آمدنی کو مسجد پر صرف کرے، چنانچہ خانیہ میں ہے:

وإذاضعفت الأرض الموقوفة عن الاستغلال والقيم يجدبثنمهاأرضاأخرى هي أنفع للفقراء وأكثر ربحاكان له أن يبيع هذه الأرض ويشتري بثمنهاأرضاأخرى جوز رحمه الله تعالى استبدال الأرض بالأرض. (خانية)

لیکن اگر فقہاء کی عبارات میں غور کیا جائے اور ان کے منشاء ومقصود کو سمجھنے کی کوشش کی جائے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہر دور ائے کے حاملین نے مصالح وقف کو ہی پیش نظر رکھا ہے، جن حضرات فقہاء نے زیادہ آمدنی کے لئے استبدال کی اجازت دی ہے ان کا نقطۂ نظر بالکل واضح ہے، کہ اس صورت میں وقف کا مفاد ہے، اور جن حضرات نے منع کیا ہے انھوں نے بچشم خود اس کا مشاہدہ کیا ہے کہ ناخدا ترس قضاۃ اور حکام نے وقف کی جائیدادوں میں خرد برد اور اس پر تغلب کے لئے اسے حیلہ بنایا تھا، اسی لئے ان حضرات نے منع فرمایا کہ نفع کم ہی سہی، وقف تو باقی اور محفوظ رہے گا، ورنہ اندیشہ ہے کہ سرے سے وقف کا وجود ہی باقی نہ رہے، علامہ شامیؒ نے صدر الشریعۃ کا قول نقل کیا ہے:

"نحن لا نفتي به ،وقد شاهدنا في الاستبدال مالا يُعد ولا يُحصر ،فإن ظلمة القضاة جعلوه حيلة لإبطال اوقاف المسلمين،، (حوالہ سابق)

(ہم اس (جواز) کا فتوی نہیں دیتے، اس لئے کہ ہم نے استبدال (اراضی) میں ایسی ایسی چیزیں دیکھیں ہیں جو شمار نہیں کی جاسکتیں، ظالم قضاۃ نے اس کو مسلمانوں کے اوقاف کو باطل کرنے (اور ہتھیانے کا) ذریعہ بنالیا تھا،،۔

خلاصہ یہ کہ یہ مصالح پر موقوف ہے اگر کوئی دیانت دار ادارہ یا فرد اس کی ذمہ داری لے تو اس کی گنجائش ہوگی، بشرطیکہ اس رقم کو اسی طرح کی اراضی کی خرید میں لگایا جائے، تاخیر وغیرہ سے رقم ضائع ہونے کا اندیشہ نہ ہو، لیکن اگر حکومت کے وقف بورڈ کو اس کی اجازت دی جائے تو غالباً وہی حال ہوگا جو صدر الشریعۃ نے فتوی دیا تھا۔

مسجد کی جائیداد درس وتدریس کے لئے کرایہ پر دینے کا حکم:

جیسا کہ ذکر کیا گیا کہ اصولی طور پر حتی المقدور واقف کی منشاء کی رعایت ضروری ہے، اس پس منظر میں علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں:

حشيش المسجد وحصيره مع الاستغناء عنها وكذا الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما ،فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر أو حوض،،

مسجد کی گھاس اور اس کی چٹائی کی اگر مسجد کو ضرورت نہ ہو اسی طرح رباط، کنواں وغیرہ جبکہ ان سے استفادہ نہ کیا جاتا ہو تو مسجد کا وقف سرایا خانہ، کنواں اور حوض وغیرہ ہم جنس کی طرف پھیر دیا جائے گا۔

علامہ شامیؒ نے اس پر نوٹ چڑھایا ہے:

فظاهره أنه لا يجوز صرف وقف مسجد خرب إلى حوض وعكسه ،وفي شرح الملتقى :يصرف وقفها إلى أقرب مجانس لها،، (الدر المختار مع رد المحتار ،باب فرع بناء للامام فوق المسجد)

مشہور فقیہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں: اس بات کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ تعلیم کسی بھی سماج کی نہایت اہم ضرورت ہے، قوموں اور ملتوں کے تحفظ کا سب سے مؤثر ہتھیار رہے، فقہاء نے جس زمانے میں اپنی کتابیں لکھیں اور نئے پیش آنے والے واقعات پر شرعی احکام کا انطباق کیا اسوقت طاقتور یا کمزور، اچھی یا بری مسلم حکومت موجود تھی، جس نے تعلیمی نظام قائم کر رکھا تھا، اور عام مسلمان بڑی حد تک تعلیمی اداروں کے قیام سے مستغنی تھے ،اب ہندوستان جیسے ملک میں مسلمانوں کو خود ہی اس سے عہدہ برآ ہونا پڑے گا ،اور عام طور پر مسلمانوں کی معاشی پسماندگی ایک ایسا کھلا راز ہے جس سے دوست و دشمن سب واقف ہیں،، (دیکھئے: جدید فقہی مسائل ۳/ ۵۰۶)

پس فقہاء کے مقرر کردہ اصول اور موجودہ زمانہ کی مصالح کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ بات درست معلوم ہوتی ہے کہ مسجد کا نماز کے لئے مختص احاطہ کے علاوہ باہر واقع زمین یا عمارت جو مسجد کی ملکیت ہو اسے کرایہ پر درج ذیل شرائط کے ساتھ دینے کی گنجائش ہے:

۱۔مسجد کو اس کی فی الحال ضروت نہ ہو۔

۲۔طویل عرصہ کے لئے نہ ہو، کیونکہ فقہاء نے طویل عرصہ تک کرایہ پر مسجد کی زمین دینے سے منع فرمایا ہے کہ کہیں اس پر ناجائز قبضہ نہ ہو جائے ،لیکن چونکہ آج کل سرکاری کاغذات اور ریکارڈ موجود ہونے کیوجہ سے جہاں اس پر قبضہ کا امکان کم ہوتا ہے وہاں طویل عرصہ کے لئے بھی دینے کی گنجائش ہے۔(دیکھئے: فتاوی رحیمیہ ۹/ ۱۰۷)

۳۔اس کا کرایہ واجبی ہو، یعنی مارکیٹ کے مروجہ کرایہ سے کم نہ ہو۔

علامہ ابن نجیمؒ فرماتے ہیں:

"ولا يجوز للقيم أن يجعل شيئا من المسجد مستغلا." (البحر الرائق ۵/۲۵۱)

(متولی کے جائز نہیں کہ مسجد کی کوئی چیز کرایہ پر (پیداوار کے لئے) دے)

نیز اسی میں ہے:

"قيم يبيح فناء المسجد ليتجر فيه القوم أو يضع فيه سرر ليتجر فيها الناس فلا بأس إذا كان لصلاح المسجد." (۵/۴۱۸، ط: زكريا)

متولی اگر مسجد کے صحن میں لوگوں کو تجارت کرنے یا اس میں چارپائی رکھنے کی اجازت دے تا کہ لوگ تجارت کریں تو اس میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ مسجد کے فائدے کے لئے ہو۔(مستغل سے مراد یہ ہے کہ اس کی کوئی چیز اس کی تعمیر کے لئے کرایہ پر لے یا دے)

شامی میں ہے:

(ولا يجوز أخذ الأجرة منه ولا أن يجعل شيئا منه مستغلا) (رد المحتار ۴/۳۵۸)

علامہ برہان الدین مرغینانیؒ فرماتے ہیں:

إلا أن في الأوقاف لا يجوز الإجارة الطويلة، كي لا يدعي المستأجر ملكها، وهي ما زاد على ثلاث سنين، وهو المختار،، (الهداية كتاب الاجارات ۲/۲۹۷)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

ولو كانت الأرض متصلة ببيوت المصر يرغب الناس في استيجار بيوتها، وتكون غلة ذلك فوق غلة الزرع والنخيل، كان للقيم أن يبني فيها بيوتا فيؤاجرها،، (هنديه ۲/۴۱۴، كتاب الوقف الباب الخامس)

(اور اگر زمین شہر سے متصل ہو اور لوگ اس کی دکانوں کو کرایہ پر لینے میں دلچسپی رکھتے ہوں، اور اس کا نفع بھی کھیتی اور باغات سے زیادہ ہو تو متولی کے لئے جائز ہے کہ مکانات یا دکانیں بنا کر کرایے پر دے دے)۔

اور جہاں تک تحفظ کا مسئلہ ہے تو اکیڈمی کے دسویں سیمنار میں یہ قرارداد منظور ہوئی تھی کہ جن مساجد کی فاضل اراضی ہوں وہ اگر ان میں مکتب یا مدرسہ قائم کرنا چاہتے ہوں تو تحفظ اوقاف کی غرض سے درست ہے چنانچہ لکھا ہے:

مسجد پر موقوف زائد اراضی پر قبضۂ غاصبانہ کا شدید خطرہ ہو اور مکتب یا مدرسہ قائم ہونے کی صورت میں قبضہ کا خطرہ ٹل جائے گا تو اس کی گنجائش ہے،، نیز تجویز نمبر ۱۰ میں لکھا ہے: مساجد پر وقف اراضی جن کا مقصد مساجد کے لئے آمدنی فراہم کرنا ہے وہاں تعلیمی اداروں کی اجازت ہے بشرطیکہ مساجد کی ملکیت مجروح نہ ہو،،

ان تمام باتوں کے پیش نظر اور ہندوستان کے موجودہ حالات کے پس منظر میں اس کی گنجائش ہے۔ واللہ اعلم

خلاصۂ بحث:

۱۔ اگر متبادل کا انتظام نہ ہو تو مسجد کو مسجد باقی رکھتے ہوئے اس میں مکتب یا مدرسہ چلا سکتے ہیں بشرطیکہ مسجد کے تقدس و آداب کا خیال رکھا جائے۔

۲۔ امام اور مؤذن کے لئے رہائش گاہ بنائے کی گنجائش ہے کیونکہ یہ مصالح مسجد میں سے ہے۔

۳۔ مسجد کی نئی تعمیر میں دکان پرانی مسجد کی نماز کے لئے مخصوص کے گئی جگہ کی حدود میں یا اس کے نیچے بنانا شرعا جائز نہیں ہے، بلکہ اسے مسجد میں شامل کرنا ضروری ہے، البتہ مسجد کے لئے مختص کی گئی جگہ کے اردگرد کی موقوفہ جگہ میں بنانا جائز ہوگا۔

۴۔اگر مسجد نئی تعمیر ہورہی ہے تو مسجد کے نچلے حصہ میں مصلیوں کی گاڑیوں کی پارکنگ کے لئے تہہ خانہ بنانا شرعا جائز ہے،لیکن کسی جگہ پہلے سے مسجد تھی (جیسا کہ سوال میں مذکور ہے) اوراب اسی جگہ پرازسرنو مسجد تعمیر کی جارہی ہے تو مسجد کے نیچے تہہ خانہ بنانا شرعا جائز نہیں ہے،البتہ یہ شکل اختیار کی جاسکتی ہے کہ اگر کچھ زائد جگہ (جو مسجد کے لئے وقف ہے) شامل مسجد کی جارہی ہے تو پھراس کے نچلے حصہ میں مصلیوں کی کار پارکنگ کے لئے تہہ خانہ بنانے کی شرعا گنجائش ہے۔

۵۔تنگی کی صورت میں ضرورت کے پیش نظر درج ذیل شرائط کا لحاظ کرتے ہوئے حضرات صاحبین سے منقول روایات کے مطابق یہ گنجائش معلوم ہوتی ہے کہ اگر کثیر المنز لہ عمارت میں ایک منزل یا مخصوص حصہ مسجد کے لئے وقف کردیا جائے،اس کا بالائی یا نچلا حصہ یا ان میں سے کوئی ایک وقف نہ ہوتو بھی اسے مسجد شرعی قرار دیا جاسکتا ہے،غیر مسلم ممالک جہاں مستقل مساجد کم اور کافی فاصلہ پر ہوتی ہیں وہاں اس گنجائش سے بسہولت استفادہ کیا جاسکتا ہے،شرائط یہ ہیں:

الف: کثیر المنز لہ عمارت میں جو جگہ مخصوص کی جارہی ہے وہ مسجد کے لئے وقف کی جائے۔

ب: یہ گنجائش ایسے مقامات میں ہوگی جہاں اوپر اور نیچے کی منزل کو وقف کرنے میں دشواری ہو،جیسے کثیر المنز لہ عمارت وغیرہ۔

ج: سب سے پہلے یہ کوشش کی جائے کہ کسی بھی کثیر المنز لہ عمارت کے ساتھ جیسے پارکنگ بنائی جاتی ہے اسی طرح اس کی سطح زمین پر مسجد شرعی بنائی جائے اور قانونی مالک پر لازم ہو کہ وہ مسجد بنائے۔

د: جو حصہ مسجد کے لئے وقف کیا جارہا ہے اس کی مسجدیت کو قانونی تحفظ دیا جائے تاکہ مستقبل میں کوئی اس جگہ کو مسجد کے علاوہ کام اور مقصد میں استعمال نہ کرسکے۔

ھ: قانونی کاغذات میں اس کی وضاحت ہونی چاہئے کہ اس کی خرید وفرخت ممکن نہیں ہوگی،آئندہ اگر پوری بلڈنگ بیچی جائے تو مسجد بیع میں شامل نہیں ہوگی اور نہ اس کا کوئی معاوضہ لیا جائے گا،بلکہ وہ حسب سابق مسجد ہی رہے گی،مالک یہ صراحت کرکے بلڈنگ بیچے کہ مسجد کے لئے وقف جگہ بیع میں شامل نہیں ہے۔

و: اوراگر کبھی عمارت منہدم ہوجائے تو جو حق زمین میں دیگر فلیٹس اور دکانوں کے مالکان کو ملے گا وہ مسجد کو بھی ملے گا اور دوبارہ تعمیر کی صورت میں مسجد کی جگہ حسب سابق مسجد ہی رہے گی،یا حکومت اگر کسی جائز وجہ سے عمارت کو منہدم کردے تو جس طرح دیگر مالکان کو معاوضہ دے گی اسی طرح اس مسجد کو بھی معاوضہ ملے گا اور جو معاوضہ ملے گا اس سے اگر کہیں اور مسجد بنائی جاسکتی ہو تو بنائی جائے گی،ورنہ امام ابو یوسفؒ کے قول ثانی کے مطابق کسی قریب ترین مسجد میں رقم لگائی جائے گی۔

۶۔وہ جگہ مصلی (جائے نماز/عبادت خانہ) ہوگی مسجد شرعی نہیں ہوگی البتہ اس میں نماز باجماعت پڑھنے سے

جماعت کی فضیلت حاصل ہوگی لیکن مسجد کی فضیلت نہیں ملے گی۔

۷۔جمہور فقہاء کرام کا مسلک ہے کہ موقوفہ زمین کی بیع درست نہیں ہے،لیکن اگر وہ زمین موقوفہ بالکل خراب اور کمزور ہو جس میں غلہ وغیرہ بہت کم پیدا ہوتا ہو اور دوسری زمین اسی قیمت کی اچھی مل رہی ہو تو ایسی صورت میں متولی کے لئے اس زمین کو فروخت کر کے اسکے بدلہ دوسری زمین۔جو کہ زیادہ نافع ہے۔خریدنے کی گنجائش ہے۔

۸۔درج ذیل شرائط کے ساتھ کرایہ پر دینے کی گنجائش ہے:

الف:مسجد کو اس کی فی الحال ضروت نہ ہو۔

ب:طویل عرصہ کے لئے نہ ہو،(جس کی مدت زیادہ سے زیادہ تین سال ہے)لیکن چونکہ آج کل سرکاری کاغذات اور ریکارڈ موجود ہونے کی وجہ سے جہاں اس پر قبضہ کا امکان کم ہوتا ہے وہاں طویل عرصہ کے لئے بھی دینے کی گنجائش ہے۔

ج:اس کا کرایہ واجبی ہو،یعنی مارکیٹ کے مروجہ کرایہ سے کم نہ ہو۔

مساجد اوران کے اوقاف سے متعلق چند مسائل

مولانا محمد انیس ندوی

استاذ جامعہ ریاض العلوم کھجرانہ، اندور

الحمد لله رب العالمين، والصلوة والسلام على سيد المرسلين، ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين،

أما بعد!

عصری تناظر میں اوقاف کے سلسلے میں غور وفکر کی شدید ضرورت ہے کہ ان کی آمدنی کو کیسے با مقصد بنایا جائے، جب کہ بہت سے اوقاف تعطل کا شکار ہیں، اور بہت سے کارآمد ہیں مگر ان کا نفع محدود ہے جب کہ اس میں وسعت ممکن ہے، یا حالات کا تقاضا وسعت دینے کا ہے۔

اوقاف کا معاملہ یہ ہے کہ اوقاف ابدیت ودوام کے حامل ہوتے ہیں، بلکہ اس کے بغیر ان کو صحیح قرار نہیں دیا جاتا، فقہاء احناف وقف کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"حبس العين على حكم ملك الله تعالى وصرف منفعتها على من أحب، هٰذا عند الصاحبين."

عین (کسی شئ) کو اللہ کی ملک کے حکم پر روک دینا اور اسکی منفعت جہاں چاہے صرف کرنا، اور یہ تعریف صاحبین کے یہاں ہے، امام ابوحنیفہ کے نزدیک وقف کہتے ہیں:

"حبس العين على حكم ملك الواقف والتصدق بالمنفعة ولو في الجملة"

عین کو وقف کرنے والے کی ملک میں روک دینا اور منفعت کو اگرچہ فی یکبارگی ہی ہو صدقہ کردینا۔ (الدرالمختار: ۳/ ۳۵۷، ۳۵۸)۔

اسی لئے وقف اصلاً انہیں اشیاء کا ہوتا ہے جن کے لئے طبعی طور پر دوام واستقلال ہوتا ہے، بایں معنی کہ ایک لامحدود مدت تک ان کا بقا سوچا جاتا ہے، اور سوچا جاسکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ وقف اصلا زمین، کھیت، باغ ومکان وغیرہ کا ہوتا ہے، اور اسی ابدیت ودوام کی مقصدیت واہمیت کی وجہ سے جب کوئی وقف صحیح قرار پاتا ہے تو قیامت تک اسکی اس حیثیت کو ختم نہیں کیا جاسکتا، بلکہ ان کی حفاظت وبقا کی تدبیر کی جاتی ہے، جب تک وہ اپنے مناسب حال پر ہیں، اور واقف کے مقصد وشرط کے مطابق فائدہ دے رہے ہیں، تو ان سے تعارض اور ان میں تصرف ایک بیجا عمل ہے، لیکن جب ان کی صورت حال یہ ہوجائے کہ وہ مقصد کے مطابق کام بالکل بند کردیں یا برائے نام ان کا کام رہ

جائے ،مختلف اسباب ہو سکتے ہیں ،تو ایسی صورت میں کوئی مناسب اقدام اور شکل اختیار کی جاسکتی ہے تا کہ وقف اور اس کا مقصد زندہ وتابندہ رہے۔

جیسا کہ موجودہ دور میں جگہ کی کمی کی وجہ سے مسجد کے اوپر کی کسی منزل کو درسگاہ بنانا اور اس سے اوپر طلبہ کی رہائش گاہ بنانا درست ہے،موسوعہ میں اس بات کا ذکر ہے کہ:

وعن أبي يوسف أنه جوز في الوجهين حين قدم بغداد ورأى ضيق المنازل فكأنه اعتبر الضرورة، وعن محمد أنه حين دخل الري أجاز ذلك كله (موسوعه فقهيه: ۲۰۱/۳۷)

امام ابو یوسف سے منقول ہے کہ جب وہ بغداد آئے اور مکانات کی تنگی دیکھا تو دونوں صورتوں میں اس کو جائز قرار دیا، گویا انھوں نے ضرورت کا اعتبار کیا، امام محمد سے منقول ہے کہ جب وہ رے میں داخل ہوئے تو ان سب کو جائز قرار دیا۔

لہٰذا یہ وقت کی ضرورت ہے اور موجودہ دور میں اس کی اجازت ہوگی ، رہی بات بچوں کی تعلیم کی تو فقہاء کی عبارتوں میں اس کا بھی جواز موجود ہے:

"وقال ابن عابدين: وفي الخلاصة تعليم الصبيان في المسجد لا بأس به" (موسوعه فقهيه: ۲۰۶/۳۷)

ابن عابدین نے کہا: الخلاصہ میں ہے کہ مسجد میں بچوں کو تعلیم دینے میں کوئی مضائقہ نہ ہوگا۔

"وأجاز المالكية لرجل تجرد للعبادة السكني بالمسجد وذلك ما لم يحجر فيه ويضيق على المصلين وإلا منع، لأن السكنى في المسجد على غير وجه التجرد للعبادة ممتنعة، لأنها تغيير له عما حبس له" (موسوعه فقهيه: ۲۱۳/۳۷)

جو شخص عبادت کے لئے فارغ ہو اس کے لئے مسجد میں رہائش کی اجازت مالکیہ نے دی ہے بشرطیکہ اس میں حجرہ نہ بنائے اور نمازیوں پر تنگی نہ کرے، ورنہ منع کیا جائے گا، اس لئے کہ عبادت کے لئے فارغ ہونے کے علاوہ کی صورت میں مسجد میں رہائش اختیار کرنا ممنوع ہے، کیونکہ جس کام کے لئے مسجد بنائی گئی ہے اس میں یہ تبدیلی پیدا کرنا ہے۔

البتہ مسجد کی حرمت کا لحاظ نہ رکھنے کی وجہ سے کراہت ضرور ہوگی ،جیسا کہ امام أبوحنیفہ نے نقل کیا ہے کہ:

"لأن نفس التعليم ومراجعة الأطفال لا تخلو عما يكره في المسجد"

اس لئے کہ خود تعلیم اور بچوں کا بار بار آنا اس چیز سے خالی نہ ہوگا جو مسجد میں مکروہ ہوتی ہے (موسوعہ فقہیہ: ۲۰۶/۳۷) لہٰذا بچوں کو مسجد کے آداب کی بھی تعلیم دی جائے ،تا کہ وہ کراہت بھی ختم ہو جائے۔

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی جدید فقہی مسائل جلد (۲) صفحہ (۱۷۴) پر لکھتے ہیں کہ فقہاء کی عبارت

میں غواصی کی جائے اور عبارتوں کی تہہ میں اتر کر ان کے مقصد و منشاء کو سمجھا جائے تو محسوس ہوگا کہ ہر دور ائے کے حاملین نے مصالح وقف کو ملحوظ رکھا ہے، جن حضرات نے زیادہ آمدنی کے لئے استبدال کی اجازت دی ہے، ان کا نقطہ نظر تو واضح ہی ہے کہ اس صورت میں وقف کا مفاد ہے اور جن حضرات نے منع کیا ہے، انہوں نے بچشم سر اس حقیقت کا مشاہدہ کیا ہے کہ خدا ناترس قضاۃ اور حکام نے اس کو وقف کی جائدادوں میں خرد برد اور تغلب کے لئے ایک حیلہ بنالیا ہے، اس لئے ان حضرات نے ممانعت فرمائی کہ کم نفع آور سہی وقف باقی تو رہے گا، ورنہ اندیشہ یہ ہے کہ سرے سے وقف ہی کا وجود باقی نہ رہے، اسی لئے شامیؒ نے صدر الشریعہؒ کا قول نقل کیا ہے:

"نحن لا نفتي به و قد شاهدنا في الاستبدال مالا يعد و لا يحصى فإن ظلمة القضاة جعلوه حيلة لإبطال أوقاف المسلمين" (ردالمحتار على الدر المختار: ۶/۴۶۰)

(ہم اس کا فتوئی نہیں دے سکتے، اس لئے کہ ہم نے استبدال وقف کی وجہ سے بے شمار و بے حساب نقصانات دیکھے ہیں؛ کیوں کہ ظالم قضاۃ نے اس کو مسلمانوں کے اوقاف کو ضائع کرنے کا ایک ذریعہ بنالیا ہے)۔

لہذا یہ مصالح پر موقوف ہے، اگر کوئی دیانت دار ادارہ اس کا ذمہ دار ہو تو ضرور اس کی گنجائش ہے، لیکن اگر حکومت کے وقف بورڈ کو اس کی اجازت دے دی جائے تو غالباً وہی کچھ ہوگا جس کا صدر الشریعہ رحمہ اللہ تعالی نے رونا رویا ہے۔

نیز وقف کی مخدوش عمارت کی تعمیر نو کے لئے اس بات کی گنجائش ہے کہ عمارت کا کچھ حصہ تعمیر کنندہ لے لے، بقیہ مقصد وقف میں استعمال ہو، کیوں کہ اس سے وقف کا تحفظ اور مقصد وقف کی تکمیل ہی مقصود ہے، فقہاء کے یہاں اس طرح کی بہت سی صراحتیں موجود ہیں کہ وقف کو کارآمد بنانے کے لئے اس کے کچھ حصے کو کرایہ پر لگانا، اس کے ملبہ کو فروخت کرنا بلکہ خود اس زمین کو فروخت کرنا درست ہے، فتاوی بزازیہ میں اس بات کو بڑی صراحت وضاحت کے ساتھ لکھا گیا ہے:

"بيع عقار المسجد لمصلحة لا يجوز و ان بأمر القاضي و إن با ع بعضه لإصلاح باقيه لخراب كله جاز" (فتاوی بزازیه على هامش الهندية: ۶/۲۷۱)

کسی مصلحت کے پیش نظر مسجد کی جائداد کو فروخت کرنا قاضی کے حکم سے بھی جائز نہیں، ہاں اگر کچھ حصے کو فروخت کرے تاکہ باقی کی مرمت کی جاسکے کیوں کہ پوری جائداد ہی برباد ہوگئی ہو تو جائز ہے۔

لہذا قدیم مسجد شہید کرکے چند منزلہ عمارت ایسی بنادی جائے جس میں نیچے کی منزل میں دکانیں بنادی جائیں تاکہ مسجد کی آمدنی کا ذریعہ ہو اور اوپر کی منزل جماعت گاہ ہو لیکن وہ کمروں کی شکل میں نہ ہو بلکہ ہال کی شکل میں ہو تاکہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا ممکن ہو، مصالح مسجد کے پیش نظر ایسا کرنا جائز ہے، جماعت گاہ کی منزل سے اوپر امام اور مؤذن کے لئے ایسے حجرے بنانے کے بجائے مسجد کے قریب امام و مؤذن کی رہائش کا انتظام کردیا جائے

جہاں وہ تنہا یا فیملی کے ساتھ قیام کرسکیں تا کہ مسجد کی بے حرمتی نہ ہو۔

وفي كتاب الكراهية من الخلاصة عن الفقيه أبي جعفر عن هشام عن محمد أنه يجوز أن يجعل شيء من الطريق مسجدا، أو يجعل شيء من المسجد طريقا للعامة، يعني إذا احتاجوا إلى ذلك. (موسوعه فقهيه: ۳۷/۲۲۵)

الخلاصہ کے کتاب الکراہیۃ میں فقیہ ابوجعفر عن ہشام کے واسطہ سے امام محمد سے منقول ہے کہ راستہ کے کچھ حصہ کو مسجد یا مسجد کے کچھ حصہ کو عام لوگوں کے لئے راستہ بنانا جائز ہوگا یعنی جب لوگوں کو اس کی ضرورت ہو۔

"لا يجوز اقتطاع مساحة من المسجد ليقام عليها بيت للإمام أو المؤذن أو لهما، لأن أرض المسجد جعلت وقفاً للصلاة فيها، فلا يجوز صرفها لغير ذلك إلا لمبرر، وليست حاجة الإمام أو المؤذن إلى مسكن مما يبيح ذلك، وعلى جهة الاختصاص وأهل الثراء- وخاصة سكان حي المسجد، أن يتعاونوا على إيجاد بيت للإمام والمؤذن قريباً من المسجد إذا دعت الحاجة إلى ذلك، تيسيراً لقيامهما بمهمة الإمامة والأذان". (فتاوى اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء: ۱۶/۵۴)

مسجد کے کسی حصے کو الگ کرلینا امام ومؤذن کی رہائش گاہ تعمیر کرنے کے لئے جائز نہیں ہے، کیونکہ مسجد کی زمین وقف کی جاتی ہے نماز کے لئے، لہذا اس کا استعمال اس کے علاوہ کے لئے بغیر عذر کے جائز نہیں ہے، اور امام و مؤذن کو رہائش گاہ کی ضرورت ایسی نہیں ہے جو اس کو مباح کردے، مخصوص اور اہل ثروت حضرات اور خاص طور پر مسجد کے محلے کے باشندگان پر واجب ہے کہ وہ مسجد کے قریب امام ومؤذن کے لئے رہائش گاہ تعمیر کرنے میں مدد کریں اگر انھیں اس کی ضرورت ہو، تا کہ انھیں امامت واذان کی ذمہ داری ادا کرنے میں آسانی ہو۔

اسی طرح بعض مسجدیں شہر کے اندر ہوتی ہیں، آبادیاں بڑھ جاتی ہیں، مسجدوں کی توسیع کی ضرورت پڑ جاتی ہے، لیکن مسجد کے ارد گرد جگہیں نہیں ہوتیں یا کم ہوتی ہیں۔ بہت سے نمازی اپنی اپنی گاڑیوں سے آتے ہیں، بالخصوص کالونیوں میں رہنے والے نمازیوں کو اسکی ضرورت پڑتی ہے لیکن وہاں گاڑیاں ٹھہرانے کی جگہیں نہیں ہوتی ہیں، ایسی صورت میں مسجد شہید کرکے ایسی شکل اختیار کی جائے کہ نیچے بیسمنٹ میں پارکنگ ہو اور اوپر مسجد ہو، اُحقر کی رائے ہے کہ قدیم مسجد میں ایسی تبدیلی جس میں نمازیوں کی گاڑیوں کے ٹھہرانے کا نظم ہو، موجودہ حالات کے پیش نظر اسکی گنجائش ہوگی، کیونکہ یہ مصالح مسجد میں سے ہے:

"إذا كان الأمر كما ذكر من أنه ليس حول المسجد قطعة أرض تصلح لأن تقام عليها دورة مياه، وأن وضع المسجد في حاجة ماسة إلى وجود دورة مياه لكثرة روّاده، والحاجة إلى الوضوء للصلاة، ونظراً إلى أن اقتطاع جزء يسير من أحد ركني المسجد الشرقيين ميضأة يعتبر من مصلحة المسجد

وأهله، فلا يظهر للجنة بأس في جواز ذلك، على أن يكون باب الميضأة من الشارع" (فتاوى اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء: ۱۶/۵۱)

اگر معاملہ ایسا ہو جیسا کہ ذکر کیا گیا کہ مسجد کے اردگرد کوئی ایسی خالی جگہ نہ ہو جہاں پر بیت الخلاء یا غسل خانہ وغیرہ تعمیر کیا جا سکے، اور مصلیوں کی کثرت کی وجہ سے مسجد کو ان کی ضرورت ہو اور نماز کے لئے وضو کی ضرورت پڑتی ہی ہے، ان تمام چیزوں کو دیکھتے ہوئے مسجد کے دونوں مشرقی کونوں میں سے کسی ایک کے معمولی حصے کو وضوخانہ بنالینا مسجد اور اہل مسجد کے مصالح میں شمار کیا جائے گا، تو لجنہ اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتی اس شرط کے ساتھ کہ وضوخانہ کا دروازہ سڑک کی طرف کو ہو۔

اسی طرح بعض شہروں میں جگہ جگہ قدیم مساجد کے اردگرد میں جگہیں بھی خالی ہیں لیکن کم ہیں، دوسری طرف مسلم بچوں کی دینی تعلیم بالخصوص عصری اسکولوں میں پڑھنے والے بچوں کے لئے جزء وقتی دینی تعلیم کا نظم ضروری ہوتا ہے، تو ایسی صورت میں پوری مسجد شہید کر دی جائے اور اردگرد کی جگہیں بھی لے لی جائیں اور چند منزلیں بنادی جائیں جن میں بیسمنٹ میں پارکنگ ہو، اس کے اوپر جماعت گاہ ہو اور اس کے اوپر جزء وقتی درسگاہ ہو۔ یعنی مسلم بچوں کی تعلیم وتربیت کا نظم ہو اور بچوں سے تعلیمی فیس بھی لی جائے تاکہ اساتذہ کی تنخواہ کے علاوہ مسجد کے مصالح پر صرف ہو یعنی درسگاہ کی منزل کرایہ پر ہو اور یہ آمدنی مصالح مسجد پر صرف ہو، موجودہ حالات کے پیش نظر ایسا کیا جا سکتا ہے، تاکہ وقف میں ابدیت اور دوام بھی ہو اور مسجد خود کفیل بھی ہو جائے، اور "اللجنۃ الدائمۃ" نے اس کی اجازت دی ہے جس کو أحمد بن عبد الرزاق دویش نے ترتیب دیا ہے:

"وأنه لا مجال لتوسعته، وأن الضرورة تقضي بإيجاد مسجد واسع يسع المصلين ومدرسة لتعليم أولاد المسلمين، ومرافق تخدم ذلك، فإنه لا يظهر لنا مانع من بيع أرض المسجد الحالي وأنقاضه، والاستعانة بثمن ذلك في شراء الأرض الواسعة في المكان المناسب، وبناء المسجد والمدرسة ومرافقهما عليها؛ لما في ذلك من المصلحة العامة، لكن بشرط أن يتولى ذلك من تتوافر فيه الثقة والأمانة والدراية" (فتاوى اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء: ۱۶/۳۸).

اگر موجودہ مسجد تنگ ہو اور اس کی توسیع کی گنجائش نہ ہو، اور ضرورت ایک ایسی وسیع مسجد کی تعمیر کا تقاضا کرتی ہو جو نمازیوں کے لئے کافی ہو اور اس میں مسلم بچوں کی تعلیم کے لئے ایک مدرسہ اور دوسری ضروریات کی چیزیں ہوں تو ہمارے نزدیک موجودہ مسجد کی پوری زمین یا اس کے کچھ حصے کو بیچنے اور اس کی قیمت سے مناسب جگہ میں وسیع زمین خریدنے میں مدد لینے اور پھر اس پر مسجد، مدرسہ اور ان دونوں کی ضروریات کی چیزیں تعمیر کرنے میں کوئی چیز مانع نہیں ہے، کیونکہ ایسا کرنے میں مصلحت عامہ ہے، لیکن اس شرط کے

ساتھ کہ اس کا متولی ایسا شخص ہو جو قابل اعتماد، امانتدار اور صاحب عقل وفہم ہو۔

شرعی مسجد ہونے کے لئے چند باتیں ضروری ہیں: اول یہ کہ واقف نے زمین کو مسجد کے لئے وقف کیا ہو۔ دوسری یہ کہ زمین کو اپنی ملک سے یا دوسرے کی ملک سے اس طرح علیحدہ کر دیا ہو کہ اس کا یا کسی اور کا حق اس سے متعلق نہ رہے، تیسرے یہ کہ اس میں ایک مرتبہ جماعت کے ساتھ نماز بھی ہو چکی ہو، اگر یہ باتیں نہیں پائی جاتیں بلکہ وہ زمین ہی غیر موقوفہ ہے کسی کی ذاتی ملک میں ہے اور اس نے فقط نماز کی اجازت دی ہے یا حکومت کی ملکیت ہے اور کرایہ پر لے رکھی ہے تو وہ بھی مسجد شرعی نہیں ہے، اس پر مسجد شرعی کے تمام احکام جاری نہیں ہوں گے، البتہ اس میں نماز باجماعت ادا کرنے کا ثواب ملے گا، اور جمعہ وغیرہ بھی قائم کرنا درست ہے، اسی طرح علامہ شامی کے قول کے مطابق اس کو کراہت کی چیزوں سے بچانا چاہئے جیسے مسجد شرعی کو بچانا ضروری ہے، مثلاً بیع وشراء، جنسی تعلقات، پیشاب پاخانہ اور دنیوی باتوں سے گریز کرنا چاہئے، احتیاط اسی میں ہے لیکن جو مسجد شرعی کے احکام ہیں مثلاً مسجد شرعی قیامت تک مسجد ہوتی ہے، اسے بیچا نہیں جا سکتا، اس میں یہ احکام جاری نہیں ہوں گے، اس کا جو مالک ہے وہ اسے بیچ سکتا ہے، اور اوپر نیچے کا حصہ بھی مسجد میں داخل نہیں ہوگا، چنانچہ دکانیں وغیرہ بھی بنا سکتا ہے، اور رہائش کے لئے گھر بھی بنایا جا سکتا ہے، عرف عام میں اس کو مصلی کہتے ہیں، البتہ اگر مسجد والی شرائط اور باتیں موجود ہیں تو پھر یہ جماعت خانہ نہیں بلکہ مسجد ہے اگرچہ لوگ مصلی ہی سے موسوم کریں، کیونکہ دونوں کے احکام میں بہت واضح فرق ہے جیسا کہ مذکور ہوا۔

لہٰذا بعض بڑے شہروں میں مسلمانوں کی خاصی تعداد بڑی بڑی بلڈگوں اور اپارٹمنٹ میں رہتی ہے اور وہاں کوئی مسجد نہیں ہوتی ہے، اگر وہ مسلمان باہم مشورہ سے اپارٹمنٹ کے کسی حصہ کو خرید لیں اور نماز کے لئے مختص کر لیں اور جماعت سے وہاں نماز ادا کریں تو اپارٹمنٹ کا یہ حصہ مسجد شرعی نہیں کہلائے گی، اور اس پر مسجد شرعی کے احکام جاری نہیں ہوں گے، اسے صرف جماعت گاہ کہیں گے۔

اسی طرح بعض اہل ثروت کئی منزلہ عمارت تعمیر کرتے ہیں اور شروع ہی سے ان کی نیت ہوتی ہے کہ کسی ایک منزل کو مسجد بنانا ہے اور وہ طے کر لیں کہ تیسری منزل مسجد رہے گی اور نیچے کی دو منزلیں کمرشیل کمپلکس رہے گا اور چوتھی پانچویں منزلوں میں کمپنی یا طباعتی ادارہ کے آفس ہوں گے یا نیٹ ورکنگ سسٹم کا کام ہوگا، ایسی عمارت میں جو منزل مسجد متعین ہوگی، وہ مسجد شرعی نہیں کہلائے گی اور اس پر مسجد شرعی کے احکام جاری نہیں ہوں گے البتہ اس میں نماز باجماعت ادا کرنے کا ثواب ملے گا، اس کو کراہت کی چیزوں سے بچانا چاہئے جیسے مسجد شرعی کو بچانا ضروری ہے، مثلاً بیع وشراء، جنسی تعلقات، پیشاب پاخانہ اور دنیوی باتوں سے گریز کرنا چاہئے، احتیاط اسی میں ہے فتاوی شامی میں ہے:

”قلت: وفي الذخيرة و بالصلاة بجماعة يقع التسليم بلاخلاف حتى أنه إذا بنى مسجداً و أذن للناس بالصلاة فيه جماعة فإنه يصير مسجداً ... قدمناه من أن المسجد لو كان مشاعاً لا يصح إجماعاً ...

وفي القهستاني ولا بد من إفرازه أی تمییزه عن ملکه من جمیع الوجوه فلو کان العلو مسجداً والسفل حوانیت أو بالعکس لا یزول ملکه لتعلق حق العبد به کما في الکافي... وإذا کان السرداب أو العلو لمصالح المسجد أو کانا وقفاً علیه صار مسجداً شرنبلالیة ... قال في البحر وحاصله أن شرط کونه مسجداً أن یکون سفله وعلوه مسجداً لینقطع حق العبد عنه لقوله تعالی:"وأن المساجدلله".(ردالمحتارعلی الدرالمختار: ۶/۴۲۶).

میں کہتا ہوں: اور''الذخیرہ''میں ہے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے سے بلا اختلاف تسلیم (حوالے کرنا) واقع ہوجاتا ہے، یہاں تک کہ جب کسی نے مسجد بنائی اور اس میں لوگوں کو جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی اجازت دے دی تو وہ مسجد ہو جائے گی، ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ مسجد اگر مشترک ہو تو وہ بالا جماع صحیح نہیں ہے۔ اور ''القھستانی''میں ہے: تمام وجوہ سے اسے اپنی ملک سے جدا کرنا ضروری ہے، پس اگر بالا خانہ مسجد ہو اور اس کے نیچے دکانیں ہوں یا صورت اس کے برعکس ہو تو اس کے ساتھ بندے کے حق کا تعلق ہونے کی وجہ سے اس کی ملکیت زائل نہ ہوگی جیسا کہ''الکافی''میں ہے۔ اور جب تہہ خانہ یا بالا خانہ مسجد کے مصالح کے لئے ہوں یا دونوں اس کے لئے وقف ہوں تو وہ مسجد ہوگی،''شرنبلالیہ''، اور صاحب البحر نے کہا ہے: اور اس کا حاصل یہ ہے کہ اس کے مسجد ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ اس کے نیچے والا حصہ اور اس کے اوپر والا حصہ (تہہ خانہ اور بالا خانہ) مسجد ہوتا، کہ اس سے بندے کا حق منقطع ہوجائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰہ (اور بیشک سب مسجدیں اللہ کے لئے ہیں)۔

کفایت المفتی میں ہے: مسجد کے احکام مختلف ہیں، اسی طرح حالات بھی مختلف ہیں، مثلاً ایک حکم تو یہ ہے کہ جو مسجد باقاعدہ شرعیہ ایک مرتبہ مسجد ہوجائے وہ قیامت تک کے لئے مسجد ہے، اس حکم کے ثبوت کے لئے ضروری ہے کہ جس زمین پر ابتداء یہ مسجد تعمیر ہوئی ہے یا وہ مالک زمین جس نے مسجد کے لئے وقف کی ہو اور اپنے مالکانہ حقوق اس سے بالکل ہٹا لئے ہوں، پس کوئی ایسی مسجد جو غیر موقوفہ زمین پر تعمیر ہوئی ہو اس کے لئے حکم مذکور ثابت نہیں ہوسکتا، مگر ہاں مجبوری کی وجہ سے ایسی زمین پر مسجد بنانا اور اس میں نماز پڑھنا اور جمعہ و جماعت قائم کرنا سب جائز اور موجب اجر وثواب ہے۔ مگر احکام اس وقت جاری ہوں گے جبکہ وہ زمین مسجد کے لئے وقف ہو مشروط اجازت کی صورت میں مسجد کے احکام جاری نہ ہوں گے۔ (کفایت المفتی ۷/ ۴۷، کتاب الوقف)۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب فرماتے ہیں: اگر کوئی مسجد اس طرح بنائی ہو کہ نیچے دکانیں یا تہہ خانہ وغیرہ بنا کر ان کی چھت پر مسجد کا صحن یا مسجد کی کوئی عمارت ہے تو یہ اس شرط پر جائز ہے کہ نیچے دکانیں مسجد کی طرح وقف ہوں اور ان کی آمدنی مسجد کے مصالح میں صرف ہو اور اسی طرح یہ بھی جائز ہے کہ مسجد کی چھت پر کوئی مکان بغرض مصالح مسجد بنایا جائے، ان دونوں صورتوں میں اس مسجد کی مسجدیت میں کوئی خلل نہ آئے گا۔ (جواہر الفقہ ۳/ ۱۲۳)۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:

"ومن جعل مسجداً تحته سرداب او فوقه بيت وجعل باب المسجد الى الطريق وعزله فله ان يبيعه وان مات يورث عنه ولو كان السرداب لمصالح المسجد جاز كما في مسجد بيت المقدس كذا في الهدايه." (الفتاوى الهندية: ۲/۴۴۳)

لیکن امام محمد بن حسن سے ظاہر الروایہ کے خلاف یہ روایت ملتی ہے کہ اگر اوپر کی منزل مسجد بنائی جائے اور نیچے کی منزل اپنے ذاتی استعمال میں رکھی جائے تو درست ہوگا۔

اور عام حالات میں ظاہر الروایت پر عمل اقرب الی الفقہ، اوفق بالزمان اور قابل فتوی ہے جس پر عمل آسان ہے۔

یہ تمام اقوال وروایات عام حالات میں ہیں، مخصوص حالات میں ایک دوسرا قول بھی منقول ہے، یعنی جب حضرت امام ابو یوسف بغداد میں آکر آباد ہوئے، گھنی آبادی کے اس شہر میں اراضی کی قلت دیکھی، اسی طرح امام محمد بن حسن ری میں جا کر قیام پذیر ہوئے اور ان نو آباد شہروں میں کثرت آبادی کی وجہ سے پیدا ہونے والی تنگی کو دیکھا تو ان دونوں حضرات نے رائے دی کہ چاہے اوپر مسجد ہو، یا نیچے اور دوسری منزلوں کو ذاتی استعمال میں لایا جائے تو بھی مسجد، مسجد شرعی ہو جائے گی، اس قول کا تعلق عام اور نارمل حالات سے نہیں ہے، بلکہ ضرورت اور حاجت کی صورت میں اس رائے کو ان دونوں بزرگوں نے اختیار کیا ہے:

"وعن أبي يوسف أنه جوز الوجهين حين قدم بغداد، ورأى ضيق المنازل فكأنه اعتبر الضرورة، وعن محمد أنه حين دخل "ری" "اجاز ذلك كله" (موسوعه فقهيه: ۲۰۱/۳۷).

اور امام ابو یوسف سے روایت ہے کہ جب وہ بغداد میں تشریف لائے اور مکانات کی تنگی کو دیکھا تو دونوں صورتوں کو جائز قرار دیا، گویا کہ انہوں نے ضرورت کا اعتبار کیا ہے۔ اور امام محمد سے منقول ہے کہ جب وہ ری میں قیام پذیر ہوئے تو ساری صورتوں کو جائز قرار دیا۔

صاحب عنایہ نے اس قول کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے:

جوز في الوجهين يعنى فيما إذا كان تحته سرداب، أو فوقه بيت، وعن محمد أنه أجاز ذلك كله اى ماتحته سرداب وفوقه بيت مستغل أو دكاكين (عناية على هامش الهداية مع الفتح: ۲۳۵/۶).

پس انہوں نے دونوں صورتوں کو جائز قرار دیا، یعنی اس صورت میں جب کہ مسجد کے نیچے تہ خانہ، یا اس کے اوپر گھر بنایا جائے اور امام محمد سے منقول ہے کہ انہوں نے سب صورتوں کو جائز قرار دیا ہے، یعنی جب کہ اس کے نیچے تہ خانہ، یا اس کے اوپر ذریعہ آمدنی کے لئے مکان، یا دکانیں تعمیر ہوں۔

اور علامہ ابن الہمامؒ صاحب فتح القدیر نے تحریر فرمایا ہے:

"وهذا تعليل صحيح، لأنه تعليل بالضرورة" (فتح القدير: ۲۱۸/۶)۔

ظاہر ہے کہ یہ صورت باب ضرورت وحاجت کی ہے جن پر مخصوص حالات میں غور کیا جا سکتا ہے۔

اگر کسی جگہ اوقاف اپنی موجودہ شکل میں کم منفعت بخش ہیں، مثلاً کسی مسجد پر کوئی مکان وقف ہے، جو محلہ کے اندر واقع ہے، جس کا معمولی کرایہ ملتا ہے، جس سے مسجد کے اخراجات پورے نہیں ہوتے، اس کے باوجود اس مکان موقوفہ کو فروخت کر کے کسی دوسرے تجارتی مقام پر کوئی دوکان وغیرہ خریدنا شرعاً جائز نہیں ہے، اگر چہ اس شکل میں وقف کی آمدنی کے زیادہ ہو جانے کی امید ہی کیوں نہ ہو، لیکن فتاوی خانیہ اور بزازیہ میں ایک جزئیہ امام محمدؒ سے منقول ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کم منفعت والے وقف کو زیادہ منفعت والی زمین کے عوض فروخت کرنا جائز ہے:

"روی عن محمد ما هو أغلى من هذا وهو ان أرض الوقف لو قل ريعها فللقيم أن يبيعها ويشتري بثمنها أرضا أخرى ريعها أكثر نفعا للفقراء، فجوز استبدال الأرض بالأرض." (بزازية على هامش الهندية: ۲۵۴/۶)

ارضِ موقوفہ کی آمدنی اگر کم ہو تو متولی کو اختیار ہے کہ وہ اس کو بیچ دے اور اس کی قیمت کے ذریعہ دوسری ایسی زمین لے لے جس میں فقراء کے لئے زیادہ نفع ہو، تو زمین کو زمین سے بدلنا جائز ہے۔

نیز کم آمدنی کے حامل وقف کو فروخت کر کے زیادہ آمدنی دینے والے متبادل وقف کا حصول کے سلسلے میں مشائخ احناف کا اختلاف ہے، اور علامہ شامیؒ نے اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، ابن ہمامؒ کا خیال ہے کہ جو وقف قابل انتفاع ہو زیادہ نفع کے لئے اس کا استبدال درست نہیں، شارح اشباہ علامہ بیریؒ نے اسی کو حق وصواب قرار دیا ہے، اور اس پر صدر الشریعہ کا فتوی ہے، امام ابو یوسف کے نزدیک یہ صورت درست ہے، اور بعض اہل علم نے اس پر فتویٰ دیا ہے۔ (دیکھئے: درالمختار: ۴۶۰/۶)۔

حقیقت یہ ہے کہ اس مسئلہ کی بابت علماء کی آراء میں خاصا اضطراب پایا جاتا ہے، بلکہ بعض فقہاء کے تو دونوں طرح کے اقوال ہیں، اس لئے اگر یہ کہا جائے کہ جواز وعدم جواز کا تعلق اپنے اپنے زمانہ اور احوال کے اعتبار سے تھا، تو بے جا نہ ہوگا، جیسا کہ علامہ ابن نجیمؒ تحریر فرماتے ہیں:

"أن أبا يوسف يجوز الاستبدال في الوقف من غير شرط إذا ضعفت الأرض من الريع ونحن لا نفتي به وقد شاهدنا في الاستبدال من الفساد ما لا يعد ولا يحصى الخ" (البحر الرائق: ۳۴۵/۵)

لیکن صاحب درمختار نے لکھا ہے کہ ایسے مسائل جن میں علماء کا اختلاف ہے ان میں ایسے قول پر فتوی دیا جانا چاہئے جو وقف کے لئے مفید تر ہو:

"يفتى بكل ما هو أنفع للوقف فيما اختلف العلماء فيه" (رد المحتار على الدر المختار: ۴۸۲/۶)،

اور اس کی روشنی میں علامہ شامی نے ایک سے زائد مسائل کا تذکرہ کرتے ہوئے مرجوح قول پر فتوی دیا جانا

نقل کیا ہے اور آخر میں اسی صورت مسئولہ کا ذکر کیا ہے اور اس کا جواب بھی جائز ہی نکلتا ہے:

"منها عدم استبدال ما قل ریعه" (ردالمحتار علی الدر المختار: ۶/ ۴۸۲)

لہٰذا علامہ شامیؒ نے بھی جواز اور گنجائش کا قول نقل کرتے ہوئے اسی کو مفتیٰ بہ قول بتایا ہے کہ زائد انتفاع کی بنیاد پر (جب کہ اخراجات پورے نہ ہو رہے ہوں) اس سے بہتر شکل اختیار کرنے کی اجازت دی ہے۔

"الرابعة: أن یرغب انسان فیه ببدل أکثر غلة وأحسن وصقعا فیجوز علی قول أبي یوسف و علیه الفتوی." (ردالمحتار علی الدر المختار: ۶/ ۴۶۰)

اس سے معلوم ہوا کہ مصلحت اور منافع کی وجہ سے قاضی اور متولی فروخت کر کے انفع صورت اختیار کر سکتا ہے۔

اس لئے اگر واقعتاً مکان موقوفہ کی آمدنی کم تر ہو اور ضروریات کے لئے ناکافی ہو، تو احقر کی رائے یہ ہے کہ متولی یا قاضی اسے فروخت کر کے زائد آمدنی والا دوسرا مکان، دوکان وغیرہ خرید کر متبادل وقف قائم کر سکتے ہیں، یہ مصالح پر موقوف ہے، بشرطیکہ کوئی دیانتدار ادارہ اس کا ذمہ دار ہو، کیونکہ استبدال کے ناجائز ہونے کی علت پر ہم غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہاں استبدال کو اوقاف کی بربادی وضیاع کا باعث بنالیا جاتا تھا، جب کہ یہاں مقصد اس کے برعکس ہے اور منشاء وقف کی افادیت کو بڑھانا ہے نہ کہ ضائع کرنا، لہٰذا اس صورت میں بھی استبدال کو جائز ہونا چاہئے۔

اسی طرح ویران مساجد کے اوقاف منقطعہ میں اگر مصلحت وضرورت شرعی کسی دینی مدرسہ کے قیام کی متقاضی ہو تو قاضی شریعت کی اجازت سے اگر نظام قضاء ہو یا وقف بورڈ اصحاب علم کے مشورہ سے اس کی اجازت دے کر قائم کرائے، کیونکہ جسطرح مسجد مسلمانوں کی عمومی دینی ضرورت کے لئے ہوتی ہے اسی طرح مدرسہ بھی عمومی دینی ضرورت کے لئے ہوتا ہے، مولانا سجاد نے اپنے فتوی میں مسجد کی افتادہ اراضی میں مدرسہ قائم کرنے کی اجازت دی ہے، بلکہ اسے حالات کے پیش نظر ضروری قرار دیا ہے، بلکہ حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی نے ویران مسجد میں درس وتدریس کا نظام قائم کرنے اور چلانے کی اجازت دی ہے۔ (فتاوی محمودیہ)۔

لہٰذا مسجد کی ملکیت یا وقف کی زمین میں اس شرط پر مدرسہ بنانا جائز ہے کہ مدرسہ اس زمین کی مناسب قیمت ادا کر دے، بغیر معاوضہ جائز نہ ہوگا۔

"لیس للقیم أن یسکن فیها أحدا بغیر اجر." (تاتارخانیة: ۵/ ۴۹۷)

متولی کے لئے موقوفہ زمین میں کسی کو بلا کرایہ پر رکھنا جائز نہیں۔

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی لکھتے ہیں: پھر اس بات کو بھی ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ تعلیم کسی بھی سماج کی نہایت اہم ضرورت ہے اور قوموں اور ملتوں کے تحفظ کا سب سے بڑا ہتھیار ہے، اس لئے فقہاء نے جس زمانہ میں اپنی کتابیں لکھیں اور نئے پیش آمدہ واقعات پر شرعی احکام کا انطباق کیا، اس وقت طاقتور یا کمزور اور اچھی یا بری مسلم

حکومت موجود تھی، جس نے تعلیمی نظام قائم کر رکھا تھا، اور عام مسلمان بڑی حد تک تعلیمی اداروں کے قیام سے مستغنی تھے، اب ہندوستان جیسے ممالک میں مسلمانوں کو خود ہی اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونا پڑے گا اور عام طور پر مسلمانوں کی معاشی پسماندگی ایک ایسا کھلا راز ہے جس سے دوست و دشمن سب واقف ہیں۔

پس فقہاء کے مقرر کئے ہوئے اصول اور موجودہ زمانے کی مصالح کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ بات درست معلوم ہوتی ہے کہ مسجد پر وقف اراضی اگر کافی وسیع ہو اور بظاہر طویل عرصہ تک مسجد کی توسیع کی ضرورت پڑنے کا امکان نہ ہو، تو فاضل اراضی میں دینی درس گاہ یا مسلمانوں کے لئے مخصوص عصری تعلیمی ادارہ قائم کیا جا سکتا ہے، البتہ ادارہ سے مسجد کو کچھ کرایہ بھی دلانا چاہئے تاکہ اس زمین کا نفع مسجد کی طرف بھی لوٹے اور واقف کا منشاء بھی پورا ہو (جدید فقہی مسائل: ۲/ ۱۷۳)۔

تلخیص

۱۔ مسجد شہید کر کے از سر نو اسکی ایسی تعمیر و توسیع کرنا کہ زیادہ سے زیادہ نمازیوں کی گنجائش ہو جائے اور ساتھ ہی بعض منزلیں بڑھا دی جائیں تاکہ دینی تعلیم کا نظم ہو اور اوپر کی کسی منزل میں طلبہ کی رہائش کا بھی نظم ہو، ایسا کرنا درست ہے، البتہ مسجد کی حرمت متاثر ہوگی اور یہ آداب مسجد کے خلاف مکروہ عمل تو ہوگا، اگر ہوگا، ہاں اگر طلبہ کو آداب مسجد کی تعلیم دی جائے اور وہ اس پر عمل کر لیں تو کراہت ختم ہو جائے گی۔

۲۔ قدیم مسجد شہید کر کے چند منزلہ عمارت ایسی بنا دی جائے جس میں نیچے کی منزل میں دکانیں ہوں اور وہ مسجد کی آمدنی کا ذریعہ ہوں اور اوپر کی منزل جماعت گاہ ہو، مصالح مسجد کے پیش نظر ایسا کرنا جائز ہے، لیکن جماعت گاہ کی منزل سے اوپر امام اور مؤذن کے لئے حجرے بنانے کے بجائے مسجد کے قریب باہر ان کا انتظام کیا جائے جہاں وہ تنہا یا فیملی کے ساتھ قیام کر سکیں۔

۳۔ قدیم مسجد میں ایسی تبدیلی جس میں نمازیوں کی گاڑیوں کے ٹھہرانے کا نظم ہو، موجودہ حالات کے پیش نظر اسکی گنجائش ہوگی۔

۴۔ بعض شہروں میں جگہ جگہ قدیم مساجد میں اردگرد میں جگہیں بھی خالی ہیں ایسی صورت میں پوری مسجد شہید کر دی جائے اور اردگرد کی جگہیں بھی لے لی جائیں اور چند منزلیں بنا دی جائیں جن میں بیسمنٹ میں پارکنگ ہو، اس کے اوپر جماعت گاہ ہو اور اس کے اوپر جزء وقتی درسگاہ ہو۔ یعنی مسلم بچوں کی تعلیم و تربیت کا نظم ہو اور بچوں سے تعلیمی فیس بھی لی جائے تاکہ اساتذہ کی تنخواہ کے علاوہ مسجد کے مصالح پر صرف ہو یعنی درسگاہ کی منزل کرایہ پر ہو اور یہ آمدنی مصالح مسجد پر صرف ہو، موجودہ حالات کے پیش نظر ایسا کرنا جائز ہے۔

۵۔بعض بڑے شہروں میں مسلمانوں کی خاصی تعداد بڑی بڑی بلڈنگوں اور اپارٹمنٹ میں رہتی ہے وہاں کوئی مسجد نہیں ہوتی ہے، اگر یہ مسلمان باہم مشورہ سے اپارٹمنٹ کے کسی حصہ کو خرید لیں اور نماز کے لئے مختص کر لیں اور جماعت سے وہاں نماز ادا کریں تو اپارٹمنٹ کا یہ حصہ مسجد شرعی نہیں کہلائے گی، اس پر مسجد شرعی کے احکام جاری نہیں ہوں گے، اسے صرف جماعت گاہ کہیں گے، البتہ مسجد کے آداب کا لحاظ کیا جائے گا۔

۶۔بعض اہل ثروت کئی منزلہ عمارت تعمیر کرتے ہیں اور شروع ہی سے ان کی نیت ہوتی ہے کہ کسی ایک منزل کو مسجد بنانا ہے اور طے کر لیں کہ تیسری منزل مسجد رہے گی اور باقی کی دو منزلیں کمرشیل کمپلکس رہے گا اور چوتھی پانچویں منزلوں میں کمپنی یا طباعتی ادارہ کے آفس ہوں گے یا نیٹ ورکنگ سسٹم کا کام ہوگا، ایسی عمارت میں جو منزل مسجد متعین ہوگی، وہ مسجد شرعی نہیں کہلائے گی، اور اس پر مسجد شرعی کے احکام جاری نہیں ہوں گے، البتہ مخصوص حالات میں امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کی روایت پر عمل کرنے کی گنجائش ہے۔

۷۔کچھ مسائل مسجد کی اراضی اور پراپرٹی سے بھی متعلق ہیں جو عام طور پر پیش آتے ہیں، مثلاً بعض مساجد کی آمدنی کے لئے کچھ اراضی ہوتی ہیں، جو زراعتی ہوتی ہیں، عموماً زراعت میں اخراجات بہت ہو جاتے ہیں اور آمدنی کم ہوتی ہے جس سے مسجد کے اخراجات پورے نہیں ہوتے، متولیاں چاہتے ہیں کہ اراضی فروخت کر دی جائیں اور ان کے بدلے بازار میں دکانیں خریدی جائیں تاکہ بذریعہ کرایہ مسجد کو اتنی آمدنی آتی رہے جس سے اخراجات پورے ہوں، لہٰذا زائد آمدنی کے پیش نظر مسجد کی اراضی فروخت کر کے دوسری زائد آمدنی والی اراضی یا دکانیں خریدنا درست ہے۔

۸۔بعض مساجد ایسی ہوتی ہیں کہ ان سے متعلق اراضی ہوتی ہیں جو مساجد کی ملکیت ہوتی ہے، کمیٹی اس کے تحفظ اور مسجد کی آمدنی کے پیش نظر وہاں مکاتب یا مدارس قائم کر دینا چاہتی ہے، ایسی صورت میں مساجد کی اراضی میں مکاتب یا مدارس قائم کرنا درست ہے، تعمیرات کے بعد کرایہ مقرر کر دیا جائے اور آمدنی مسجد کو دی جائے اور وہاں تعلیمی نظام جاری کر دیا جائے تو شرعاً اسکی اجازت ہوگی، اور اس سے مقاصد وقف میں خلل نہیں ہوگا، بلکہ موجودہ حالات کے پیش نظر تحفظ کی غرض سے ایسا تصرف درست ہوگا۔

مساجد اور ان کے اوقاف سے متعلق چند مسائل

مولانا اکرام احمد ندوی
استاذ المعہد العالی للدراسات الاسلامیۃ، لکھنؤ

جواب نمبر ۱۔ مسجد کی توسیع اس غرض سے کہ آبادی بڑھ گئی ہے اور مسجد کی جگہ لوگوں کے لیے تنگ پڑ رہی ہے شرعاً اس کی اجازت ہے، چنانچہ حضرت عمر بن خطابؓ کے دور خلافت میں مسجد نبوی کے توسیع کی ضرورت پڑی تو حضرت عمرؓ نے اس کی توسیع کی، نیز حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بھی اس کی توسیع ہوئی اسی طرح بعد میں بھی حسب ضرورت مسجد نبوی اور مسجد حرام کی توسیع ہوتی رہی ہے۔

سنن ابوداؤد میں اس کی صراحت ہے:

أَنَّ الْمَسْجِدَ كَانَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، مَبْنِيًّا بِاللَّبِنِ وَالْجَرِيدِ - قَالَ مُجَاهِدٌ: وَعُمُدُهُ مِنْ خَشَبِ النَّخْلِ - فَلَمْ يَزِدْ فِيهِ أَبُو بَكْرٍ شَيْئًا، وَزَادَ فِيهِ عُمَرُ وَبَنَاهُ عَلَى بِنَائِهِ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاللَّبِنِ وَالْجَرِيدِ وَأَعَادَ عُمُدَهُ - قَالَ مُجَاهِدٌ: عُمُدَهُ خَشَبًا - وَغَيَّرَهُ عُثْمَانُ فَزَادَ فِيهِ زِيَادَةً كَثِيرَةً. (سنن أبی داؤد مع بذل المجهود: ۳/۱۶۲)

اس حدیث کی تشریح میں صاحب بذل نے ابن حجر کا قول بھی نقل کیا ہے:

ولم يغير شيأً من هيئة إلا توسيعه. (بذل المجهود: ۳/۱۶۳)

نیز فقہاء کرام کی تصریحات بھی اس سلسلے میں موجود ہیں، چنانچہ ابن نجیم لکھتے ہیں:

وَكَذَا إِذَا ضَاقَ الْمَسْجِدُ عَلَى النَّاسِ وَبِجَنْبِهِ أَرْضٌ لِرَجُلٍ تُؤْخَذُ أَرْضُهُ بِالْقِيمَةِ كَرْهًا.

(البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۴۲۸)

(جب مسجد لوگوں کے لئے تنگ ہوجائے اور اس کے بغل کسی کی زمین ہو تو مسجد کی توسیع کے لیے جبراً بھی لی جاسکتی ہے)۔

اس سے معلوم ہوا کہ مسجد کی توسیع مذکورہ صورت میں بالکل درست ہے۔

توسیع کی صورت میں اگر منزلوں کا اضافہ ہو تو اس کی حیثیت مسجد شرعی کی ہوگی، کیوں کہ جو جگہ ایک مرتبہ مسجد بن جاتی ہے وہ تا قیامت مسجد ہی رہتی ہے اور تحت الثریٰ سے آسمان کی بلندی تک مسجد رہتی ہے، چنانچہ فقہاء لکھتے ہیں:

"هو مسجد أبداً إلى قيام الساعة لا يعود ميراثاً، ولا يجوز نقله ونقل ماله إلى مسجد آخر، سواء كانوا

يصلون فيه أو لا، وهو الفتوىٰ." (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۲۱)

درمختار میں بھی اسی طرح کی صراحت ہے:

"لأنه مسجد إلى عنان السماء۔ وفي الشامي: وكذا إلى تحت الثرى."

(درمختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة: ۲/۲۷۰)

لہذا جب ان منزلوں کی مسجدیت واضح ہوگئی تو مستقل طور پر ان منزلوں میں سے کسی ایک کو دینی تعلیم اور طلبہ کی رہائش کے لیے مختص کرنا اصلاً درست نہیں ہوگا، بایں طور کہ مسجد کا اصل کام یعنی نماز موقوف ہو جائے یا اس اصل کام کے انجام دینے میں دقت ہو۔ ہاں اگر مسجد کا اصل کام موقوف نہ ہو تو دینی تعلیم دینے میں کوئی حرج نہیں ہے، جیسا کہ ایک حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: »مَنْ غَدَا إِلَى الْمَسْجِدِ لَا يُرِيدُ إِلَّا أَنْ يَتَعَلَّمَ خَيْرًا أَوْ يُعَلِّمَهُ، كَانَ لَهُ كَأَجْرِ حَاجٍّ تَامًّا حِجَّتُهُ. (المعجم الكبير للطبراني رقم: ۷۴۷۳)

اور فقہاء کے یہاں بھی اس کی تصریحات ہیں:

"جلس معلم أو وراق في المسجد، فإن كان يعلم أو يكتب بأجر يكره إلا لضرورة، وفي الخلاصة: تعليم الصبيان في المسجد لا بأس به." (رد المحتار كتاب الحظر الاباحة: ۶/۴۲۴)

"أما المعلم الذي يعلم الصبيان بأجر إذا جلس في المسجد يعلم الصبيان لضرورة الحر و غيره لا يكره." (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة: ۱/۱۱۰)

مذکورہ بالا دلائل نقلیہ وفقہیہ سے معلوم ہوا کہ مسجد میں دینی تعلیم کا نظم کرنا اور مدرسہ قائم کرنا شرعاً درست ہے، ہاں دو باتوں کا خیال رکھا جائے ایک یہ کہ نماز پڑھنے میں کوئی پریشانی نہ ہو دوسرا یہ کہ مسجد کا مکمل احترام باقی رہے۔

جہاں تک طلباء کی رہائش کی بات ہے تو اس سلسلے میں احادیث میں دونوں طرح کی باتیں ملتی ہیں۔

ایک یہ کہ مسجد میں مستقل قیام اور سونے کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا ہے، چنانچہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ میں سویا ہوا تھا تو آپ ﷺ نے مجھے سونے سے منع فرمایا۔ میں نے عرض کیا کہ نیند غالب آ گئی تھی۔

عَنْ أَبِي ذَرٍّ، قَالَ: أَتَانِي نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا نَائِمٌ فِي الْمَسْجِدِ فَضَرَبَنِي بِرِجْلِهِ، قَالَ: »أَلَا أَرَاكَ نَائِمًا فِيهِ؟« قُلْتُ: يَا نَبِيَّ اللَّهِ، غَلَبَتْنِي عَيْنِي. (سنن دارمي: كتاب الصلاة: باب النوم في المسجد رقم: ۱۴۳۹)

دوسرا یہ کہ مسجد میں قیام اور سونا درست ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ہم نوجوان تھے اور مسجد میں رات گزارتے تھے اور آرام کرتے تھے۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ "أَنَّهُ كَانَ يَنَامُ، وَهُوَ شَابٌّ أَعْزَبُ فِي مَسْجِدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

(السنن الکبری للبیهقی: کتاب الصلاۃ۔رقم: ۴۳۳۶)

اسی طرح اصحاب صفہ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ حضرات مسجد ہی میں قیام کرتے تھے اور سوتے تھے۔

نیز ائمہ ثلاثہ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر معتکف کے لیے مسجد میں سونا مباح ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ، کتاب الصلاۃ ۱/۲۵۸۔

البتہ احناف کے یہاں دونوں طرح کے اقوال ملتے ہیں۔

ایک یہ کہ غیر معتکف اور غیر مسافر کے لیے سونا مکروہ ہے۔ جب کہ ابن کمال پاشا نے لکھا ہے: غیر معتکف اور غیر مسافر کے لیے یہ مکروہ نہیں ہے۔

"كما كره فيه مبايعة غير المعتكف مطلقا للنهي و كذا أكله و نومه إلا لغريب أشباه و قد قدمناه قبيل الوتر، لكن قال ابن كمال لا يكره الأكل والشرب والنوم فيه مطلقا."(الدر المختار، باب الاعتكاف، ۲/۴۴۹)

ان تمام نصوص اور عبارات فقہیہ سے معلوم ہوا کہ ان کے قیام سے مسجد کی حرمت متاثر نہیں ہوگی اور مسجد میں ان کا قیام جائز اور درست ہے اگر چہ بہتر یہ ہے اس کے لیے الگ جگہ ہو، لیکن دینی تعلیم کی اہمیت کے پیش نظر ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

البتہ ان کے قیام سے نمازیوں کو کوئی دقت نہ ہو نیز احترام مسجد کے خلاف کوئی عمل نہ ہو، اس کا خیال رہے، جیسا کہ علامہ شامیؒ نے لکھا ہے:

"والظاهر أن مثل النوم والأكل والشرب إذا لم يشغل المسجد ولم يلوثه."(شامی، کتاب الاعتکاف: ۳/۳۹۲)

جواب نمبر ۲ / ۳۔ مسجد کے سلسلے میں تقریبا یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کہ جو جگہ ایک مرتبہ مسجد کے لیے خاص ہو جاتی ہے اور اس میں نماز ہونے لگتی ہے اس کی حیثیت شرعی مسجد کی ہوتی ہے اور یہ حکم نیچے سے لے کر آسمان کی بلندی تک کے لیے ہے۔

لہذا مذکورہ دونوں صورتوں میں قدیم مسجد کو شہید کر کے اس کے نیچے کی منزل کو دوکان اور پارکنگ کے لیے مختص کرنا یا اوپر کے حصے میں امام صاحب کے لیے حجرہ بنانا شرعا درست نہیں ہے، ہاں! اگر پہلی مرتبہ جب مسجد تعمیر ہوئی تھی اسی وقت اس طرح کی نیت کی جاتی اور اس کے مطابق مسجد کے مصالح کے لیے یہ کام کیا جاتا تو اس کی اجازت ہوتی، چونکہ مذکورہ صورت میں ایسا نہیں ہے اس لیے اس کی شرعاً اجازت نہیں ہوگی۔

فقہاء کی صراحت مندرجہ ذیل ہے:

”ولو أنه بنى المسجد أو لا ثم أراد أن يجعل تحته حانوتا لمسجد فهو مردود باطل، وسعى أن يرد الى حاله.“(حاشية الشلبي مع تبيين الحقائق. كتاب الوقف: ۳/۳۳۰)

درمختار میں مزید وضاحت ہے:

”لو بنى فوقه شيئا للامام لا يضر، لأنه من المصالح، أما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع، ولو قال عنيت ذلك لم يصدق.“(در مختار مع رد المحتار، كتاب الوقف: ۶/۴۲۸)

ہاں واقعی اگر توسیع کی ضرورت ہوتو یا تو منزلوں کا اضافہ کر دیا جائے، یا مسجد شہید کر کے توسیع کی جائے لیکن اس توسیع میں اضافہ شدہ منزلوں کی حیثیت مسجد شرعی ہی کی ہوگی۔

جواب نمبر ۴۔ اگر واقعی مسجد میں توسیع کی ضرورت ہو بایں طور کہ مسجد تنگ پڑ رہی ہو یا مسجد قدیم ہونے کی وجہ سے کمزور ہوگئی ہوتو اس کو شہید کر کے نئی تعمیر وتوسیع کی جا سکتی ہے، لیکن اس کے علاوہ کسی اور غرض سے مسجد منہدم کرنا درست نہیں ہوگا۔

نیز یہ مسئلہ بھی تقریباً متفق علیہ ہے کہ جو جگہ ایک مرتبہ مسجد بن جاتی ہے وہ تا قیامت مسجد رہتی ہے اور اوپر سے نیچے تک مسجد رہتی ہے۔ لہذا توسیع کر کے اس کے کسی منزل کو مکتب و مدرسہ کے لیے مختص کرنا درست نہیں ہوگا، ہاں! عارضی طور پر اس کی اجازت ہوسکتی ہے لیکن اس عارضی عمل سے مسجد کی مسجدیت میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔

البتہ اردگرد کی جو جگہیں خالی ہیں اور اس حصے میں تعمیر کا کام اس غرض سے ہوتو مصالح مسجد کے پیش نظر ایسا کیا جا سکتا ہے۔

خلاصہ یہ نکلا کہ اضافہ شدہ منزل کو مستقلاً مدرسہ ومکتب کے لیے یا نیچے کی منزل کو پارکنگ کے لیے متعین کرنا شرعاً درست نہیں ہے۔ ہاں! جو جگہ خالی ہے صرف اس حصے کی تعمیر مکتب و مدرسے کی تعلیم یا پارکنگ کی نیت سے کی جائے تو اس کی اجازت ہوسکتی ہے۔

اوپر ذکر کردہ مسائل کے حوالات تقریباً وہی ہیں جو سوال نمبر ۲/ اور ۳/ کے جواب ذکر کیے گئے ہیں۔

جواب نمبر ۵ / ۶۔ مسجد کے سلسلے میں ایک اصول یہ ہے کہ مسجد کا پورا حصہ یا تو مسجد شرعی ہو یا مصالح مسجد پر وقف ہو اس طور پر کہ اس کے کسی حصے پر بندوں کی ملکیت نہ ہو۔

فقہائے احناف کی یہاں ظاہر روایہ میں یہی ہے جیسا کہ علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

”وحاصله أن شرط كونه مسجدا أن يكون سفله وعلوه مسجدا لينقطع حق العبد عنه لقوله تعالى {وأن المساجد لله} [الجن: 18] - بخلاف ما إذا كان السرداب والعلو موقوفا لمصالح المسجد،

فهو كسرداب بيت المقدس هذا هو ظاهر الرواية.“(كتاب الوقف ۴/۳۵۸)

اس عبارت کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مذکورہ دونوں صورتوں میں کسی ایک منزل کو مسجد کے لیے متعین کر لینے اور بقیہ حصے یا منازل کو ذاتی استعمال کے لئے متعین کر لینے سے وہ حصہ مسجد شرعی نہیں کہلائے گا بلکہ اس کی حیثیت جماعت خانہ کی ہوگی۔ ظاہر روایہ کا یہی تقاضا ہے۔ لیکن اس سلسلے میں فقہائے احناف کے یہاں دوسری رائے بھی ہے۔ وہ یہ کہ وہ کسی بھی ایک منزل کو مسجد کے لیے متعین کر لیا جائے اور بقیہ منزلوں کو ذاتی ملکیت میں باقی رکھا جائے تو وہ متعین منزل مسجد شرعی کہلائے گی۔

البتہ اس رائے میں معمولی سا اختلاف ہے، چنانچہ حسن بن زیاد امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ سے روایت کرتے ہیں کہ نیچے کا حصہ مسجد کے لیے متعین ہو اور اوپر کا حصہ رہائش اور ذاتی ملکیت میں ہو تو نیچے کا حصہ مسجد شرعی کہلائے گا، لیکن اس کے برعکس امام محمدؒ کی روایت یہ ہے کہ اگر اوپر کی منزل کو مسجد کے لیے خاص کیا جائے اور نیچے کی منزل کو ذاتی استعمال میں رکھا جائے تو درست ہے۔

وَرَوَى الْحَسَنُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ: إِذَا جَعَلَ السُّفْلَ مَسْجِدًا وَعَلَى ظَهْرِهِ مَسْكَنٌ فَهُوَ مَسْجِدٌ؛ لِأَنَّ الْمَسْجِدَ مِمَّا يَتَأَبَّدُ، وَذَلِكَ يَتَحَقَّقُ فِي السُّفْلِ دُونَ الْعُلُوِّ. وَعَنْ مُحَمَّدٍ عَلَى عَكْسِ هَذَا؛ لِأَنَّ الْمَسْجِدَ مُعَظَّمٌ، وَإِذَا كَانَ فَوْقَهُ مَسْكَنٌ أَوْ مُسْتَغَلٌّ يَتَعَذَّرُ تَعْظِيمُهُ. (هدايه مع العناية، كتاب الوقف ۶/۲۳۴)

اسی طرح کی رائے مالکیہ کے یہاں بھی ہے جیسا کہ الموسوعۃ الفقہیہ میں اس کی صراحت مذکور ہے:

أَجَازَ الْمَالِكِيَّةُ اتِّخَاذَ مَنْزِلٍ لِلسَّكَنِ فِيهِ تَحْتَ الْمَسْجِدِ وَلَمْ يُجِيزُوا اتِّخَاذَهُ فَوْقَهُ. (۲۰۱/۳۷)

یعنی مالکیہ اس کے قائل ہیں کہ اگر مسجد کا حصہ اوپر ہو اور نیچے رہائش کے لیے مختص ہو تو اس کی اجازت ہے۔ یہی رائے تقریبا حنابلہ کی بھی ہے: الموسوعہ میں ہے۔

وَقَال الْحَنَابِلَةُ - كَمَا نَقَل ابْنُ مُفْلِحٍ عَنِ الْمُسْتَوْعِبِ - إِنْ جَعَل أَسْفَل بَيْتِهِ مَسْجِدًا لَمْ يَنْتَفِعْ بِسَطْحِهِ، وَإِنْ جَعَل سَطْحَهُ مَسْجِدًا انْتَفَعَ بِأَسْفَلِهِ، نَصَّ عَلَيْهِ، وَقَال أَحْمَدُ: لِأَنَّ السَّطْحَ لاَ يَحْتَاجُ إِلَى أَسْفَل. (۲۰۱/۳۷)

ان دونوں اقوال میں قدر مشترک یہ ہے کہ کسی ایک حصے کو مسجد کے لیے متعین کرنا اور بقیہ کو اپنی ذاتی استعمال کے لیے رکھنا درست ہے۔

چنانچہ امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہا اللہ سے یہ ثابت ہے کہ بعد میں دونوں نے مطلقا اس کی اجازت دے دی تھی۔ خواہ مسجد اوپری حصے میں ہو، رہائش نچلے حصے میں ہو، یا رہائش اور ذاتی استعمال کے لیے اوپر ہو اور مسجد نیچے ہو۔ چنانچہ ہدایہ کے ایک شارح علامہ اکمل الدین بابرتی عنایہ میں لکھتے ہیں:

”وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ جَوَّزَ فِي الْوَجْهَيْنِ) يَعْنِي فِيمَا إذَا كَانَ تَحْتَهُ سِرْدَابٌ أَوْ فَوْقَهُ بَيْتٌ. وَعَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّهُ أَجَازَ ذَلِكَ كُلَّهُ: أَيْ مَا تَحْتَهُ سِرْدَابٌ وَفَوْقَهُ بَيْتٌ مُسْتَغَلٌّ أَوْ دَكَاكِينُ،العناية.“(كتاب الوقف ۶/۲۳۴)

خلاصہ یہ کہ عام حالات میں اصل حکم تو یہی ہے کہ مذکورہ دونوں صورتوں میں متعینہ حصے مسجد شرعی نہیں کہلائیں گے،لیکن اگر کسی شہر میں مسجد کی ضرورت ہو اور کوئی ایسی جگہ نہ ہو کہ نیچے سے لے کے اوپر تک مسجد کے لیے ہی خاص کیا جائے تو ان تمام اقوال کی روشنی میں اس کی اجازت ہوگی کہ کسی ایک منزل کو مسجد کے لیے خاص کیا جائے اور بقیہ منزلوں میں کسی شخص کی ذاتی ملکیت قائم رہے۔لہذا اس حصے پر مسجد شرعی کا حکم لگے گا اور اس کے وہی سارے احکام ہوں گے جو دیگر مساجد شرعی کے ہوتے ہیں،بس شرط یہ ہے کہ ذاتی مکان اور مسجد کے راستے الگ الگ ہوں،جیسا کہ علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ نے درمختار میں لکھا ہے:

كما لو جعل وسط داره مسجدا وأذن للصلاة فيه حيث لا يكون مسجدا إلا إذا شرط الطريق.(در المختار: كتاب الوقف، ۴/۳۵۸)

اس رائے کی تائید فقیہ العصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم کے ایک فتوے سے بھی ہوتی ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں: جس منزل پر مسجد بنائی گئی ہے اگر اس کو مسجد کی نیت سے بنایا گیا ہے اور اس کا مستقل راستہ ہے تو اب وہ مسجد شرعی ہے اور اس کے لیے وہی احکام ہوں گے جو احکام مسجد شرعی سے متعلق ہوتے ہیں۔(کتاب الفتاوی: کتاب الوقف،جلد: ۴۔ص: ۲۲۲)

جواب نمبر ۷۔مساجد کے مصالح کے لیے اراضی وقف ہوں لیکن اس کا نفع کم ہو تو ایسی صورت میں کم آمدنی و نفع والی اراضی کو فروخت کر کے زیادہ نفع و آمدنی والی اراضی یا مکان خریدنے کو اصطلاح میں استبدال وقف کہتے ہیں۔

اور اس استبدال کی کئی صورتیں ہیں:

ایک صورت یہ ہے کہ اگر واقف نے وقف کے وقت ہی ان حالات کے پیش آنے پر استبدال کی شرط لگائی تھی تو استبدال کی مکمل اجازت ہوگی۔یہ صورت متفق علیہ ہے،جیسا کہ البحر میں صراحت ہے:

وَأَجْمَعُوا أَنَّهُ إذَا شَرَطَ الِاسْتِبْدَالَ لِنَفْسِهِ فِي أَصْلِ الْوَقْفِ أَنَّ الشَّرْطَ وَالْوَقْفَ صَحِيحَانِ وَيَمْلِكُ الِاسْتِبْدَالَ.(البحر الرائق، كتاب الوقف ۵/۲۳۹)

دوسری صورت یہ ہے کہ واقف کی طرف سے اس طرح کی کوئی شرط نہ ہو لیکن صورتحال وہی ہو جس کا اوپر ذکر ہوا،تو اس کے متعلق مشائخ احناف کا اختلاف کتب فقہ میں نقل کیا گیا ہے۔

چنانچہ ابن ہمام رقم طراز ہیں کہ اگر اراضی سے بالکلیہ انتفاع ممکن نہ ہو تب تو استبدال کی اجازت ہے اور

مشائخ احناف کے ہاں متفق علیہ مسئلہ ہے لیکن اگر ایسا نہیں ہے تو تو استبدال کی اجازت نہیں ہے:

وَالْحَاصِلُ أَنَّ الِاسْتِبْدَالَ إمَّا عَنْ شَرْطِهِ الِاسْتِبْدَالَ وَهُوَ مَسْأَلَةُ الْكِتَابِ أَوْ لَا عَنْ شَرْطٍ، فَإِنْ كَانَ لِخُرُوجِ الْوَقْفِ عَنْ انْتِفَاعِ الْمَوْقُوفِ عَلَيْهِمْ بِهِ فَيَنْبَغِي أَنْ لَا يَخْتَلِفَ فِيهِ۔۔۔۔۔، وَإِنْ كَانَ لَا لِذَلِكَ بَلْ اتَّفَقَ أَنَّهُ أَمْكَنَ أَنْ يُؤْخَذَ بِثَمَنِ الْوَقْفِ مَا هُوَ خَيْرٌ مِنْهُ مَعَ كَوْنِهِ مُنْتَفِعًا بِهِ فَيَنْبَغِي أَنْ لَا يَجُوزَ. (فتح القدير: كتاب الوقف: ۲۱۲/۶)

لیکن علامہ شامیؒ نے کچھ ایسی صورتوں کا تذکرہ کیا ہے، جہاں استبدال کی اجازت ہوسکتی ہے ان میں سے ایک صورت وہی ہے جس کا تذکرہ اوپر کیا گیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

الرابعة: أن يرغب إنسان فيه ببدل أكثر غلة، وأحسن صقعا فيجوز على قول أبي يوسف، وعليه الفتوى، كما في فتاوى قارئ الهداية. (رد المحتار، كتاب الوقف ۳۸۸/۴)

یعنی اگر اس وقف کے بدلے دوسری زمین خرید لی جائے تو اس سے زیادہ پیداوار اور نفع حاصل ہو تو امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے قول کے مطابق یہ استبدال جائز ہے جیسا کہ فتاوی قاری الہدایہ میں موجود ہے، نیز اسی طرح کی بات ابن نجیم مصری علیہ الرحمہ نے امام محمد علیہ الرحمہ کے حوالے سے لکھی ہے چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں:

وَقَدْ رُوِيَ عَنْ مُحَمَّدٍ إذَا ضَعُفَتْ الْأَرْضُ الْمَوْقُوفَةُ عَنْ الِاسْتِبْدَالِ وَالْقَيِّمُ يَجِدُ بِثَمَنِهَا أُخْرَى أَكْثَرَ رِيعًا كَانَ لَهُ أَنْ يَبِيعَهَا وَيَشْتَرِيَ بِثَمَنِهَا مَا هُوَ أَكْثَرُ رِيعًا. (البحر الرائق: كتاب الوقف، ۲۳۷/۵)

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اس جواز کو مطلقاً ذکر نہیں کیا ہے بلکہ اس کی کچھ شرطوں کا ذکر بھی کیا ہے، اگر ان شرطوں کا لحاظ کیا جائے تب ہی استبدال کی اجازت ہوگی، وہ شرطیں مندرجہ ذیل ہیں:

ایک شرط یہ ہے کہ اس زمین کو معمولی قیمت پر فروخت نہ کیا جائے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ قاضی الجنہ کی اجازت سے اس زمین کو فروخت کیا جائے۔ (قاضی الجنہ سے مراد ایسا قاضی ہے جو علم وعمل میں یکساں ہو) تیسری شرط یہ ہے موقوفہ اراضی کے بدلے اشیائے غیر منقولہ ہی کو خریدا جائے۔

وأن لا يكون البيع بغبن فاحش، وشرط الإسعاف أن يكون المستبدل قاضي الجنة المفسر بذي العلم والعمل، لئلا يحصل التطرق إلى إبطال أوقاف المسلمين كما هو الغالب في زماننا اهـ ويجب أن يزاد آخر في زماننا: وهو أن يستبدل بعقار لا بدراهم ودنانير. (كتاب الوقف، ۳۸۶/۴)

مذکورہ صورت کے متعلق جواز وعدم جواز دونوں قول سامنے آئے۔ فقہاء نے عدم جواز کی جو وجہ ذکر کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ استبدال وقف کی وجہ سے بعض ناعاقبت اندیش افراد نے اوقاف کا صحیح استعمال نہیں کیا بلکہ اس کو ہڑپنے کی کوشش کی، چنانچہ شامی نے بعض فقہاء کے مشاہدات کا تذکرہ کیا ہے:

نحن لا نفتي به وقد شاهدنا في الاستبدال ما لا يعد ويحصى: فإن ظلمة القضاة جعلوه حيلة لإبطال أوقاف المسلمين. (رد المحتار: كتاب الوقف ۴/۳۸۸)

اور جن لوگوں نے جواز کا قول ذکر کیا ہے اس کی وجہ یہ ہوسکتی کہ اگر چہ واقف نے کوئی شرط ذکر نہیں کی ہے لیکن یہ استبدال واقف کی منشا کے مطابق ہے کیوں کہ واقف کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اوقاف سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا جائے۔

اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو بظاہر ان دونوں اقوال میں کوئی تضاد نہیں ہے لہذا جہاں مساجد کو واقعی ضرورت ہو اور کم آمدنی والے اوقاف سے ضرورت پوری نہ ہو رہی ہو، نیز ان شرطوں کا مکمل لحاظ ہو جن کا شامی نے تذکرہ کیا ہے، اس صورتحال میں استبدال کی اجازت ہوگی۔ لیکن اگر واقعی مسجد کو اس کی فی الحال ضرورت نہ ہو اور نہ ہی قریبی زمانے میں اس کی ضرورت پیش آسکتی ہو تو بہتر یہ ہے کہ استبدال کی اجازت نہ دی جائے۔

رہا یہ مسئلہ کہ بعض ناعاقبت اندیش افراد اوقاف کا صحیح استعمال نہیں کرتے تو اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ اگر ذمہ داران مساجد واقعی امانت دار ہوں اور ان کے یہاں خرد برد کا احتمال نہ ہو یا وہاں دار القضاء کا ایسا مستحکم و مضبوط نظام ہو کہ ان اوقاف کے تئیں قضاۃ حضرات سرگرم عمل ہوں، تو مذکورہ صورت میں استبدال کی اجازت میں کوئی حرج نہیں ہے۔

جواب نمبر ۸۔ مسجد پر موقوف اراضی کا اصل مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس کی آمدنی مسجد اور اس کے مصالح پر خرچ کیا جائے، لہذا آمدنی کی غرض سے مسجد کے موقوفہ اراضی میں مدرسہ و مکتب قائم کیا جائے اور اس کا کرایہ مسجد کو حاصل ہو، اس کی اجازت ہوسکتی ہے، جیسا کہ علامہ ابن الہمام کی ایک عبارت سے اس پر روشنی پڑتی ہے:

قَالَ الشَّيْخُ الْإِمَامُ: مَا كَانَ مِنْ غَلَّةِ وَقْفِ الْمَسْجِدِ الْجَامِعِ يَجُوزُ لِلْحَاكِمِ أَنْ يَصْرِفَهُ إلَى ذَلِكَ عَلَى وَجْهِ الْقَرْضِ إذَا لَمْ تَكُنْ حَاجَةٌ لِلْمَسْجِدِ إلَيْهِ. فتح القدير. (كتاب الوقف ۶/۲۴۱)

بلکہ علامہ یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے ایک اقتباس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اگر ان موقوفہ اراضی کی ضرورت نہ تو فی الحال ہو اور نہ ہی مستقبل قریب میں اس کی ضرورت ہوسکتی ہو تو بغیر کرائے کے ان پر مدارس و مکاتب کے قیام کی گنجائش ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

قال الراقم: ومما تبين لي بعد فحص و بحث كثير أنه إذا أجمعت أموال كثيرة تزيد على إعادة المسجد أن احتيج إليه فيجوز صرف الزائد إلى إنشاء مدرسة و نشر علم و إن لم يكن من شرط الواقف. (معارف السنن: ۳/۳۰۱)

اگر چہ حضرت علیہ الرحمہ نے زمین کی پیداوار کو آمدنی کے زمرے میں رکھا ہے لیکن اگر غور کیا جائے تو خود زمین

مساجد کے لیے آمدنی ہی کے حکم میں ہے، لہذا جس طرح سے زائد آمدنی کو مدرسہ اور مکاتب کے قیام میں استعمال کرنے کی گنجائش ہے اسی طرح مساجد پر وقف اراضی کو مکتب اور مدرسہ قائم کرنے کا حکم ہوگا جو حکم آمدنی کا ہوگا۔

اس لیے مذکورہ صورت میں آمدنی اور حفاظت کی غرض سے مسجد پر موقوف اراضی میں مدرسہ ومکتب قائم کرنا اور اس سے کرایہ حاصل کرنا شرعاً درست ہے۔

خلاصہ بحث

۱۔توسیع شدہ حصے کی حیثیت مسجد شرعی کی ہوگی کیونکہ ایک جگہ جب مسجد بن جاتی ہے وہ تا قیامت مسجد رہتی ہے اور تحت الثریٰ سے آسمان کی بلندی تک رہتی ہے، اس لیے مستقلاً وہاں مدرسہ اور مکتب قائم کرنا درست نہیں ہے، عارضی طور پر اجازت ہے۔ نیز اس قیام سے مسجد کی حرمت متاثر نہیں ہوگی جبکہ اس کا خیال رکھا جائے کہ نماز کے وقت نمازیوں کو کوئی پریشانی نہ ہو اور مسجد کے احترام کے خلاف کوئی عمل نہ ہو۔

۲۔توسیع کے بعد بھی توسیع شدہ حصے مسجد شرعی کہلائیں گے لہذا پارکنگ اور دکان کے لیے خاص کرنا شرعاً درست نہیں ہے۔

۳۔ مذکورہ غرض سے مسجد شہید کرنا درست نہیں ہے ہاں زمین کے جس حصے کو اب شامل کیا گیا ہے اس میں اگر اس غرض سے تعمیر کیا جائے تو اجازت ہے۔

۴۔جن علاقوں میں مسجد کی شدید ضرورت ہو اور وہاں اس طرح سے خالی زمین کا ملنا مشکل ہو وہاں اس متعین منزل کی حیثیت مسجد شرعی کی ہوگی۔

۵۔ اگر کمیٹی کے حضرات واقعی امانت دار ہوں تو مذکورہ صورت میں استبدال کی اجازت ہے جبکہ اس کے بدلے اشیائے غیر منقولہ ہی خریدی جائیں۔

۶۔اگر وہ اراضی مسجد کی ضرورت سے زائد ہو تو اس میں مدرسہ ومکتب قائم کرنا اور اس کے مصالح کے لیے کرایہ وصول کرنا شرعاً درست ہے۔

مساجد اور ان کے اوقاف سے متعلق چند مسائل

مولانا سعود ممتاز ندوی

بھوپال

اسلام میں مسجد کی حیثیت محض عبادت کے ایک مقام یا جزء وقتی عبادت کے لئے مقید کوئی مقام نہیں بلکہ یہ ایک اسلامی تہذیب وتمدن، تعلیم وتربیت، اور معاشرتی اصلاح کا ایک اصل مرکز ہے۔ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لے کر خلافت راشدہ اور بعد کے ادوار تک مسجد کو ایک غیر معمولی ادارہ کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ خاص کر قرون اولیٰ میں کسی بھی اہم کام کیلئے مرجع صرف مسجد ہی تھی۔

عصر حاضر میں بہت سی تبدیلیاں واقع ہونے کی وجہ سے جیسے: آبادی کا بڑھنا، جگہوں کی تنگی، گاڑیوں کی کثرت جیسے مسائل کی وجہ سے مساجد کے متعلق نئے نئے استفسار ومسائل پیدا ہو رہے ہیں۔

یہ مضمون انہیں معاصرتی مسائل پر قرآن وحدیث اور فقہی متون کی روشنی میں ایک تجزیہ کی صورت پیش کیا جاتا ہے۔

وقف: لغت میں وقف کے معنی ہیں کسی چیز کو روک لینا، یا منع کرنا، محدود کرنا وغیرہ۔

اصطلاح میں وقف کہا جاتا ہے: کسی شئ کو اللہ کی رضا کے لئے مستقل طور پر نفع مند مصرف میں لگا دینا اور اس کی ملکیت کو اللہ کے مخصوص کر دینا۔ اب اس زمین یا شئ کو کسی دوسرے استعمال میں لانا، یا کوئی اور نفع حاصل کرنا درست نہیں بلکہ ناجائز ہے۔:

(الوقف: هو تحبيس الأصل و تسبيل المنفعة) (المبسوط للسرخسي ۱۲/ ۲۷)

مسجد بھی وقف کی اسی نوع میں سے ہے جیسے ہی کوئی زمین بہ نیت وقف مسجد کے لئے عطا کی جائے اور وہاں نماز ادا کی جانے لگے تو وہ زمین خالصۃ اللہ کی ملکیت ہو جاتی ہے اور اس کو کسی اور مصرف میں لانا نامناسب و ناجائز ہے۔

"إذا وقف الرجل أرضا لبناء المسجد و بنى فيها مسجدا و صلى فيه الناس صار مسجدا" (المبسوط ج: ۱۲، ص: ۲۱)

باب اول: مسجد کی تعمیر وتوسیع اور مسجد کے کسی حصے یا دیگر منازل کو درسگاہ یا رہائش گاہ کے طور پر استعمال کرنا:

عصر حاضر کے مسائل میں ایک اہم مسئلہ بڑھتی آبادی اور اراضی کی قلت ہے۔ خاص کر شہروں میں لوگ اس مسئلہ سے زیادہ دوچار ہیں، جتنے بڑے شہر ہیں قلت اراضی اتنی ہی زیادہ ہے۔ بڑے شہروں میں بلند عمارتیں اس بات

کی شہادت پیش کرتی ہیں۔

اسی طرح بڑھتی آبادی کے چلتے مصلین کی تعداد میں بھی اضافہ ہوتا ہے اور مساجد جو کہ پرانے طرز پر بنی ہیں اس میں مصلیان کے لئے تنگی واقع ہوتی ہے۔ یا جو اور مساجد ہیں وہ آبادی سے دوری پر واقع ہیں جہاں پہنچنا سب کے جوش ایمان کے لئے ایک امتحان کی صورت ہوتی ہے۔ اس صورت میں اگر مسجد کے مشرقی جانب اراضی خالی ہوں یا خریدی جاسکتی ہوں تو بہتر یہ ہے کہ قدیم عمارت مسجد کو مکمل مسمار نہ کیا جائے، بلکہ اسی میں توسیع کی شکل نکالی جائے۔ البتہ جہاں ایسی صورت نہ ہو بلکہ یہ ضروری ہے کہ تعمیر جدید، قدیم مسجد کے مکمل ھدم ہونے کے بعد ہی وجود میں آسکتی ہوں۔ تو ایسی صورت میں علماء نے اتفاق سے جواز رکھا ہے، بشرطیکہ مصلیان کے لئے تنگی ہو اور ضرورت وقت ہو، امام شافعیؒ و امام احمدؒ کے نزدیک یہ عمل مستحب ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد نبوی ﷺ کو ازسرنو تعمیر کروایا اور اس وقت بعض حضرات نے اعتراض کیا تو حضرت عثمانؓ نے ارشاد فرمایا: بے شک تمہاری تعداد میں اضافہ ہو گیا ہے اور میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے جس نے اللہ کی رضا کے لئے مسجد بنوائی اللہ اس کے لئے جنت میں گھر بنائیں گے۔

أنه سمع عثمان بن عفان يقول عند قول الناس فيه حين بنى مسجد الرسول صلى الله عليه وسلم إنكم أكثرتم وإني سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول [ص: 173] من بنى مسجدا، قال بكير حسبت أنه قال: يبتغي به وجه الله، بنى الله له مثله في الجنة۔ (البخاری: 439)

(الإمام أبو حنيفة رحمه الله (الحنفية) "ولا يجوز هدم المسجد القديم إلا إذا خرب أو ضاق على الناس." (بدائع الصنائع، 3/374)، ٢- الإمام مالك رحمه الله (المالكية) "لا يُهدم المسجد القديم لبناء مثله، إلا إذا خرب أو ضاق على الناس." (البيان والتحصيل، 1/408)، وقال الشيخ ٣- الإمام الشافعي رحمه الله (الشافعية) "ويُستحب هدم المسجد القديم لبنائه أحسن، وتوسعته إذا ضاق." (روضة الطالبين، 1/371)، ٤- الإمام أحمد بن حنبل رحمه الله (الحنابلة) "يُستحب تجديد بناء المسجد إذا تقادم أو ضاق عن المصلين." (الإنصاف في معرفة الراجح، 2/505)

مسجد کی کسی منزل کو درسگاہ یا رہائش گاہ بنانا

اگر مسجد تنگ تھی اور اس کی ازسرنو تعمیر کی گئی اور مسجد کے بنانے کے علاوہ مزید کچھ منزلیں بڑھا دی گئیں جس میں اور دینی خدمتیں انجام دی سکیں تو اس میں کوئی حرج نہیں، اسکو درسگاہ بنانے یا طلبہ کے لئے رہائش گاہ بنانے میں کوئی حرج نہیں۔ اس صورت میں اصول یہ ہے کہ مسجد کا اطلاق صرف اسی منزل پر ہوگا جو مسجد کی نیت ہی سے وقف کی گئی ہو یا

جس کو عرف عام میں مسجد سمجھا جائے۔ بقیہ منازل پر مسجد کا اطلاق نہیں ہوگا، اور اس منزل پر مسجد کا حکم جاری نہیں ہوگا۔ لہٰذا اس صورت میں اس منزل کو دیگر دینی کام کے استعمال میں لایا جاسکتا ہے اور اس میں کوئی کراہت نہیں ہوگی۔

"لو بنی فوق المسجد بناء و لم ینو جعله مسجدالا یصیر مسجدا." (الفتاوی الهندیة: کتاب الوقف، فصل: في أحکام المساجد)

لیکن اگر کوئی جگہ خاص مسجد کی نیت سے وقف کی گئی ہو اور عرف عام میں مسجد ہی جانی جاتی ہو تو اس مقام اور منزل کو دیگر استعمال میں لانا درست نہیں، آداب مسجد کے خلاف ہے اور یہاں حرمت بدرجہ کراہت ہوگی۔

(وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا) (جن: ۱۸)

مسجد کے لئے وقف زمین میں جماعت گاہ کی منتقلی اور خدام مسجد کی رہائش گاہ

موجودہ دور میں مہنگائی، معاشی دباؤ اور آبادی کے بڑھتے مسائل کے ساتھ مساجد کے اخراجات بی جیسے ائمہ و مؤذنین کی تنخواہیں، بجلی وصفائی کے بل اور دیگر ضروریات بھی ایک اہم چیلنج بن چکے ہیں۔ ان حالات میں مساجد کو خود کفیل بنانے کی تدابیر اختیار کرنا ناگزیر ہے تاکہ در بدر امداد کی درخواست سے بچا جاسکے۔

اسی پس منظر میں، ائمہ ومؤذنین کی رہائش کا مسئلہ بھی توجہ طلب ہے۔ محدود تنخواہوں کے باعث یا تو وہ دور دراز کرائے کے کمروں میں مقیم ہوتے ہیں، یا کرایہ ہی ان کی آمدنی کا بڑا حصہ لے لیتا ہے، جس سے بروقت حاضری اور خدمات میں دشواری پیش آتی ہے۔ اس لیے کمیٹی چاہتی ہے کہ مسجد کی بالائی منزل پر امام ومؤذن کے لیے رہائشی حجرے تعمیر کیے جائیں۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا شرعی اعتبار سے مسجد کے اوپر رہائش کی اجازت ہے یا اس میں کوئی قباحت ہے؟ اس کا جائزہ درج ذیل نصوص ودلائل کی روشنی میں لیا جائے گا۔

صورت مسؤلہ میں پہلا مسئلہ تو مسجد کی شہادت کا ہے تو اس کا ذکر پہلے ہی گذر چکا ہے۔

دوسرا مسئلہ مسجد کے کسی حصہ یا وقف کی ملکیت کو دوسرے مصرف میں استعمال میں لانا کیسا ہے؟

جہاں بعض مساجد کو مالی بحران کا سامنا ہوتا، عطیات اور چندے محدود ہوتے ہیں، مقامی کمیٹی کی مالی حالت بھی کوئی بہت اچھی نہیں ہوتی اور اخراجات مسجد اور زیادہ بڑھتے جاتے ہیں۔ ایسی صورت میں بغرض منفعت مسجد یا مسجد کے مفاد کی خاطر مسجد کے کسی حصے کو کرایہ پر دینا بالاتفاق جائز ہے بشرطیکہ یہ قدم مسجد کے مفاد اور مصالح مسجد کے حق میں ہو۔

امام ابن قدامہ حنبلیؒ لکھتے ہیں کہ:

"فإن احتاج الی عمارة المسجد فله أن یوجر شیئا من وقف المسجد". (المغنی جلد ۶، صفحه: ۲۱۵)

(اگر مسجد میں تعمیر کی ضرورت ہو تو مسجد کی وقف شدہ اشیاء کو کرایہ پر دینا درست ہے تاکہ مسجد کی ضروریات پوری ہوسکیں)۔

امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

"یجوز اتخاذ ما تحت المسجد دکانا اذا کان ذلک انفع للمسجد و اهل المسجد" (مجموع الفتاویٰ جلد: ۳۱، صفحہ: ۲۰۶)

مسجد کی زیریں منازل کو کرایہ پر دینا جائز ہے بشرطیکہ یہ عمل مسجد اور نمازیوں کے مفاد میں ہوں۔

معاصرین علماء بھی اسی قول پر عمل کو راجح قرار دیتے ہیں:

شیخ یوسف قرضاویؒ لکھتے ہیں:

"إقامة محلات تجارية أسفل المسجد مما يساعد على تمويل نفقات المساجد و هو أمر مشروع ما دام لا يحل بحرمة المسجد" (فقه الزكوة، جلد: ۱، صفحہ: ۴۳۵)

ترجمہ: مسجد کے زیریں حصہ کو کرایہ پر اٹھا رکھنا جس سے مساجد کے اخراجات پورے ہوسکیں تو جائز ہے۔

شرط یہی کہ اس عمل سے مسجد کی احترام پر کوئی حرف نہ آئے۔

یہاں شیخ قرضاویؒ کے اس قول سے اس مسئلہ میں ایک اہم نکتہ یہ بھی ہے کہ شرط مسجد کے تقدس اور حرمت کی بھی رہے گی۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ایسے کرایہ داروں کے حوالے ہو جائے جن سے مساجد کے احترام پر دھبہ آتا ہو، یا مسجد کے اور نمازیوں کے لئے نقصاندہ ثابت ہوں۔

مساجد میں ائمہ و مؤذنین یا خدام مسجد کے لئے حجرے بنانا بھی جائز ہے۔ کیونکہ یہ عمل بھی مسجد کی بہتری اور مساجد کے مفاد کی خاطر ہے۔ امام مالکؒ کا قول ہے کہ:

"كان في المسجد بيت للمرابطين و المؤذنين و كان هنا معمورا به في المدينة۔ (المدونة الكبرىٰ جلد: ۱، صفحہ ۷۹)

ترجمہ: مدینہ میں اس بات کا رواج تھا کہ خدام اور مؤذنین حضرات کے لئے رہائش گاہ ہوا کرتی تھی۔

امام ابن تیمیہؒ اور شیخ یوسف قرضاویؒ بھی اس حکم کے قائل ہیں کہ یہ عمل مسجد کے مفاد میں ہو۔ (مجموع الفتاویٰ جلد: ۳۱، صفحہ ۲۰۴) و (فتاویٰ معاصرۃ: جلد: ۲، صفحہ: ۱۳۲)۔

شہری آبادیوں میں مسجد کی توسیع و تعمیر نو کا فقہی جواز:

بیسمنٹ پارکنگ کے ساتھ نئی تعمیر کی صورت

فقہاء کا اتفاق ہے کہ جو زمین ایک مرتبہ مسجد کے لیے وقف ہو جائے، وہ "مسجد" بن جاتی ہے اور اس کا حکم

قیامت تک باقی رہتا ہے، یعنی وہ ہمیشہ کے لیے مسجد رہتی ہے۔ اس پر دنیاوی یا غیر عبادتی تصرف ناجائز ہوتا ہے۔

جدید فقہی سوالات میں سے ایک یہ ہے کہ آیا مسجد کے نیچے پارکنگ یا کوئی دوسرا غیر عبادتی انتظام کیا جاسکتا ہے؟

فقہی قاعدہ:

"الحاجة تنزل منزلة الضرورة عامة كانت أو خاصة". (الأشباه والنظائر، السيوطي، ص 87)

یعنی "حاجت کو بعض اوقات ضرورت کے درجہ میں رکھا جاتا ہے، خواہ وہ عام ہو یا خاص۔"

فقہی تطبیق:

اگر تہہ خانے (بیسمنٹ) کا استعمال عبادت میں معاون ہو، جیسے کہ پارکنگ، وضو خانے یا بیت الخلاء، تو وہ شرعاً ممنوع نہیں۔

ابن نجیمؒ لکھتے ہیں:

"كل ما هو من مصلحة الوقف مما لا يخرجه عن كونه وقفا فهو جائز." (البحر الرائق، ج 5، ص 251)

وقف کے مفاد میں جو کچھ بھی ایسا ہو کہ وقف کی حقیقت اور حیثیت کو متاثر نہ کرے، وہ سب جائز ہے۔

معاصر فقہاء کی آراء:

مجمع الفقه الاسلامي (OIC): جدید وقف کی تعمیرات سے متعلق قرارداد (دورہ 8، قرار نمبر 60):

"لا مانع شرعاً من استخدام أجزاء من بناء المسجد ـ كالسرداب أو الطابق الأعلى أو الملحقات ـ لأغراض تحقق مصلحة المسجد أو لا تتعارض مع وظيفته الأصلية ـ"

"شریعت کی رو سے کوئی ممانعت نہیں کہ مسجد کی عمارت کے کچھ حصوں جیسے تہہ خانہ، بالائی منزل یا ملحقات کو ایسے اغراض کے لیے استعمال کیا جائے جو مسجد کے فائدے میں ہوں یا اس کی اصل عبادتی غرض سے متصادم نہ ہوں۔"

ڈاکٹر وہبہ الزحیلی:

"إذا كانت المصلحة العامة تقتضي إعادة بناء المسجد، أو توسيعه، أو إقامة طوابق إضافية فوقه أو تحته، فلا حرج في ذلك ما دامت نية الوقف باقية، ويظل الغرض عبادة الله تعالى." (الفقه الإسلامي وأدلته: ج ۵، ص ۳۰۶۳)

اگر عوامی مصلحت مسجد کی دوبارہ تعمیر، توسیع، یا اس کے اوپر یا نیچے اضافی منزلیں بنانے کا تقاضا کرتی ہو، تو اس میں کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ نیتِ وقف باقی رہے اور اصل مقصد اللہ تعالیٰ کی عبادت ہی ہو۔

شیخ یوسف القرضاویؒ فرماتے ہیں:

"في ظل الظروف الحضارية الحديثة، يجوز استخدام أسفل المسجد كمرآب للسيارات، بشرط أن تكون وظيفة المسجد محفوظة، ولا تتأثر قدسيته، ولا يُستغلّ في ما يُناقض طبيعته." (فتاوى معاصرة، ج ۲، ص ۷۸)

جدید شہری حالات کے پیش نظر، مسجد کے نیچے جگہ کو گاڑیوں کی پارکنگ کے طور پر استعمال کرنا جائز ہے، بشرطیکہ مسجد کا اصل وظیفہ محفوظ رہے، اس کا تقدس متاثر نہ ہو، اور اسے ایسی چیز کے لیے استعمال نہ کیا جائے جو اس کی فطرت کے خلاف ہو۔

شریعت اسلامیہ کی روح وسعت، حکمت اور مصالح پر مبنی ہے۔ قدیم مساجد کی ازسرِ نو تعمیر، جہاں نیچے بیسمنٹ میں پارکنگ اور اوپر مسجد کی شکل ہو، موجودہ شہری مجبوریوں کے پیش نظر نہ صرف جائز بلکہ مستحسن بھی ہے، بشرطیکہ اس میں شریعت کے اصولوں، وقف کی شرائط اور مسجد کی حرمت کا مکمل خیال رکھا جائے۔

یہ جدید طرزِ تعمیر دین کی راہ میں آسانی اور عبادت گزاروں کے لیے سہولت کا سبب بنتی ہے، جو کہ خود شریعت کا مقصود ہے:

﴿وما جعل عليكم في الدين من حرج﴾

قدیم مسجد کی مکمل تعمیرِ نو، ملحقہ اراضی کا انضمام، اور اس کی بالائی منزل میں جز وقتی درسگاہ کا قیام

فقہاء کا اتفاق ہے کہ جو زمین ایک مرتبہ مسجد کے لیے وقف ہو جائے، وہ "مسجد" بن جاتی ہے اور اس کا حکم قیامت تک باقی رہتا ہے، یعنی وہ ہمیشہ کے لیے مسجد رہتی ہے۔ اس پر دنیاوی یا غیر عبادتی تصرف ناجائز ہوتا ہے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں:

"الوقف لا يجوز نقله ولا تغييره عن الجهة التي وقف عليها." (روضة الطالبين)

''وقف کو اس کی مقررہ مصرف (جہت) سے نہ منتقل کرنا جائز ہے اور نہ ہی اس میں تبدیلی کرنا۔''

ابن عابدین فرماتے ہیں:

"ولا بأس بإعادة بناء المسجد إذا ضاق بأهله أو كان في إعادة ما هو أحسن مصلحة." (رد المحتار، ج ۴، ص ۳۵۹)

اگر مسجد اپنے نمازیوں کے لیے تنگ ہو جائے یا دوبارہ تعمیر میں بہتری اور مصلحت ہو تو مسجد کی دوبارہ تعمیر میں کوئی حرج نہیں۔

فقہاء کی تصریحات کے مطابق اگر وقف کی جگہ کا اوپر والا حصہ ایسا استعمال کیا جائے جو حرمت مسجد کے خلاف نہ ہو، وقف کے اصل مقصد سے متصادم نہ ہو، مصلحت عامہ پر مبنی ہو تو جائز ہے۔

مجمع الفقہ الاسلامی (او آئی سی) کی قرارداد میں مذکور ہے:

"يجوز استغلال سطح المسجد أو بعض أجزائه العليا لأغراض دينية أو اجتماعية تخدم مصالح المسلمين، ما دامت لا تمس حرمة المسجد".

(مسجد کی چھت یا اس کے بالائی حصوں کو دینی یا سماجی مقاصد کے لیے استعمال کرنا جائز ہے، بشرطیکہ اس سے مسجد کی حرمت متاثر نہ ہو)۔(قرار نمبر ۶۰، اجلاس ۸، برونائی)

مسجد سے متصل درسگاہ بنانا، جو وقف کی توسیع ہو اور جہاں فیس لی جائے، اگر یہ فیس اساتذہ کی تنخواہ اور مصالحِ مسجد پر صرف ہو تو یہ مباح بلکہ مستحسن عمل ہے۔

ابن نجیمؒ فرماتے ہیں:

"يجوز استغلال أعيان الوقف بما يعود نفعه على الوقف نفسه، بشرط أن يكون بوجه شرعي."

(البحر الرائق، ج ۵، ص ۲۵۱)

(وقف کی اشیاء سے ایسا استفادہ روا ہے جس کا فائدہ خود وقف کو پہنچے، بشرطیکہ وہ طریقہ شرع کے مطابق ہو)۔

شیخ وہبہ زحیلیؒ فرماتے ہیں:

"يجوز اتخاذ طوابق فوق المسجد لمنافع عامة أو تعليمية، إذا لم تضر بحرمة المسجد، وكان نفعها يعود للمسجد أو المسلمين."

مسجد کی حرمت کو متاثر کیے بغیر، عوامی یا تعلیمی مفاد کے لیے مسجد کے اوپر منزلیں تعمیر کرنا جائز ہے، بشرطیکہ ان کا فائدہ مسجد یا مسلمانوں کو پہنچے۔

اگر بالائی منزلوں سے حاصل ہونے والی آمدنی: مسجد کی بجلی، پانی، صفائی، امام و مؤذن کی تنخواہ یا دیگر انتظامات پر خرچ کی جائے تو یہ شرعاً جائز ہے۔امام محمدؒ فرماتے ہیں:

"يجوز أن تُجعل غلة الوقف في مصالح المسجد إذا لم يكن نصّ على خلاف ذلك."(المبسوط للسرخسی، ج ۱۲، ص ۱۹۹)

اگر اس کے خلاف کوئی صراحت موجود نہ ہو، تو وقف کی آمدنی کو مسجد کی ضروریات اور مفادات میں صرف کرنا جائز ہے۔

باب پنجم: اپارٹمنٹ یا عمارت کے کسی حصے کو نماز کے لیے مختص کرنے کا شرعی حکم: کیا یہ "مسجد" ہے یا صرف "مصلیٰ"؟

بڑے شہروں میں مسلمان بڑی عمارتوں اور اپارٹمنٹس میں رہتے ہیں۔ وہاں مستقل مسجد نہ ہونے کی وجہ سے رہائشی حضرات عمارت کے کسی حصے (مثلاً گراؤنڈ فلور یا ٹیرس) کو خرید کر یا کرائے پر لے کر نماز کے لیے مخصوص کر لیتے ہیں اور باجماعت نماز ادا کرتے ہیں۔

فقہاء کے نزدیک مسجد کی تعریف ہے:

"المسجد :هو الموضع الموقوف لله تعالى لأداء الصلوات الخمس عليه على وجه الدوام." (الدر المختار، ج1، ص631)

وہ جگہ جو اللہ کے لیے دائمی نماز کی ادائیگی کے لیے وقف کی گئی ہو۔ لہٰذا، تین چیزیں ضروری ہیں: ۱۔ اللہ کے لیے وقف ہونا، ۲۔ دائمی نماز کے لیے مخصوص ہونا، ۳۔ ملکیت سے خارج کر دینا (وقف کامل)۔

جماعت گاہ یا مصلیٰ (Prayer Room) کا حکم: اگر کوئی جگہ: خریدی گئی ہو یا کرائے پر لی گئی ہو، لیکن اسے وقف شرعی نہ کیا گیا ہو، یا وہ اب بھی افراد کی ملکیت میں ہو تو ایسی جگہ کو "مصلیٰ" یا "جماعت گاہ" کہا جائے گا، "مسجد شرعی" نہیں۔

امام کاسانیؒ فرماتے ہیں:

"لو أذن المالك للناس في الصلاة في داره لا تصير مسجداً، لأنه لم يخرج عن ملكه." (بدائع الصنائع، ج1، ص325)

اگر مالک اپنی ملکیت میں لوگوں کو نماز کے لیے اجازت دے تو وہ جگہ مسجد نہیں کہلائے گی، کیونکہ وہ اپنی ملکیت سے خارج نہیں ہوئی۔ ابن عابدینؒ لکھتے ہیں:

"المسجد ما خرج عن ملك صاحبه بوجه التأبيد ووقف على الله تعالى، أما المصلى فلا۔" (رد المحتار، ج3، ص370)

مسجد وہ ہے جو اپنے مالک کی ملکیت سے مستقل طور پر نکل کر اللہ تعالیٰ کے نام وقف ہو جائے، جبکہ مصلی ایسا نہیں ہوتا۔

مسجد اور جماعت گاہ (یا مصلیٰ) میں بنیادی فرق یہ ہے کہ مسجد اللہ کی ملکیت میں وقف ہوتی ہے، جبکہ جماعت گاہ کسی فرد یا گروہ کی ملکیت ہو سکتی ہے۔ مسجد پر تمام شرعی احکام جیسے اعتکاف، عورتوں کا داخلہ، اور نجاست سے بچاؤ کا پورا اطلاق ہوتا ہے، جبکہ جماعت گاہ میں یہ احکام محدود ہوتے ہیں۔ مسجد کا وقف ہمیشہ کے لیے ہوتا ہے اور واپس نہیں لیا جا سکتا، لیکن جماعت گاہ کا وقف عموماً وقتی یا مشروط ہوتا ہے۔ نمازِ تحیۃ المسجد مسجد میں سنت ہے، لیکن جماعت گاہ میں ایسا نہیں ہوتا۔ اس کے علاوہ، جنازہ پڑھنا اور اعتکاف کرنا مسجد میں جائز ہے، مگر جماعت گاہ میں یہ اجازت نہیں ہوتی۔

یہ زمانے کی ضرورت کے مطابق جائز اور اہم اقدام ہے، لیکن شرعی مسجد بنانا ہو تو وقف کی شرائط پوری کرنا ضروری ہے۔

کئی منزلہ عمارت میں مخصوص منزل کو مسجد کے لیے وقف کرنا: شرعی حیثیت اور احکام

وقف کے دو اقسام ہیں:

وقف عام: جہاں وقف کی چیز مکمل طور پر اللہ کے لیے مخصوص ہو اور اس میں کوئی شخص ملکیت نہ رکھے۔

وقف خاص: جہاں وقف کی کچھ حدود مقرر کی جائیں، جیسے کسی مخصوص منزل یا حصہ کا وقف۔

وقف مسجد کے لیے سطح زمین شرط ہے یا منزل بھی وقف ہوسکتی ہے؟ یہ ایک اہم سوال ہے، اور اس پر فقہاء نے اصولی طور پر وضاحت فرمائی ہے، مسجد وقف کرنے کے لیے زمین کی سطح ہونا ضروری نہیں، بلکہ کوئی بھی جگہ وقف کی جاسکتی ہے بشرطیکہ وہ علیحدہ ہو، استعمال میں مستقل ہو، مالک کی ملکیت سے خارج ہوجائے۔

الشیخ عبداللہ البسام (المجلس الأعلى للقضاء بالسعودية) فرماتے ہیں:

"العلو (الطابق العلوي) إذا خُصّ للصلاة ووقف وأُبعد عن الاستعمالات الأخرى فهو مسجد شرعي." (تيسير العلام، شرح عمدة الأحكام)

اگر بالائی منزل کو نماز کے لیے مخصوص کر دیا جائے، وقف کر دیا جائے، اور دیگر استعمالات سے دور رکھا جائے، تو وہ شرعی مسجد شمار ہوگی۔

فقہائے احناف کے یہاں بھی:

"المسجد لا يشترط فيه أن يكون على سطح الأرض، فلو بُنِيَ على سطح، أو تحت الأرض، صحّ وقفُه." (رد المحتار، باب الوقف جلد ۳ صفحہ ۳۷۰، دار الفکر بیروت)

مسجد کے لیے یہ شرط نہیں کہ وہ زمین کی سطح پر ہی ہو، بلکہ اگر اسے کسی بلند جگہ یا زیر زمین تعمیر کیا جائے، تو بھی اس کا وقف صحیح ہے۔

اگر مسجد کی منزل کو مکمل الگ رکھا جائے، اس پر کوئی تجارتی یا ذاتی تصرف نہ ہو، اور اسے مستقل وقف کر دیا جائے، تو اس کی جواز کی کئی مثالیں موجود ہیں: معاصر فقہاء اور اداروں کی آراء:

مجمع الفقہ الاسلامی (OIC):

"يجوز بناء المساجد فوق أو تحت المباني التجارية أو الإدارية، بشرط أن تكون منفصلة استقلالاً ووقفاً." (قرار رقم 43، الدورة الخامسة، مجمع الفقه الإسلامي الدولي، جدة، 10–15 جمادى الأولى 1409هـ الموافق 18–23 ديسمبر 1988م)۔

یہ جائز ہے کہ مساجد تجارتی یا انتظامی عمارات کے اوپر یا نیچے تعمیر کی جائیں، بشرطیکہ وہ علیحدہ طور پر مستقل ہوں اور ان کا وقف بھی مستقل ہو۔

موجودہ شہری و تعمیراتی تقاضوں کے مطابق ایسی صورت میں مسجد قائم کرنا شرعاً جائز اور مصلحتاً بہتر ہے، بشرطیکہ تمام شرائطِ وقف اور حدودِ مسجد کا لحاظ رکھا جائے۔

وقف کی اراضی کی فروخت اور اس کی جگہ کرایہ دار جائیدادیں خریدنے کی شرعی حیثیت

وقف ایک مقدس اسلامی ادارہ ہے جس کا بنیادی مقصد اللہ کی رضا کے لیے کسی مخصوص مال کو مستقل خیر کے لیے

مختص کرنا ہے۔ مساجد، مدارس، اور دیگر خیراتی کاموں کے لیے وقف کی گئی زمین یا جائیداد سے حاصل ہونے والی آمدنی وقف کے مقاصد کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ لیکن وقتی حالات کی تبدیلی اور مسجد کے مالی وسائل کی بہتر ضروریات کی وجہ سے بعض اوقات یہ سوال اٹھتا ہے کہ کیا وقف کی زرعی زمین کو فروخت کر کے اس کی جگہ کرایہ دار دکانیں یا دیگر جائیدادیں خریدنا جائز ہے یا نہیں؟

وقف کے حوالے سے امام ابن قدامۃ رحمہ اللہ نے فرمایا:

"الوقف هو الامتناع عن التصرف في العين مع التبرك بها والتصدق بعينها أو منافعها". (المغنی، ج 9، ص 303)

یعنی وقف ایک ایسی حالت ہے جس میں مال کو قابو میں رکھ کر اس کے منافع صدقہ جاریہ کے لیے وقف کیے جاتے ہیں۔

فقہ حنفی میں بیع موقوفہ کا اصول اس طرح درج ہے:

"يجوز بيع الموقوف إن كان ذلك في مصلحة الوقف وأصلح له، بشرط أن لا يضر بالوقف ولا يضعف ماله." (الدر المختار شرح تنوير الأبصار، ج 5، ص 123)

ترجمہ: اگر وقف کے مفاد اور اصلاح کے لیے ہو تو وقف کی چیز کو بیچنا جائز ہے، بشرطیکہ اس سے وقف کو نقصان نہ پہنچے اور اس کا اصل مال کمزور نہ ہو۔

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"يجوز للموقوف عليه أن يبيع الموقوف إذا كان ذلك يحقق مصلحة للوقف ويزيد من منفعة المسلمين." (فتاوى الشيخ ابن عثيمين، ج 4، ص 101)

وقف کی منفعت حاصل کرنے والا شخص وقف کی چیز کو بیچ سکتا ہے اگر اس سے وقف کی مصلحت پوری ہو اور مسلمانوں کو زیادہ فائدہ پہنچے۔

فقہاء نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ موقوفہ مال کی تبدیلی ممکن ہے اگر وہ وقف کے مقصد کو بہتر طریقے سے پورا کرے، اور نقصان کا اندیشہ نہ ہو۔

"يجوز تبديل الموقوف بشرط أن لا يضيع الأصل، ولا ينقص من مصلحة الوقف، وأن يكون التبديل أفضل." (المجموع شرح المهذب، ج 9، ص 178)

وقف کی چیز کو تبدیل کرنا جائز ہے، بشرطیکہ اصل مال ضائع نہ ہو، وقف کے فائدے میں کمی نہ آئے، اور تبدیلی بہتر ہو۔

وقف کی زرعی یا غیر تجارتی زمین کو فروخت کر کے اس کی جگہ ایسی جائیدادیں خریدنا شرعی طور پر جائز ہے،

بشرطیکہ نئی جائیداد مسجد کی مالی ضروریات کو بہتر انداز میں پورا کرے اور وقف کے اصل مال یا اس کے مساوی مالی فائدے کا تحفظ یقینی بنایا جائے۔ اس عمل کا مقصد وقف کے بنیادی مقصد کی خدمت کرنا اور نقصان سے بچنا ہونا چاہیے۔ مزید برآں، اس تبدیلی میں تمام قانونی و شرعی اصولوں کی مکمل پاسداری ضروری ہے تاکہ مسجد کی مالی خود کفالت اور استحکام برقرار رہ سکے اور وقف کی اصل روح محفوظ رہے۔

مسجد کی وقف شدہ اراضی پر مکاتب یا مدارس قائم کرنا اور کرایہ دار نظام سے آمدنی حاصل کرنا

وقف کی اصل روح یہ ہے کہ مال یا اراضی اللہ کی راہ میں مخصوص ہو اور اس کا منفعتی فائدہ جاری رہے۔ مساجد کی وقف شدہ زمین کا مقصد عمومی طور پر مسجد کی تعمیر، دیکھ بھال، اور عبادات کی سہولت فراہم کرنا ہوتا ہے۔ لیکن تعلیمی ادارے جیسے مکاتب و مدارس بھی دینی اور شرعی مقاصد کے لیے وقف کے دائرے میں آتے ہیں۔ تعلیمی سرگرمیاں شرعی و دینی تعلیمات کی اشاعت اور فروغ میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔

”إن أموال الوقف لا تنحصر فقط في المسجد بل تشمل ما يؤدي إلى صيانته وإدامة نشاطه كالمدارس الدينية التي تعلم العلم النافع.“ (إرشاد الفحول، ص 149)

وقف کی دولت صرف مسجد تک محدود نہیں بلکہ اس میں وہ تمام چیزیں شامل ہیں جو مسجد کی حفاظت اور سرگرمیوں کو جاری رکھنے میں مددگار ہوں، جیسے دینی مدرسے جو مفید علم سکھاتے ہیں۔

”يجوز أن يُنشأ على موقوف المسجد مدرسة أو مَكتَب يعلم فيها الناس العلم النافع، لأن ذلك من مصلحة المسجد وزيادة في منفعة الوقف.“ (الدر المختار، شرح تنوير الأبصار، ج 5، ص 350)

یعنی مسجد کے موقوفہ مال پر مکتب یا مدرسہ قائم کرنا جائز ہے بشرطیکہ یہ وقف کے مقصد یعنی دین کی خدمت میں اضافہ کرے۔

وقف شدہ زمین پر مکاتب و مدارس قائم کرنا، خاص طور پر جب مسجد کے مالی اور تعلیمی فلاح و بہبود کے لیے ہو، مختلف فقہی مکاتب میں نہایت معتبر اور مستند سمجھا جاتا ہے۔ تاریخی اور معاصر فتاویٰ اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ دینی تعلیم کی سہولت وقف کے مقاصد کا حصہ ہے اور اس میں کرایہ داری یا آمدنی کا انتظام بھی جائز ہے، اگر اس میں وقف کی روح اور مقاصد کا کوئی نقصان نہ ہو۔

مساجد اور ان کے اوقاف سے متعلق مسائل کا خلاصہ

اسلام میں مسجد صرف عبادت کی جگہ نہیں بلکہ تہذیب، تعلیم، تربیت اور معاشرتی اصلاح کا مرکز ہے۔ عہد نبوی ﷺ اور خلافت راشدہ سے لے کر آج تک مساجد کو ایک اہم ادارہ سمجھا جاتا ہے۔

عصر حاضر میں بڑھتی آبادی، جگہ کی قلت اور دیگر جدید مسائل کے سبب مساجد کی تعمیر، توسیع اور استعمال کے حوالے سے نئے فقہی سوالات پیدا ہوئے ہیں۔

وقف کی تعریف:

وقف سے مراد ہے کسی چیز کو اللہ کی رضا کے لیے مستقل اور مخصوص نفع بخش کام میں لگانا، جسے دوسرے استعمال میں لانا ناجائز ہوتا ہے۔ مسجد کی زمین وقف ہونے کے بعد وہ زمین اللہ کی ملکیت بن جاتی ہے اور اسے غیر عبادتی کام میں لانا درست نہیں۔

مسجد کی تعمیر و توسیع:

اگر مسجد چھوٹی ہو جائے یا مصلین کی تعداد بڑھ جائے تو اس کی توسیع یا دوبارہ تعمیر جائز اور مستحب ہے، خاص کر جب جگہ کی قلت ہو۔ قدیم مساجد کو مکمل مسمار کرنے کے بجائے توسیع کرنا بہتر ہے، لیکن ضرورت پڑنے پر ہٹانا بھی درست ہے، جیسا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی کی تعمیر نو کی۔

مسجد کے اضافی حصے کا استعمال:

اگر مسجد میں اضافی منزلیں بنائی جائیں تو انہیں درسگاہ یا طلبہ کی رہائش کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ وہ اصل مسجد کا حصہ نہ ہوں۔ اگر وہ وقف شدہ مسجد کے حصے ہوں تو ان کو غیر مسجد استعمال میں لانا ناجائز ہے۔

مسجد کے مالی اور انتظامی امور:

موجودہ دور میں مساجد کے مالی مسائل کے پیش نظر، مسجد کے نیچے یا اضافی حصوں کو کرایہ پر دینا جائز ہے اگر یہ مسجد کے مفاد میں ہو اور مسجد کی حرمت کو نقصان نہ پہنچائے۔ امام ابن تیمیہ، شیخ یوسف القرضاوی اور دیگر علماء اس کی اجازت دیتے ہیں۔ اسی طرح ائمہ و مؤذنین کے لیے مسجد میں رہائش کی جگہ بنانا بھی جائز اور مستحب ہے۔

مسجد کی حرمت اور جدید استعمال:

مسجد کی زمین ہمیشہ مسجد ہی رہے گی اور اس پر غیر عبادتی استعمال ناجائز ہے۔ لیکن فقہاء کا اجماع ہے کہ اگر مسجد کے نیچے یا اوپر ایسے حصے بنائے جائیں جو مسجد کے مفاد میں ہوں، مثلاً پارکنگ، وضو خانہ وغیرہ، تو یہ جائز ہے بشرطیکہ مسجد کی تقدیس و حرمت برقرار رہے۔ معاصر فقہاء بھی اس رائے کے حامل ہیں کہ جدید ضروریات کے تحت مسجد کی اضافی عمارت یا تہہ خانے میں غیر عبادتی انتظامات جائز ہیں۔

بعض المسائل المعاصرة المتعلقة بأوقاف المساجد

الأخ سلمان بن سليمان الندوي

(عضو هيئة التدريس بدار العلوم الإسلامية، أوجرة، كولم، كيرالا)

الحمد لله الذي شرع الوقف رحمة للعباد، وجعل فيه استمرار الأجر بعد الوفاة، والصلاة والسلام على سيدنا محمد وعلى آله وصحبه ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين. أما بعد:

فإن الوقف من أعظم أبواب الخير، وركن مهم في نظام التكافل الاجتماعي في الإسلام، وقد أولاه الفقهاء عناية كبيرة، ووضعوا له قواعد وضوابط تحفظ مقاصده وتراعي مصالحه ومنافعه. وفي هذا البحث سننظر أحكام بعض المسائل المعاصرة المتعلقة باستعمالات المساجد في ظل أصول تخريج مسائل الوقف عند الفقهاء، إذا نظرنا في جزئيات أحكام الوقف عند الفقهاء، رأينا ثلاثة أمور اعتبرها الفقهاء في تخريج مسائل الوقف:

١ - شروط الواقف وقصده ونيته.

٢ - . مصالح الوقف.

٣- منافع الموقوف عليه.

إذا أمعنا النظر في أحكام الوقف وجزئياته، نستطيع أن نرى أن الفقهاء اعتبروا هذه الأمور الثلاثة بهذا الترتيب. فالفقهاء في تخريج المسائل وضعوا في المرتبة الأولى شروط الواقف وقصده ونيته، فلا يجوز مخالفتها إلا إذا كانت مخالفة للشرع. وكذلك يعتبر قصده ونيته في هذا الاشتراط، فقالوا: "شرط الواقف كنص الشارع".

ووضعوا في الدرجة الثانية في تخريج المسائل اعتبار مصالح الوقف، فعلى القيم والقاضي أن يقوما بأعمال أصلح للوقف وأحسن له للتأبيد والانتفاع، مثل ترميم البناء من غلات الوقف، وكذلك البناء في أرض الوقف من غلاته قبل أن يتصدق به إلى الموقوف عليه. ومثل هذه المسائل تدل على أن القيم والقاضي يقومان بما يصلح للوقف.

ووضعوا في الدرجة الثالثة في تخريج مسائل الوقف منافع الموقوف عليهم، فخرجوا كثيرا من المسائل لأجل أن يكون الوقف أنفع للموقوف عليهم والفقراء، مثل جواز استبدال الوقف بسبب

قلة الغلة، وغيرها من المسائل.

وهذه الأمور الثلاثة معتبرة في سائر مسائل الأوقاف وفي كل أحوالها، وفي كل جهة من جهات الأوقاف. وكذلك في بعض الأحيان اعتبر الفقهاء مصالح العامة أيضا في تخريج مسائل الأوقاف، مثل تبديل بعض أرض المسجد طريقا، وبعض الطريق أرضا للمسجد، وتغيير الرحبة مسجدًا، وتغيير المسجد رحبة، وغيرها من المسائل. فهذه كلها تدل على أن الوقف مقصده أن يتقرب به الواقف إلى الله تعالى، ويتأبد ثوابه، وينتفع به من بعده، وهذا هو المقصد الأساسي للوقف. وأعظم وقف من هذه الأوقاف مساجد الله تعالى، وهو خالص لله تعالى. فيزيد أحكامه من أحكام الأوقاف الأخرى. ولا يجوز تعامل أوقاف المساجد كتعامل أوقاف أخرى. فنتفقد ونتتبع أحكام هذه المسائل المتعلقة بأحكام المساجد التي قدمها "مجلس التحقيقات الشرعية لندوة العلماء لكناؤ بهذه الأصول والاعتبارات التي اعتبرها الفقهاء. والله الموفق، وهو يهدي إلى السداد، وهو ولي التوفيق.

١. مسألة توسيع المسجد وتعميره على عدة منازل، ثم استعمال المنزل أو المنزلان منه للمسجد، وفوقه منزل أو منزلان للدراسة.

نشر العلوم الإسلامية وتنشئة جيل عالم بالأحكام الشرعية من أهم مصالح الأمة الإسلامية، بل من أهم ضروراتها وواجباتها. ونرى في الأحاديث أن المسجد النبوي كان فيه مدرسة وطلاب يسكنون فيها، مثل أبي هريرة رضي الله عنه، وكانوا يتعلمون فيها.

وقد ورد في الخبر عن أبي هريرة، يقول: إنه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم، يقول: "من دخل مسجدنا هذا ليتعلم خيرا أو يعلمه، كان كالمجاهد في سبيل الله، ومن دخله لغير ذلك كان كالناظر إلى ما ليس له" ابن حبان أورده في صحيحه كتاب العلم - ذكر التسوية بين طالب العلم ومعلمه وبين المجاهد في سبيل الله (صحيح ابن حبان 1/(287

قال الشوكاني في شرح هذا الحديث وفيه أيضا التسوية بين العالم والمتعلم والإرشاد إلى أن التعليم والتعلم في المسجد أفضل من سائر الأمكنة (نيل الأوطار: باب جامع فيما تصان عنه المساجد وما أبيح فيها)

قال الإمام الزركشي في "إعلام الساجد بأحكام المساجد" يستحب عقد حلق العلم في المساجد، وذكر المواعظ والرقائق ونحوها، والأحاديث الصحيحة في ذلك كثيرة مشهورة (ص: 328، ط. المجلس الأعلى للشؤون الإسلامية)

ويجري التعامل عند المسلمين بتعليم العلوم الشرعية في المساجد كذلك، ولم يذكر على ذلك

أحد. فبناء على هذا التعامل، نستطيع أن نقول: إذا بنيت عمارة عظيمة لا تفقد فيها مصلحة المسجد ومنفعته، ولا يكون خلل للمصلين بالدراسة، فينبغي أن يكون جائزا.

والمانع للجواز المنقول من بعض الفقهاء في هذه المسألة هو مسألة هتك الحرمة، لأن التعليم والسكن فوق المسجد يتسبب لهتك حرمة المسجد برفع الصوت، والكلام العبث، ولعب الطلاب، وغيرها من الأمور. ولكن إذا قارنا بين الحرمة والضرورة ترجحت جهة الضرورة، خاصة في هذا الزمان بسبب انتشار الردة والمفاسد في الأمة الإسلامية، وكذلك بسبب غلاء ثمن شراء الأرض الخاصة للمدارس وهذه الأمور ترجح جهة الضرورة على جهة الحرمة.

وكذلك التعليم ليس منافيا أو مخالفا للمسجدية ومقاصدها، حيث وجدنا أن الصحابة رضي الله عنهم استعملوا المسجد النبوي للدراسة والتعليم. ولكن الأفضل أن يترك المكان المتعين للمسجد القديم من المنزل الأرضي إلى الفوق مسجداً، والمكان الموسع الخارج عن المسجد القديم يستعمل للمدرسة. وإذا لم يكف المكان الموسع للدراسة والسكن، فيستعمل المكان الموسع للسكن، والمكان فوق المسجد القديم للدراسة. هذا هو الأفضل، فلا يكون هناك هتك للحرمة بأي وجه.

٢- استعمال المساجد كمستغلات يهتك حرمتها

المساجد إذا صح وقفها ينبغي أن تكون للعبادة فقط، لأنها بنيت لعبادة الله وحده ولا يصلح فيها البيع والشراء كما ورد في الحديث عن أبي هريرة، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: "إذا رأيتم من يبيع، أو يبتاع في المسجد، فقولوا: لا أربح الله تجارتك، وإذا رأيتم من ينشد فيه ضالة، فقولوا: لا رد الله عليك". قال أبو عيسى: حديث أبي هريرة حديث حسن غريب، والعمل على هذا عند بعض أهل العلم، كرهوا البيع، والشراء في المسجد، وهو قول: أحمد، وإسحاق، وقد رخص فيه بعض أهل العلم في البيع والشراء في المسجد. (جامع الترمذي - (1321)

ووجدنا أن الفقهاء صرحوا بعدم الجواز في استعمال المسجد كمستغل. قال الفقيه أبو الليث: "لا يجوز له أن يجعل شيئًا من المسجد سكنا أو مستغلا." (الإسعاف في أحكام الأوقاف 1/74 - البرهان الطرابلسي ت 922هـ).

وفي "المحيط البرهاني": "قيم المسجد إذا أراد أن يبني حوانيت في المسجد أو في فنائه لا يجوز. أما المسجد فلأنه إذا جعل مسكنا تسقط حرمة المسجد، وأما الفناء: فلأنه يتبع المسجد (المحيط

البرهاني 6/215، برهان الدين ابن مازه البخاري ت 616هـ).

قال ابن قدامة: قال أحمد، في رواية أبي داؤد في مسجد أراد أهله رفعه من الأرض، ويجعل تحته سقاية وحوانيت، فامتنع بعضهم من ذلك فينظر إلى قول أكثرهم. واختلف أصحابنا في تأويل كلام أحمد، فذهب ابن حامد إلى أن هذا في مسجد أراد أهله إنشاءه ابتداء، واختلفوا كيف يعمل؟ وسماه مسجدا قبل بنائه تجوزا؛ لأن ماله إليه، أما بعد كونه مسجدا لا يجوز جعله سقاية ولا حوانيت. وذهب القاضي إلى ظاهر اللفظ، وهو أنه كان مسجدا فأراد أهله رفعه، وجعل ما تحته سقاية لحاجتهم إلى ذلك. والأول أصح وأولى، وإن خالف الظاهر. (المغني لابن قدامة - ط مكتبة القاهرة ٦/٣٠ كتاب الوقوف والعطايا، مسألة خراب الوقف، فصل في جعل مسجد سقاية وحوانيت)

والذي نفهمه من هذه العبارة ألا نغير المسجد دكانا أو مستغلا لأن هذا التغيير مخالف للمسجدية ولحرمة المسجد. وكذلك هذا التغيير مخالف لمقصود الواقف. وعندما كان هواء المسجد في حكم المسجد إلا إذا استثني منه عند الوقف ينبغي أن لا يجوز البناء فوقه دكانا كذلك.

وأما ضرورة حصول المال لمصالح المسجد فيمكن بشراء دكان أو مستغلات أخرى لمصالح المساجد في مكان آخر بمال التعمير فالأفضل تركها مسجدا، ويشترى بهذا المال مكان آخر يستغل لمصالح المسجد.

٣. تغيير المسجد القديم إلى موقف للسيارات والبناء فوقه مسجدا

ينبغي أن يكون جائزا للضرورة، لأننا وجدنا عند الفقهاء جزئية بجواز تغيير الرحبة مسجدا وتغيير المسجد رحبة، ونظن أن هذا يدخل تحت هذه الجزئية. وفي رد المحتار: سئل أبو القَاسِمِ عَنْ أَهْلِ مَسْجِدٍ أَرَادَ بَعْضُهُمْ أَنْ يَجْعَلُوا المَسجِدَ رَحْبَةً، والرَّحْبَةَ مَسْجِدًا، أَوْ يَتَّخِذُوا لَهُ بَابًا أَوْ يَحَوِّلُوا بَابَهُ عَنْ مَوْضِعِهِ، وَأَبَى الْبَعْضُ ذَلِكَ، قَالَ: إذا اجتمع أكثرهم وَأَفضلُهُمْ لَيسَ للأقل منعه. (رد المحتار ط الحلبي ٤/٣٧٨ - ابن عابدين ت (١٢٥٢) فإذا جاز تغيير المسجد رحبة فينبغي أن يجوز تغيير المسجد إلى مكان الوقوف للسيارات، وكذلك وجدنا أن الفقهاء جوزوا تغيير بعض من المسجد طريقا لحاجة المسلمين. قال في مجمع الأنهر: (ولو ضاق المسجد على المصلين وبجنبه طريق العامة يوسع المسجد (منه) أي من الطريق إذا لم يضر بأصحاب الطريق، وكذا لو ضاق وبجنبه أرض لرجل يؤخذ أرضه بالقيمة ولو كرها وبالعكس) يعني لو ضاق الطريق وبجنبه مسجد واسع مستغنى عنه يوسع الطريق منه لأن كليهما للمسلمين والعمل بالأصلح كما في الفرائد وغيره. (٦/٣٨٣)

كتاب الوقف، فصل إذا بنى الواقف مسجدا لا يزول ملكه).

وكذلك في هذه الأيام لا تُعطى رخصة للبناء من الحكومة في كثير من المدن إلا إذا تم تعيين مكان الوقوف للسيارات لهذا المسجد، وهذا قانون من قوانين الحكومة. وكذلك أكثر المصلين يأتون بالدراجات أو السيارات فإذا وقفوها في الطريق يتضرر الناس بسبب المصلين. ففي بناء مكان الوقوف للسيارات مصلحة للوقف والموقوف عليهم. فلأجل هذه القوانين والضرورات، ينبغي أن يكون هناك مكان لوقوف السيارات، ليتيسر الأمر من قبل الحكومة ولئلا يتضرر الناس في الطريق فيجوز أن يغير المسجد موقفا للسيارات لمصالح المسجد والمصلين ويبنى فوقه مسجد.

٤. إقامة الكتاب (المدرسة في أرض المسجد)

الفقهاء نبه على تنظيف المسجد وصيانته من العبث واللهو، وتعليم الأطفال في المسجد لا يخلو عما لا يليق بالمسجد فمنع بعض الفقهاء تعليم الصبيان في المسجد وكره ذلك إلا لضرورة، قال في الموسوعة الفقهية: قال ابن الهمام من الحنفية: هؤلاء المكتبون الذين يجتمع عندهم الصبيان في المساجد للتعليم فإنه لا يجوز لهم، إذ هم لا يقصدون العبادة بل الارتزاق، ومعلم الصبيان القرآن كالكاتب إن كان بالأجر لا يجوز وحسبة الله فلا بأس به، ومنهم من فصل هذا، إن كان لضرورة الحر وغيره لا يكره وإلا فيكره، وسكت عن كونه بأجر أو غيره، فينبغي حمله على ما إذا كان حسبة، فأما إن كان بأجر فلا شك في الكراهة، وعلى هذا فإذا كان حسبة ولا ضرورة يكره، لأن نفس التعليم ومراجعة الأطفال لا تخلو عما يكره في المسجد. وقال ابن عابدين وفي الخلاصة: تعليم الصبيان في المسجد لا بأس به، (الموسوعة الفقهية الكويتية: حرف الميم مسجد، تعليم الصبيان في المسجد)

ولكن ينبغي أن يكون جائزا كما تقدم في جواب السؤال الأول، لأن تعليم الدين أمر ضروري موافق لمقاصد المسجد، فينبغي أن يكون جائزا. لأن في كثير من المدن لا تجد الأمة المسلمة مكانا غير المسجد لهذا الأمر. ولا يجدون عندهم مال كثير لشراء مكان في المدينة لتعليم الأطفال. فينبغي أن يكون جائزا بسبب الضرورة كما نقل ابن عابدين من الخلاصة.

ومع ذلك، فإن الأفضل أن يكون الكتاب خارج المسجد القديم، وكذلك للبنات البالغات مكان خاص خارج المسجد لدراستهن، لأنهن في بعض الأحيان يكن ممنوعات من دخول المسجد في الأيام الخاصة لهن. فالأفضل أن يكون تعليمهن خارج المسجد القديم، متصلا به في العمارة الجديدة.

٥. جعل وسط العمارة أو الشقة مسجدا

ينبغي أن يكون المسجد مستقلا مستغنيا عن حقوق ملك العباد. فصرح الفقهاء بعدم الصحة إذا جعل وسط البيت مسجدا لإنه يكون محيطا بحقوق العباد فلا يصح وقفه، ولكن بحسب الضرورة جوزه الفقهاء ووسعوا فيه إذا لم يكن في البلاد مكان واسع لبناء مسجد.

وَعَنْ الْحَسَنِ بْنِ زِيَادٍ أَنَّهُ إذا دخل الْعُلُو مَسْجِدًا، وَالسُّفْلُ مُسْتَغلًا لِلْمَسْجِدِ فَهذا يَجُوزُ اسْتِحْسَانًا .. وَعَنْ أبي يُوسُفَ أَنَّ ذلِكَ كُلَّهُ جَائِزٌ ، رَجَعَ إلَيْهِ حِينَ قَدِمَ بَغْدَادَ، ورأى ضِيقَ الْمَنَازِلِ بِأَهْلِهَا فَجَوَّزَ أَنْ يَجْعَلَ الْعُلُوَ مَسْجِدًا دُونَ السُّفْلِ وَالسُّفْلَ دُونَ الْعُلُو، وَهُوَ مُسْتَقِيمٌ على أصله، وقد بينا أَنَّهُ يُوَسِّع في الوقف فكَذَلِك فِي الْمَسْجِدِ. (المبسوط للسرخسي ١٢/٩٤- كتاب الهبة، باب العطية)

جاء في الموسوعة الفقهية الكويتية: أجاز الشافعية والْمَالِكِيَّةُ والحَنَابِلَة جَعَل على الدَّارِ مَسْجِدًا، دُونَ سُفْلِهَا، والعكس؛ لأنهما عَيْنَانِ يَجُوزُ وقفهما ، فَجَازَ وقف أَحَدِهِمَا دُونَ الآخر، الموسوعة الفقهية الكويتية ١٢/٢٩٥ حرف التاء، تعلي جعل علو الدار مسجدا)

وَكَذَلِك إنْ اتَّخَذَ وَسَط داره مَسْجِدًا وأذن للنَّاسِ بِالدُّخُولِ فِيهِ إذْنًا عَامًّا لَهُ أَنْ يَبِيعَهُ وَيُورَثَ عَنْهُ؛ لِأَنَّ الْمَسْجِدَ لَيْسَ لِأَحَدٍ حَقُّ الْمَنْعِ مِنْهُ، وَإِذَا كَانَ مِلْكُهُ مُحِيطًا بِجَوَانِبِهِ الْأَرْبَعِ كَانَ لَهُ حَقُّ الْمَنْعِ فَلَمْ يَصِرْ مَسْجِدًا، وَلِأَنَّهُ أَبْقَى الطريق لنفسِهِ فَلَمْ يَخْلُص لله تَعَالَى وَعَنْ كُلِّ مِنْ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ أَنَّهُ يَصِيرُ مَسْجِدًا؛ لأَنَّهُ لَمَّا رَضِيَ أَنْ يَكُونَ مَسْجِدًا وَلَمْ يصر مسجدًا إلا بالطريق، دخل فيه الطريق، وصار داخلا بلا ذكر، كما يَدْخُلُ فِي الْإِجَارَةِ بِلا ذكر .(فتح القدير للكمال ابن الهمام وتكملته ط الحلبي ٦/٢٣٥)

فقياسًا على هذه الجزئية، ينبغي أن يكون جائزا أيضا بشروط:

الف) إذا كان ذلك المكان ملكا للمسلمين ويمكن التأبيد وصيانته مسجدا.

ب) اذإ كان الطريق إلى هذه الشقة وغيره من الحقوق عامة حيث لا يستطيع لأحد المنع

(ج) وحاجة المسلمين الى المسجد ماسة.

د) عدم امكان ترك المسلمين ذلك المكان.

ولا يصح جعله مسجدا اذا كان المكان في إجارة فتصبح تلك الشقة أو الغرفة مصلى فقط. وكذلك لا يصح جعله مسجدا اذا كان الطريق غير عامة، والمراد بأن تكون عامة أن يكون الطريق في حال يمكن استعماله والدخول به الى المسجد لمن يريد الصلاة في أوقات الصلاة. وكذلك لا يوقف تلك الشقة مسجدا إذا لم تمس حاجة المسلمين اليه ماسة شديدة بسبب عدم وجود مسجد في

القريب أو عدم إمكان شراء أرض للمسجد خاصة. فإذا فقد شرط من هذه الشروط فالأفضل أن لا يوقف ذلك المكان مسجدا، بل يجعل مصلى فقط.

٦-تعمير البناء التجاري على عدة منازل واستعمال منزل واحد منها للمسجد

وهذه المسئلة نفس المسئلة التي تقدم النص فيه. لأنه اذا صح وقف الشقة مسجدا يصح بالأولى وقف الطابق أو المنزل كاملا للمسجد مع تلك الشروط، لأن مثل هذه العمارات تكون في حكم المكان العام في هذه الأيام. إذ لا بأس بجعله مسجدا إذا كانت هناك ضرورة.

٧. استبدال الوقف بأرض أخرى:

الأصل في الوقف ألا تباع ولا تستبدل ارض الوقف إذا صح وقفها فلا يجوز استبدال الوقف بأرض أخرى المجرد تكثير الغلة ولكن إذا قلت الغلة حيث لا تكفي لنفقات المسجد، فيجوز استبدالها. لأنه هو أصلح للوقف وأوفق لمقصود الواقف.

قال في فتح القدير: وروي عن محمد إذا ضعفت الأرض عن الاستغلال ويجد القيم بثمنها أخرى هي أكثر ريعا كان له أن يبيعها ويشتري بثمنها ما هو أكثر ريعا (فتح القدير: ٦/٢٠٥ كتاب الوقف)

وفيه أيضا وفي الفتاوى الظهيرية: سئل الحلواني عن أوقاف المسجد إذا تعطلت وتعذر استغلالها هل للمتولى بيعها، ويشتري بثمنها أخرى؟ قال نعم. وروى هشام عن محمد أنه قال: إذا صار الوقف بحيث لا ينتفع به المساكين فللقاضي أن يبيعه ويشتري بثمنه غيره. (فتح القدير: ٦/٢١٢)

قال في مجمع الأنهر: وأما الاستبدال بدون الشرط فلا يملكه إلا القاضي بإذن السلطان حيث رأى المصلحة فيه. وفي القنية: مبادلة دار الوقف بدار أخرى إنما تجوز إذا كانتا في محلة واحدة أو تكون المحلة المملوكة خيرا

من المحلة الموقوفة وعلى عكسه لا يجوز (٦/٣٧٧) الوقف شروط تمام الوقف)

قال ابن قدامة وإن لم تتعطل منفعة الوقف بالكلية، لكن قلت، وكان غيره أنفع منه وأكثر رد على أهل الوقف، ولم يجز بيعه، لأن الأصل تحريم البيع، وإنما أبيح للضرورة صيانة لمقصود الوقف عن الضياع، مع إمكان تحصيله، ومع الانتفاع، وإن قل ما يضيع المقصود، اللهم إلا أن يبلغ في قلة النفع إلى حد لا يعد نفعا، فيكون وجود ذلك كالعدم كتاب الوقوف والعطايا مسألة خراب الوقف فصل الوقف إذا بيع)

٨-استعمال أوقاف المسجد للمدرسة:

تحفظ أوقاف المساجد واستغلالها لمصالح المسجد حتى الإمكان من أهم مصالح الوقف. والدراسة والتعليم من أعمال المسجد كما تقدم في جواب السؤال الأول فلا بأس باستعماله للمدرسة إذا لم يحتج إليه المسجد. ويجوز استعمال الوقف في غير مقصده الأصلي إذا كان مقصد الموقوف عليه مستغنيا عنه ولم يكن فيه خلل للمقصد الأصلي. جاء في الحديث عن ابن عباس قال: أراد رسول الله الحج، فقالت امرأة لزوجها: أحججني مع رسول الله، فقال: ما عندي ما أحجك عليه، فقالت: أحججني على جملك فلان، قال: ذلك حبس في سبيل الله عز وجل، فأتى رسول الله ﷺ فقال: إن امرأتي تقرأ عليك السلام ورحمة الله، وإنها سألتني الحج معك، فقلت: ما عندي ما أحجك عليه، قالت: أحججني على جملك فلان، فقُلتُ: ذلك حبس في سبيل الله، فقال: أما إنَّك لو أحججتها عليه لكان في سبيل الله. أخرجه أبو داود: ١٩٩٠، والطبراني: (١٢٩١١)

يدل هذا الحديث على جواز استخدام الجمل المخصص للجهاد في الحج، لكون الحج من جنس أعمال سبيل الله. وبناء على ذلك، يجوز استخدام جزء من أرض المسجد التي لا يحتاجها المسجد حاليا لإنشاء مدرسة لأن الدراسة من أعمال المسجد منذ القدم، ولما في ذلك من مصلحة شرعية.

فإن هذه الأرض لا يستعمل في المسجد الآن فالافضل ان يستعملها للدراسة من أن يتركها غير منتفع بها لأن فيه فائدة للواقف والأمة المسلمة. وينبغي كذلك أن تهدم المدرسة ويُبنى فيها المسجد إذا احتاج إليه المسجد في المستقبل تحقيقا لنية الواقف.

وهذا ما أجد بالتتبع والتنقير من الكتاب والسنة ومن الكتب الفقهية والله أعلم بالصواب. وأستغفر الله لي ولوالدي ولسائر المسلمين أجمعين. وصلى الله وسلم على نبينا محمد وعلى آله وصحبه ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين، والحمد لله رب العالمين.

مساجد اوران سے متعلق اوقاف پیش آمدہ مسائل

مفتی محمد ثناالہدیٰ قاسمی
نائب ناظم امارت شرعیہ بہار اڈیشہ وجھارکھنڈ

مساجد ہماری دینی ضرورت، اللہ کا گھر اور شعائر اسلام ہیں، اس کی اہمیت ہر دور میں مسلم رہی ہے، ہمارے آباء واجداد نے اس کے لیے بڑی بڑی اراضی وقف کی ہے، اوران کا استعمال مسجد اور مفاد مسجد کے لیے ہوتا رہا ہے، لیکن زمانہ تبدیل ہوتا رہتا ہے اور تغیر زمانہ کی وجہ سے نئے نئے مسائل سامنے آتے رہتے ہیں، ایسے ہی چند مسائل پر جو ''مجلس تحقیقات شرعیہ ندوۃ العلماء'' کے ذریعے اٹھائے گئے ہیں، مختصراً کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

۱- پرانی مسجدیں جو دیہی اور شہری حلقوں میں آباد ہیں، ان کو شہید کر کے ان کی توسیع اور از سر نو تعمیر شرعاً جائز ہے اور اس میں کوئی قباحت نہیں ہے؛ البتہ پرانی مسجد کو شہید کر کے اس کی ایسی کثیر المقاصد تعمیر جس کی کسی منزل پر طلباء کی رہائش ہو، کسی منزل پر مدرسہ چلے اور دینی تعلیم کے لیے اس نئی تعمیر میں جگہ بنائی جائے یہ محل نظر ہے۔ اس لیے کہ جس مسجد کی توسیع کی جارہی ہے وہ پہلے سے مسجد ہے اور جو پہلے سے مسجد ہو اس میں اس قسم کی تبدیلی نہیں کی جاسکتی، درمختار میں ہے:

''لو بنی فوقه بیتًا للإمام لأ یضره لانه من المصالح، أما لو تمت المسجدیة ثم اراد البناء منع'' (شامی: ۴۰۶/۳)

دوسری جگہ ہے:

''اما لو تمت المسجدیة ثم اراد البناء منعه ولو قال عنیت ذلک لم یصدق فاذا کان هذا فی الوقف فکیف بغیره، فیجب هدمه ولو علی جدار المسجد'' (در مختار مع رد، کتاب الوقف: ۵۴۸/۶)

''ولو انه بنی المسجد اولأثم اراد ان یجعل تحته حانوتا لمسجد فهو مردود باطل وینبغی ان یرد الی حاله'' (الدر المختار: ۳۷۱/۳)

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی لکھتے ہیں:

''اگر یہ پورا مکان ابتداً مسجد کی نیت سے بنایا گیا اور اس عنوان سے وقف کیا گیا تو اب یہ پوری عمارت شرعاً مسجد ہے، اب اس کے آدھے حصے کو مسجد اور آدھے حصے کو مکتب نہیں بنایا جاسکتا؛ البتہ مسجد میں تعلیم دینے کی گنجائش ہے'' (کتاب الفتاویٰ: ۲۲۵/۴)

محمود الفتاوی میں ہے:

''اسی طرح اگر امام کے لیے مسجد کے اوپر یا نیچے مکان بنا دیا گیا تو اگر ابتدا ہی سے ایسا کیا تو درست ہے ورنہ نہیں'' (۶۱۹/۴) مزید لکھتے ہیں: ''اور ساتھ ہی مسجد کی ابتداء بناء سے واقف نے اس مکان کے لیے یہ نیت کی تھی تو اس کا رہنا اس میں درست ہے، ورنہ نہیں۔''

سوال میں قدیم مسجد کو شہید کر کے توسیع میں بعض منزلوں کا اضافہ، دینی تعلیم، طلبہ کی رہائش، اوپر کی کسی منزل کو کلاس روم کے طور پر استعمال کرنے کی بات کی گئی ہے، جو درست نہیں ہے کیونکہ ایسا تعمیر جدید کرنے والے سوچ رہے ہیں جو واقف کی منشا کے خلاف ہے، واقف نے پہلی تعمیر خالص مسجد کے لیے کی تھی؛ چنانچہ اس میں دیگر مقاصد کو بعد میں شامل نہیں کیا جا سکتا محمود الفتاوی میں ہے:

''اگر اولاً مسجد بنا دی گئی پھر بعد میں اس کے نیچے کوئی دکان یا اوپر کرائے کے لیے مکان بنانا ہرگز جائز نہیں، کیونکہ مسجد کے اوپر آسمان تک اور نیچے زمین کی انتہا تک سب کے سب قیامت تک کے لیے مسجد ہے، اس میں کسی جز کو اس مسجد سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا'' (۶۱۹/۴)

اس کی تائید شامی کی اس عبارت سے بھی ہوتی ہے جو انہوں نے البحر الرائق کے حوالے سے ذکر کی ہے:

''قال فی البحر: وحاصله ان شرط کونه مسجدا ان یکون سفله وعلوه مسجداً لینقطع حق العبد عنه لقوله تعالیٰ: وان المساجد للّٰه'' (۵۴۷/۶)

۲، ۳، ۴- درج بالا تفصیل کی روشنی میں قدیم مسجد کو شہید کر کے، نیچے منزل میں دکانیں، اوپر کی منزل جماعت گاہ اور اس کے اوپر امام اور مؤذن کے لیے رہائشی حجرے بنانے کی اجازت نہیں ہوگی کیونکہ یہ منشاء واقف میں تبدیلی ہے اور نیچے سے اوپر تک مسجد ہونے کے شرعی حکم کے خلاف ہے۔

اسی لیے ابتداً اگر واقف نے ان چیزوں کے ساتھ تعمیر کرنے کی اجازت دی ہے تو ٹھیک ہے، ورنہ اس کا دوسرا مصرف نہیں لیا جا سکتا ہے، البتہ مسجد میں مسلم بچے بچیوں کی تعلیم کا نظم کیا جا سکتا ہے، اس لیے کہ مسجد کے مقاصد میں سے ایک یہ بھی ہے:

''لأن المسجد ما بنی الا لها من صلاة واعتکاف وذکر شرعی، وتعلیم علم وتعلمه وقراءة القرآن''

(البحر الرائق: ۶۰/۲) ''تعلیم الصبیان فی المساجد لا بأس به''. (شامی: ۶۱۳/۹)

۵، ۶- بڑے شہروں میں مسلمانوں کی بڑی تعداد کثیر منزلہ عمارتوں اور فلیٹوں میں سکونت اختیار کی ہوئی ہے، وہاں کوئی مسجد بھی نہیں ہوتی، ایسے میں اپارٹمنٹ کے کسی حصے کو خرید کر نماز کے لیے مختص کر دیا جائے اور وہاں جماعت سے نماز ہونے لگے تو وہ مسجد شرعی کے حکم میں ہوگی اور اس پر مسجد کے احکام لاگو ہوں گے، بقیہ نیچے اوپر کی

منزلیں جن کاموں کے لیے متعین ہیں، ان میں وہ کام کیا جائے گا اور دوسری منزلوں پر مسجد کے احکام نافذ نہیں ہوں گے، اس لیے کہ مسجد کے لیے ایک ہی فلیٹ مختص کیا گیا ہے اور اجتماعی یا انفرادی طور پر اس کام کے لیے وقف کیا گیا ہے، اس لیے ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہ واقف کی منشاء کے بغیر اوپر تک مسجد ہی ہے؛ کیوں کہ یہ خلاف واقعہ ہے، یہاں اجازت ضرورۃ دی گئی ہے، فتح القدیر میں ہے:

"عن ابی یوسف انه جوز فی الوجهین حین قدم بغداد ورأی ضیق المنازل فکأنه اعتبر الضرورة، وعن محمد انه حین دخل الریّ اجاز ذلک کله لما قلنا" (هداية) "وهذا تعليل صحيح لانه تعليل بضرورة". (۲۳۵/۶)

اور جب ضرورۃً اسے مسجد قرار دے دیا گیا تو اب اس کا کوئی مالک نہیں ہوگا، اسے بیچا خریدا عاریت اور رہن پر نہیں دیا جاسکتا:

"فاذا تم ولزم لا يملک ولا يملک ولا يعاز ولا يرهن" (الدر المختار علی صدر رد المحتار: ۵۳۹/۶) "اذا صح الوقف لم يجز بيعه ولا تمليكه" (الهداية) (قوله لم يجز بيعه ولا تمليكه) هو باجماع الفقهاء۔۔۔ (اما امتناع التمليک فلما بينا) من قوله عليه السلام تصدق باصلها، لايباع ولا يورث ولا يوهب" (فتح القدير، كتاب الوقف: ۲۶۰/۶)

اسی بنا پر فتاوی امارت شرعیہ میں لکھا ہے: "ایسی جگہ پر ضرورت کا اعتبار کیا جائے گا اور اسے ضرورۃً مسجد شرعی قرار دیا جائے گا اس میں نماز پڑھنے سے شرعی مسجد کا ثواب بھی ملے گا" (۳۲۰/۶)

اس سوال کے جواب میں "المشقة تجلب التيسير"، "الضرورات تبيح المحظورات" اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد: "وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ" سے استدلال کیا جاسکتا ہے۔

۷۔ بعض مساجد کے پاس زراعتی زمین ہوتی ہے، جس سے آمدنی کم ہوتی ہے، اسے فروخت کرکے بازار میں دوکانیں خریدی جائیں؛ تاکہ مسجد کی آمدنی بڑھ جائے، ایسا کرنے کی گنجائش بھی نہیں معلوم ہوتی؛ کیونکہ یہ معاملہ استبدال کا ہے اور استبدال کی اجازت صرف آمدنی بڑھانے کے لیے نہیں دی جاسکتی:

"بيع عقار المسجد لمصلحة لا يجوز وان بامر القاضی" (فتاوی بزازیه: ۲۸۱/۶)

فقہاء حنابلہ میں ابن قدامہ نے صراحت کی ہے کہ اگر وقف کی منفعت بالکلیہ ختم نہ ہو، لیکن کم ہوجائے اور دوسری جائیداد سے فروخت کرکے حاصل کرنے پر زیادہ نفع بخش ہو تب بھی اس کی بیع درست نہیں ہے:

"ان لم تتعطل مصلحة الوقف بالكلية لكن قلت وكان غيره انفع منه واكثر رداً على اهل الوقف لم يجز بيعه". (المغنی: ۳۶۹/۵)

احناف کے یہاں بھی فتوی اسی پر ہے کہ اس صورت میں استبدال درست نہیں ہے؛ کیوں کہ خدانا ترس قضاۃ اور حکام اس کا سہارا لے کر بہت سارے اوقاف کو خرد برد کردیں گے، موجودہ حالت میں مسجد کی وہ موقوفہ اراضی کم نفع بخش سہی، لیکن وقف باقی تو ہے، شامی نے اس سلسلے میں صدر الشریعہ کا قول نقل کیا ہے:

"نحن لا نفتی به وقد شاهدنا فی الاستبدال مالا یعد ولا یحصر، فإن ظلمة القضاة جعلوه حیلة لإبطال اوقاف المسلمین". (رد المحتار: ۵۸۸/۶)

خلاصہ میں فتاوی نسفی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ مفاد و مصلحت مسجد کے لیے بھی مسجد کی زمین بیچی نہیں جاسکتی، گو قاضی کے حکم سے ہو:

"فی الخلاصة وفی فتاوی النسفی: بیع عقار المسجد لمصلحة المسجد لا یجوز وان کان بامر القاضی" (البحر الرائق: ۲۲۳/۵)

"والثالث: ان لایشترطه ایضاً ولٰکن فیه نفع فی الجملة وبدله خیر منه ربحاً ونفعاً، وهٰذا لایجوز استبداله علی الاصح المختار. (شامی، کتاب الوقف، مطلب فی استبدال الوقف: ۳۸۴/۴)

"وقوله بل اتفق انه امکن ان یؤخذ بثمنه ماهو خیر منه مع کونه منتفعاً به فینبغی ان لایجوز، لأن الواجب ابقاء الوقف علی ما کان علیه دون زیادة". (شامی: ۴۲۷/۴)

۸- مساجد سے متعلق آراضی جس میں مسجد بنی ہوئی نہ ہو، تحفظ کی غرض سے اس زمین پر مکاتب یا مدارس کا قیام کیا جاسکتا ہے، بشرطیکہ مدارس و مکاتب والے اس کام کے لیے اسے کرایہ یا لیز کے طور پر لیں اور دستاویز میں صراحت کی گئی ہو کہ یہ مسجد کی زمین ہے، اس کی آمدنی مسجد کے کام میں خرچ ہوگی اور متولی کو حق ہوگا کہ کرایہ نامہ یا لیز کے شرائط نہ پورے ہونے کی صورت میں مسجد کی زمین کو خالی کرالے، اس سے مقاصد وقف میں خلل اس لیے نہیں ہوگا کہ اس زمین پر مسجد بنی ہوئی نہیں ہے اور وہ زمین مفاد مسجد کے لیے ہے اور کرایہ کی شکل میں جو آمدنی ہو رہی ہے اسے مسجد کے کام میں لگایا جاسکتا ہے، اس طرح مسجد کی زمین کی حیثیت عرفی بچی رہے گی۔

واللہ تعالی اعلم وعلمه اتم واکمل.

مساجد اوران کے اوقاف سے متعلق چند مسائل

مولانا انور علی الاعظمی

صدر مفتی وشیخ الحدیث وسابق صدر المدرسین، دار العلوم، مئو

سوال (۱):۔ بعض بڑے اور چھوٹے شہروں میں پرانی مسجدیں موجود ہیں اور وہ الحمدللہ آباد ہیں لیکن آبادی بڑھنے کی وجہ سے توسیع کی ضرورت ہے کمیٹی چاہتی ہے کہ مسجد شہید کرکے ازسرنو اس کی تعمیر ہو اس کی ایسی توسیع ہو کہ زیادہ سے زیادہ نمازیوں کی گنجائش نکل آئے، ساتھ میں بعض منزلیں بڑھادی جائیں تاکہ دینی تعلیم کا نظم ہو اور اوپر کی کسی منزل میں طلبہ کی رہائش کا بھی نظم ہو، یہاں سوال یہ ہوتا ہے کہ اوپر کی کسی منزل کو درسگاہ بنانا اور اس سے اوپر طلبہ کی رہائش گاہ بنانا درست ہے یا نہیں؟ کیا تعلیم اور رہائش کے باقاعدہ نظم سے مسجد کی حرمت متأثر نہیں ہوگی؟ کیا یہ آداب مسجد کے خلاف عمل تو نہیں ہوگا؟ اگر ہوگا تو کیا یہ حرمت کے درجہ کا ہوگا یا صرف کراہت ہوگی؟

جواب:۔ جو جگہ نماز پڑھنے کے لیے وقف کرکے مسجد بنادی گئی وہاں امام یا کسی اور کے لیے حجرہ بنانا درست نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج۲۱ ص ۴۲۴)

مسجد یت مکمل ہونے کے بعد اس حصے کو بعد میں کسی اور دوسرے مقصد کے لیے استعمال نہیں کیا جاسکتا، نمازیوں کی گنجائش بڑھانے کے لیے اس کی توسیع کرنے میں کوئی حرج نہیں، اسی طرح دوسری منزل اور تیسری منزل بنانے میں بھی کوئی حرج نہیں، ہاں لیکن طلبہ کے لیے رہائش گاہ بنانا منشاء وقف کے خلاف ہے اور اس طرح کی گنجائش نکالنا بہت بڑے فتنے کا سبب ہے، زیادہ سے زیادہ دینی تعلیم کے لیے وقتی طور پر اس کا استعمال کیا جاسکتا ہے۔

(۱) اما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع (درمختار مع الشامی کراچی: ج٤ص٣٥٨)

(۲) كتاب الوقف فی أحكام المسجد بحر كوئٹه ج٥ ص٢٥١ كتاب الوقف.

(۳) الدر المنتقى مع المجمع ص٥٩٤ كتاب الوقف، فتاوى محمودیه ج٢١ ص٤٢٤.

سوال (۲):۔ اسی طرح بعض مساجد میں آمدنی نہیں ہوتی، مسجد کی کمیٹی چاہتی ہے کہ قدیم مسجد شہید کردی جائے اور چند منزلہ عمارت بنادی جائے جس میں نیچے کی منزل میں دوکانیں بنادی جائیں تاکہ مسجد کی آمدنی کا ذریعہ ہو اور اوپر کی منزل جماعت گاہ ہو، کیا مصالح مسجد کے پیش نظر ایسا کیا جاسکتا ہے؟ اسی طرح جماعت گاہ کی منزل سے اوپر امام اور مؤذن کے لیے ایسے حجرے بنائے جاسکتے ہیں جہاں وہ تنہا یا فیملی کے ساتھ قیام کرسکیں۔

جواب:۔قدیم مسجد کا جوایر یا پہلے سے مسجد بن چکا ہے اور وقف کے ذریعہ اس کی مسجدیت ثابت ہوچکی ہے، مسجد شہید کر کے نیچے کی منزل میں دوکانیں بنانا اور جماعت گاہ سے اوپر امام اور مؤذن کے لیے حجرے بنانا دونوں جائز نہیں ہے، چاہے وہ تنہا رہیں یا فیملی کے ساتھ۔

مسجدیت مکمل ہونے کے بعد اتنے حصے کو دوسرے مقصد کے لیے استعمال نہیں کیا جاسکتا، اسی طرح کے سوال کے جواب میں فتاویٰ محمودیہ میں یہ تحریر ہے۔ اگر وہ جگہ نماز کے لیے وقف ہے تو وہاں دوکان بنانا درست نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ: ج۲۱ ص۴۲۹)

(۱) اما لو تمت المسجدية ثم اراد البناء منع (إلى ان قال) ولا أن يجعل شيئا منه مستغلا ولا سكنى.

(در مختار مع الشامی کراچی: ج٤ص۳۵۸)

(۲) البحر الرائق: ج٥ ص۲۵۱

(۳) فتح القدیر: ج٦ ص۳۳۹

وقف کے باب میں یہ ضابطہ بہت مشہور ہے ''شرط الواقف کنص الشارع'' لہٰذا جب وہ زمین مسجد کے لیے وقف ہے تو اس حصے میں دوکان بنانا اور امام اور مؤذن کے لیے حجرہ بنانا واقف کے منشاء کے خلاف ہے، اس لیے اس کی گنجائش نہیں۔

سوال (۳):۔اسی طرح بعض مسجدیں شہر کے اندر ہوتی ہیں، آبادیاں بڑھ جاتی ہیں مسجدوں کی توسیع کی ضرورت پڑ جاتی ہے، لیکن مسجد کے اردگرد جگہیں نہیں ہوتی یا کم ہوتی ہیں، بہت سے نمازی اپنی اپنی گاڑیوں سے آتے ہیں بالخصوص کالونیوں میں رہنے والے نمازیوں کو اس کی ضرورت پڑتی ہے، لیکن وہاں گاڑیاں ٹھہرانے کی جگہ نہیں ہوتی، ایسی صورت میں کمیٹی چاہتی ہے کہ مسجد شہید کر کے ایسی شکل اختیار کی جائے کہ نیچے بیسمنٹ میں پارکنگ ہو اور اوپر مسجد ہو، سوال یہ ہے کہ قدیم مسجد میں ایسی تبدیلی جس میں نمازیوں کے گاڑیوں کی ٹھہرانے کا نظم ہو' کی جاسکتی ہے؟ کیا موجودہ حالات کے پیش نظر اس کی گنجائش ہوگی؟

جواب:۔ جتنے حصے میں وقف کے ذریعہ مسجدیت ثابت ہوچکی ہے، مسجد شہید کر کے اس حصہ کے نیچے پارکنگ کے مقصد سے بیسمنٹ بنانا جائز نہیں ہے کیونکہ مسجدیت ثابت ہونے کے بعد اتنے حصے میں کسی دوسرے مقصد سے کوئی کام نہیں کیا جاسکتا، مسجد نیچے سے اوپر تک مسجد رہتی ہے۔

اما لو تمت المسجدية ثم اراد البناء منع (إلى ان قال) ولا ان يجعل شيئا منه مستغلا ولا سكنى.

(درمختار شامی کراچی: ج٤ص۳۵۸، البحر الرائق: ج٥ ص۲۵۱، فتح القدیر: ج٦ ص۳۳۹، فتاویٰ محمودیہ: ج۲ ص٤۲۹.)

لانه مسجد إلى عنان السماء و كذا إلى تحت الثرى. (درمختار مع الشامی، کراچی: ج ۱ ص ٦٥٦)

سوال (۴):۔بعض شہروں میں جگہ جگہ قدیم مساجد ہیں، اردگرد جگہیں بھی خالی ہیں لیکن کم ہیں، دوسری طرف مسلم بچوں کی دینی تعلیم بالخصوص عصری علوم میں پڑھنے والے بچوں کے لیے جز وقتی دینی تعلیم کا نظم ضروری ہوتا ہے کمیٹی کے حضرات چاہتے ہیں کہ پوری مسجد شہید کردی جائے اور اردگرد کی جگہیں بھی لے لی جائیں اور منزلیں بنادی جائیں جس میں بیسمنٹ میں پارکنگ ہو اس کے اوپر جماعت گاہ ہو اس کے اوپر جز وقتی درسگاہ ہو یعنی مسلم بچوں کے تعلیم وتربیت کا نظم ہو اور بچوں سے تعلیمی فیس بھی لی جائے تاکہ اساتذہ کے تنخواہ کے علاوہ مسجد کے مصالح پر صرف ہو یعنی درسگاہ کی منزل کرایہ پر ہو اور یہ آمدنی مصالح مسجد پر صرف ہو، کیا موجودہ حالات کے پیش نظر ایسا کیا جاسکتا ہے؟

جواب:۔ جتنے حصہ میں قدیم مسجد تھی اس حصے میں بیسمنٹ بنا کر پارکنگ کا استعمال کرنے کی گنجائش نہیں ہے، دینی تعلیم کے لیے اوپر کی منزل میں یا بیسمنٹ میں مسلم بچوں کی تعلیم وتربیت کا نظم ہوسکتا ہے اور بچوں سے تعلیمی فیس لے کر اساتذہ کی تنخواہ بھی دی جاسکتی ہے لیکن درسگاہ کی منزل کرایہ پر نہیں دی جاسکتی (۱)۔اس لیے کہ اصل مسجد کا کوئی حصہ آمدنی حاصل کرنے کے لیے کرایہ پر دینا جائز نہیں ہے (۲)، ہاں البتہ اردگرد کی جو خالی جگہیں ہیں اگر اس میں مسجدیت ثابت ہونے سے پہلے کمرہ بنا کر اس کو دینی تعلیم کے لیے کرایہ پر دے دیا جائے یا بیسمنٹ کے طور پر اس کو استعمال کیا جائے تو اس کی گنجائش ہے، اصل مسجد میں نہ بیسمنٹ کی گنجائش ہے اور نہ اس کی کوئی منزل کرایہ پر دینا جائز ہے۔

(۱) اما لو تمت المسجدية ثم اراده البناء منع بحواله مذكوره.

(۲) لأنه مسجد إلى عنان السماء (درمختار مع الشامی کراچی: ج۱ص٦٥٦)

(۳) فتاویٰ محمودیه: ج ۱۲ ص٤٢٦ يستفاد مما في الهندية ولو كانت الارض متصلةً ببيوت المصر يرغب الناس في استيجار بيوتها كان للقيم أن يبني فيها بيوتا فيواجرها. (عالمگیری کوئٹه: ج۲ص٤١٤ كتاب الوقف/الباب الخامس خانيه على الهنديه كوئٹه: ج۳ص۳۰۰)

سوال (۵):۔بعض بڑے شہروں میں مسلمانوں کی خاصی بڑی تعداد بڑی بڑی بلڈنگوں اور اپارٹمنٹ میں رہتی ہے، وہاں کوئی مسجد نہیں رہتی، اگر مسلمان باہم مشورہ سے اپارٹمنٹ کے کسی حصے کو خرید لیں اور نماز کے لیے مختص کرلیں اور جماعت سے وہاں نماز ادا کریں تو کیا اپارٹمنٹ کا یہ حصہ مسجد شرعی کہلائے گی، کیا اس پر مسجد کے احکام جاری ہوں گے یا اسے صرف جماعت گاہ کہیں گے؟

جواب:۔اپارٹمنٹ کا یہ حصہ مسجد شرعی نہیں کہلائے گی اور اس پر مسجد کے احکام جاری نہیں ہوں گے، اسے صرف مصلی یا جماعت گاہ کہیں گے کیونکہ مسجدیت ثابت ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ زمین مکمل طور پر مسجد ہی کے لیے وقف ہو اور اتنے حصے سے بندے کی ملکیت کا تعلق ختم ہوجائے، اس کا مالکانہ حق باقی نہ رہے اور یہاں ایسا

نہیں ہے، نہ مسجد کے نیچے کا حصہ مسجد پر وقف ہے اور نہ اوپر کا حصہ بلکہ اپارٹمنٹ کے ایک حصہ کو خرید کر مسلمانوں نے نماز کی ایک جگہ حاصل کر لی ہے۔ فتاویٰ قاسمیہ میں امداد الفتاویٰ کے حوالہ سے یہ بات تحریر کی گئی ہے اور فقہاء کی عبارتوں سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے۔ فتح القدیر میں یہ عبارت مذکور ہے:

"ومن جعل مسجدا تحته سردابٌ أو فوقه بيتٌ. إلى قوله ولو كان السرداب لمصالح المسجد جاز. قال ابن الهمام: اذا كان السرداب أو العلوّ موقوفاً لصاحب المسجد فإنه يجوز، اذ لا ملك فيه لأحد بل هو من تتميم مصالح المسجد. (فتح القدير كتاب الوقف فصل واذا بنى مسجدا، زكريا: ج٦ص218)

اسی طرح سے شامی میں یہ عبارت درج ہے:

او اذا جعل تحته سرداباً لمصالحه اى المسجد جاز كمسجد القدس، قال ابن عابدين شامي: تحته وبه صرح فى الاسعاف فقال: واذا كان السرداب أو العلو لمصالح المسجد أو كان وقفا عليه صار مسجدًا. (شامی زکریا: ج٦ص٤٥٧، الموسوعة الفقهية الكويته: ج٣٧ص٢٠٢)۔

ان عبارتوں سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اگر سرداب مسجد پر وقف ہوگا یا اسی طرح سے اوپر کی منزل مصالح مسجد کے لیے تب مسجدیت ثابت ہوگی ورنہ نہیں۔ فتاویٰ محمودیہ ج ۲۱ ص ۴۲۵ میں بھی یہی مسئلہ مذکور ہے، اس میں تحریر ہے کہ جب تک وقف کر کے اس سے ملکیت کے حق کو ختم کر کے اس کا راستہ ہی الگ نہ کرایا جائے اور اس میں سب کو آنے اور نماز پڑھنے کا پورا اختیار نہ دے دیا جائے وہ شرعی مسجد نہیں ہوگی۔

"وحاصله أن شرط كونه مسجداً ان يكون سفله وعلوه مسجدا لينقطع حق العبد عنه." (شامی کراچی: ج٦ص٣٨ بحوالہ فتاویٰ محمودیہ: ج٢١ص٤٢٥)

سوال (٦):۔ بعض اہل ثروت کئی منزلہ عمارت تعمیر کرتے ہیں اور شروع ہی سے ان کی نیت ہوتی ہے کہ کسی ایک منزل کو مسجد بنانا ہے اور طے کریں کہ تیسری منزل مسجد رہے گی اور نیچے کی منزلیں کمرشیل کمپلیکس رہے گا اور چوتھی اور پانچویں منزلوں میں کمپنی یا طباعتی ادارہ کے آفس ہوں گے، یعنی نیٹ ورکنگ سسٹم کا کام ہوگا۔ سوال یہ ہے کہ ایسی عمارت میں جو منزل مسجد متعین ہوگی کیا وہ مسجد شرعی کہلائے گی؟ کیا اس پر مسجد کے احکام جاری ہوں گے؟

جواب:۔ ایسی عمارت میں جو منزل مسجد کے نام پر متعین کیا ہے وہ مسجد شرعی نہیں کہلائے گی اور اس پر مسجد کے احکام بھی جاری نہیں ہوں گے، وہ صرف مصلی یا جماعت گاہ ہوگی، اس لیے کہ شرعی مسجد کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس کے نیچے اور اوپر سے بندے کا حق ملکیت ختم ہو جائے اور وہ زمین اللہ تعالیٰ کے لیے وقف کر دی جائے اور یہاں ایسا نہیں ہے، یہاں پہلے ہی سے مالک زمین نے نیچے اور اوپر کی منزلیں اپنے کاروباری مقاصد کے لیے اور آمدنی کا ذریعہ بنانے کے لیے طے کر رکھا ہے اس لیے یہاں مسجدیت ثابت نہیں ہوگی، اس کے حوالہ میں اوپر سوال نمبر ۵ میں

ساری عبارات ذکر کردی گئی ہیں۔

سوال (۷):۔ کچھ مسائل مسجد کے آراضی اور پراپرٹی سے بھی متعلق ہیں جو عام طور پر پیش آتے ہیں، مثلاً بعض مساجد کی آمدنی کے لیے کچھ آراضی ہوتی ہے جو زراعتی ہوتی ہے عموماً زراعت میں اخراجات بہت ہوجاتے ہیں اور آمدنی کم ہوتی ہے جس سے مسجد کے اخراجات پورے نہیں ہوتے متولیان چاہتے ہیں کہ آراضی فروخت کردی جائیں اور ان کے بدلے بازار میں دوکانیں خریدی جائیں تاکہ بذریعہ کرایہ مسجد کو اتنی آمدنی آتی رہے جس سے اخراجات پورے ہوں، سوال یہ ہوتا ہے کہ زائد آمدنی کے پیش نظر مسجد کی آراضی فروخت کرکے دوسری زائد آمدنی والی آراضی یا دوکانیں خریدنا درست ہے؟ اس سوال میں نزاکت یہ ہے کہ عموماً دیکھا جاتا ہے کہ اوقات کی آراضی فروخت ہونے کے بعد ضائع ہوجاتی ہے اور بدل شاذونادر ہی حاصل ہو پاتا ہے۔ ایسی صورت میں کیا زائد آمدنی کے لیے موقوفہ آراضی فروخت کرکے دوکانیں خریدی جاسکتی ہیں؟

جواب:۔ وقف زمین کو فروخت کرنا درست نہیں، اس کی بیع قطعاً ناجائز ہے بلکہ اس زمین سے آمدنی حاصل کرکے مصالح مسجد پر خرچ کرنا واجب ہے۔

فإذا تم اى (الوقف) ولزم لايملك ولا يملك اى لا يقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه لإستحالة تمليك الخارج عن ملكه. (شامى كراچى: ج٤ص٣٥٢)

(٢) شرط الواقف كنص الشارع (الدر مع الشامى كراچى: ج٤ص٤٣٣ كتاب الوقف، تبيين الحقائق: ج٣ص٣٢٩-النهر الفائق: ج٣ص٣٢٥ بحواله فتاوىٰ محموديه: ج٢١ص٤٦٧، ج٢١ص٤٧٢.)

یہاں پر ایک بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ واقف نے اپنی آراضی مسجد پر وقف کیا اور اس میں اس کو بدلنے کی گنجائش نہیں دی تو اس صورت میں اس کو بیچنا واقف کے منشاء اور اس کی شرط کے خلاف ہے اور وقف کے باب میں واقف کے شرط کی بڑی اہمیت ہے، چنانچہ یہ جملہ ایک ضابطہ کی طرح ہے ''شرط الواقف كنص الشارع'' دوسری بات یہ ہے کہ یہاں یہ خطرہ بھی موجود ہے کہ اوقاف کی آراضی فروخت ہونے کے بعد ضائع ہوجاتی ہیں تو زائد آمدنی کے چکر میں موقوفہ آراضی کو خطرہ میں ڈالنا دانشمندی کے خلاف ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ آج کے دور میں جیسے جیسے وقت گذرتا ہے دوکانوں کا کرایہ بھی بڑھانا مشکل ہوتا ہے وقتی طور پر تو کرایہ سے کچھ زائد آمدنی محسوس ہوتی ہے لیکن بعد میں وہی کرایہ بہت کم لگتا ہے اور بجائے نفع کے نقصان معلوم ہوتا ہے، اس لیے ان اسباب اور وجوہات کی بناء پر مسجد کی آراضی اور پراپرٹی کو بیچنے سے گریز کرنا چاہیے۔ بعض ناگزیر حالات ایسے پیدا ہوسکتے ہیں کہ کوئی شخص اس زمین پر غاصبانہ قبضہ کرلے تو اس صورت میں بیچنا مجبوری بن جاتا ہے۔

سوال (۸):۔ بعض مساجد ایسی ہوتی ہے کہ ان سے متعلق آراضی ہوتی ہیں جو مساجد کی ملکیت ہوتی ہے کمیٹی

اس کے تحفظ اور مسجد کے آمدنی کے پیش نظر وہاں مکاتب یا مدارس قائم کر دینا چاہتی ہے، سوال یہ ہے کہ مساجد کی آراضی میں مکاتب یا مدارس قائم کرنا درست ہے؟ اگر تعمیرات کے بعد کرایہ مقرر کر دیا جائے اور آمدنی مسجد کو دی جائے اور وہاں تعلیمی نظام جاری رہے تو شرعاً اس کی اجازت ہوگی؟ اس سے مقاصد وقف میں خلل تو نہیں ہوگا؟ تحفظ کی غرض سے کیا یہ تصرف درست ہوگا؟

جواب:۔ مسجد کی زمین اگر خالی پڑی ہے اور موجودہ حالات میں اس کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے تو تحفظ کی غرض سے وہاں مکتب یا مدرسہ قائم کرنے کی گنجائش ہے۔ البتہ اس کا کچھ کرایہ متعین کر کے مسجد کو دینا چاہیے، جس طرح پڑھانے والوں کے لیے چندہ یا فیس کے ذریعہ تنخواہ دی جائے گی اسی طرح اس زمین کا کرایہ بھی ادا کرنا چاہیے۔ یہاں ایک بنیادی بات یہ ہے کہ مسجد پر موقوفہ آراضی مسجد ہی کی رہے گی، آئندہ بھی مسجد کے حق میں اس کا تحفظ ضروری ہے اور اس کے لیے ایک اہم بات یہ ہے کہ مسجد ہی کی کمیٹی وہ مدرسہ یا مکتب چلائے الگ سے اس کی نئی کمیٹی نہ ہو، دو کمیٹیاں ہونے کی صورت میں طرح طرح کے مسائل پیدا ہوں گے۔ فتاویٰ ہندیہ میں یہ عبارت مذکور ہے:

”اما المال الموقوف على المسجد الجامع إن لم تكن للمسجد حاجة للحال فللقاضي أن يصرف في ذلك لكن على وجه القرض فيكون ديناً في مال الفيئ. (هنديه الوقف قبيل الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر: ج۲ص٤٦٤، ج۲ ص٤١٤- الفتاوىٰ تاتار خانيه: ج۸ص۱۹۹ رقم ۱۱٦۳۱- المحيط البرهاني: ج ۹ ص۱٥٤ رقم۱۱٤۰۲ بحواله فتاوى قاسميه: ج۱۷ص۵۰۰)

هذا ما عندي والله اعلم بالصواب

مساجد واوقاف سے متعلق کچھ تحقیق طلب مسائل

مولانا بدر احمد مجیبی ندوی

پھلواری شریف

اللھم صل علی سیدنا و مولانا محمد النبي الأمي و علی آله و صحبه و بارک و سلم.

مجلس تحقیقات شرعیہ ندوۃ العلماء لکھنو کے ساتویں فقہی سیمینار (۲۰۲۵ء) کے ایک موضوع: ''مساجد اور اوقاف سے متعلق چند مسائل'' کے سوالات کے جواب پیش کئے جارہے ہیں۔

(۱) بعض بڑے اور چھوٹے شہروں میں پرانی مسجد میں موجود ہیں اور وہ الحمدللہ آباد ہیں لیکن آبادی بڑھنے کی وجہ سے توسیع کی ضرورت ہے کمیٹی چاہتی ہے کہ مسجد شہید کرکے از سر نو اس کی تعمیر ہو، اس کی ایسی توسیع ہو کہ زیادہ سے زیادہ نمازیوں کی گنجائش نکل آئے۔ ساتھ ہی بعض منزلیں بڑھادی جائیں تاکہ دینی تعلیم کا نظم ہو اور اوپر کی کسی مسجد میں طلبہ کی رہائش کا بھی نظم ہو، یہاں یہ سوال ہوتا ہے کہ اوپر کی کسی منزل کو درسگاہ بنانا اور اس سے اوپر طلبہ کی رہائش گاہ بنانا درست ہے یا نہیں؟ کیا تعلیم اور رہائش گاہ کے باقاعدہ نظم سے مسجد کی حرمت متاثر نہیں ہوگی؟ کیا یہ آداب مسجد کے خلاف عمل تو نہیں ہوگا؟ اگر ہوگا تو کیا یہ حرمت کے درجہ کا ہوگا یا صرف کراہت ہوگی؟

جواب: جس جگہ ایک مرتبہ مسجد شرعی بنادی گئی تو وہ قیامت تک اوپر سے نیچے تک مسجد ہی رہے گی۔ اس کے کسی حصے کو طلبہ کی رہائش گاہ بنانا اور ہوٹل کے طور پر استعمال کرنا درست نہیں ہے۔ یہ مسجد کی حرمت کے خلاف ہے۔ اس میں کراہت تحریمی ہوگی۔ البتہ مسجد میں تعلیم دی جاسکتی ہے۔ لیکن اس کو مستقل درسگاہ بنادینا مناسب نہیں ہے۔

وان المساجد لله (سورہ جن: ۱۸)

حاصله: ان شرط كونه مسجدا ان يكون سفله و علوه مسجدا لينقطع حق العبد عنه، لقوله تعالى: وان المساجد لله .... لو جعل مسجدا ثم اراد ان يبنى بيتا للامام او غيره هل له ذلك؟ قلت: قال في التتارخانية: اذا بنى مسجدا و بني غرفة و هو في يده فله ذلك. و ان كان حين بناه خلى بينه و بين الناس ثم جاء بعد ذلك يبنى لا يتركه، و في جامع الفتاوى: اذا قال عنيت ذلك فانه لا يصدق الخ فاذا كان هذا في الواقف فكيف بغيره، فمن بنى بيتا على جدار المسجد وجب هدمه و لا يجوز اخذ الاجرة، و في البزازية: و لا يجوز للقيم ان يجعل شيئا من المسجد مستغلا و لا مسكنا. (البحر الرائق (۴۲۱۵)

ويكره النوم والاكل فيه لغير المعتكف، واذا اراد ان يفعل ذلك ينبغي ان ينوي الاعتكاف فيه فيدخل فيه ويذكر الله بقدر ما نوى او يصلي ثم يفعل ما يشاء. واذا كتب العلم او القرآن في المسجد بأجر فانه يكره. (فتاوى سراجية، كتاب الكراهية والاستحسان ص ۳۱۵)

ويكره النوم والاكل فيه لغير المعتكف. (هندية)

يجوز الدرس في المسجد وان كان فيه استعمال اللبود والبوارى المسيلة لاجل المسجد، كذا في القنية. (هندية، البحر الرائق (۴۱۹/۵)

ويكره كل عمل من عمل الدنيا في المسجد. ولو جلس المعلم في المسجد والوراق يكتب فان كان المعلم يعلم للحسبة.

والوراق يكتب لنفسه فلابأس به لانه قربة، وان كان بالاجرة بكره الا ان يقع لهما الضرورة. كذا في محيط السرخسي. (هندية)

قلت: وبهذا علم حرمة احداث الخلوات في المساجد كالتي في رواق المسجد الاموى، ولاسيما ما يترتب على ذلك من تقدير المسجد بسبب الطبخ والغسل ونحوه، ورأيت تاليفا مستقلا في المنع من ذلك. (رد المحتار، كتاب الوقف)

(۲) اسی طرح بعض مساجد میں آمدنی نہیں ہوتی ہے، مسجد کی کمیٹی چاہتی ہے کہ قدیم مسجد شہید کردی جائے اور چند منزلہ عمارت بنادی جائے جس میں نیچے منزل میں دکانیں بنادی جائیں تاکہ مسجد کی آمدنی کا ذریعہ ہو اور اوپر کی منزل جماعت گاہ ہو۔ کیا مصالح مسجد کے پیش نظر ایسا کیا جاسکتا ہے؟ اس طرح جماعت گاہ کی منزل سے اوپر امام اور موذن کے لئے ایسے حجرے بنائے جاسکتے ہیں جہاں وہ تنہا یا فیملی کے ساتھ قیام کرسکیں؟

جواب: یہ درست نہیں ہے۔ جدید مسجد بناتے وقت تو یہ ہوسکتا ہے کہ اس طریقہ سے مسجد بنائی جائے کہ اس میں نیچے دکانیں ہوں جس کی آمدنی مسجد کے لئے ہو اور اوپر مسجد ہو، اسی طرح امام ومؤذن کے لئے اس میں حجرے بنادئے جائیں۔ لیکن جو مسجد مکمل ہوچکی ہے اور اس میں جماعت ہورہی ہے یا کوئی قدیم مسجد ہے اس کو شہید کرکے اس طرح تعمیر کرنا درست نہیں ہے۔

اذا اراد انسان ان يتخذ تحت المسجد حوانيت غلة للمسجد او فوقه ليس له ذلك، كذا في الذخيرة. (الهندية (۴۵۵/۲) لو بنى فوقه بيتاً للامام لا يضر، لانه من المصالح، اما لو تمت المسجدية ثم اراد البناء منع، ولو قال: عنيت ذلك لم يصدق، تاتر خانية، فاذا كان هذا في الواقف فكيف بغيره فيجب هدمه ولو على جدار المسجد. ولا يجوز اخذ الاجرة منه ولا ان يجعل شيئا منه

مستغلا و لا سکنی، بزازیة (الدر المختار مع رد المحتار (۵۴۸/۶)

(۳) اسی طرح بعض مسجدیں شہر کے اندر ہوتی ہیں، آبادیاں بڑھ جاتی ہیں مسجدوں کی توسیع کی ضرورت پڑ جاتی ہے، لیکن مسجد کے اردگرد جگہیں نہیں ہوتیں یا کم ہوتی ہیں، بہت سے نمازی اپنی اپنی گاڑیوں سے آتے ہیں، بالخصوص کالونیوں میں رہنے والے نمازیوں کو اس کی ضرورت پڑتی ہے، لیکن وہاں گاڑیاں ٹھہرانے کی جگہیں نہیں ہوتیں، ایسی صورت میں کمیٹی چاہتی ہے کہ مسجد شہید کر کے ایسی شکل اختیار کی جائے کہ نیچے بیسمنٹ میں پارکنگ ہو اور اوپر مسجد ہو، سوال یہ ہے کہ قدیم مسجد میں ایسی تبدیلی جس میں نمازیوں کی گاڑیوں کے ٹھہرانے کا نظم ہو، کی جاسکتی ہے؟ کیا موجودہ حالات کے پیش نظر اس کی گنجائش ہوگی؟

جواب: نئی مسجد بنانے کے وقت اگر واقف یا واقفین نیچے بیسمنٹ میں پارکنگ بنادیں تاکہ نماز کے لئے آنے والے لوگ اپنی گاڑی وہاں پارک کرسکیں اور اوپر مسجد ہو تو ضرورت کے تحت اس کی اجازت ہوگی۔ کیونکہ وقف میں پہلے ہی اس کا ارادہ کیا گیا ہے۔ فقہاء کرام اس کی اجازت دیتے ہیں۔

لیکن قدیم مسجد کو شہید کر کے اس کے نیچے کے حصے میں گاڑیوں کی پارکنگ بنانا درست نہیں ہے۔ کیونکہ ایک مرتبہ مسجد ہوجانے کے بعد اس کے کسی حصہ کو مسجد سے خارج نہیں کرسکتے اور واقف کی شرط کا اعتبار کرنا بھی ضروری ہے۔ گاڑیوں کی پارکنگ کے لئے متبادل انتظامات ہوسکتے ہیں، مسجد سے قریب میں کوئی جگہ خرید کر یا کرایہ پر لی جاسکتی ہے جس میں گاڑی سے آنے والے نمازیوں کے لئے پارکنگ کا انتظام ہو۔

في الحاوي و في المنتقى: اذا بنى الرجل مسجدا و بنى فوقه غرفة و هو في يده فله ذلك، و ان كان حين بناه خلى بينه و بين الناس ثم جاء بعد ذلك بنى لا يترك. (المحيط البرهاني، ۷۵/۱۲)

(۴) بعض شہروں میں جگہ جگہ قدیم مساجد ہیں، اردگرد جگہیں بھی خالی ہیں، لیکن کم ہیں، دوسری طرف مسلم بچوں کی دینی تعلیم بالخصوص عصری اسکولوں میں پڑھنے والے بچوں کے لئے جزء وقتی دینی تعلیم کا نظم ضروری ہوتا ہے۔ کمیٹی کے حضرات چاہتے ہیں کہ پوری مسجد شہید کردی جائے اور اردگرد کی جگہیں بھی لے لی جائیں اور چند منزلیں بنادی جائیں جس میں بیسمنٹ میں پارکنگ ہو، اس کے اوپر جماعت گاہ ہو، اس کے اوپر جزء وقتی درس گاہ ہو، یعنی مسلم بچوں کی تعلیم و تربیت کا نظم ہو اور بچوں سے تعلیمی فیس بھی لی جائے تاکہ اساتذہ کی تنخواہ کے علاوہ مسجد کے مصالح پر صرف ہو، یعنی درس گاہ کی منزل کرایہ پر ہو اور یہ آمدنی مصالح مسجد پر صرف ہو۔ کیا موجودہ حالات کے پیش نظر ایسا کیا جاسکتا ہے؟

جواب: یہ صورت بھی درست نہیں ہے، یہ مسجد کے احترام کے منافی ہے اور واقف کے مقصد کے خلاف ہے۔

قيم المسجد لا يجوز له ان يبنى حوانيت في حد المسجد اؤ في فنائه، لان المسجد اذا جعل حانوتا

ومسكنا تسقط حرمته وهذا لا يجوز، والفناء تبع المسجد فيكون حكمه حكم المسجد، كذا في محيط السرخسي (هندية، الفصل الثاني في الوقف وتصرف القيم وغيره)

(۵) بعض بڑے شہروں میں مسلمانوں کی خاصی تعداد بڑی بڑی بلڈنگوں اور اپارٹمنٹ میں رہتی ہے، وہاں کوئی مسجد نہیں ہوتی، اگر یہ مسلمان باہم مشورہ سے اپارٹمنٹ کے کسی حصہ کو خرید لیں اور نماز کے لئے مختص کر لیں اور جماعت سے وہاں نماز ادا کریں تو کیا اپارٹمنٹ کا یہ حصہ مسجد شرعی کہلائے گی؟ کیا اس پر مسجد کے احکام جاری ہوں گے؟ یا اسے صرف جماعت گاہ کہیں گے؟

جواب: اگر چہ فلیٹ کو نماز پڑھنے کی نیت سے خریدا گیا ہے لیکن اس پر خریدنے والوں کی اپنی ملکیت برقرار ہے، اس کو مسجد کے لئے وقف نہیں کیا گیا ہے تو وہ جماعت خانہ ہے، اس پر مسجد شرعی کے احکام جاری نہیں ہوں گے۔ کیونکہ مسجد کے لئے ضروری ہے کہ اس کو مسجد کے لئے وقف کر کے اپنی ملکیت سے نکال دیا گیا ہو۔

و من بنى مسجداً لم يزل ملكه عنه حتى يفرزه عن ملكه بطريقه ويأذن بالصلاة فيه، واذا صلى فيه واحد زال ملكه، اما الإفراز فانه لا يخلص لله تعالى الا به، واما الصلاة فيه فلانه لابد من التسليم عند ابي حنيفة ومحمد، فيشترط تسليم نوعه وذلك في المسجد بالصلاة فيه. (البحر الرائق، كتاب الوقف).

(۶) بعض اہل ثروت کئی منزلہ عمارت تعمیر کرتے ہیں اور شروع ہی سے ان کی نیت ہوتی ہے کہ کسی ایک منزل کو مسجد بنانا ہے اور یہ طئے کر لیں کہ یہ تیسری منزل مسجد رہے گی اور نیچے کی دو منزلیں کمرشیل کمپلیکس رہے گا اور چوتھی و پانچویں منزلوں کمپنی یا طباعتی ادارے کے آفس ہوں گے، یا نیٹ ورکنگ کا سسٹم ہوگا۔ سوال یہ ہے کہ ایسی عمارت میں جو منزل مسجد کے لئے متعین ہوگی کیا وہ مسجد شرعی کہلائے گی؟ کیا اس پر مسجد کے احکام جاری ہوں گے؟

جواب: ظاہر مذہب کے مطابق یہ صورت درست نہیں ہے، وہ شرعی مسجد نہیں ہوگی۔ لیکن بڑے شہروں میں مساجد کی کمی ہوتی ہے، علیحدہ سے زمین پر مستقل مسجد بنانے کی دشواری اور نماز پڑھنے والوں کی پریشانی کے پیش نظر امام ابو یوسف اور امام محمد کی روایت پر عمل کی گنجائش ہے، اس روایت کی بنیاد پر اس کا جواز عام ہوگا۔ اس صورت میں اگر اپارٹمنٹ کے کسی فلیٹ کو خرید کر بطور مسجد نماز پڑھنے کے لئے وقف کر دیا گیا ہے اور اس کا مستقل راستہ بھی ہے تو وہ فلیٹ مسجد کے حکم میں ہو جائے گا، اور اس پر مسجد شرعی کے احکام جاری ہوں گے۔ خواہ اس کے اوپر اور نیچے کی منزلیں مسجد سے متعلق نہ ہوں، بلکہ دوسروں کی ملکیت ہوں۔

و روى الحسن عنه انه قال: اذا جعل السفل مسجدا وعلى ظهره مسكن فهو مسجد، لان المسجد مما يتأبد وذلك يتحقق في السفل دون العلو، وعن محمد على عكس ذلك، لان المسجد معظم،

واذا كان فوقه مسكن او مستغل يتعذر تعظيمه، وعن ابي يوسف انه جوز في الوجهين حين قدم بغداد ورأى ضيق المنازل، فكانه اعتبر الضرورة، وعن محمد انه حين دخل الرى أجاز ذلك كله لما قلنا. هداية مع الفتح، فصل اذا بنى مسجدا (هذا تعليل صحيح لانه تعليل بالضرورة. فتح القدير)

وروى الحسن عن أبي حنيفة انه أجاز أن يكون الاسفل مسجدا والاعلى ملكا، لان الاسفل اصل وهو يتأبد ولم يجز عكسه، وعن محمد عكسه لان المسجد معظم ولا تعظيم اذا كان فوقه مستغل او مسكن بخلاف العكس، وعن ابي يوسف انه اجاز الوجهين حين قدم بغداد ورأى ضيق الاماكن، وروى عن محمد مثله حين قدم الرى تبيين. (الحقائق، كتاب الوقف، فصل من بنى مسجدا)

وعن ابي يوسف انه اجاز ان يكون الاسفل مسجدا والاعلى ملكالان الاسفل اصل، عن محمد انه حين دخل الرى ورای ضيق الامكنة جوز ذلك. (المحيط البرهانی: ۱۲/۷۵)

(۷) کچھ مسائل مسجد کی اراضی اور پراپرٹی سے بھی متعلق ہیں جو عام طور پر پیش آتے ہیں، مثال بعض مساجد کی آمدنی کے لئے کچھ اراضی ہوتی ہیں جو زراعتی ہوتی ہیں، عموماً زراعت میں اخراجات بہت ہوجاتے ہیں اور آمدنی کم ہوتی ہے جس سے مسجد کے اخراجات پورے نہیں ہوتے۔ متولیان چاہتے ہیں کہ اراضی فروخت کردی جائیں اور ان کے بدلہ میں بازار میں دوکانیں خریدی جائیں تاکہ بذریعہ کرایہ مسجد کو اتنی آمدنی آتی رہے جس سے اخراجات پورے ہوں۔

سوال یہ ہوتا ہے کہ کیا زائد آمدنی کے پیش نظر مسجد کی اراضی فروخت کرکے دوسری زائد آمدنی والی اراضی یا دوکانیں خریدنا درست ہے؟ اس سوال میں نزاکت یہ ہے کہ عموماً دیکھا جاتا ہے کہ اوقاف کی اراضی فروخت ہونے کے بعد ضائع ہوجاتی ہیں اور بدل شاذ و نادر ہی حاصل ہو پاتا ہے، ایسی صورت میں کیا زائد آمدنی کے لئے موقوفہ اراضی فروخت کرکے دکانیں خریدی جاسکتی ہیں؟

جواب: فقہاء کرام نے استبدال کے جو شرائط مقرر کئے ہیں ان پر عمل کرکے استبدال ہوسکتا ہے تو کیا جاسکتا ہے۔ علامہ شامی نے اس میں ایک شرط کا اضافہ کیا ہے کہ استبدال میں رقم نہ لی جائے بلکہ جائیداد کا تبادلہ جائیداد سے کیا جائے۔

اگر اس کا لحاظ کیا جائے کہ اراضی کے بدلہ میں دوکان خرید لی جائیں یعنی اراضی کا تبادلہ دوکانوں سے کیا جائے تو وقف کی اراضی کے ضیاع کا اندیشہ نہیں رہے گا یا کم ہوجائے گا۔

اعلم ان الاستبدال على ثلاثة وجوه، الأول: ان يشرطه الواقف لنفسه او لغيره او لنفسه وغيره فالاستبدال فيه جائز على الصحيح وقيل: اتفاقاً. والثاني: ان لا يشرطه، سواء شرط عدمه او يسكت

لكن صار بحيث لا ينتفع به بالكلية بان لا يحصل منه شيء اصلا، او لا يفي بمؤنته فهو ايضاً جائز على الاصح اذا كان باذن القاضي ورأيه المصلحة فيه. والثالث : ان لا يشرطه ايضاً ولكن فيه نفع في الجملة وبدله خير منه ريعا ونفعا. وهذا لا يجوز استبداله على الاصح المختار، كذا حرره العلامة قنالى في رسالته الموضوعة في الاستبدال .... وافاد صاحب البحر في رسالته في الاستبدال ان الخلاف في الثالث انما هو في الأرض اذا ضعفت عن الاستغلال بخلاف الدار اذا ضعفت بخراب بعضها ولم تذهب اصلا، فانه لا يجوز حينئذ الاستبدال على كل الاقوال. (رد المحتار للشامي، مطلب في استبدال الوقف وشروطه)

قوله: وشرط في البحر الخ عبارته وقد اختلف كلام قاضى خان، في موضع جوزه للقاضي بلا شرط الواقف حيث رأى المصلحة فيه ، وفى موضع منع منه ولو صارت الارض بحال لا ينتفع بها، والمعتمد انه بلاشرط يجوز للقاضي بشرط ان يخرج عن الانتفاع بالكلية، وان لا يكون للوقف ريع يعمر به، وان لا يكون البيع بغبن فاحش، وشرط الإسعاف ان يكون المستبدل قاضي الجنة المفسر بذى العلم والعمل، لئلا يحصل التطرق الى ابطال اوقاف المسلمين كما هو الغالب في زماننا. اه. ويجب ان يزاد آخر في زماننا وهو ان يستبدل بعقار، لابدراهم و دنانير، فانا قد شاهدنا النظار يأكلونها وقل ان يشترى بها بدلا، ولم تر احدا من القضاة فتش على ذلك مع كثرة الاستبدال في زماننا. الخ (رد المحتار للشامي، مطلب في استبدال الوقف وشروطه

(۸) بعض مساجد ایسی ہوتی ہیں کہ ان سے متعلق اراضی ہوتی ہیں جو مساجد کی ملکیت ہوتی ہیں، کمیٹی اس کے تحفظ اور مسجد کی آمدنی کے پیش نظر وہاں مکاتب یا مدارس قائم کر دینا چاہتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ مساجد کی اراضی میں مکاتب یا مدارس قائم کرنا درست ہے؟ اگر تعمیرات کے بعد کرایہ مقرر کر دیا جائے اور آمدنی مسجد کو دی جائے اور وہاں تعلیمی نظام جاری رہے تو شرعاً اس کی اجازت ہوگی؟ اس سے مقاصد وقف میں خلل تو نہیں ہوگا؟ تحفظ کی غرض سے کیا یہ تصرف درست ہوگا؟

جواب: اگر مسجد کے اخراجات کے لئے اراضی وقف کی گئیں ہیں تو ان اراضی میں اس طرح مدرسہ یا مکتب قائم کرنا کہ یہ اراضی مسجد کی باقی نہ رہیں بلکہ مدرسہ یا مکتب کی ملکیت ہو جائیں درست نہیں ہے۔ کیونکہ یہ واقف کے مقصد کے خلاف ہے اور وقف کی چیزوں کو بیچ یا ھبہ نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ مسجد کمیٹی مسجد پر وقف اراضی میں عمارت تعمیر کرا کے مدرسہ کو کرایہ پر دے اور کرایہ مسجد کی آمدنی میں شامل کیا جائے تو یہ درست ہوگا۔ اسی طرح اگر مسجد کی اراضی پر مدرسے والے عمارت خود تعمیر کر لیں اور زمین کا کرایہ مسجد کو دیں تو یہ بھی درست ہونا چاہئے۔

مساجد اوران کے اوقاف کے مسائل

ڈاکٹر محمد فہیم اختر ندوی
پروفیسر اسلامک اسٹڈیز، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

مساجد اللہ کے گھر ہیں، ان کی ملکیت کسی انسان کی نہیں ہوتی ہے، بلکہ وہ صرف اللہ کی ملکیت میں ہوتی ہیں۔ اللہ کا ارشاد ہے: ''وأن المساجد للہ'' (۱)۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو سب سے پہلے مسجد نبویؐ تعمیر فرمائی، اس کے لئے ایک زمین قیمت دے کر حاصل فرمائی اور اسے مسجد بنایا۔ قرآن کریم میں مسجد کی نسبت اللہ کی جانب کی گئی ہے: ''انما یعمر مساجد اللہ من آمن باللہ و الیوم الآخر. الخ'' (۲)۔ لہٰذا کسی مسجد کی مسجدیت اس وقت مکمل ہوگی جب اس مسجد پر کسی بندہ کا حق باقی نہ رہے، بلکہ وہ صرف اللہ کے لئے خاص کردی جائے' تاکہ اس میں اللہ کے بندے بلا روک ٹوک اللہ کی عبادت کرسکیں، اور کوئی فرد اس مسجد پر اپنے حق کا دعویٰ کرکے اس میں اللہ کی عبادت کو نہ روک سکے۔ اللہ کا ارشاد ہے:

''ومن أظلم ممن منع مساجد اللہ أن یذکر فیھا اسمہ وسعی في خرابھا''. (۳)

اور ارشاد ہے:

''في بیوت أذن اللہ أن ترفع ویذکر فیھا اسمہ''. (۴)

اس لئے اگر کسی جگہ کو مسجد کے لئے وقف کرکے اسے مسجد بنادیا گیا تو وہ جگہ ہمیشہ کے لئے مسجد ہوجائے گی۔ اب اس میں مسجد کی حیثیت ختم کرنے والی کوئی تبدیلی درست نہیں ہوگی۔

اس صورت مسئلہ میں کوئی ابہام اور اختلاف نہیں ہے۔ لہٰذا اس مسجد کے اوپر یا اس کے نیچے کوئی حصہ یا کوئی منزل ایسی نہیں بنائی جاسکتی، جس کی ملکیت مسجد کی نہ ہو، اور نہ ہی اس مسجد کے کسی حصہ کا استعمال مسجد کے منافی کسی کام کے لئے کیا جاسکتا ہے۔

مسجد کی تعمیر کی دوسری شکل یہ ہے کہ کسی زمین پر تعمیر کرکے شروع سے ہی اس کی کوئی ایک یا چند منزل ہی کو مسجد بنایا جائے اور دوسری منزل یا منزلیں ذاتی ملکیت رکھی جائیں۔ خواہ نچلی منزل ذاتی ہو اور اوپر کی منزل مسجد ہو، یا نچلی منزل مسجد ہو اور اوپر کی منزل ذاتی ہو، یا کئی منزلہ عمارت میں درمیان کی کوئی منزل مسجد ہو اور اوپر نیچے کی منزلیں ذاتی

ملکیت ہوں۔ بڑے شہروں میں اور جہاں آبادی کی کثرت کی وجہ سے جگہ کی قلت ہورہی ہے، وہاں اس طرح تعمیر کی ضرورت پیش آجاتی ہے۔ اس صورت مسئلہ کا ذکر قرآن کریم میں یا حدیث شریف میں نہیں ہے۔ فقہاء کرام نے اس مسئلہ پر گفتگو کی ہے، ان کی گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ اس طرح مسجد کی تعمیر کی جاسکتی ہے، اور جس منزل کو مسجد بنایا گیا ہے وہ منزل مسجد ہوجائے گی؛ کیونکہ مسجد والی منزل کی ملکیت کسی انسان کی نہیں ہے، بلکہ وہ اللہ کے لئے وقف کردی گئی ہے، اور اوپر نیچے کے حصے ضرورت کی وجہ سے غیر مسجد رکھے گئے ہیں۔ لہٰذا اگر ابتداء میں ایسا کیا گیا تو وہ شرعی مسجد قرار دی جائے گی، اور اس پر مسجد کے احکام جاری ہوں گے۔ موسوعہ فقہیہ میں ہے:

''أجاز المالكية اتخاذ منزل للسكن فيه تحت المسجد ولم يجيزوا اتخاذه فوقه''۔ (۵)

''ويقول الحنفِية: إذا جعل السفل مسجِدا وعلى ظهرِهِ مسكن فهو مسجِد، لأن المسجِد مِما يتأبد وذلِك يتحقق فِي السفل دون العلوِ، وعن محمد على عكس هذا، لِإن المسجِد معظم، وإذا كان فوقه مسكن أو مستغل يتعذر تعظِيمه، وعن ابِي يوسف أنه جوز فِي الوجهينِ حين قدِم بغداد ورأى ضِيق المنازِل، فكأنه اعتبر الضرورة، وعن محمد أنه حِين دخل الرى أجاز ذلِك كله''۔ (۶)

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ نے اپنے ایک فتوی میں اس مسئلہ پر تفصیلی بحث کی ہے، اور حاصل مسئلہ یوں لکھا ہے:

''پس حاصل یہ ہے کہ عام حالات میں:

۱۔ ظاہر الروایہ یہ ہے کہ اگر بوقت بنائے مسجد کسی ایک منزل کو مسجد اور دوسری منزل کو مسجد کے مصالح یا اس کی آمدنی کے لئے وقف کرکے واقف اپنی ملک سے خارج کردے تو یہ مسجد 'مسجد شرعی' ہوجائے گی۔

۲۔ اور اگر ایک منزل کو مسجد بنا کر دوسری منزل کو واقف اپنے ذاتی استعمال کے لئے رکھے تو ظاہر الروایہ یہ ہے کہ یہ مسجد نہیں ہوگی۔

۳۔ حسن بن زیاد کی روایت کے مطابق اگر نچلی منزل مسجد اور اوپر کی منزل اپنے ذاتی استعمال کے لئے رکھی جائے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک درست ہوگا۔

۴۔ امام محمد بن حسن سے ظاہر الروایہ کے خلاف یہ روایت ملتی ہے کہ اگر اوپر کی منزل مسجد بنائی جائے اور نیچے کی منزل اپنے ذاتی استعمال میں رکھی جائے تو درست ہوگا۔

اور عام حالات میں ظاہر الروایہ پر عمل راقم الحروف کے نزدیک اقرب الی الفقہ، اوفق بالزمان اور قابل فتویٰ ہے، جس پر عمل آسان ہے۔'' (۷)

اس کے بعد قاضی صاحب علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

’’یہ تمام اقوال وروایات عام حالات میں ہیں، مخصوص حالات میں ایک دوسرا قول بھی منقول ہے، یعنی جب حضرت امام ابو یوسف بغداد میں آ کر آباد ہوئے، گھنی آبادی کے اس شہر میں اراضی کی قلت دیکھی، اسی طرح امام محمد بن حسن ’رے‘ میں جا کر قیام پذیر ہوئے اور ان نو آباد شہروں میں کثرت آبادی کی وجہ سے پیدا ہونے والی تنگی کو دیکھا تو ان دونوں حضرات نے رائے دی کہ چاہے اوپر مسجد ہو یا نیچے، اور دوسری منزلوں کو ذاتی استعمال میں لایا جائے تو بھی مسجد ’مسجد شرعی‘ ہو جائے گی۔ اس قول کا تعلق عام اور نارمل حالات سے نہیں ہے، بلکہ ضرورت اور حاجت کی صورت میں اس رائے کو ان دونوں بزرگوں نے اختیار کیا ہے۔‘‘(۸)

حضرت قاضی صاحب علیہ الرحمہ نے جس دوسرے قول کا حوالہ دیا ہے، وہ اوپر کی سطور میں مذکور ہے۔

اس تمہیدی گفتگو کے بعد سوالات کے جوابات درج کئے جا رہے ہیں:

سوال نمبر ۱۔ چونکہ یہ مسجد قدیم سے بنی ہوئی ہے۔ اب اس کی تعمیر نو کر کے اس کی بعض منزلیں رہائش کے لئے بنائی جائیں تو درست نہیں ہوگا۔ جہاں تک بعض منزلوں کو درس گاہ بنانے کی بات ہے، تو اس کی شکل یہ ہو سکتی ہے کہ اس منزل کو مسجد ہی باقی رکھا جائے، اور اس میں تعلیم وتدریس کا کام انجام دیا جائے؛ کیونکہ دینی تعلیم اور قرآن کی تعلیم مسجد کے مقصد سے ہم آہنگ ہے۔

سوال نمبر ۲۔ قدیم مسجد کی نئی تعمیر میں کسی منزل پر دکانیں نہیں بنائی جا سکتی ہیں۔ جو جگہ بطور مسجد استعمال ہوتی آئی ہے اس جگہ دکانیں بنا کر کرایہ پر دینا مسجد کی حرمت کے خلاف اور مقصد واقف کے خلاف ہے۔ جہاں تک مسجد کے لئے آمدنی کا تعلق ہے تو مسجد کے اخراجات مصلیان کے تعاون سے پورے کئے جا سکتے ہیں۔

اگر جماعت گاہ کے اوپر کی منزل کو مسجد ہی باقی رکھتے ہوئے کنارہ میں امام یا مؤذن کا حجرہ بنایا جاتا ہے، جہاں وہ فیملی کے بغیر قیام کرے تو اس کی گنجائش ہوگی۔ لیکن فیملی کے لئے مکان بنانے میں سابق سے چلی آ رہی مسجد کی بے حرمتی ہوگی اور مسجد کے حصہ میں ناپاکی کی حالت میں قیام کا امکان ہوگا، جو شرعاً ممنوع ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

’’جنبوا مساجدكم صبيانكم ومجانينكم وشرائكم وبيعكم وخصوماتكم ورفع أصواتكم وإقامة حدودكم وسل سيوفكم، واتخذوا على أبوابها المطاهر، وجمروها في الجمع‘‘ (۹)، اور فرمایا:

’’ان هٰذه المساجد لا تصلح لشيءٍ من هٰذا البول ولا القذر، انما هي لذكر الله عز وجل والصلاة وقراءة القرآن‘‘۔ (۱۰)

سوال نمبر ۳۔ قدیم مسجد کی جدید تعمیر کرتے ہوئے ضرورت کے تحت نیچے تہہ خانہ میں نمازیوں کے لئے گاڑی پارکنگ کا انتظام کرنے کی گنجائش ہوگی۔ اس کی شکل یہ ہو سکتی ہے کہ تہہ خانہ کی منزل بھی مسجد ہی باقی رکھی جائے کہ

بوقت ضرورت وہاں بھی نماز ادا کی جائے، اور عام مواقع پر اس کا استعمال نمازیوں کے لئے گاڑی کھڑی کرنے کے لئے اور دیگر مصالح مسجد کے لئے کیا جائے؛ کیونکہ گھنی آبادیوں میں معذوروں اور دور سے آنے والے نمازیوں کے لئے گاڑی کھڑی کرنے کی سخت ضرورت ہوتی ہے۔ باہر راستہ پر گاڑی کھڑی کرنے میں نہ صرف قانون کی خلاف ورزی، اور عام رہ گزروں کے لئے سخت ترین دشواری ہوتی ہے، بلکہ اس سے اسلام دشمنوں کو مسلمانوں کو بدنام کرنے کا موقع ملتا ہے، اور اب تو قانوناً بھی مسلمانوں پر اس کی پابندی لگائی جارہی ہے، اور ان پر ظلم کا موقع نکالا جارہا ہے۔ اس ضرورت کے حالات میں اس بات کی گنجائش ہونی چاہئے کہ نئی تعمیر کے وقت بیسمنٹ کی جگہ پارکنگ کے لئے استعمال ہو۔ اس سے نمازیوں کو بھی عبادت میں سہولت ہوگی اور اسلام کا اچھا پیغام غیروں میں جائے گا۔ نیز گاڑیاں کھڑی کرنے سے بے حرمتی یا ناپاکی کی شکل بھی نہیں پیدا ہوتی ہے۔

سوال نمبر ۴۔ قدیم مسجد کی جگہ پر نئی تعمیر کرتے وقت بیسمنٹ میں پارکنگ کی گنجائش پر اوپر سوال نمبر 3 کے تحت جواز کی رائے دی گئی ہے۔ رہی بات اوپر کی ایک منزل کو دینی تعلیم کے لئے درس گاہ کے طور پر استعمال کرنے اور پڑھنے والے بچوں سے فیس لینے کی؛ تاکہ مسجد کے مصالح پر وہ خرچ ہو تو اس کی گنجائش اس طور پر سمجھ میں آتی ہے کہ اوپر کی وہ منزل بھی مسجد ہی باقی رکھی جائے، اور اس جگہ میں جب نماز کی ضرورت نہ ہو، تعلیم وتدریس کا نظام چلایا جائے، اور بچوں سے لی گئی فیس کی رقم، پڑھانے والے مدرسین اور مسجد کے دیگر اخراجات پر خرچ کی جائے۔ اس منزل کو کرایہ پر دینے کی صورت درست نہیں ہوگی، اور اس کی ضرورت بھی سوال میں مذکور صورت میں نہیں پیش آرہی ہے۔ البتہ قدیم مسجد سے باہر والی جگہ کے حصہ میں اگر تعمیر کرکے صرف اسی حصہ کو درس گاہ کے لئے کرایہ پر دیا جائے، اور اس رقم کو مصالح مسجد پر خرچ کیا جائے تو اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے؛ کیونکہ باہر کی اس جگہ کو مسجد کے لئے استعمال نہیں کیا گیا تھا، تو اس کا مطلب یہ محسوس ہوتا ہے کہ باہر کی وہ جگہ خود مسجد نہیں تھی، بلکہ مسجد پر وقف تھی اور مصالح مسجد کے لئے تھی۔

سوال نمبر ۵۔ اپارٹمنٹ کے کسی ایک حصہ کو مسجد کے لئے خرید کر اسے مسجد بنا دینا درست ہوگا، اس کی تفصیل اس مضمون کی تمہید میں اور سوال نمبر 1 کے تحت گذر چکی ہے، ایسی مسجد شرعاً مسجد قرار پائے گی۔

سوال نمبر ۶۔ مضمون کی تمہید میں تفصیل گذر چکی ہے کہ کئی منزلہ عمارت کی تعمیر کے منصوبہ میں یہ بات شامل کرنا کہ اس کی ایک متعین منزل مسجد ہوگی۔ یہ گویا صرف اس منزل کو مسجد کے لئے وقف کرنا ہوگا۔ اس لئے یہ درست ہے، اور وہ منزل شرعی مسجد کہلائے گی۔

سوال نمبر ۷۔ یہ اراضی جو خود مسجد نہیں ہیں، بلکہ مصالح مسجد پر وقف ہیں، آمدنی میں اضافہ کے لئے ان میں استبدال کا یہ مسئلہ ہے۔ استبدال وقف مخصوص حالات میں شرطوں کے ساتھ درست تو ہے، لیکن صرف آمدنی میں

اضافہ کے لئے استبدال سے روکا جاتا ہے، بالخصوص جب کہ استبدال کی صورت میں وقف کے لئے خطرہ کا بھی امکان ہو۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں مسجد پر وقف زراعتی اراضی کو فروخت کر کے بازار میں دکانیں خریدنے کی گنجائش نہیں ہوگی۔ زراعتی اراضی اپنی جگہ باقی رکھتے ہوئے اس کی آمدنی بڑھانے کی شکلیں نکالی جائیں۔

سوال نمبر ۸۔ مساجد کی یہ زائد اراضی مصالح مسجد کے لئے وقف کی صورت رکھتی ہیں، چونکہ ہر علاقہ میں اب آبادی بڑھتی جارہی ہے اور نمازیوں کی تعداد بڑھنے کی وجہ سے مساجد کی توسیع کی ضرورت ہر جگہ پیش آتی جارہی ہے، اس لئے بہتر یہی ہے کہ مسجد سے متعلق زائد اراضی کو چہار دیواری وغیرہ بنا کر مسجد کے اندر لے لیا جائے، اور مصالح مسجد میں ان کا استعمال کیا جائے۔ صرف مسجد کی آمدنی کے لئے ان پر مدارس قائم کرنا اور کرایہ پر لگانا درست نہیں ہوگا۔

البتہ اگر ان زائد اراضی پر قبضہ کا خطرہ ہو، اور دینی مدرسہ یا مکتب قائم ہونے کی صورت میں قبضہ کا خطرہ ٹل جانے کی امید ہو تو ایسی صورت میں ان شرائط کے ساتھ وہاں دینی مدرسہ یا مکتب قائم کرنا درست ہوگا، جو شرائط اسلامک فقہ اکیڈمی نے اپنے دسویں فقہی سمینار منعقدہ اکتوبر 1997ء ممبئی میں اسی موضوع پر فیصلہ کرتے ہوئے عائد کی ہیں۔ مناسب ہوگا کہ اس سوال کے تحت اکیڈمی کے طے کردہ فیصلہ کو ہی مجلس تحقیقات شرعیہ کی تجویز میں اختیار کرلیا جائے۔ اکیڈمی کے فیصلہ کی تجویز درج ذیل ہے:

''مسجد پر زائد اراضی جن کی نہ مسجد کو فی الحال ضرورت ہے اور نہ آئندہ ضرورت پیش آنے کی امید ہے، ان اراضی پر دینی تعلیم کا مدرسہ یا مکتب قائم کرنا درج ذیل صورتوں میں درست ہوگا:

الف: مسجد آباد نہ اور مدرسہ یا مکتب قائم ہونے میں مسجد کے آباد ہونے کی امید ہو۔

ب: مسجد پر موقوف زائد اراضی پر قبضہ غاصبانہ کا شدید خطرہ ہے، اور دینی مدرسہ یا مکتب قائم ہونے کی صورت میں قبضہ کا خطرہ ٹل جائے گا۔

ج: جس آبادی یا محلہ میں مسجد واقع ہے وہاں مسلمان بچوں کے لئے کوئی دینی مدرسہ یا مکتب قائم کرنے کے لئے کوئی مستقل بندوبست بھی نہ ہو تو مسجد پر وقف زائد اراضی میں دینی مدرسہ یا مکتب قائم کیا جاسکتا ہے، لیکن اس کے لئے مسجد کے متولی یا منتظمہ کمیٹی سے اجازت لے لی جائے، بہتر یہ ہے کہ خود مسجد کی کمیٹی ہی اس مکتب یا مدرسہ کا بندوبست کرے'' (۱۱)

حوالے

۱۔ سورہ جن: 18

۲۔ سورہ توبہ: 18

۳۔ سورہ بقرہ:114

۴۔ سورہ نور:36

۵۔ وزارت اوقاف کویت، الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ، بحث مسجد

۶۔ وزارت اوقاف کویت، الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ، بحث مسجد

۷۔ مجاہدالاسلام قاسمی، مباحث فقہیہ، صفحہ:265، ایفا پبلی کیشنز دہلی، سن ندارد

۸۔ حوالہ سابق

۹۔ محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر:750

۱۰۔ مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم، حدیث نمبر:285

۱۱۔ جدید فقہی مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے، صفحہ 165، طبع 2022

مساجد اوران کے اوقاف سے متعلق چند مسائل

مولانا خورشید انور اعظمی

استاذ حدیث جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور اعظم گڈھ

سوال نمبر ۱-قدیم مساجد کی توسیع ،اس میں کچھ منزلوں کا اضافہ،اضافہ شدہ منزل میں دینی تعلیم اور طلبہ کی رہائش کا نظم کرنا کیسا ہے؟

جواب: حسب ضرورت مسجد کی توسیع کی جاسکتی ہے،اور اس میں کچھ منزلوں کا اضافہ بھی کیا جاسکتا ہے، علامہ زیلعیؒ لکھتے ہیں:

"ولو ضاق المسجد على الناس وبجنبه أرض رجل تؤخذ أرضه بالقيمة كرها ، ولو كان بجنب المسجد أرض وقف على المسجد فارادوا ان يزيدوا شيئا فى المسجد من الارض جاز ذلك بأمر القاضى"[تبيين الحقائق:۳/۳۳۱]

یہ اضافہ شدہ حصہ بھی مسجد کے حکم میں ہوگا،اور اس کا احترام بھی مسجد کی طرح بدستور سابق باقی رہے گا،علامہ سیوطیؒ لکھتے ہیں:

"إن حرمة المسجد وأحكامه الثابتة له باقية الى يوم القيمة، ولو اتسع وأزيلت جدره وأعيدت، عادت على هذا الحكم من غير تغيير، فان الحكم المذكور منوط بالمسجد من حيث هو لا بذاك الجدار بعينه، وقد بنى فى زمن عمر ووسع فى زمن عثمان وغيره فى القرن الاول وبعده ولم يخرجوا عن هذا الحكم"[الحاوى:۲/۲۰]

چونکہ بصراحت فقہاء مسجد بن جانے کے بعد اس کے نیچے سے اوپر تک سب کا حکم مسجد کا ہوجاتا ہے،اس لئے جن منزلوں کا اضافہ ہوگا ان کا بھی حکم مسجد کا ہوگا۔ابن نجیمؒ لکھتے ہیں:

"إن شرط كونه مسجدا أن يكون سفله وعلوه مسجدا، لينقطع حق العبد عنه لقوله تعالى : وأن المساجد لله"[البحر الرائق:۵/۲۵۱]

ردالمحتار میں ہے:

"قوله:الى عنان السماء۔۔وكذا الى تحت الثرى"[رد المحتار:۱/۶۵۶]

اس بنا پر مسجد میں دینی درسگاہ قائم کرنا اور اس میں طلبہ کی رہائش کا نظم کرنا درست نہیں ہوگا،اس لئے کہ مسجد کے قیام

کا مقصد محض عبادت ہے نیز اس میں مسجد کی حرمت کے پامال ہونے کا قوی امکان ہے اس لئے ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہوگا۔

سوال نمبر ۲۔مسجد کو شہید کر کے آمدنی کی غرض سے نیچے دوکان نکالنا۔

جواب: درست نہیں ہے۔علامہ زیلعیؒ لکھتے ہیں:

"قیم المسجد اذا اراد ان یبنی حوانیت فی المسجد أو فی فنائه لا یجو زله ان یفعل، لانه جعل المسجد مسکنا تسقط حرمة المسجد، واما الفناء فلا نه تبع للمسجد "[تبیین الحقائق : ۳/ ۳۳۱-المحیط البرهانی: ۲۱۵/۶]

فتاوی ہندیہ میں ہے:

"قیم المسجد لا یجوز له ان یبنی حوانیت فی حد المسجد أو فی فنائه، لان المسجد اذا جعل حانوتا او سکنا تسقط حرمته وهذا لا یجوز "[فتاوی هندیه: ۴۶۲/۱]

امام ابوبکر جصاص رازیؒ "فی بیوت اذن اللہ ان یرفع" کے ذیل میں لکھتے ہیں:

"هذا یدل علی انه یجب تنزیهها من القعود فیها لامور الدنیا مثل البیع والشراء وعمل الصناعات "

[احکام القرآن: ۴۲۳/۳]

اگر مسجد بنانے سے پہلے شروع ہی میں مصالح مسجد کے پیش نظر جماعت گاہ کے اوپر امام کے لئے کمرہ بنانے کی نیت کر لی جائے تو اس کے اوپر امام کے لئے کمرہ بنانا درست ہے،علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں:

"لو بنی بیتا علی سطح المسجد لسکنی الامام فانه لا یضر فی کونه مسجدا لانه من المصالح "

[البحر الرائق: ۲۷۱/۵]

لیکن اگر مسجد کی تعمیر ہو چکی ہے اور پہلے سے اس کے اوپر امام کے لئے کمرہ بنانے کی نیت نہیں ہے تو اس کا بنانا درست نہیں ہوگا۔درمختار میں ہے:

"ولو بنی فوقه بیتا للامام لا یضر، لانه من المصالح، اما لو تمت المسجدیة ثم اراد البناء منع، ولو قال عنیت ذلک لم یصدق. تاتارخانیة"[الدر المختار: ۳۷۱/۳]

سوال نمبر ۳۔مسجد کو شہید کر کے کار پارکنگ کے لئے نیچے بیسمنٹ بنانا اور اوپر کے حصے کو مسجد بنانا۔

جواب: درست نہیں ہے،اس لئے کہ مسجد بن جانے کے بعد نیچے سے اوپر سب مسجد کے حکم میں ہو جاتا ہے، جیسا کہ کتب فقہ میں بصراحت موجود ہے۔ابن نجیمؒ لکھتے ہیں:

"ان شرط کونه مسجدا ان یکون سفله وعلوه مسجدا لینقطع حق العبد عنه لقوله تعالی : وأن المساجد لله"[البحر الرائق: ۲۵۱/۵]

ردالمحتار میں ہے:

"قوله: الی عنان السماء۔۔وکذا الی تحت الثری" [ردالمحتار: ۱/۶۵۶]

سوال نمبر ۴۔مسجد کو شہید کر کے اس کے اردگرد کی جگہ کو شامل کرنا اور اس میں جز وقتی درسگاہ قائم کرنا۔اور بچوں سے تعلیمی فیس لے کر اساتذہ کی تنخواہ کے علاوہ مصالح مسجد پر خرچ کرنا۔

جواب: مسجد کی توسیع کے بعد توسیع شدہ حصہ بھی مسجد کے حکم میں ہوجاتا ہے اس لئے اس میں فیس لے کر جز وقتی درسگاہ قائم کرنا فی نفسہ درست نہیں ہوگا، جیسا کہ علامہ سیوطی کی مندرجہ ذیل عبارت سے واضح ہوتا ہے:

"ان حرمة المسجد واحكامه الثابتة له باقية الى يوم القيمة ولو اتسع وازيلت جدره واعيدت، عادت على هذا الحكم من غير تغيير فان الحكم المذكور منوط بالمسجد من حيث هو لا بذاك الجدار بعينه، وقد بنى في زمن عمر ووسع في زمن عثمان وغيره في القرن الاول وبعده ولم يخرجوا عن هذا الحكم" [الحاوی: ۲/۲۰]

البحر الرائق میں ہے:

"لا يجوز لقيم المسجد ان يجعل شيئا من المسجد مستغلا او مسكنا" [البحر الرائق: ۵/۲۵۱]

لیکن آج کے حالات کے پیش نظر جب دینی تعلیم کے لئے دوسری کوئی صورت موجود نہ ہو تو عارضی درسگاہ کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔علامہ ابن نجیمؒ لکھتے ہیں:

"فقد قال الله تعالى: [وان المساجد لله] [الجن: ۱۸] وما تلوناه من الآية السابقة فلا يجوز لاحد مطلقا ان يمنع مؤمنا من عبادة يأتي بها في المسجد، لان المسجد ما بني الا من صلاة واعتكاف وذكر شرعي وتعليم علم وتعلمه وقراءة قرآن، ولا يتعين مكان مخصوص." [البحر الرائق: ۲/۳۶]

سوال ۵۔اپارٹمنٹ کے کسی حصہ کو خرید کر اس کو نماز کے لئے مختص کرنا، اور وہاں باجماعت نماز پڑھنا۔کیا اس کا حکم مسجد شرعی کا ہوگا یا صرف جماعت گاہ ہوگی؟

جواب: اصولی طور پر یہ مسجد شرعی نہیں ہوگی بلکہ یہ اس کی حیثیت جماعت گاہ کی ہوگی۔المحیط البرہانی میں ہے:

"رجل جعل داره مسجدا تحته سرداب وجعل باب المسجد الى الطريق وعزله، فانه لا يصير مسجدا حتى لو مات يورث عنه، وله ان يبيعه حال حياته، لان المسجد لا يكون لله الا خالصا، وفي هذين الفصلين لا خلاص، لان الارض او السطح من هذا المسجد لا يكون لله تعالى". [المحيط البرهاني: ۶/۲۰۷]

سوال نمبر ۶۔کئی منزلہ عمارت تعمیر کرتے وقت کسی ایک منزل کو مسجد کی نیت سے بنانا، کیا اس کا حکم مسجد شرعی کا ہوگا؟

جواب: اگر کسی نے کئی منزلہ عمارت تعمیر کرتے ہوئے کسی ایک منزل کو مسجد کی نیت سے بنایا تو اس کو مسجد شرعی کا حکم حاصل نہیں ہوگا۔المحیط البرہانی کا حوالہ اوپر گزر چکا ہے۔

سوال نمبر ۷۔مسجد کی اراضی کوفروخت کرکے زائد آمدنی کے لئے اس سے دوکان خریدنے کا مسئلہ؟

جواب: مسجد کی موقوفہ زمینوں کے بارے میں اصل یہ ہے کہ انہیں فروخت نہ کیا جائے، لیکن اگر ان کوفروخت کرکے دوسری ایسی زمین خریدی جائے جس سے زیادہ آمدنی حاصل ہوسکے تو علامہ سرخسی کے نزدیک اس کی اجازت معلوم ہوتی ہے، جس کی بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ مسجد کی اراضی کوفروخت کرکے زائد آمدنی کے لئے اس سے دوکان خریدی جاسکتی ہے، تاہم اس مسئلے میں پوری دیانت داری ملحوظ ہونی چاہئے اور منشاء واقف کا خاص لحاظ رکھنا چاہئے۔ المحیط البرہانی میں اس مسئلے کے تعلق سے فقہاء کی آراء کو تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، جو حسب ذیل ہے:

سئل شمس الإسلام الحلواني عن أوقاف المسجد إذا تعطلت وتعذر استغلالها هل للمتولي أن يبيعها ويشتري مكانها أخرى؟ قال: نعم، قيل: إذا لم يتعطل ولكن يوجد بثمنها ما هو خير منها هل له أن يبيعها؟ قال: لا، ومن المشايخ من لم يجوز بيع الوقف تعطل أو لم يتعطل، وكذا لم يجوز الاستبدال بالوقف، وهكذا حكى فتوى شمس الأئمة السرخي رحمه الله في فصل العمارة إذا ضعفت الأراضي الموقوفة عن الاستغلال والقيم يجد بثمنها أرضاً أخرى هي أكثر ريعاً أن له أن يبيع هذه الأرض ويشتري بثمنها ما هو أكثر ريعاً. (المحيط البرهانی: 6/233)

سوال نمبر ۸۔مسجد کی مملوکہ زمین کے تحفظ اور اس کی آمدنی کے پیش نظر وہاں مکاتب یا مدارس قائم کرنے کا مسئلہ؟

جواب: مسجد شرعی کے لئے وقف شدہ زمین پر مدرسہ قائم کرنا درست نہیں ہے، اس لئے کہ یہ منشاء واقف کے خلاف ہوگا جو جائز نہیں ہے، جیسا کہ علامہ ابن نجیم نے ''الاشباہ والنظائر'' میں اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

''شرط الواقف كنص الشارع اى فى وجوب العمل به'' [الاشباہ والنظائر: ۱/۱۶۲]

اسی طرح علامہ ابن عابدین شامی نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''ردالمحتار'' میں تحریر فرمایا ہے:

''قالوا مراعاة غرض الواقفين واجبة'' [ردالمحتار: ۶/۶۶۵]

البتہ اگر بوقت ضرورت مسجد کے تابع بنا کر مدرسہ یا کوئی عمارت بنائی جائے تو ایسا کرنا درست ہوگا، جیسا کہ فتاوی ہندیہ میں ہے:

''البقعة الموقوفة على جهة اذا بنى رجل فيها بناء ووقفها على تلك الجهة يجوز بلا خلاف تبعا لها، فإن وقفها على جهة اخرى اختلفوا فى جوازه، والاصح انه لا يجوز، كذا فى الغياثية [فتاوی ہندیہ: ۲/۴۶۲]

مذکورہ تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ مسجد کی زمین پر اس کے تابع بنا کر کسی عمارت کو بنانا درست ہے، اور اس میں مکاتب و مدارس قائم کرنا جائز ہے۔

ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب.

مسائل متعلقہ بالمسجد

مفتی محمد عثمان بستوی

مدرسہ عربیہ ریاض العلوم گورینی، جون پور، یوپی

الحمد لله رب العالمين و الصلاة و السلام على سيد المرسلين و من تبعهم بإحسان الى يوم الدين. اما بعد!

وَ أَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللّٰهِ أَحَدًا - (الجن: ۱۸)

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ أَنْ يَعْمُرُوا مَسٰجِدَ اللّٰهِ - (التوبه ۱۷)

مسجد کے اصل معنی ہیں: سجدہ کرنے کی جگہ اور عرف میں نماز پڑھنے کی مخصوص جگہ کو مسجد کہا جاتا ہے، اسلام میں مساجد کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں تھے، اس وقت تو خود کعبۃ اللہ موجود تھا، جو اس کائنات میں تعمیر ہونے والی پہلی مسجد تھی، گو اس پر مشرکین کا قبضہ تھا، لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت فرمائی اور مدینہ پہنچنے سے پہلے قباء میں قیام پذیر ہوئے تو وہیں آپ نے ایک مسجد کی بنیاد رکھی، جس کا خود قرآن مجید نے ذکر کیا ہے، پھر مدینہ پہنچنے کے بعد آپ نے اپنی اور اپنے رفقاء کی رہائش گاہ کے لئے فکر کرنے سے پہلے مسجد کی فکر فرمائی اور جس مکان کو آپ کی قیام گاہ ہونے کا شرف حاصل تھا، اس کے سامنے ایک زمین خرید کر مسجد نبوی کی بنیاد رکھی گئی۔

روئے زمین کا سب سے بہترین حصہ مساجد ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **خير البقاع مساجدها** ایک دوسری روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: **خير البقاع بيوت الله فى الارض**. روئے زمین پر سب سے بہترین حصہ اللہ کے گھر (یعنی مساجد) ہیں، روئے زمین کی ہر چیز فنا ہو جائے گی، لیکن مساجد باقی رہیں گی چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نقل فرماتے ہیں:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: تذهب الأرضون كلها يوم القيامة إلا المساجد، فإنها تنضم بعضها إلى بعض. (المعجم الاوسط للطبرانى، رقم الحديث ۴۰۰۹)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن تمام زمینیں ختم ہو جائیں گی سوائے مسجدوں کے کی وہ ایک دوسرے کے ساتھ ضم ہو جائیں گی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو جگہ ایک مرتبہ مسجد بن گئی وہ قیامت تک مسجد ہی رہے گی چاہے اس پر عمارت باقی ہو یا نہ ہو۔

مساجد کو صاف ستھرا رکھنے اور اس کے ادب واحترام کا حکم دیا گیا ہے:

"فِيْ بُيُوتٍ أَذِنَ اللّٰهُ أَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ."

اور مساجد کی بے حرمتی سے منع کیا گیا ہے، اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

" جَنِّبُوا مَسَاجِدَكُمْ صِبْيَانَكُمْ، وَمَجَانِينَكُمْ، وَشِرَاءَكُمْ، وَبَيْعَكُمْ، وَخُصُومَاتِكُمْ، وَرَفْعَ أَصْوَاتِكُمْ، وَإِقَامَةَ حُدُودِكُمْ، وَسَلَّ سُيُوفِكُمْ، وَاتَّخِذُوا عَلَى أَبْوَابِهَا الْمَطَاهِرَ، وَجَمِّرُوهَا فِي الْجُمَعِ"۔(سنن ابن ماجة، باب مایکرہ فی المساجد، نسخة قدیمة هندية، رقم الصفحة ۵۴)

لہذا مسجد میں ہر ایسا عمل جس سے اس کی حیثیت تبدیل ہونے کا خطرہ پیدا ہو جائے یا مسجد کا ادب واحترام باقی نہ رہ جائے تو مسجد میں ایسے افعال انجام دینے کی شرعاً اجازت نہیں۔

اب اس مختصر سی تمہید کے بعد سوالات کے جوابات عرض کیے جاتے ہیں:

الجواب عن السؤال الاول

(۱) جس جگہ ایک مرتبہ شرعی مسجد بن جائے وہ جگہ تحت الثری سے ثریا تک تا قیامت مسجدِ شرعی ہی رہے گی لہذا پرانی مساجد کو کھود کر اس کے نیچے تعمیرات کی جائیں یا مسجد کے اوپر چاہے جتنی اونچی تعمیر ہو سب پر مسجد شرعی کے احکام نافذ ہوں گے۔ لہذا اس کا ادب واحترام جس طرح سے نماز والے حصے کا لازم ہے اسی طرح سے نیچے یا اوپر جو تعمیرات بعد میں کی جائیں اس کا بھی احترام ضروری ہوگا، مساجد کے احترام کے منافی اس حصے میں بھی کسی عمل کی شرعاً اجازت نہیں ہوگی۔

"و كره تحريماً الوطء فوقه والبول والتغوط، لأنه مسجد إلى عنان السماء وهكذا إلى تحت الثرى، كما في البيري عن الإسبيجابي." (الدر المختار مع الرد المحتار: ۴۲۸/۲)

(۲) دینی تعلیم مصالح مسجد میں سے ہے لہذا اگر جماعت کے اوقات کے علاوہ بقیہ اوقات میں تعلیم وتعلّم کا نظم ہو تو شرعاً اس کی اجازت ہے، اس لیے کہ دین تعلیم بھی ذکر وعبادت ہے اور مساجد کی بنا ہر قسم کی عبادت ہی کے لیے ہوتی ہے، چنانچہ اصحاب صفہ کا قیام اور ان کی تعلیم وتعلم کا نظم مسجد ہی میں ہوا کرتا تھا۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اصحاب صفہ کے سامنے قرآن کریم پڑھنے اور علم دین حاصل کرنے کی فضیلت واہمیت بیان کر کے تعلیم قرآن دیا کرتے تھے۔

عن عقبة بن عامر رضی اللہ عنہ قال: خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم ونحن في الصفة، فقال: أيكم يُحِبُّ أن يغدو كل يوم إلى بطحان او الى العقيق فيأتي منه بناقتين كوماوين في غير إثم ولا قطع رحم؟ فقلت: يا رسول الله! نحب ذلك، قال: افلا يغدو احدكم إلى المسجد فيعلم او يقرأ آيتين من كتاب الله خير امن

ناقتين وثلث خير له من ثلث، واربع خير له من اربع، ومن اعدادهن من الإبل. (صحيح مسلم ۱/۲۷۰ نسخة قديمة هندية)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، ہم لوگ صفہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے اصحاب صفہ کو مخاطب کر کے فرمایا: تم میں کون شخص اس کو پسند کرے گا کہ صبح سویرے بازار بطحان یا عقیق میں جائے اور دو اونٹنیاں عمدہ سے عمدہ بلا کسی قسم کے گناہ اور قطع رحمی کے پکڑ لائے؟ صحابہ نے عرض کیا: اس کو تو ہم میں سے ہر ایک شخص پسند کرے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسجد میں جا کر آیتوں کا پڑھنا، پڑھانا، دو اونٹنیوں سے اور تین آیت کا تین اونٹنیوں سے، اسی طرح چار کا چار سے افضل ہے، اور جتنی تعداد میں ہوں اونٹنیوں سے افضل ہے۔

مسجد اور مکانات متعلقہ مسجد میں علوم دینیہ اور قران مجید کا مدرسہ قائم کرنا جائز ہے، پڑھنے والے طلبہ اگر مسلمان ہیں تو ظاہر ہے اور اگر غیر مسلم ہیں اور یہ توقع ہے کہ علوم دینیہ اسلامیہ پڑھ کر ان کو بھی ہدایت ہوگی تو ان کا بھی مسجد وغیرہ میں پڑھنا جائز ہے، کما ورد فی الحدیث الصحیح من کون التعلم والتعلیم من مقاصد المسجد (مشکاۃ)

(۳) مسجد میں عبادت کے علاوہ دوسرے مباح امور کو انجام دینا بھی منع ہے اور مسجد کے تقدس کے خلاف ہے اسی بنا پر حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے لوگوں کے بات وغیرہ کرنے کے لیے مسجد سے باہر چبوترا بنوا دیا تھا۔

إن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالی عنه بنی رحبة فی ناحية المسجد تسمی البطيحاء وقال من كان يريد أن يلغط او ينشد شعرا، او يرفع صوته فليخرج الى هذه الرحبة. (الموطأ للإمام مالک، جامع الصلاة، ۶۲ نسخة قديمة)

(۴) مسجد میں اجرت لے کر تعلیم دینے کی اجازت نہیں البتہ ایسی مجبوری ہو کہ مسجد کے باہر دینی تعلیم کا نظم کرنا ممکن نہ ہو تو مجبوری کے وقت تعلیم کی اجازت ہوگی۔

"ويجوز الدرس فی المسجد وان كان فيه استعمال اللبود المسبلة لأجل المسجد، لو علم الصبيان القرآن فی المسجد لا يجوز ويأثم، وكذا التأديب فيه اى لا يجوز التأديب فيه اذا كان بأجر، وينبغی ان يجوز بغير أجر." (البحر الرائق ۵/۲۵۰)

چنانچہ مفتی خالد سیف اللہ رحمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

ہمارے زمانہ کے حالات کا تقاضہ ہے کہ اس کی اجازت دی جائے؛ اس لئے کہ عموما وسائل کے فقدان، دوسری جگہ کی عدم دستیابی اور مجبوری کی وجہ سے اس کی نوبت آتی ہے، اگر اس کی اجازت نہ دی جائے تو یہ سخت دینی نقصان کی اور شرعی مصلحت کے خلاف بات ہوگی کہ عصری درسگاہوں کے طلباء اور دوسرے بچے جو اس طرح صبح وشام تھوڑے وقت میں دین کی بنیادی تعلیم حاصل کر لیتے ہیں، وہ اس سے بھی محروم ہو جائیں گے۔

خود فقہاء نے بھی ضرورتاً مسجد میں اُجرت لے کر تعلیم دینے کی اجازت دی ہے:

"أما المعلم الذی یعلم الصبیان بأجر إذا جلس فی المسجد یعلم الصبیان لضرورة الحر وغیره لا یکره (خلاصة الفتاوی: ۲۲۹/۱، الفتاوی الهندیة: ۱۱۰/۱، الفصل الثانی، فیما یکره فی الصلاة مالا یکره)

(۵) مسجد میں عبادت کی غرض سے ٹھہرنے کے بعد انسان کے لیے جو لازمی ضروریات ہیں مثلاً کھانا پینا سونا شرعاً ضمنی طور پر اس کی بھی اجازت ہو جاتی ہے لیکن عبادت کے علاوہ صرف کھانے پینے سونے کی غرض سے مسجد میں ٹھہرنے کی اجازت نہیں البتہ مسافر اس سے مستثنیٰ ہے کیونکہ مسافر جس کا کوئی جائے قیام نہ ہو اس کے لیے مسجد میں سونے کی گنجائش حدیث سے معلوم ہوتی ہے۔

(ویکره) فی المسجد اکل ونوم الا لمعتکف وغریب، والکلام المباح قیده فی الظهریة: بان یجلس لأجله، لکن فی النهر: الإطلاق أوجه. (رد المحتار علی الدر المختار ۴۳۵/۲)

(۶) مسجد میں مستقل طور پر کوئی ایسا عمل جس سے مسجد کی حیثیت تبدیل ہونے کا اندیشہ ہو جائز نہیں۔

مسجد کے کسی حصے کو درس گاہ میں شامل کرنا جائز نہیں ہے، البتہ اگر اس جگہ برآمدہ بنانا مسجد کے لئے بھی مناسب اور مفید ہو تو بہ نیت تعمیر مسجد وہاں برآمدہ بنا سکتے ہیں، وہ برآمدہ مسجد ہی کا جزء ہوگا، درس گاہ نہیں، اور ضرورت کے وقت اس میں دینی تعلیم کا کام بھی کیا جا سکتا ہے۔

مفتی تقی عثمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں: لیکن یہ بات ہر کس و ناکس پر واضح رہنی چاہئے کہ یہ برآمدہ مسجد کا ہے، درس گاہ کا نہیں ہے، جس کی بہتر صورت یہ ہے کہ برآمدے کو درس گاہ سے بالکل متصل بنانے کے بجائے برآمدہ اور درس گاہ کے درمیان تھوڑی سی جگہ امتیاز کے لئے چھوڑ دی جائے۔ (فتاوی عثمانی ۵۲۴/۲)

مذکورہ بالا تصریحات کی روشنی میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ وقتی طور پر اگر مسجد میں ضرورت و مجبوری کے وقت دینی تعلیم کا نظم کیا جائے اور طلباء کی رہائش کا بھی انتظام کر لیا جائے تو شرعاً اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے اور ضرورت و مجبوری کی حالت میں عارضی طور پر اس کے نظم کرنے سے مسجد کی حرمت متاثر نہیں ہوگی، البتہ مستقل طور پر اس طرح کا نظم مسجد کی حیثیت تبدیل کرنے کے مترادف ہوگا، اس لیے شرعاً اس کی گنجائش نظر نہیں آتی۔

حاشیہ فتاوی عثمانی میں ہے:

(۱) مدرسہ زیر تعمیر ہونے کی وجہ سے مسجد میں تعلیم عارضی طور پر دی جا رہی ہو۔

(۲) بچے ہوشیار اور عقل مند ہوں۔

(۳) استاذ تعلیم دینے کے لئے مسجد میں بیٹھتے وقت اعتکاف کی نیت بھی کرتے ہوں۔

الجواب عن السؤال الثانی

سوال نمبر ایک کے تحت یہ ذکر کر دیا گیا ہے کہ زمین کا جو حصہ مسجد بن گیا ہو تو زمین کی سب سے نچلی سطح سے لے کر آسمان تک پورا حصہ مسجدِ شرعی رہے گا، لہذا مساجد قدیمہ میں جدید تعمیر کے وقت اگر نچلی منزل میں دکانیں بنائی جائیں یا اوپر کی منزل میں امام اور مؤذن کے لیے حجرے بنائے جائیں جہاں وہ تنہا یا فیملی کے ساتھ قیام کریں تو شرعاً اس کی اجازت نہیں، اس لیے جس حصے میں دکانیں بنائی جائیں گی وہ بھی شرعاً مسجد ہی رہے گی اور مسجد کے کسی حصے کو کرائے پر دینا جائز نہیں، اسی طرح جس حصے میں امام اور مؤذن کے حجرے بنائے جائیں گے وہ حصہ بھی مسجد شرعی ہی رہے گا، لہذا اس میں امام اور مؤذن کا قیام شرعاً درست نہیں، اس لیے کہ امام اور مؤذن با تنخواہ ہوتے ہیں اور جس طرح سے اجرت لے کر مسجد میں تعلیم و تعلم جائز نہیں اسی طرح تنخواہ لے کر امامت اور اذان کی خدمت انجام دینے والے کے لیے مسجد میں قیام درست نہیں ہوگا، کیونکہ رہائش کی سہولت بھی اجرت میں داخل ہوگی۔

وأما المعلم الذی یعلم الصبیان بأجر اذا جلس فی المسجد یعلم الصبیان لضرورة الحر أو غیره لا یکره وفی نسخة القاضی الامام وفی اقرار العیون جعل المسئلة المعلم کمسئلة الکاتب والخیاط فان کان یعلم حسبة لا بأس به، وان کان بأجر یکره الا اذا وقع ضرورة. (الفتاوی الهندیة: ۱۱۰/، الفصل الثانی، فیما یکره فی الصلاة مالا یکره)

أما هؤلاء المکبتون الذین یجتمع عندهم الصبیان واللغط فلا، ولو لم یکن لغط لأنهم فی صناعة لا عبادة إذ هم یقصدون الإجارة لیس هو الله بل للارتزاق، ومعلم الصبیان القرآن کالکاتب إن کان لأجر لا وحبسة لا بأس. (البحر الرائق ۳۵/۲)

(وتکره المجامعة فوق المسجد والبول والتخلی) لان سطح المسجد له حکم المسجد حتی یصح الاقتداء منه بمن تحته ، ولا یبطل الاعتکاف بالصعود الیه ، ولا یحل للجنب الوقوف علیه . (الهدایة مع فتح القدیر ۴۲۰/۱)

الجواب عن السؤال الثالث

زمین کا جو حصہ مسجد قدیم کا ہے اس حصے میں بیسمنٹ وغیرہ بنا کر پارکنگ وغیرہ کا نظم کرنا جائز نہیں، اس لیے کہ جو حصہ مسجد شرعی بن چکا ہو اب اس کو مسجد شرعی سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا اور اس حصے میں مسجد کے منافی کسی عمل کی اجازت بھی نہیں ہو سکتی، لہذا اس حصے میں گاڑیوں کے داخل ہونے سے مسجد کی بے حرمتی لازمی ہے اس لیے اس کو پارکنگ بنانے کی اجازت نہیں، البتہ جو حصہ مسجد میں داخل نہیں تھا اس کو توسیع میں شامل کرنا ہو اس حصے میں اگر مسجد

کے منتظمین توسیع سے پہلے یہ منصوبہ بنالیں کہ اس کے نچلے حصے میں گاڑیوں کی پارکنگ رہے گی اور اوپر کا حصہ مسجد رہے گا تو شرعاً اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ مسجد قدیم کا کوئی حصہ پارکنگ کے لیے استعمال نہ ہو اور نہ آئندہ اس کے پارکنگ بننے کا خطرہ نہ ہو۔

صرح فی الإسعاف فقال:وإذا كان السرداب أو العلو لمصالح المسجد أو كانا وقفاً عليه صار مسجداً.(شرنبلالية)

قال فی البحر:وحاصله أن شرط كونه مسجداً أن يكون سفله وعلوه مسجداً لينقطع حق العبد عنه لقوله تعالى: وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ (الجن: ۱۸)بخلاف ما إذا كان السرداب والعلو موقوفاً لمصالح المسجد، فهو كسرداب بيت المقدس، هذا هو ظاهر الرواية. (رد المحتار على الدر المختار ۶/۵۴۷) (هكذا فی فتح القدير ۶/۲۳۴)

مسجد کے نیچے گاڑیوں کی پارکنگ کے سلسلہ میں ''اللجنۃ الدائمہ فی البحوث العلمیہ والافتاء'' سعودی عرب کے فتویٰ کا خلاصہ شیخ محمد بن حسین جیزانی نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

''يجوز إقامة مواقف للسيارات تحت المساجد نظراً لرجحان جانب المصالح المترتبة على ذلك من انتفاع المسلمين به''.

کہ مسجدوں کے نیچے موٹروں کی پارکنگ بنانا ان مصالح کے پیش نظر جائز ہے جو اس پر مرتب ہوتے ہیں، یعنی مسلمانوں کو اس سے فائدہ پہنچتا ہے۔

الجواب عن السؤال الرابع

مسجد کا جو قدیم حصہ ہے اس کے سب سے نچلی سطح سے لے کر اوپر آسمان تک سب مسجد ہے، اگر عمارت منہدم کردی جائے تو بھی وہ جگہ مسجد ہی رہے گی، لہذا اس حصے میں کوئی ایسا عمل جو مسجد کے تقدس کے خلاف ہو شرعاً جائز نہیں اور جو حصہ قدیم مسجد سے خارج ہے اس حصے میں منتظمین کو مسجد میں شامل کرنے سے پہلے اختیار ہے کہ اوپر یا نیچے مصالح مسجد کے لیے اس میں کوئی چیز بنالیں مثلاً وضوخانہ، گاڑی پارکنگ، کرائے کی دکانیں، لیکن وہ حصہ مسجد پر وقف رہے گا، کسی کی ذاتی ملکیت نہیں بنے گا اور مسجد کے مصالح کے علاوہ اگر دوسرے کسی مصرف میں استعمال ہو تو اس کا کرایہ مسجد میں دینا لازم ہوگا، بلا کرایہ کے اس حصے کو مسجد کی ضروریات کے علاوہ کسی دوسرے مصرف مثلاً دینی یا دنیاوی تعلیم گاہ کے طور پر بلا کرایہ کے استعمال کرنا منع اور احتیاط کے خلاف ہے، البتہ بعض عبارات سے گنجائش بھی معلوم ہوتی ہے بلکہ کرایہ دینا لازم ہے۔ نیز اس کا بھی لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ بعد میں شامل کیے جانے والے حصے

میں پارکنگ وغیرہ بنانے سے قدیم حصے کی حیثیت تبدیل نہ ہونے پائے۔

وقال الرافعی رحمه الله تعالی (قول المصنف المصالحه) لیس بقید بل الحکم کذلک اذا کان ینتفع به عامة المسلمین علی ما افاده فی غایة البیان حیث قال أورد الفقیه ابو اللیث سؤالا وجوابا فقال: فإن قیل: الیس مسجد بیت المقدس تحته مجتمع الماء والناس ینتفعون به؟ قیل: اذا کان تحته شئ ینتفع به عامة المسلمین یجوز، لانه اذا انتفع به عامتهم صار ذلک لله تعالی ایضا اهـ ومنه یعلم حکم کثیر من مساجد مصر التی تحتها صهاریج ونحوها (تقریرات الرافعی ۸۰)

وفی الهندیة: ومن جعل مسجدا تحته سرداب او فوقه بیت وجعل باب المسجد الی الطریق وعزله فله ان یبیعه وان مات یورث عنه ولو کان السرداب لمصالح المسجد جاز کما فی مسجد بیت المقدس. (۴۵۵/۲)

الجواب عن السؤال الخامس

اصل مذہب اور مفتی بہ قول کے اعتبار سے جس حصے کو مسجد بنایا جائے اس حصے کا نچلا حصہ ہو یا اوپر کسی کی ذاتی ملکیت نہیں ہوسکتا بلکہ پورے حصے کو وقف کے ذریعے سے ملکیت سے خارج کرنا لازم ہے، لہذا اگر نچلے حصے میں کسی کی ذاتی ملکیت ہو یا اوپر کا حصہ ذاتی ملک ہو تو ایسی صورت میں مسجد شرعی نہیں بنے گی، بلکہ جس حصے کو مسجد نہیں بنانا ہے اس کو مسجد پر وقف کرنا بہر حال لازم ہے بغیر اس کے مسجد شرعی نہیں بنے گی یہی اصل حکم ہے البتہ حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ اگر نچلے حصے کو ذاتی ملک رکھا جائے اور اس کے اوپر والا حصہ مسجد شرعی بنایا جائے تو مسجد بن جائے گی، حضرات صاحبین نے ضرورت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس قول کو اختیار کیا کہ لوگ مسجد شرعی کے ثواب سے محروم نہ رہیں اور ضرورت کے وقت حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول پر عمل کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، لہٰذا جن شہروں کی زمینیں مسلمانوں کے دسترس سے باہر ہوں ان شہروں میں اگر کسی بلڈنگ کا کوئی اپارٹمنٹ خرید کر مسجد شرعی کی نیت کرلے اور اس کو وقف کردیا جائے تو امام ابو یوسف کے اس قول کے مطابق وہ مسجد شرعی بن جائے گی، اس پر مسجد کے احکام جاری ہوں گے، لیکن امام ابو یوسف کا یہ قول ضرورت ومجبوری پر مبنی ہے، لہذا جہاں زمین کو حاصل کرنا اور وقف کرنا اہل اسلام کے لیے مشکل نہ ہو ان جگہوں پر بلڈنگ کے کسی اپارٹمنٹ کو خرید کر مسجد بنانا اور بقیہ حصے کا لوگوں کی ذاتی ملکیت میں باقی رہنے سے وہ حصہ مسجد شرعی نہیں بنے گا اور اس پر مسجد کے احکام جاری نہیں ہوں گے۔ وہ زیادہ سے زیادہ مسجد البیت اور مصلی کے حکم میں ہوگا۔

ومن جعل مسجدا تحته سرداب أو فوقه بیت وجعل باب المسجد إلی الطریق وعزله عن ملکه فله أن یبیعه، وإن مات یورث عنه، لأنه لم یخلص لله تعالی لبقاء حق العبد متعلقا به، ولو کان السرداب لمصالح

المسجد جاز، كما في مسجد بيت المقدس . وروى الحسن عنه أنه قال : إذا جعل السفل مسجدا وعلى ظهره مسكن فهو مسجد ، لأن المسجد مما يتأبد، وذلك يتحقق في السفل دون العلو . وعن محمد على عكس هذا، لأن المسجد معظم، وإذا كان فوقه مسكن أو مستغل يتعذر تعظيمه .

وعن أبي يوسف أنه جوز في الوجهين حين قدم بغداد ورأى ضيق المنازل فكأنه اعتبر الضرورة. وعن محمد أنه حين دخل الري أجاز ذلك كله لما قلنا . (الهداية مع فتح القدير ۲/ ۲۳۴)

الجواب عن السؤال السادس

جب مسجد کے اوپر یا نیچے کا حصہ وقف نہ ہو بلکہ کسی کی ذاتی ملکیت ہو تو یہ مسجد شرعی بننے سے مانع ہے البتہ ضرورت کے وقت حضرات صاحبین کے قول پر عمل کرنے کی گنجائش ہے لیکن مسجد کے علاوہ جو حصے ہیں اگر وہ مسجد پر وقف ہوں تو پھر ایسی صورت میں مسجد سے مانع کوئی چیز نہیں ہوگی اور وہ مسجدِ شرعی بن جائے گی۔ (الہدایۃ مع فتح القدیر ۲/ ۲۳۴)

الجواب عن السؤال السابع

مسجد کی اراضی اگر مسجد کی ملکیت ہے جس کو کسی نے مسجد کو ہبہ کیا ہو، یا مسجد کے منتظمین نے مسجد کے لیے خریدا ہو، تو یہ اراضی مسجد کی ملکیت کہلائیں گی اور مسجد کی مملوکہ اشیاء کو مسجد کے مصالح اور منفعت کے لیے فروخت کرنا اور بدلنا جائز ہے لیکن اگر وہ اراضی وقف کی ہوں یعنی مسجد کی ملکیت نہ ہوں بلکہ کسی نے مسجد پر وقف کیا ہو تو اراضی موقوفہ کو بدلنے کی چند شرائط ہیں:

(۱) واقف نے وقف کرتے وقت تبدیل کرنے کی اجازت دی ہو۔

(۲) وہ اراضی کسی وجہ سے ناقابل منفعت ہو جائیں۔

(۳) کسی نے قبضہ کرلیا ہو اور اس سے آزاد کرانا ممکن نہ ہو، البتہ وہ عوض دینے پر راضی ہو، تو ان تین صورتوں میں باتفاق فقہائے حنفیہ مسجد پر وقف اراضی کو تبدیل کرنا جائز ہے۔

(۴) اگر مسجد پر وقف اراضی کی پیداوار قلیل ہو لیکن بہر حال پیداوار ہوتی ہو اور اراضی کو دکان وغیرہ سے تبدیل کرنے میں آمدنی بڑھ جائے تو مسجد کے نفع کے لیے اراضی کو دکانوں سے تبدیل کرنے میں علماء کا اختلاف ہے راجح اور مفتی بہ قول عدم جواز ہے اور جواز کا قول مرجوح ہے۔ لہذا عام حالات میں اراضی موقوفہ کو کثرت نفع کے لیے تبدیل کرنے کی اجازت نہیں البتہ مجبوری اور خصوصی حالات میں اگر منتظمین پوری دیانت وامانت کے ساتھ اس کو مسجد کے لیے ناگزیر خیال کرتے ہوں تو اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

لا يجوز استبدال العامر الا في الاربع.

قوله: (إلا فی أربع) الأولی: لو شرطه الواقف. الثانیة: إذا غصبه غاصب وأجری علیه الماء حتی صار بحراً، فیضمن القیمة، ویشتری المتولی بها أرضاً بدلاً: الثالثة: أن یجحده الغاصب ولا بینة: أی وأراد دفع القیمة فللمتولی أخذها لیشتری بها بدلاً. الرابعة: أن یرغب إنسان فیه ببدل أکثر غلة وأحسن صقعاً، فیجوز علی قول أبی یوسف، وعلیه الفتوی، کما فی فتاوی قاری الهدایة. (رد المحتار علی الدر المختار ۵۸۸/۶)

قال العلامة البیری بعد نقله أقول: وفی فتح القدیر والحاصل أن الاستبدال إما عن شرط الاستبدال أو لا عن شرطه، فإن کان لخروج الموقف عن انتفاع الوقوف علیهم فینبغی أن لا یختلف فیه وإن کان لا لذلک... بل اتفق أنه أمکن أن یؤخذ بثمنه ما هو خیر منه مع کونه منتفعا به، فینبغی أن لا یجوز لأن الواجب إلقاء الوقف علی ما کان علیه دون زیادة... أقول ما قاله هذا المحقق هو الحق الصواب. (رد المحتار ۵۸۹/۶ کتاب الوقف، مطلب فی استبدال الوقف وشروطه)

الجواب عن السؤال الثامن

مسجد کی مملوکہ اراضی پر مکاتب یا مدارس قائم کرنا اور مسجد کو کرایہ ادا کرنا شرعاً جائز ہے کیونکہ جو جگہ مسجد شرعی نہ ہو بلکہ مسجد کی ملکیت ہو تو منتظمین جب اس پر دکان بنا کر کرائے پر دے سکتے ہیں تو مکتب اور مدرسہ بنا کر زمین کا کرایہ مسجد کو دینا بدرجۂ اولی جائز ہے، البتہ اس کا خیال رہے کہ ہر وقف کی ایک مستقل حیثیت ہوتی ہے اور اس کی آمدنی اسی میں خرچ ہوتی ہے دوسری جنس کے وقف میں خرچ کرنا جائز نہیں، لہذا ایسی کسی صورت کا اختیار کرنا بھی لازم ہے جس میں وہ اراضی مدرسہ یا مکتب کی ملک متصور نہ ہوں بلکہ ان کی حیثیت کرایہ دار کی ہو جس کے لیے کاغذی اور تحریری دستاویز مسجد اور مدرسہ کے کرایہ کا تحریر کر کے دونوں منتظمین کے حوالہ کر دیا جائے اور منتظمین عامۃ الناس کو بھی اس سے باخبر کر دیں۔

مولانا خالد سیف اللہ صاحب مدظلہ العالی تحریر فرماتے ہیں:

مسجد پر وقف اراضی اگر کافی وسیع ہو اور بظاہر طویل عرصہ تک مسجد کی توسیع کی ضرورت پڑنے کا امکان نہ ہو، تو فاضل اراضی میں دینی درسگاہ یا مسلمانوں کے لئے مخصوص عصری تعلیمی ادارہ قائم کیا جا سکتا ہے؛ البتہ ادارہ سے مسجد کو کچھ کرایہ بھی دلانا چاہئے؛ تاکہ اس زمین کا نفع مسجد کی طرف بھی لوٹے اور واقف کا منشاء بھی پورا ہو۔ (جدید فقہی مسائل ۵۰۶/۳)

وحاصله: أن المنقول عندنا أن الموقوف علیه إذا خرب یصرف وقفه إلی مجانسه، فتصرف أوقاف المسجد إلی مسجد آخر، وأوقاف الحوض إلی حوض آخر۔ (رد المحتار: /، باب فروغ مهمة، ط: دار الفکر، بیروت) فتاوی رحیمیه ۱۰۵/۹)

مساجد اوران کے اوقاف سے متعلق چند مسائل

ڈاکٹر مفتی تنظیم عالم قاسمی
استاذ حدیث دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد

(۱) مسجد اللہ تعالیٰ کا گھر ہے، اس کا احترام از حد ضروری ہے۔ کوئی بھی ایسا کام جس سے مسجد کا احترام متأثر ہوتا ہو ہرگز جائز نہیں۔ اسی لئے احادیث مبارکہ میں گمشدہ سامان کے اعلان سے بھی ممانعت وارد ہوی ہے۔ مسجد کی قدامت سے مسجدیت کا تقدس کم نہیں ہوتا بلکہ قیامت تک اس کا تقدس باقی رہتا ہے، اگر اس کی دیواریں اور چھت کسی وجہ سے شہید ہوجائیں پھر بھی وہ جگہ مسجد رہے گی اور اس کا احترام ایک مسلمان پر ضروری ہوگا، کیوں کہ ایک بار جہاں مسجد بنادی جاتی ہے وہ تحت الثری سے آسمان تک مسجد ہی رہتی ہے، اس میں نماز ہوتی ہو یا نہ ہوتی ہو۔

اگر کسی جگہ پرانی مسجد ہو اور موجودہ کمیٹی کے افراد اس کی توسیع کرنا چاہیں تو جس حصے میں پرانی مسجد واقع ہے اس حصہ کو من وعن نیچے سے اوپر تک مسجد ہی باقی رکھنا ہوگا۔ اس حصہ میں کسی طرح کا تصرف جائز نہیں ہے۔ نئی تعمیر شدہ مسجد کی اوپری منزل میں اگر مستقل درسگاہ بنادی جائے یا طلبہ کے لئے مستقل رہائش کا انتظام کیا جائے، اس سے مسجدیت متأثر ہوتی ہے نیز یہ واقف کے منشا کے خلاف بھی ہے اس لئے جائز نہیں۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

البقعة الموقوفة على جهة اذا بنى رجل فيها بناء ووقفها على تلك الجهة يجوز بلاخلاف تبعا لها، فإن وقفها على جهة اخرى اختلفوا في جوازه والأصح انه لا يجوز. (۲/۳۶۲)

البتہ دینی تعلیم وتدریس کے لئے مسجد کا مستقل استعمال مکروہ تنزیہی اور طلبہ کی رہائش گاہ بنانا مکروہ تحریمی ہوگا۔ وجہ یہ ہے کہ دینیات کی تعلیم مصالح مساجد میں کسی درجہ میں شامل ہے جب کہ مستقل رہائش گاہ اس کے منافی ہے۔ تعمیر مساجد کا رہائش سے کوئی تعلق نہیں ہے، پھر محض تعلیم وتدریس سے مسجد کا تقدس متأثر نہیں ہوتا، یہی وجہ ہے کہ عہد نبوی سے اب تک ہر زمانہ میں مسجد میں درس وتدریس کا سلسلہ جاری رہا ہے تاہم اس کو مدرسہ کی شکل دے دینا خلاف اولیٰ ہوگا اور رہائش اختیار کرنے میں مسجد کا احترام باقی نہیں رہے گا۔

و بهذا علم أيضا حرمة إحداث الخلوات في المساجد كالتي في رواق المسجد الأموي ولا سيما ما يترتب على ذلك من تقذير المسجد بسبب الطبخ و الغسل و نحوه. (الدر المختار مع رد المحتار: كتاب الوقف ۶/۵۴۸).

ہاں! البتہ قدیم مسجد جتنے حصے پر قائم ہے، اس کو چھوڑ کر ارد گرد نیچے سے اوپر تک کسی بھی منزل میں درسگاہ اور رہائش کی گنجائش ہوسکتی ہے چوں کہ وہ مسجد شرعی کے حکم میں ابھی نہیں آیا ہے۔ کمیٹی کے افراد اور ذمہ داران توسیع مسجد کے وقت ہی اس کا فیصلہ کرلیں کہ فلاں فلاں منزل تعلیم اور رہائش کے لئے رہے گی تو جائز ہوگا، مسجد کے نام پر توسیع کرلی گئی اور پھر اس کے بعد اس کا ارادہ کیا گیا تو ارد گرد کے حصوں کا بھی حکم قدیم مسجد کی طرح ہوجائے گا۔

(۲) بوسیدہ اور قدیم مسجد کو شہید کرکے اس کی توسیع کے وقت نیچے سے اوپر تک اس حصہ کو صرف اور صرف مسجد کے لئے ہی استعمال کیا جاسکتا ہے۔ نئی تعمیر میں مسجد کی حیثیت کو بدلنا درست نہیں ہوگا۔ کیوں کہ ایک بار جہاں مسجد بنا دی جاتی ہے ہمیشہ وہ نیچے اوپر تک مسجد ہی رہتی ہے۔ ماضی قریب کے معروف فقیہ حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

''مسجد کی تعمیر اور بناء کے وقت اگر بانیان مسجد نے یہ طے کرلیا کہ منصوبے کے مطابق نیچے کی منزل ضروریات مسجد: بیت الخلا، وضوخانہ، امام ومؤذن کی رہائش یا مسجد کے انتظامی اخراجات کے لئے دکانیں جو ذریعۂ آمدنی ہوں، بنائی جائیں گی اور اوپر کی منزل مسجد ہوگی تو ایسا کرنا جائز ہوگا، اعتبار بوقت بناء مسجد کے بانیوں کی نیت کا ہوگا، البتہ جب مسجد بن چکی اس کے بعد مسجد کی کسی منزل میں اس کی حیثیت کو بدلنا درست نہیں ہوگا''۔ (فتاویٰ قاضی صفحہ ۱۷۸)۔

(واذا جعل تحته سردابا لمصالحه) ای المسجد جاز ... ولو بنی فوقه بیتاً للإمام لا یضر لأنه من المصالح أما لو تمت المسجدیة ثم اراد البناء منع۔ (ردالمحتار ۶/۵۴۷)

اس طرح کی عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ ایک مرتبہ جب مسجد بنا دی گئی تو ہمیشہ کے لئے اب وہ مسجد ہی رہے گی، اس کی حیثیت کو نہیں بدلا جاسکتا ہے خواہ واقف اس پر راضی ہی کیوں نہ ہو۔ اس لئے قدیم مسجد میں جہاں نماز ہوتی ہے، اندر اور صحن کے احاطہ کو چھوڑ کر ارد گرد دکان یا اوپر امام کے لئے قیام گاہ بنایا جاسکتا ہے، بشرطیکہ توسیع مسجد کے وقت ذمہ داران مسجد نے اس کی نیت کرلی ہو اور اسی منصوبے کے مطابق اس کی تعمیر کی جائے۔

قیم المسجد لا یجوز له ان یبنی حوانیت فی حد المسجد او فی فناءه لان المسجد اذا جعل حانوتاً و مسکنا تسقط حرمته، هذا لا یجوز و الفناء تبع للمسجد فیکون حکمه حکم المسجد، کذا فی المحیط للسرخسی. (فتاویٰ عالمگیری ۲/۴۶۲)

(۳) اپنی سہولت کے لئے مسجد کی حیثیت کو بدلنے اور اس کے احاطہ میں تبدیلی کی گنجائش نہیں ہے۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنے پیسوں سے ارد گرد کی زمین خرید لیں اور گھر بنا ہوا ہے تو منت سماجت کرکے گھر خرید لیں اور مسجد کی توسیع کریں اور قدیم مسجد جتنے حصہ میں قائم ہے، اس کو چھوڑ کر ابتدا سے باہمی مشوروں سے پارکنگ، دکان یا امام کے لئے حجرہ بنالیں۔ مشہور صاحب افتاء مفتی سید عبدالرحیم لاجپوریؒ لکھتے ہیں:

’’مسجد کی ابتدائی (پہلی) تعمیر کے وقت بانی مسجد نیت کرے کہ مسجد کے نیچے کے حصہ میں مسجد کے مفاد کے لئے دکانیں اور اوپر کے حصہ میں امام ومؤذن کے لئے کمرے بنانے ہیں، یعنی مسجد کی ابتدائی تعمیر کے وقت اس کے نقشہ میں دکان، کمرے بھی شامل ہوں، اور مسجد کے مفاد کے لئے وقف ہوں تو بنا سکتے ہیں اور یہ شرعی مسجد سے خارج رہیں گے۔ اس جگہ پر حائضہ اور جنبی آدمی جا سکے گا۔ مگر ایک بار جب مسجد بن گئی اور ابتدائے تعمیر کے وقت نیچے دکان اور اوپر کے حصہ میں کمرے شامل نہ ہوں تو مسجد کے اوپر کا حصہ آسمان تک اور نیچے کا حصہ تحت الثریٰ تک مسجد کے تابع اور اسی کے حکم میں ہو چکا، اب اس کا کوئی حصہ (جزو) مسجد سے خارج نہیں کیا جا سکتا اور اس جگہ مسجد کی آمدنی کے لئے دکان اور کمرے نہیں بنائے جا سکتے، اس جگہ کا احترام مسجد جیسا ہے، حائضہ عورت اور جنبی آدمی کا وہاں جانا درست نہیں ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۳/ ۱۶۲-۱۶۳)۔

لو جعل تحته حانوتاً و جعله وقفاً على المسجد قيل لا يستحب ذلک و لكنه لو جعل فی الابتداء هكذا صار مسجدا، وماتحته صار وقفاً عليه، و يجوز المسجد والوقف الذی تحته، ولو انه بنى المسجد او لا ثم اراد ان يجعل تحته حانوتا للمسجد فهو مردود باطل وينبغی ان يرد الى حاله۔

(حاشية الچلبی على التبيين ۳/ ۳۳۰)۔

(۴) مسجد میں جز وقتی درس وتدریس جائز ہے، دینی تعلیم یا قرآن وحدیث کی تعلیم مصالح مسجد میں شامل ہے اور یہ واقف کے منشا کے خلاف بھی نہیں ہے، عہد نبوی میں اس کا رواج تھا۔ رسول اکرم ﷺ حضرات صحابہ کو یہیں تعلیم دیا کرتے تھے بلکہ دیگر امور بھی یہاں سے انجام دیتے تھے، اس لئے فقہاء کرام نے مسجد کے آداب کی رعایت کرتے ہوئے درس وتدریس کی اجازت دی ہے، بچے اتنے چھوٹے نہ ہوں کہ تلویث مسجد کا خطرہ ہو یا کسی طرح کی بے حرمتی ہوتی ہو۔

ويجوز الدرس فی المسجد وان كان فيه استعمال اللبود والبوارى المسبلة لأجل المسجد.

(البحر الرائق ۵/ ۲۵۰)

البتہ اجرت اور فیس لے کر فقہاء نے مسجد میں تعلیم کو مکروہ لکھا ہے اس لئے کہ اس میں لوگوں کی دنیوی منفعت وابستہ ہو جاتی ہے۔

اما الكاتب و معلم الصبيان فان كان بأجر يكره، وان كان حسبة فقيل لا يكره. (حلبی كبير ۶۱۱)

موجودہ دور پر نظر رکھتے ہوئے میرا خیال ہے کہ اگر طلبہ سے معمولی اجرت بھی لی جائے پھر بھی مسجد میں تعلیم بلا کراہت درست ہوگی۔ اس لئے کہ اس دور میں اجرت کے بغیر پڑھانے والا کوئی دستیاب نہیں ہے، جس طرح تعلیم قرآن کی اجرت لینا احناف کے نزدیک پہلے جائز نہیں تھا حالات بدلنے کی وجہ سے اس کو متأخرین فقہاء نے جائز

قرار دیا، اسی طرح اجرت کے ذریعے تعلیم وتدریس بھی درست ہوگی، پھر دور حاضر میں ارتداد عام ہوتا جارہا ہے اور مسلمان اپنے بچوں کو عموماً عصری تعلیم دے رہے ہیں، ان کے ایمان کی حفاظت نہایت ضروری ہے جس کا انتظام اسکولوں میں نہیں ہوتا، اس لئے مساجد میں جز وقتی مکتب کے قیام کے ذریعے ان کے ایمان کے تحفظ کا نظم مقاصد شریعت میں سے ہے جس کی اجازت ہر حال میں ہونی چاہئے البتہ ضروری ہے کہ تعلیم کو تجارت نہ بنایا جائے اتنی ہی فیس لی جائے جس سے معلمین کی تنخواہ کا نظم ہوجائے۔ مسجد کے اخراجات کے لئے گراں فیس کا حصول مناسب نہیں ہے، اس سے غریب بچے دینی تعلیم سے محروم ہوجائیں گے اور مساجد میں تعلیم کی اجازت کا مقصد فوت ہوجائے گا۔ مسجد کے اخراجات کے لئے کوئی دوسرا ذریعہ اختیار کرنا چاہئے۔

(۵) مسجد شرعی ہونے کے لئے ضروری ہے کہ زمین سے لے کر آسمان تک وہ مسجد ہی ہو، کسی شخص کا حق اور ملک اس سے وابستہ نہ ہو بلکہ اسے مکمل طور اللہ کے ملک میں دے دیا جائے۔ کسی بلڈنگ یا اپارٹمنٹ میں کسی ایک حصہ کو خرید کر اسے نماز کے لئے مختص کرنے میں نیچے سے اوپر تک مسجد نہیں ہوتی بلکہ اوپر یا نیچے کسی دوسرے کی ملکیت ہوتی ہے۔ اس لئے اس حصہ کو جماعت گاہ تو کہیں گے مسجد شرعی نہیں کہا جائے گا اور نہ اس پر مسجد کے احکام جاری ہوں گے۔ اس میں جماعت سے نماز پڑھی جاسکتی ہے، جماعت کا ثواب ملے گا لیکن مسجد شرعی میں نماز پڑھنے کا ثواب نہیں ملے گا۔

”وحاصلہ ان شرط کونہ مسجدا ان یکون سفلہ وعلوہ مسجدا لینقطع حق العبد عنہ لقولہ تعالی:

وان المساجد للہ.“ (شامی زکریا ۶/۵۴۸)

(۶) جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا کہ شرعی مسجد کے لئے بنیادی شرط یہ ہے کہ اس سے کسی بندہ کا حق وابستہ نہ رہے بلکہ اسے مکمل طور پر نیچے سے اوپر تک اللہ تعالیٰ کے ملک میں دے دیا جائے۔ بانیان مسجد شروع سے ہی مصالح مسجد کے لئے مسجد کے نیچے دکان بنانے کی نیت کریں یا اوپر امام کے لئے حجرہ وغیرہ کی تعمیر کا فیصلہ کرلیں تو اس کی گنجائش ہے۔ سوال میں جو شکل بیان کی گئی ہے اس میں یہ وضاحت نہیں ہے کہ اہل ثروت مسجد کے نیچے یا اوپر کی منزلوں کا کرایہ خود استعمال کرنا چاہتے ہیں یا ان منزلوں کو اپنی ذاتی ضرورت کے لئے مفت استعمال کررہے ہیں، اگر ان منزلوں کا کرایہ اپنے لئے استعمال کررہے ہوں یا ان کو مفت اپنے ذاتی مصرف میں استعمال کریں تو وہ مسجد شرعی نہیں ہوگی، اس لئے کہ وہ مسجد اوپر سے نیچے تک اللہ تعالیٰ کے ملک میں نہیں ہے بلکہ ایک مخصوص حصہ کو مسجد بنایا ہے اور نیچے اوپر کی منزلوں سے اس نے اپنا تعلق باقی رکھا ہے اور اس کا جزوی ملک باقی ہے۔ جب تک بندوں کا حق مکمل طریقے سے ختم نہیں ہوگا اس وقت تک وہ شرعی مسجد نہیں کہلائے گی۔ ہاں اگر اس نے مصالح مسجد کے طور پر نیچے اور اوپر کی منزلوں کو کرایہ پر دیا ہو یا خود استعمال کررہا ہے مگر کرایہ مکمل مسجد میں ادا کررہا ہو اور اپنے ہر طرح کے ملک اور تصرف سے دست برداری اختیار کرلی ہو تو وہ مسجد شرعی ہوگی اور اس پر شرعی مسجد کے تمام احکام جاری ہوں گے۔

”والمسجد خالص لله سبحانه ليس لاحد فيه حق، قال الله تعالىٰ: وان المساجد لله...

(فتح القدير ۲۱۸/۶)

(۷) استبدال وقف کے لئے ضروری ہے کہ یا تو خود واقف نے وقف کرتے ہوئے اس طرح کی بات لکھ دی ہو یا کہیں اس کا ذکر کیا ہو اور اس کا ثبوت موجود ہو کہ اس میں نفع کم ہونے کی صورت میں اس کے متولی کو پورا حق ہوگا کہ وہ امانت داری کے ساتھ زیادتی نفع اور وقف کے مقصد کی تکمیل کے لئے اس کا تبادلہ کر سکتے ہیں یا اس نے خود اپنے یا کسی غیر کے لئے تبادلۂ وقف کا اختیار لیا ہو تو اس کے لئے اس کا تبادلہ درست ہوگا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ واقف نے اس طرح کا اختیار کسی کو نہ دیا ہو اس کا ذکر ہی نہ کیا ہو یا صراحتاً اس کی تبدیلی سے وقف نامہ میں منع کر دیا ہو تو اس صورت میں تبادلہ درست نہیں ہے، البتہ اگر موقوفہ زمین بالکلیہ ناقابل انتفاع ہو جائے یا خود اس زمین میں ہونے والے اخراجات بھی اس سے نہ نکلتے ہوں تو اس کا تبادلہ کسی بہتر جگہ سے جائز ہے اس لئے کہ یہاں اس زمین کو اگر بعینہ باقی رکھا جائے تو وقف کا مقصد فوت ہو جائے گا اور اس سے واقف کو کوئی فائدہ یا اجر وثواب حاصل نہ ہوگا۔ تیسری صورت یہ ہے کہ واقف نے اس طرح کا اختیار کسی کو نہ دیا ہو اور موقوفہ زمین کسی نہ کسی درجہ میں قابل انتفاع ہو تو اس کا تبادلہ محض نفع کی زیادتی کے لئے درست نہیں ہے۔

قوله: وجاز شرط الإستبدالِ بِهِ۔ اعلم ان الإستبدال على ثلاثةِ وجوه: الاول: ان يشرِطه الواقِف لِنفسِهِ او لِغيرِهِ او لِنفسِهِ وغيرِهِ، فالإستبدال فِيهِ جائِز على الصحِيحِ وقِيل اتِفاقا. والثانِي: ان لا يشرطه سواء شرط عدمه او سكت لكِن صار بِحيث لا ينتفع بِهِ بِالكلِيةِ بِان لا يحصل مِنه شئ اصلا، و لا يفِي بِمؤنتِهِ فهو ايضا جائِز على الاصح اذا كان باذن القاضى و رأيه المصلحة فيه، والثالث: ان لا يشرطه ايضا ولكن فيه نفع فى الجملة و بدله خير منه ريعا و نفعاً و هذا لا يجوز استبداله على الأصح المختار. (شامی ۴۲۴/۳)

سوال کی تفصیلات سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد کے لئے موقوفہ زمین بالکل ناقابل انتفاع نہیں ہے، وہ قابل کاشت ہے اور اس سے نفع ہو رہا ہے البتہ اتنا نفع نہیں ہے کہ اس سے مسجد کے جملہ اخراجات پورے ہوتے ہوں، اس لئے محض نفع کی زیادتی کے لئے اس کو بیچنا یا اس کا تبادلہ درست نہیں ہے۔ مسجد کے اخراجات کی تکمیل کے لئے اہل محلہ خود انتظام کریں، ہاں! البتہ اگر واقف نے استبدال کی اجازت دی ہو اور اس کا ثبوت موجود ہو تو اس کی تبدیلی کی گنجائش ہے۔

(۸) اگر کسی نے مسجد کی تعمیر کے لئے زمین وقف کی ہے تو اس میں مسجد ہی بنائی جائے گی اور اگر مسجد پہلے سے بنی ہوئی ہو اور کسی نے مسجد کے اخراجات وغیرہ کے لئے زمین وقف کی ہو تو اس میں ایسا تصرف جو مصالح مسجد کے دائرہ میں آتا ہو، جائز ہے۔ گویا ایک ہوتی ہے مسجد کے لئے وقف شدہ زمین اور ایک ہے مسجد کی ملکیت کی زمین،

مسجد کے لئے وقف شدہ زمین میں مدارس ومکاتب کا قیام درست نہیں ہے اور مسجد کی ملکیت کی زمین میں ان اداروں کا قیام درست ہے۔

خلاصہ یہ کہ مساجد کی وہ اراضی جو مسجد کی تعمیر کے لئے نہ ہو، ان میں مدارس ومکاتب یا کسی دینی ادارہ کا قیام جائز ہے بشرطیکہ اس کا کرایہ مسجد میں استعمال کیا جاتا ہو، اس سے وقف کے مقصد میں خلل نہیں آئے گا بلکہ دیکھا جائے تو اور بہتر طریقے سے وقف کا استعمال کرنا لازم آئے گا، ورنہ وہ زمین یوں ہی پڑی رہے گی اور کسی کو کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا۔

”أما المال الموقوف على المسجد الجامع ان لم تكن للمسجد حاجة للحال فللقاضي ان يصرف في ذلك.“ (فتاویٰ عالمگیری ۲/۴۶۴)

مساجد اوران کے اوقاف سے متعلق چند نئے مسائل

مفتی نثار احمد کلا

دارالسلام، گودھرا، گجرات

جواب: (۱) آبادی کی وجہ سے مسجد کی توسیع کی ضرورت پڑ جائے اور کمیٹی منزلیں بڑھا کر اس پر دینی تعلیم کا نظم کرنا چاہے تو اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ مسجدیں عبادت مقصودہ کے لئے ہوتی ہیں، اور مسجدوں کو اس کام کے استعمال کے لئے لانا چاہئے، البتہ اس میں عبادت غیر مقصودہ کی ادائیگی ضمنا ہو اس طور پر کہ اصل مقصد میں خلل اور حرج نہ ہو، اور اوقات نماز کے علاوہ اوقات میں مسجد میں تعلیم کا نظم ہو۔

کتاب النوازل میں مفتی سلمان صاحب منصور پوری لکھتے ہیں: "مسجد کو آباد رکھنے کے لئے اس میں مدرسہ قائم کرنا شرعا درست ہے اور مدرسہ مسجد کے تابع رہے گا، دونوں کی کمیٹی اور منتظم ایک ہو، اور طلبہ کا قیام مسجد کے حدود میں نہ رکھا جائے، اور اساتذہ کرام کی تنخواہ لوگوں کے تعاون پر مبنی ہو، طلبہ سے فیس لیکر نہ ہو۔

حدیث شریف سے مسجد میں عبادت مقصودہ اور غیر مقصودہ دونوں کی ادائیگی کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ نیز جہاں دو نامناسب باتیں جمع ہو جائیں تو جو بات نامناسب میں بھی مناسب ہو اور بہتر ہو اس کو کیا جائے۔ جیسے بچوں کی تعلیم کا نظم مسجد میں نامناسب ہے البتہ اس سے زیادہ نامناسب بات یہ ہے کہ بچوں کو تعلیم سے محروم رکھا جائے۔ جبکہ لوگوں میں بددیانتی اور جہالت عام ہوتی جارہی ہے اور مسجد میں باقاعدہ تعلیم اور رہائش کے نظم کی وجہ سے مسجد کی حرمت متاثر نہ ہوگی، زیادہ سے زیادہ کراہت آسکتی ہے۔

جواب: (۲) قدیم مسجد کو شہید کر کے چند منزلہ عمارت بنانے میں کوئی حرج نہیں جبکہ قدیم مسجد کو شہید کرنے کی ضرورت بھی ہو، البتہ مسجد کو شہید کرنے کے بعد اس کے نیچے دکانیں بنانے کی گنجائش نہیں ہوگی، مسجد کی آمدنی کا ذریعہ اس پر موقوف نہیں، دوسرے ذرائع سے اس کی آمدنی کو پورا کیا جاسکتا ہے۔ البتہ مسجد کی کسی منزل پر امام اور مؤذن کے کمرے کو تعمیر کرنے میں کوئی حرج نہیں، اس لئے ایک جگہ جب مسجد کے لئے وقف کی گئی وہ ہمیشہ کے لئے مسجد کا حصہ بن جائے گی، اس کے کسی ایک حصہ کو مسجد کے مصالح کے علاوہ کے لئے استعمال کرنا درست نہ ہوگا، اکابر علماء کے تمام فتاوی سے یہ بات ثابت ہوتی ہے۔

جواب: (۳) ایک جگہ جب مسجد اور مسجد کے مصالح کے لئے داخل ہو جاتی ہے تا قیامت اس کو دوسرے کام کے لئے استعمال کرنا درست نہیں ہوتا۔ اس لئے مسجد کی توسیع کے وقت یہ نیت کرنا کہ نیچے بیسمنٹ میں پارکنگ ہو اور اوپر مسجد ہو درست نہیں البتہ اگر مسجد کی جگہ لیکر بنائی جارہی ہو اور ابتداء ان چیزوں کی نیت کر لی جائے تو درست ہوگا۔

جواب: (۴) قدیم مسجد اگر توڑنے کے لائق ہو تو اس کو توڑ کر اس کی توسیع کی جاسکتی ہے البتہ جو جگہ اور حصہ ایک بار مسجد کے لئے ہو گیا اس میں تبدیلی کی گنجائش نہ ہوگی، اس لئے مسجد کی توسیع کے وقت اس کے نیچے پارکنگ بنانا درست نہ ہوگا، البتہ اوپر کوئی منزلہ بنا کر اس کو تعلیم کے لئے استعمال کیا جائے اور یہ کہ مسجد کی حرمت پامال نہ ہو تو ایسا کرنے میں حرج نہیں۔ منزل کا کرایہ لیکر مصالح مسجد میں استعمال کرنا بھی درست ہوگا۔

جواب: (۵) مسجد شرعی کا مطلب یہ ہے کہ جو جگہ مسجد کے لئے وقف ہو جائے وہ زمین سے لیکر آسمان تک مسجد بن جائے گی۔ اپارٹمنٹ میں کسی حصہ کو خرید کر نماز کے لئے مختص کر لینے سے وہ شرعی مسجد تو نہ ہوگی البتہ اس کو مصلی کہا جائے گا، اس میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کی جائے گی اور اس میں جماعت کا ثواب بھی ملے گا۔ اس پر شرعی مسجد کے احکام جاری نہ ہوں گے۔

جواب: (۶) کئی منزلہ عمارت میں شروع سے کسی ایک منزلہ کو مسجد بنانے کی نیت ہوگی تو اس کو مصلی/ جماعت گاہ کہا جائے گا، وہ بھی شرعی مسجد نہیں کہلائے گی اور اس میں بھی جماعت کا ثواب مل جائے گا

جواب: (۷) مسجد کی اراضی اور پراپرٹی کو ایک بار فروخت کرنے کے بعد اس کے ضائع اور خرد برد ہونے کا اندیشہ زیادہ ہو۔ رہا آمدنی کا مسئلہ آمدنی فقط اس پر موقوف نہیں۔ ان اراضی اور پراپرٹی کو کرایہ پر لگا کر یہ آمدنی وصول کی جاسکتی ہے، اور اخراجات پورے کرنے میں اس بات کا اندیشہ زیادہ ہے کہ پوری زمین ختم ہو جائے گی، اس لئے موقوفہ زمین کو دوسری اراضی اور دکانوں کے ذریعے تبدیل کرنے کی گنجائش نہ ہوگی۔

جواب: (۸) مساجد کی اراضی کے تحفظ کے لئے اگر اس جگہ مکاتب یا مدرسہ کا نظم کرے تا کہ اس کا کرایہ مساجد کو ملے تو اس کی گنجائش ہے بشرطیکہ تعمیرات کی ملکیت مسجد کمیٹی کی رہے گی، یہ مدرسہ اور مکتب بھی ہمیشہ کے لئے نہ ہو، آئندہ اگر یہ اراضی کی ضرورت مسجد کو پڑ جائے تو اس کو خالی کرا کے اپنی تحویل میں لے سکتے ہیں۔

مساجد اوران کے اوقاف سے متعلق چند مسائل

مولانا مفتی جنید احمد قاسمی

استاذ جامعہ رحمانی، خانقاہ، مونگیر ونگراں شعبہ تخصص فی الافتاء

۱۔ مسجد کے اوپر کی کسی منزل کو درسگاہ بنانا اور اس سے اوپر طلبہ کی رہائش گاہ بنانا:

جس زمین پر ایک مرتبہ شرعی مسجد بن جائے تو وہ تحت الثری (زمین کی تہہ) سے اوپر آسمان تک قیامت تک کے لیے مسجد رہتی ہے، لہذا مسجد کی چھت مسجد ہی کے حکم میں ہے، اور مسجد میں مستقل مدرسہ بنانا یا اسکول بنانا جائز نہیں ہے۔ البتہ ضرورت اور جگہ کی تنگی کی وجہ سے قرآن اور دین کی ضروریات کی تعلیم مسجد کے آداب کا لحاظ کرتے ہوئے مسجد کے اندر دینا جائز ہے، لہذا مسجد کے آداب، اور صفائی کا خیال کرتے ہوئے اور مسجد کے احترام کی رعایت کرتے ہوئے مسجد کی چھت پر قرآن اور دینی ضروریات کے لیے عارضی درس گاہ بنانے کی اجازت ہے، لیکن مسجد کی چھت پر اسکول کھولنا درست نہیں ہے۔

والدليل على ماقلنافي المذكور أدناه:

۱-﴿وَأَنَّ ٱلۡمَسَٰجِدَ لِلَّهِ ١٨﴾ [الجن:١٨]

۲-وحاصله إن شرط كونه مسجدا أن يكون سفله وعلوه مسجدا لينقطع حق العبد عنه لقوله تعالى: (وأن المساجد لله)* (الجن:18) (البحر الرائق - ابن نجيم المصري - ج٥ - الصفحة٤٢١)

۳- قيم المسجد لا يجوز له أن يبني حوانيت في حد المسجد، أو في فنائه لأن المسجد إذا جعل حانوتا و مسكنا تسقط حرمته، و هذا لا يجوز و الفناء تبع المسجد فيكون حكمه حكم المسجد كذافي محيط السرخسي. (الفتاوى الهندية، ٤/٤١٤. كتاب الوقف)

۴-وبه صرح في الإسعاف، فقال: وإذا كان السرداب أو العلو لمصالح المسجد، أو كانا وقفا عليه، صار مسجدا. (شرنبلالية) (درر الحكام في شرح غرر الاحكام، كتاب الوقف.)

فتاوی عالمگیری میں ہے:

"الموقوف على جهة إذا بنى رجل فيها بناء ووقفها على تلك الجهة يجوز بلا خلاف تبعًا لها، فإن وقفها على جهة أخرى اختلفوا في جوازه، والأصح أنه لايجوز، كذافي الغياثية". (362/2، الباب

الثانی فیمایجوز وقفه، ط: رشیدیه)

البحر الرائق میں ہے:

"فقد قال الله تعالى: {وأن المساجد لله} [الجن: 18] وما تلوناه من الآية السابقة فلايجوز لأحد مطلقًا أن يمنع مؤمنًا من عبادة يأتي بها في المسجد؛ لأنّ المسجد ما بني إلا لها من صلاة واعتكاف وذكر شرعي وتعليم علم وتعلمه وقراءة قرآن، ولايتعين مكان مخصوص لأحد". (2/36، كتاب الصلاة، فصل، ط: دار الكتاب الإسلامی، بیروت)

في الدر المختار: ومسجد أستاذه لدرسه أو لسماع الأخبار أفضل اتفاقا؛ (إلى قوله) وإذا ضاق فللمصلي إزعاج القاعد ولو مشتغلا بقراءة أو درس بل ولأهل المحلة منع من ليس منهم عن الصلاة فيه، ولهم نصب متول. وجعل المسجدين واحدا وعكسه لصلاة لا لدرس، أو ذكر فی المسجد عظة وقرآن، فاستماع العظة أولى؛ اه (1/659)

وفي الهندية: ولو جلس المعلم فی المسجد والوراق يكتب، فإن كان المعلم يعلم للحسبة والوراق يكتب لنفسه فلا بأس به؛ لأنه قربة، وإن كان بالأجرة يكره إلا أن يقع لهما الضرورة، كذا فی محيط السرخسي. (5/321)

سوال: (۲) قدیم مسجد شہید کر کے چند منزلہ عمارت بنانا جس میں نیچے کی منزل میں دکان اور اوپر جماعت گاہ، جماعت گاہ سے اوپر امام ومؤذن کے لیے حجروں کی تعمیر:

اسی طرح بعض مساجد میں آمدنی نہیں ہوتی ہے۔ مسجد کی کمیٹی چاہتی ہے کہ قدیم مسجد شہید کر دی جائے اور چند منزلہ عمارت بنادی جائے جس میں نیچے کی منزل میں دکانیں بنادی جائیں تاکہ مسجد کی آمدنی کا ذریعہ ہو اور اوپر کی منزل جماعت گاہ ہو، کیا مصالح مسجد کے پیش نظر ایسا کیا جاسکتا ہے؟ اسی طرح جماعت گاہ کی منزل سے اوپر امام اور مؤذن کے لئے ایسے حجرے بنائے جاسکتے ہیں جہاں وہ تنہا یا فیملی کے ساتھ قیام کر سکیں؟

الجواب وباللہ التوفیق: نہیں کیا جاسکتا ہے۔

البحر الرائق میں ہے:

لو بنى فوقه بيتا للإمام لا يضر لأنه من المصالح، أما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع، ولو قال عنيت ذلك لم يصدق، تتارخانية، فإذا كان هذا في الواقف فكيف بغيره فيجب هدمه ولو على جدار المسجد، ولا يجوز أخذ الأجرة منه ولا أن يجعل شيئا منه مستغلا ولا سكنى، بزازية.

(قوله: ولا أن يجعل إلخ) هذا ابتداء عبارة البزازية . قلت: وبهذا علم أيضا حرمة إحداث الخلوات في المساجد كالتي في رواق المسجد الأموي، ولا سيما ما يترتب على ذلك من تقذير المسجد بسبب الطبخ والغسل ونحوه ورأيت تأليفا مستقلا في المنع من ذلك." (كتاب الوقف، ج:4، ص:358، ط:سعيد)

وفيه أيضاً: "(ولو خرب ما حوله واستغني عنه يبقى مسجدا عند الإمام (والثاني) أبدا إلى قيام الساعة (وبه يفتي) حاوي القدسي." (كتاب الوقف، ج:4، ص:358، ط:سعيد)

سوال: ۳۔قدیم مسجد شہید کر کے نیچے بیسمنٹ میں پارکنگ ہو اور اوپر مسجد ہو؟

جب مسجد کی تعمیر مکمل ہو جائے تو پھر اس کے اوپر یا نیچے کوئی اور چیز بنانا جائز نہیں ہے۔سوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسجد شہید کر کے یہ سارا کام لیا جائے گا تو چوں کہ مسجد میں جو جگہ نماز پڑھنے کے لیے مختص کی جائے وہ ہمیشہ کے لیے تحت الثریٰ (زمین کی تہہ) سے اوپر آسمان تک سب مسجد کے حکم میں ہوتی ہے،اس میں کوئی اور چیز تعمیر نہیں کی جاسکتی۔

البحر الرائق میں ہے:

فإن قلت: لو جعل مسجداً ثم أراد أن يبني فوقه بيتاً للإمام أو غيره، هل له ذلك؟ قلت: قال في التتارخانية: إذا بنى مسجداً، وبنى غرفةً وهو في يده، فله ذلك، وإن كان حين بناه خلى بينه وبين الناس، ثم جاء بعد ذلك يبني، لا يتركه. وفي جامع الفتوى: إذا قال: عنيت ذلك، فإنه لا يصدق". اهـ.(271/5، كتاب الوقف، فصل في احكام المسجد، ط:دار الكتاب الاسلامي، بيروت)

فتاویٰ شامی میں ہے:

لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع، ولو قال: عنيت ذلك لم يصدق، تتارخانية".(358/4، كتاب الوقف، فرع، ط:سعيد)

سوال: ۴۔مسجد شہید کر کے اردگرد کی جگہیں لے لی جائیں اور چند منزلیں بنادی جائیں؟

صورت مسئولہ میں یہ صورت اختیار کی جاسکتی ہے کہ جتنی جگہ مسجد میں لیے جانے کا ارادہ ہو صرف اتنی جگہ میں دیگر کام کیے جائیں لیکن مسجد شہید کر کے نیچے یا اوپر مسجد کے امور کے علاوہ دیگر امور کے لیے الگ منزل کی تعمیر نا درست ہے کیونکہ یہ جگہ مسجد بنتے ہی ثری سے ثریا تک مسجد ہو چکی ہے۔

فتاویٰ شامی میں ہے:

لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع، ولو قال: عنيت ذلك لم يصدق، تتارخانية".(358/4، كتاب الوقف، فرع، ط:سعيد)

البحر الرائق میں ہے:

حاصله: أن شرط كونه مسجداً أن يكون سفله وعلوه مسجداً، لينقطع حق العبد عنه، لقوله تعالى: ﴿وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ﴾ [الجن: 18] (5/ 271، كتاب الوقف، فصل فى احكام المسجد، ط: دار الكتاب الاسلامى، بيروت)

سوال: ۵ اپارٹمنٹ کے کسی حصہ کو خرید لیں اور نماز کے لیے مختص کرلیں اور جماعت سے وہاں نماز ادا کریں تو کیا اپارٹمنٹ کا یہ حصہ مسجد شرعی کہلائے گی؟

مسجدِ شرعی جس جگہ پر قائم ہو وہ مقام زمین تا آسمان مسجد کے حکم میں ہوتا ہے، اس مقام پر مسجد کے علاوہ کچھ اور قائم کرنا، یا اس کے اوپر یا نیچے فیلٹس یا دوکانیں بنانا جائز نہیں ہوتا، لہذا صورت مسؤلہ میں جو جگہ نماز کے لیے بنائی گئی ہے، وہ مسجدِ شرعی کے حکم میں نہیں، اس کی شرعی حیثیت مصلی (جائے نماز) کی ہے، جہاں با جماعت نماز ادا کرنے سے جماعت کا ثواب تو مل جائے گا، تاہم مسجد شرعی کی جماعت کا ثواب نہیں ملے گا۔

البحر الرائق میں ہے:

(ولو جعل لغيرها أو) جعل (فوقه بيتا وجعل باب المسجد إلى طريق وعزله عن ملكه لا) يكون مسجدا. (كتاب الوقف، فصل اختص المسجد بأحكام تخالف أحكام مطلق الوقف) جعل مسجدا تحته سرداب أو فوقه بيت وجعل بابه إلى الطريق. (البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ابن نجيم - زين الدين بن إبراهيم بن محمد: ۵/۲۷۲)

سوال نمبر: ۶ - کئی منزلہ عمارت تعمیر کرتے وقت تیسری منزل کو مسجد بنانے کی نیت ہو، نیچے کی دو منزلیں کمرشیل کمپلیکس اور چوتھی پانچویں منزلیں کمپنی یا طباعتی ادارہ۔ تو کیا تیسری منزل مسجد شرعی کہلائے گی؟

الجواب وباللہ التوفیق: نہیں کہلائے گی۔

البحر الرائق میں ہے:

(ولو جعل لغيرها أو) جعل (فوقه بيتا وجعل باب المسجد إلى طريق وعزله عن ملكه لا) يكون مسجدا. (كتاب الوقف، فصل اختص المسجد بأحكام تخالف أحكام مطلق الوقف، جعل مسجدا تحته سرداب أو فوقه بيت وجعل بابه إلى الطريق، (البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ابن نجيم - زين الدين بن إبراهيم بن محمد: ۵/۲۷۲)

مسجد کی اراضی اور پراپرٹی سے بھی متعلق کچھ مسائل

سوال:۱۔مسجد کی آمدنی والی اراضی کا تبادلہ:

الجواب وباللہ التوفیق:

نہیں خریدی جاسکتی ہیں؛ کیوں کہ ازروئے شرع جب کوئی زمین یا جگہ اسی خاص مصرف کے لیے وقف جائے تو واقف کی جانب سے وقف کرتے ہی وقف تام ہوجاتا ہے،اور وقف تام ہونے کے بعد موقوفہ جگہ قیامت تک کے لیے واقف کی ملکیت سے نکل کر اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں داخل ہوجاتی ہے،بعدازاں اس موقوفہ جگہ کی نہ خریدوفروخت کرنا جائز ہے،نہ کسی کو مالک بنانا جائز ہے اور نہ ہی اس میں وراثت جاری ہوتی ہے۔

اسی طرح سوال میں ذکر کردہ نزاکت کی روسے تو مزید اس میں شدت آجاتی ہے۔

درِمختار میں ہے:

"(فإذا تم ولزم لا يملك ولا يملك ولا يعار ولا يرهن)۔"

ردالمحتار میں ہے:

"(قوله لا يملك) أي لا يكون مملوكا لصاحبه ولا يملك أي لا يقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه لاستحالة تمليك الخارج عن ملكه، ولا يعار، ولا يرهن لاقتضائهما الملك، درر۔"

(رد المختار مع الدر المختار، ج:4، كتاب الوقف، ص:352، ط:ايچ ايم سعيد)

درِمختار میں ہے:

"شرط الواقف كنص الشارع أي في المفهوم والدلالة ووجوب العمل به۔"

ردالمحتار میں ہے:

"(قوله أي في المفهوم والدلالة إلخ) كذا عبر في الأشباه والذي في البحر عن العلامة قاسم" في الفهم والدلالة وهو المناسب۔"(رد المحتار مع الدر المختار، ج:4، كتاب الوقف، ص:433، ط: ايچ ايم سعيد)

سوال:۲۔مساجد کی اراضی میں مکاتب یا مدارس قائم کرنا

بعض مساجد ایسی ہوتی ہیں کہ ان سے متعلق اراضی ہوتی ہیں جو مساجد کی ملکیت ہوتی ہیں،کمیٹی اس کے تحفظ اور مسجد کی آمدنی کے پیش نظر وہاں مکاتب یا مدارس قائم کردینا چاہتی ہے۔سوال یہ ہے کہ مساجد کی اراضی میں مکاتب یا مدارس قائم کرنا درست ہے؟اگر تغیرات کے بعد کرایہ مقرر کردیا جائے اور آمدنی مسجد کو دی جائے اور وہاں

تعلیمی نظام جاری رہے تو شرعاً اسکی اجازت ہوگی؟ اس سے مقاصد وقف میں خلل تو نہیں ہوگا؟ تحفظ کی غرض سے کیا یہ تصرف درست ہوگا؟

الجواب وباللہ التوفیق:

مسجد میں مستقل بنیادوں پر مدرسہ یا مکتب قائم کرنا شرعاً جائز نہیں، تاہم مدرسہ یا مکتب مسجد کی حدود سے باہر قائم ہو اور جگہ کی تنگی کے باعث عارضی طور پر مسجد میں بلا معاوضہ تعلیم دی جائے اور مسجد کے آداب کی مکمل رعایت رکھی جائے تو اس کی گنجائش ہے، لیکن اجرت لے کر تعلیم دینا مکروہ ہے، لہذا متبادل جگہ کا انتظام کیا جائے یا بچوں سے فیس نہ وصول کی جائے۔ لیکن جہاں جگہ کی تنگی ہو بوقت ضرورت مسجد کے تابع ہو کر مکتب یا مدرسہ قائم کرنے کی بلا کراہت اجازت ہے، بشرطیکہ اس سے مسجد کی حرمت پامال نہ ہو البتہ ایسی صورت میں بچوں کو حفظ و ناظرہ اور دینیات کی تعلیم دی جائے؛ اس لئے کہ مسجد ذکر و تلاوت، ادائیگی نماز اور اعتکاف کے لیے وقف ہوتی ہے۔ اور یہ معنی قرآن و دینیات اور علوم اسلامیہ کی تعلیم سے ہی ادا ہوتا ہے۔ دوسرے علوم جیسے سائنس، جغرافیہ، اور حساب وغیرہ کی تعلیم سے یہ معنی ادا نہیں ہوتے۔

حاشية رد المحتار على الدر المختار - (6/428): قوله: ومن علم الأطفال إلخ) الذي في القنية أنه يأثم ولا يلزم منه الفسق، ولم ينقل عن أحد القول به، ويمكن أنه بناء على بالإصرار عليه يفسق، أفاده الشارح، قلت: بل في التاترخانية عن العيون: جلس معلم أو وراق في المسجد فإن كان يعلم أو يكتب بأجر يكره إلا لضرورة، وفي الخلاصة: تعليم الصبيان في المسجد لا بأس به اهـ لكن استدل في القنية بقوله عليه الصلاة والسلام: جنبوا مساجدكم صبيانكم ومجانينكم.

الفتاوى الهندية - (43/34): وَلو جلس الْمُعَلِّمُ فِي الْمَسْجِدِ وَالْوَرَّاقُ يَكْتُبُ ، فَإِنْ كَانَ الْمُعَلِّمُ يُعَلِّمُ لِلْحِسْبَةِ وَالْوَرَّاقُ يَكْتُبُ لِنَفْسِهِ فَلَا بَأْسَ بِهِ ؛ لِأَنَّهُ قُرْبَةٌ ، وَإِنْ كَانَ بِالْأُجْرَةِ يُكْرَهُ إلَّا أَنْ يَقَعَ لَهُمَا الضَّرُورَةُ، كَذَا فِي مُحِيطِ السَّرَخْسِيِّ".

مسجد اور اس کے اوقاف سے متعلق چند مسائل

مولانا محمد نثار عالم ندوی
دار العلوم الاسلامیہ اوچرہ، کولم، کیرلا

وقف سے متعلق فقہاء کے تین اصول ہیں:

۱۔ واقف کی شرائط، مقصد اور نیت

۲۔ وقف کے مصالح

۳۔ موقوف علیہ کے فوائد

فقہاء نے ان تینوں امور کو ترتیب کے ساتھ مدنظر رکھا ہے:

پہلی ترتیب: واقف کی شرط اور نیت کو سب سے اہم سمجھا گیا ہے، جس کی مخالفت جائز نہیں، سوائے اس کے کہ وہ شرع کے خلاف ہو۔ فقہاء کا قول ہے: واقف کی شرط شارع کے نص کے مانند ہے۔

دوسری ترتیب: وقف کے مصالح کو ترجیح دی گئی ہے۔ مثلاً، وقف کی عمارت کی مرمت یا اس کی زمین پر تعمیر کرنا اگر اس سے وقف کی افادیت بڑھتی ہو۔

تیسری ترتیب: موقوف علیہ (وقف سے فائدہ اٹھانے والوں) کے فوائد کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ مثلاً، اگر وقف کی آمدنی کم ہو تو اسے تبدیل کرنا جائز ہے۔

یہ تینوں اصول ہر قسم کے وقف میں معتبر ہیں۔ بعض اوقات فقہاء نے عوامی مصالح کو بھی مدنظر رکھا ہے، جیسے کہ مسجد کی کچھ زمین کو راستے میں تبدیل کرنا یا راستے کو مسجد میں شامل کرنا۔

مساجد کا وقف سب سے افضل ہے، کیونکہ یہ خالصتاً اللہ کے لیے ہوتا ہے۔ اس لیے مساجد کے وقف کو دیگر اوقاف کی طرح نہیں سمجھا جا سکتا۔ اب ہم مجلسِ تحقیقاتِ شرعیہ کے پیش کردہ مسائل کو ان اصولوں کی روشنی میں دیکھیں گے۔

۱۔ مسجد کو کثیر المنزلہ عمارت میں تعمیر کرنا اور اس کے کچھ حصے کو مدرسے کے لیے استعمال کرنا:

اسلامی علوم کی تعلیم اور شرعی احکام سے آگاہ نسل کی تربیت امت کے لیے نہایت ضروری ہے۔ احادیث میں آیا ہے کہ مسجد نبوی ﷺ میں ایک مدرسہ تھا جہاں صحابہ جیسے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تعلیم حاصل کرتے تھے۔

حدیث میں آیا ہے:

جو ہماری اس مسجد میں خیر سیکھنے یا سکھانے آئے، وہ اللہ کے راستے میں مجاہد کی مانند ہے (صحیح ابن حبان)۔

امام شوکانی نے لکھا:

مسجد میں تعلیم و تعلم دیگر جگہوں سے افضل ہے (نیل الاوطار)۔

امام زرکشی فرماتے ہیں: "مساجد میں حلقۂ علم، مواعظ اور ذکر کا اہتمام مستحب ہے۔ (اعلام الساجد)۔

شرعی حکم:

اگر مسجد کی عظمت اور مصلحت برقرار رہے اور نمازیوں کو تکلیف نہ ہو، تو یہ جائز ہے۔ بعض فقہاء نے احترام مسجد کے خدشے کی وجہ سے اسے ناجائز کہا ہے، لیکن آج کے دور میں ضرورت (جیسے ارتداد اور فساد کا پھیلاؤ) کو ترجیح دی جائے گی۔ بہتر یہ ہے کہ پرانی مسجد کو نماز کے لیے رکھا جائے اور نئی توسیع شدہ جگہ کو مدرسے کے لیے استعمال کیا جائے۔

۲۔ مساجد کو تجارتی مقاصد کے لیے استعمال کرنا:

مساجد صرف عبادت کے لیے ہیں، خرید و فروخت یا دیگر تجارتی معاملات جائز نہیں۔

حدیث: جو مسجد میں خرید و فروخت کرے، اس سے کہو: اللہ تیرا کاروبار نہ بڑھائے۔ (ترمذی)۔

فقہاء کی رائے:

ابو اللیث:

مسجد کو رہائش یا تجارتی مقاصد کے لیے استعمال کرنا جائز نہیں۔ (الاسعاف)۔

ابن مازہ:

مسجد کے احاطے میں دکانیں بنانا ممنوع ہے (المحیط البرہانی)۔

ابن قدامہ:

مسجد کو دکان یا پانی کے ذخیرے میں تبدیل کرنا درست نہیں۔ (المغنی)۔

شرعی حکم:

مسجد کی حرمت اور واقف کے مقصد کے خلاف ہونے کی وجہ سے یہ ناجائز ہے۔ اگر مسجد کے لیے فنڈز کی ضرورت ہو تو الگ سے جگہ خرید کر اسے مستغل بنایا جائے۔

۳۔ پرانی مسجد کو پارکنگ میں تبدیل کرنا اور اس کے اوپر نئی مسجد بنانا:

ضرورت کے تحت یہ جائز ہے، کیونکہ فقہاء نے رحبہ (کھلی جگہ) کو مسجد اور مسجد کو رحبہ میں تبدیل کرنے کی اجازت دی ہے۔

ردالمحتار:

اگر اکثر اور معتبر لوگ مسجد کو رحبہ بنانے پر متفق ہوں تو اقلیت انہیں روک نہیں سکتی۔

مجمع الانہر:

اگر مسجد تنگ ہو اور اس کے پاس عوامی راستہ ہو تو اسے وسیع کیا جا سکتا ہے۔

آج کے دور میں:

حکومتی قوانین کے تحت پارکنگ کی جگہ مخصوص کرنا ضروری ہوتا ہے، لہٰذا اگر مسجد کی جگہ کو پارکنگ میں تبدیل کرنا مصلحتِ عامہ کے تحت ہو تو یہ جائز ہے۔

۴۔مسجد کی زمین پر مکتب (مدرسہ) قائم کرنا:

بعض فقہاء نے بچوں کے شور وغل کی وجہ سے اسے مکروہ کہا ہے، لیکن ضرورت (جیسے دینی تعلیم کی اہمیت اور جگہ کی کمی) کی وجہ سے یہ جائز ہے۔

ابن عابدین: مسجد میں بچوں کو پڑھانے میں کوئی حرج نہیں. (خلاصہ)۔

بہتر یہ ہے کہ:

بچوں کی کلاسز مسجد سے الگ ہوں۔

بالغ لڑکیوں کے لیے الگ جگہ ہو۔

۵۔کسی عمارت یا فلیٹ کے درمیان میں مسجد بنانا

شرائط:

۱۔جگہ مسلمانوں کی ملکیت ہو اور اسے مستقل مسجد بنایا جا سکے۔

۲۔داخلہ کا راستہ عام ہو، کسی کو روکنے کا حق نہ ہو۔

۳۔مسلمانوں کی شدید ضرورت ہو۔

۴۔قریب میں کوئی اور مسجد نہ ہو۔

۵۔اگر یہ شرائط پوری نہ ہوں تو اسے مصلیٰ (عارضی نماز گاہ) بنایا جائے، مسجد نہیں۔

۶۔وقف کی زمین کو تبدیل کرنا:

اصل اصول: وقف کو بیچنا یا تبدیل کرنا جائز نہیں، البتہ اگر آمدنی اتنی کم ہو کہ مسجد کے اخراجات پورے نہ ہوں تو تبدیل کرنا جائز ہے۔

فتح القدیر: اگر زمین کی آمدنی کم ہو اور دوسری زمین زیادہ نفع دے تو اسے تبدیل کیا جا سکتا ہے۔

ابن قدامہ:

وقف کو صرف ضرورت کی صورت میں بیچا جا سکتا ہے (المغني)۔

۷۔ مسجد کے وقف کو مدرسے کے لیے استعمال کرنا:

اگر مسجد کو اس کی ضرورت نہ ہو تو وقف کو مدرسے کے لیے استعمال کرنا جائز ہے، کیونکہ تعلیم بھی مسجد کا ایک مقصد ہے۔

حدیث: اگر تم کسی کو جہاد کے لیے وقف شدہ اونٹ پر حج کراؤ تو یہ بھی اللہ کے راستے میں شمار ہوگا (ابوداؤد)۔

شرعی حکم:

جب تک مسجد کو ضرورت نہ ہو، وقف کی زمین کو مدرسے کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے، لیکن اگر مستقبل میں مسجد کو ضرورت ہو تو مدرسہ ہٹا کر مسجد تعمیر کی جائے۔

واللہ اعلم بالصواب